دلہن نمبر

گھر کے ہر فرد کے لیے

ماہنامہ پاکیزہ کراچی

ستمبر 2015

نگران اعلیٰ
معراج رسول

ماہنامہ

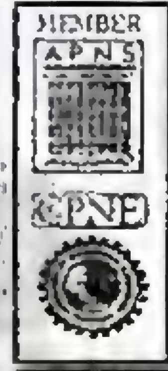
پاکیزہ
کراچی

نگرانِ اعلیٰ: معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول

مدیرہ: انجم انصار

معاون: آمنہ حماد





ماڈل: نیناں بتول
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر: موسیٰ رضا

شعبہ اشتہارات

منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789

نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391

رانا اے حمید 0323-2895528

نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400

قیمت فی پرچا (پاکستان) 60 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زرِ سالانہ (اندرونِ ملک) 00 روپے جلد: 43 شمارہ: 06 2015ء



www.Paksociety.com

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ھاکی اسٹیڈیم کراچی

مستقل عنوانات



Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com



آپ نے اکثر ایسی باتیں ضرور سنی ہوں گی ...... ہم تو نہ کسی کے اچھے میں ہیں اور نہ کسی کے برے میں، اپنے حال میں مست رہتے ہیں ...... اور دوستی یاری میں اپنا وقت کبھی برباد نہیں کرتے ...... اور اکیلے رہ کر جو ہمیں سکون ملتا ہے وہ لوگوں سے مل کر کبھی نہیں ملا کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کی رفاقت کا طلب گار نہ ہونا ایک غیر صحت مندانہ علامت ہے۔ عمرانیات کے ماہرین نے بارہا یہ ثابت کیا ہے کہ ہمارے اندر جانوروں کے ریوڑ جیسی جبلتیں پائی جاتی ہیں ...... ہم لوگوں کے ساتھ رہ کر جتنی خوشی اور طمانیت حاصل کرتے ہیں اتنے الگ تھلگ رہ کر کبھی نہیں حاصل کر سکتے۔ چند محققین نے یہ بھی پتا لگایا ہے کہ انتہائی درجے کی تنہائی پسندی ہمارے ہارمونز کی صفات میں تبدیلی پیدا کرتی ہے جو ہذیانی کیفیت کا موجب بھی ہو سکتی ہے۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق ...... تنہائی پسندی منشیات کا عادی بننے اور تشدد کی طرف راغب ہونے کے امکانات میں اضافہ کرتی ہے۔ ایک بھرپور متحرک زندگی یکایک ہی شروع نہیں ہوتی بلکہ تمام دوسری چیزوں کی طرح آپ کو اپنی سماجی زندگی کی بھی موثر دیکھ بھال کرنا پڑتی ہے اور پہلے سے منصوبہ بندی بھی۔ کم سے کم تنہائی پسند رہنے کے لیے آپ کو ایسے طریقوں اور منصوبوں پر مسلسل عمل کرنا ہوگا جو آہستہ آہستہ آپ کو تنہائی کے اس خول سے باہر نکالے۔ ہمیشہ یاد رکھیے ...... کہ دوستی بنانے اور اسے قائم رکھنے کے لیے مسلسل عمل کی ضرورت ہے۔ بچوں کی طرح محض خاموشی سے بیٹھے رہنا اور دوسروں کی توجہ اور دیکھ بھال کی توقع کرنا فضول ہے۔ تو آیئے آج آپ اپنے آپ سے عہد کریں کہ اپنے دوستوں کے پاس نہ صرف باقاعدگی سے جائیں گے بلکہ ان کو بھی اپنے گھر مدعو کریں گے کہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہم اس طور پر بھی حاصل کیا کرتے ہیں کہ پُرخلوص دوست نہ صرف ہماری زندگی میں خوشی لاتے ہیں بلکہ یہ ہمارے دکھوں کے لیے مرہم کا کام بھی کرتے ہیں۔ جی ہاں ......!

مدیرہ

انجم انصار

یہ (طریقہ) اس سے زیادہ قریب ہے کہ شہادت کو اس کی (اصلی) حالت پر ادا کریں یا اس کی بات سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد (اور لوگوں کی) قسمیں رد کر دی جائیں گی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام کو) سنو اور (سمجھ لو کہ) اللہ فاسق لوگوں کو راہ (راست) پر نہیں لاتا (۱۰۸) (یاد کرو) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا اور (ان سے) پوچھے گا کہ تمہیں (تبلیغ احکام کا تمہاری قوم کی طرف سے) کیا جواب دیا گیا وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک تو ہی ہے چھپی باتوں کا جاننے والا (۱۰۹) (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ ابن مریم میرا احسان (جو) تم پر اور تمہاری والدہ پر (ہے) یاد کرو جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی تم ہنڈولہ (گہوارہ) میں لوگوں سے باتیں کرنے لگے اور بڑھاپے میں (بھی لوگوں سے بات کرو گے) اور جب ہم نے تمہیں کتاب (الہیٰ) یعنی توریت اور انجیل اور حکمت تعلیم فرمائی اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرند کی جیسی شکل بناتے تھے پھر اس میں پھونکتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرند ہو جاتا تھا اور تم میرے حکم سے اندھے اور جزامی کو اچھا کر دیتے تھے اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو (زندہ کر کے قبر سے) نکال لیتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم (پر قابو پانے) سے روک دیا جب تم ان کے پاس معجزے لائے اور جو لوگ ان میں سے کافر تھے انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے (۱۰۰)



(سورۂ مائدہ آیت نمبر ۱۰۸ تا ۱۰۰)



سیدنا محمود ﷺ

سوال اٹھتا ہے کہ بندے کا انجام کیسا ہے؟ اللہ کا پیغمبر فلسفیوں کی طرح فائدے اور گھاٹے، اچھائی و برائی، نیکی و بدی کے کھاتے کھول کر نہیں بیٹھ جاتا۔ وہ سیدھی بات سکھاتا ہے پھر اگر تمہاری بھلائیوں کا وزن میزان خداوندی پر نکل آیا تو تم پاس ہو گئے۔ فوز و فلاح پا گئے۔ حیات بعد حیات میں آگے بڑھنے کے لائق ہو گئے آپ ﷺ جو تعلیم پیش کرتے ہیں اس میں دنیا اور آخرت کی تمام خوشگواریاں شامل ہیں۔ رنگ، خوشبو، خوشحالی، بہتی ہوئی شفاف نہریں، قدرت اور انسان کی تمام حسن کاریاں، سہانے موسم، لذیذ غذائیں، صفائی ستھرائی، پاک فطرت حسین ساتھی، سجتے ہوئے لباس، امن و سکون سلام ہی سلام، نہ کوئی ڈر نہ کوئی خوف۔

(تھامس کارلائل، ہیرو اینڈ ہیروز ورشپ)

۲۔ (سراہے گئے..... تعریف کیے گئے)

بہت بڑا مفکر، بلند پایہ خطیب، پیغامبر، مقنن، سپہ سالار، تصورات واعتقادات کا فاتح، صحیح نظریہ حیات کو علی وجہ البصیرت قائم کرنے کا ذمے دار اس نظام کا بانی جس میں باطل خدا ذہنوں تک کی دنیا میں جگہ نہ پا سکیں۔ بیس دنیاوی سلطنتوں کا بانی اور ایک روحانی سلطنت کا بانی۔

یہ ہے محمد ﷺ..... ان تمام معیاروں و پیمانوں کو اپنے ساتھ لے آؤ۔ جس سے انسانی عظمت و بلندی کو ناپا جا سکتا ہے اور اس کے بعد ہمارے اس سوال کا جواب دو کہ کیا دنیا میں اس سے بڑا انسان بھی کوئی ہوا ہے؟

(القونس الامارتین) قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماالنبی ﷺ سے اقتباس



قسط: 3

آخری امید

قیصرہ حیات

مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تُو جاوداں تُو ہے

ایک ایسی لڑکی کی کہانی . . . جو حق کی جستجو میں اپنے سفر کا آغاز کرتی ہے اور اس ابدی، لافانی حقیقت کو پالینے کے اس سفر میں اسے جن مسائل، جن شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہماری مصنفہ نے اپنے ماہرانہ قلم سے اسے بہت خوب صورت اور پُراثر انداز میں اُجاگر کیا ہے۔

اس کہانی کی اشاعت نوجوان نسل کی اسلام کے بارے میں معلومات مطالعے اور علم کو مزید وسعت دے گی۔

مایہ ناز مصنفہ کے منفرد انداز بیاں کا
ایک اور شاہکار



کیتھی، عبدالرحمن کے واپس چلے جانے سے بہت اپ سیٹ تھی، وہ ایک ہنرمند اور باصلاحیت نوجوان تھا جو محض جوائے کے رویّے سے دلبرداشتہ ہو گیا تھا۔ کیتھی نے ایک دو بار جوائے سے بلاواسطہ انداز میں اس کا ذکر کیا تو وہ بھڑک اٹھا۔

''وہ ضرور کسی اور وجہ سے گیا ہے...... مگر تم پر ظاہر نہیں کیا...... میں نے کہا ناں کہ مسلمز بہت hypocrite اور عجیب قسم کے لوگ ہوتے ہیں...... اوپر سے کچھ اور دکھائی دیتے ہیں اور اندر سے کچھ اور...... تم بے وقوف ہو جو اُن پر یقین کرتی ہو...... میں ہرگز نہیں کرتا کیونکہ میں ان کی اصلیت سے واقف ہوں۔'' جوائے نے نہایت خفگی سے کہا۔

''تمہیں کیسے ان کی اصلیت کا پتا چل جاتا ہے؟'' کیتھی نے معصومیت سے پوچھا تو جوائے ایک دم ہڑبڑا گیا۔

''بس میں انہیں دیکھ کر ہی سمجھ جاتا ہوں کہ اندر سے یہ لوگ کیسے ہیں۔'' جوائے نے جان بوجھ کر بڑ ہانکی۔

''رئیلی......؟'' کیتھی نے حیرت سے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... اگر تم کہو تو میں تمہارے بارے میں بھی بتا دوں......؟'' جوائے نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں کہا۔

''کیا......؟'' کیتھی نے چونک کر پوچھا۔

''یہی کہ تم ایک بہت پیار کرنے والی اور بہت حساس لڑکی ہو...... ہر ایک سے خواہ مخواہ میں بہت پیار کرنے لگتی ہو۔ اس لیے تھوڑی سی بے وقوف بھی ہو...... لیکن تم ہو سینس ایبل...... اس لیے کہ تم صرف جوائے سے محبت کرتی ہو...... اور وہ محبت تمہاری آنکھوں میں صاف دکھائی دیتی ہے۔'' جوائے نے شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو کیتھی نے اپنی مسکراہٹ چھپا کر مصنوعی خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''بالکل غلط...... میں تم سے محبت نہیں کرتی......'' کیتھی نے منہ بنا کر کہا اور اٹھ کر وہاں سے جانے لگی تو جوائے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکنا چاہا۔

''کیتھی...... ایک بار میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کہ تم واقعی مجھ سے محبت نہیں کرتیں......'' جوائے نے قدرے جذباتی انداز میں کہا تو اس نے ایک ٹک اس کی طرف دیکھا مگر پھر جلدی سے نظریں پھیر لیں۔

''ہاں...... میں تم سے محبت نہیں کرتی......'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا تو جوائے اس کے قریب آ گیا اور اس کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر محبت سے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے بولا۔

''کیا واقعی تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟'' جوائے نے اس کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ ایک دم گھبرا کر خاموش ہو گئی۔ جوائے نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"I love you too much" جوائے محبت بھرے لہجے میں بولا تو کیتھی نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اس کے سینے سے لگا لیا اور دونوں محبت بھرے لہجے میں باتیں کرنے لگے۔

''کیتھی...... ہم کب شادی کریں گے؟'' جوائے نے محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''شادی......؟'' کیتھی ایک دم چونک کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

''ہاں...... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں...... اور میرا خیال ہے مام بھی تمہیں پسند کرتی ہیں...... اور تم بھی مجھے...... پھر کس بات کا انتظار ہے؟'' جوائے نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں...... جوائے ابھی ہماری اسٹڈیز کمپلیٹ نہیں ہوئیں...... اور ابھی میں ایک بہت اہم کام کر رہی ہوں۔ پہلے مجھے وہ کمپلیٹ کرنا ہے...... پھر کچھ اور......'' کیتھی نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اسے بتایا۔

''کیسا کام......؟'' جوائے نے چونک کر پوچھا۔

''ابھی نہیں بتاؤں گی...... کمپلیٹ کرنے کے بعد بتاؤں گی۔ ابھی میں بہت بزی ہوں، اس کام کے بعد میں تم سے شادی کروں گی۔'' کیتھی نے مسکرا کر کہا۔

''اوکے...... ایز یو وش...... لیکن شادی تمہیں مجھ سے ہی کرنی ہے۔'' جوائے قدرے پوزیسو انداز میں بولا تو کیتھی اسے دیکھ کر مسکرانے لگی اور محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو وہ بھی مسکرانے لگا۔



کیتھی لائبریری میں بیٹھی ایک بک پڑھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات نمایاں ہو رہے تھے۔

جین مت جو...... 540 قبل مسیح انڈیا میں شروع ہوا۔ وہ ہندوؤں کے دیوتا برہما یا ایشور کو نہیں مانتا بلکہ اس کے نزدیک دیوی اور دیوتا اور ہیں جو خدا کا مظہر ہیں...... انسان، دیوی، دیوتا، خدا اور دوسرے جاندار ایک مربوط پیچیدہ نظام میں مل کر کائنات تخلیق کرتے ہیں۔ اس میں بھی خدا کا کوئی واضح تصور موجود نہیں تھا بلکہ ہندومت کی طرح یہ بھی کافی کنفیوزنگ تھا...... وہ مضطرب ہونے لگی۔ اس کے بعد اس نے کنفیوشسزم کے بارے میں پڑھا جو چائنا میں 479,551 قبل مسیح میں پنپا مگر اس میں بھی خدا کا کوئی واضح تصور نہیں تھا۔ صرف اخلاقیات پر زور دیا جاتا ہے۔ اس نے بھی اسے کوئی خاص متاثر نہیں کیا کیونکہ (گاڈ) خدا کے واضح وجود کے بغیر صرف اخلاقیات کیسے انسان کے لیے فائدہ مند ہو سکتی ہیں پھر اس نے بدھ ازم کے بارے میں تفصیل سے پڑھا جو اس وقت دنیا کا چوتھا بڑا مذہب ہے اور دنیا میں اس کے پیروکار 7.1 فیصد سے زائد موجود ہیں جس نے 520 قبل مسیح میں شمال مشرقی انڈیا میں فروغ پایا...... اس کا فلسفہ انتہائی پیچیدہ تھا، جو انسان کے اندر یعنی اس کی روح اور اس کے باطن کی بہتری کی تعلیم دیتا ہے جو ظاہری طور پر بہت عظیم دکھائی دیتا ہے مگر اس کی انتہائی پیچیدہ دنیا میں بھی خدا موجود نہیں اس میں مذہب کے metaphysical (مابعد الطبیعاتی) پہلو موجود ہی نہیں۔ اسے یہ سب پڑھ کر بہت عجیب سا لگا کہ اس مذہب میں انسانی خواہشات کو ہر ممکن طریقے سے ختم کرنے پر زور دیا گیا ہے تاکہ خواہشات ختم کر کے وہ نروان (نجات) حاصل کر لے...... اور نروان حاصل کرنے کے آٹھ اخلاقی راستے بتائے گئے ہیں...... وہ ان کو پڑھنے کے بعد بہت زیادہ کنفیوزڈ ہونے لگی...... ایسی دنیا کا تصور جس میں خاک، پانی، ہوا، آگ نہ سورج نہ چاند...... نہ آنا نہ جانا...... نہ پیدائش نہ موت...... کچھ بھی نہیں اور جو بغیر کسی حرکت یا سہارے کے موجود ہے...... یہی دکھوں کا خاتمہ یعنی نروان (نجات) ہے۔ ابدی مسرت کا راز...... ایسی پُراسرار اور مبہم دنیا تک عام انسانی ذہن کیسے رسائی پا سکتا ہے؟

''جس حقیقت کا کوئی واضح تصور ہی موجود نہیں...... اور جو انسانی ذہن کو مزید الجھا دے تو اسے سمجھے بغیر کیسے کوئی سچ مان سکتا ہے؟'' اس کا ذہن بہت منتشر ہونے لگا...... اور وہ مطالعے میں اتنا کھوئی کہ اسے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا...... اچانک اس نے اپنی گھڑی میں ٹائم دیکھا تو گھبرا کر اٹھی۔ کتاب واپس شیلف میں رکھی اور گھر کی راہ لی۔ وہ جیسے ہی ٹرین میں سوار ہوئی تو اتفاق سے ٹرین میں چار بدھ، سادھو (بھکشو) گیروا لباس پاؤں میں چپل اور گلے میں منکوں کی مالا پہنے، گنجے سر، ننگے بدن اور ہاتھوں میں کشکول پکڑے کندھوں پر تھیلے لٹکائے بیٹھے تھے۔ کیتھی انہیں دیکھ کر ایک دم چونکی اور اسے انہیں آبزرو کرنے کا موقع مل گیا۔ چاروں کسی بات پر اپنی زبان میں خوب بحث کر رہے تھے۔ وہ اونچی، اونچی باتیں کرنے لگے۔ ایک کے چہرے پر انتہائی غصے کے تاثرات تھے۔ وہ باقی تینوں کو غصے سے گھور رہا تھا، اچانک ایک نے کچھ کہا تو اس نے غصے سے اٹھ کر اپنے ہاتھ سے اس کے گلے کو دبوچنا چاہا، غصے سے اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ باقی دو کھڑے ہو گئے

اورانہوں نے ان دونوں کو بہ مشکل چھڑایا اور انہیں واپس بٹھایا۔ ان میں سے بوڑھے بھکشو نے غصے سے دونوں کی طرف دیکھا اور انہیں کچھ کہا تو دونوں نے اپنے، اپنے تھیلوں میں سے مختلف کرنسی نوٹ اور کچھ سکے نکال کر بوڑھے کے سامنے رکھے۔ بوڑھے نے انہیں گنا اور تیسرے سے بھی کچھ کہا۔ اس نے بھی اپنے تھیلے سے کرنسی نکال کر اسے پکڑائی، بوڑھے نے سب کو گن کر تینوں میں بانٹے اور باقی اپنے تھیلے میں ڈال لیے۔ پہلے کو پھر غصہ آیا اور اس نے پیسے بوڑھے کے سامنے پھینکے اور غصے سے کچھ بولنے لگا۔ ٹرین ایک اسٹاپ پر رکی تو وہ غصے سے بولتا ہوا نیچے اتر گیا۔ بوڑھا آنکھیں نکال، نکال کر اسے ڈانٹنے لگا اور تینوں کی طرف دیکھنے لگا۔ تینوں بھی... بڑبڑاتے ہوئے نیچے اتر گئے۔ کیتھی حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔ اسے سمجھ آگیا تھا کہ ان سب کا جھگڑا پیسوں پر ہو رہا تھا اور وہ... ابھی ابھی پڑھ کر آئی تھی کہ ان بھکشوؤں کی بنیادی تعلیم ہر قسم کی مادی خواہشات کو اپنے اندر سے ختم کرنے سے شروع ہوتی ہے تو اس مذہب کے مذہبی رہنما ہی پیسے پر جھگڑ رہے تھے۔ اسے بہت عجیب سا لگا کہ جس مذہب کے followers اپنے مذہب کی بنیادی تعلیمات پر عمل نہیں کر سکتے۔ وہ کیسے دوسروں کو گائڈ کر سکتے ہیں؟ اپنی انہی سوچوں میں گم وہ گھر پہنچی تو مسز ولسن قدرے پریشان ہو کر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

''آج تم اتنی لیٹ کیوں ہو گئی ہو؟'' مسز ولسن نے حیرت سے پوچھا اور وہ انہیں ساری باتیں بتانے لگی۔ اسے بھی عادت سی ہو گئی تھی کہ وہ جب بھی لائبریری سے کچھ نیا پڑھ کر آتی تو مسز ولسن سے ضرور ڈسکس کرتی اور مسز ولسن اسے گائڈ کرتیں کیونکہ مسز ولسن کی نالج اور تجربہ اس سے بہت زیادہ تھا اور کیتھی کو ان کی جو بات زیادہ متاثر کرتی وہ ان کا نیوٹرل یعنی غیر جانبدار رویہ تھا۔ وہ کسی بھی religion کو فیور نہ کرتیں اگر کسی کی کوئی بات اچھی لگتی تو اسے appreciate ضرور کرتیں۔ وہ محض تنقید برائے تنقید نہیں کرتی تھیں۔ مسز ولسن نے اس کی بات توجہ سے سنی...... کیتھی بہت جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھی۔

''تم پہلے جا کر فریش ہو جاؤ...... میں ٹیبل پر کھانا لگاتی ہوں، کھانا کھا کر بات کریں گے...... جاؤ ریلیکس ہو جاؤ۔'' مسز ولسن نے مسکرا کر کہا تو کیتھی بوجھل انداز میں اپنا بیگ اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور فریش ہونے کے بعد کھانا کھانے لگی۔ کھانا کھاتے ہوئے مسز ولسن اس سے باتیں کرنے لگیں۔

''اچھا تو تمہیں کیا بات زیادہ کنفیوز کر رہی ہے؟'' مسز ولسن نے مسکرا کر پوچھا۔

''اس پورے religion میں گاڈ کا کوئی کانسپٹ کلیئر نہیں...... ہندوؤں نے تو اپنے بنائے ہوئے بتوں کو خدا مانا اور بدھوؤں نے کسی کو بھی نہیں...... اٹس امیزنگ......'' کیتھی نے جھنجلا کر کہا کیونکہ اس کی سمجھ میں تو یہی آیا تھا اب وہ ان مذاہب کے کسی رہنما سے ملتی تو ضرور بحث کرتی۔

''ان فیکٹ گوتم بدھ introvert قسم کے انسان تھے۔ انہوں نے خدا کو پانے کی بہت کوشش کی...... اپنا محل اور آسائشیں چھوڑ کر خدا کی تلاش میں جنگلوں میں چلے گئے اور بہت زیادہ عبادت اور ریاضت کی۔ مسلسل چھ ماہ تک روزے رکھے...... کچھ کھایا نہ پیا مگر پھر بھی انہیں خدا کا واضح تصور نہ ملا...... صرف انہیں نروان جیسی ایک کیفیت کا الہام ہوا کہ انسان اس میں جا کر سکون پا سکتا ہے۔ لیکن وہ خدا کے اصل اور حقیقی تصور تک نہیں پہنچ سکے۔'' مسز ولسن نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''کیوں وہ خدا کے حقیقی تصور تک نہیں پہنچ سکے جبکہ ان کے اندر خدا کو پانے کی سچی لگن بھی تھی؟'' کیتھی نے حیرت سے کہا۔

''خدا نے اپنے آپ کو پانے کی جستجو تو شروع سے ہی انسان کے اندر رکھی تھی مگر اپنی ہستی کے بارے میں کوئی واضح تصور نہیں دیا تھا۔ اس لیے ان مذاہب کے رہنما اپنی، اپنی سوچوں کے گھوڑے دوڑاتے رہے اور

جس، جس کو کوئی قابلِ ذکر نقطہ نظر آیا اس نے اسی کو بنیاد بنا کر اسی کی تبلیغ شروع کر دی اور جو لوگ ان کی تعلیمات سے متاثر ہو کر ان کے حلقے میں شامل ہو گئے وہ ان کے پیروکار بن گئے۔ اب دیکھو ناں بدھ مت میں خدا کا کوئی واضح تصور نہیں جبکہ زرتشت میں دو خداؤں کا تصور موجود ہے۔'' مسز ولسن نے کہا تو وہ حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''دو خدا..... کیا مطلب.....؟'' کیتھی نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

''ہاں..... نیکی کا خدا اہورا مزدا..... اور بدی کا خدا اہرمن..... اہورا مزدا تینوں زمانوں ماضی، حال اور مستقبل سے باخبر ہے جبکہ اہرمن صرف ماضی کا علم رکھتا ہے۔ اہورا مزدا نے انسان کو اپنے ارادے میں مکمل آزاد چھوڑ دیا ہے چاہے وہ اہرمن کا ساتھ دے کر گنہگار بن جائے یا پھر اہورا مزدا کی جماعت میں شامل ہو کر نیکوکار بن جائے۔'' مسز ولسن نے گہری سانس لے کر بتایا۔

''اٹس امیزنگ..... مسز ولسن..... کسی مذہب میں خدا ہے..... کسی میں نہیں اور کسی میں دو، دو ویری کنفیوزنگ.....'' کیتھی قدرے جھنجلا کر بولی۔

''ہاں..... یہ اس لیے ہے کہ ان مذہبی رہنماؤں نے اپنی، اپنی سوچ کے مطابق خداؤں کا تصور دیا..... اور خدا تک پہنچنے کی کوشش کی اور ایسے مذاہب ہندومت، جین مت، بدھ مت، کنفیوشسزم، زرتشت تاؤ ازم وغیرہ، وغیرہ..... زیادہ تر ایشیا میں ہوئے ہیں۔'' مسز ولسن نے بتایا اور نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے لگی۔ وہ باتیں کرنے کے ساتھ، ساتھ کھانا کھا چکی تھیں۔

''کیا مطلب! ان میں سے کسی کو بھی خدا نے اپنا واضح تصور نہیں دیا؟'' کیتھی نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں، صرف دنیا کے تین مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ intuitive مذاہب ہیں۔'' مسز ولسن نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''intuitive میں سمجھی نہیں.....؟'' کیتھی نے حیرت سے پوچھا۔ اس کا کھانا ابھی باقی تھا۔

''دنیا میں دو طرح کے مذاہب ہیں۔ intuitive (الہامی) non intuitive (غیر الہامی) intuitive ان مذاہب میں خدا نے اپنے خاص بندوں یعنی prophets کو اپنا میسنجر بنایا اور انہیں اپنے فرشتوں (angels) کے ذریعے پیغامات بھیجے..... جیسے یہ سلسلہ ایک میسنجر (حضرت آدمؑ) سے شروع ہوا اور بہت سے ان کے جیسے میسنجر دنیا میں بھیجے گئے۔ جنہوں نے صرف ایک خدا کے بارے میں تصور دیا انہیں صحیفے پڑھنے کو ملے لیکن جہاں تک میں نے معلومات حاصل کی ہیں اس کے مطابق پہلا الہامی مذہب judaism (یہودیت) ہے۔ جس میں moses (حضرت موسیٰ) کو mount sinai (کوہِ سینا) پر توریت (یہودیوں کی مقدس کتاب) دی گئی۔ جس میں خدا کے بارے میں واضح تصور اور دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے اصول اور قوانین یعنی باقاعدہ rules شریعت دی گئی۔ یہ مذاہب زیادہ تر فلسطین، اسرائیل اور عرب کے علاقوں میں پروان چڑھے..... اور non intuitive زیادہ تر ایشیا اور اس سے ملحقہ علاقوں میں فروغ پائے۔'' مسز ولسن اسے تفصیل سے بتا رہی تھیں اور کیتھی انتہائی توجہ سے سنتی رہی۔ اس کے ساتھ، ساتھ مسز ولسن نے اسے پہلے اپنا کھانا ختم کرنے کو کہا۔ اب وہ دونوں مزید گفتگو کرنے کے لیے کافی کے مگ تھامے بیٹھی تھیں۔ کیتھی کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یونہی انہیں سنتی رہے۔

''اچھا، اس کا مطلب ہے judaism ہی پہلا religion ہے۔ جس نے انسان کو خدا کا واضح تصور دیا ہے؟'' کیتھی نے قدرے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں ..... لیکن افسوس ہے کہ اس وقت top seven مذاہب میں یہ چھٹے نمبر پر ہے اور اس کے follower پوری دنیا میں شاید 22 فیصد ہیں اور یہ نمبر کم ہوتا جارہا ہے۔'' مسز ولسن نے کہا۔ وہ اپنی معلومات کے متعلق بات کررہی تھیں۔

''کیوں ......؟'' کیتھی نے حیرت سے پوچھا۔

''اس کا ریزن تم خود تلاش کرو ......'' مسز ولسن اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں اور کیتھی حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے ...... مسز ولسن آپ خاموش کیوں ہوگئیں۔ کیا آپ judaism کو ٹھیک نہیں سمجھتیں؟'' کیتھی نے حیرت سے پوچھا۔

''میں فی الحال تم پر اپنی کوئی رائے امپوز نہیں کرنا چاہتی۔ تم نے جو راستہ منتخب کرنا ہے اس کا فیصلہ تمہاری اپنی judgement پر ہوگا، میں اپنی معلومات کے مطابق تمہیں بتارہی ہوں۔ میری پسند یا ناپسند تمہارے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہونی چاہیے۔ تمہارے لیے یہ فیصلہ بہت اہم ہے کیونکہ تم نے اپنی باقی کی زندگی اسی فیصلے کے مطابق گزارنی ہے اور ویسے بھی سچے اور اصل خدا کو پانا آسان کام نہیں۔'' مسز ولسن نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''مسز ولسن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ بھی religions پر کافی ریسرچ کرچکی ہیں؟'' کیتھی نے متجسس ہوکر پوچھا۔

''ہاں ...... میں اسکول میں ہسٹری پڑھاتی تھی تو مجھے ٹیچنگ کے دوران ان سب religions کے بارے میں جاننے کا تجسس پیدا ہوا اور میں نے بہت پڑھا ...... اور انجوائے بھی کیا۔'' مسز ولسن نے مسکرا کر بتایا۔

''کیا ...... صرف پڑھا اور انجوائے کیا ...... کیا آپ نے حقیقی اور سچے خدا کے تصور کو نہیں پایا ......؟'' کیتھی نے چونک کر پوچھا۔

''پالیا ہے ...... مگر ابھی کچھ عیاں کرنا میرے لیے کافی مشکل ہے۔'' انہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''کیوں ......؟'' کیتھی نے شدید حیرت سے پوچھا۔

اس دوران مسٹر ولسن نے زور، زور سے کھانسنا شروع کردیا تو مسز ولسن گھبرا کر ان کے کمرے میں چلی گئیں اور کیتھی حیرت سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

جوائے اور کیتھی دونوں ایک بہت بڑے بک سینٹر میں ریکس میں رکھی بکس اور میگزینز دیکھ رہے تھے۔ ایک کارنر میں تمام religions کی کتابیں رکھی تھیں کیتھی ان کو اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اسے ان میں یہودیوں کی مقدس کتابیں torah (توریت) اور تالمود (talmud) دکھائی دیں۔ اب چونکہ اسے ان کتابوں کی اسٹڈی اور ریسرچ کرنا تھی اس لیے وہ قدرے دلچسپی سے انہیں کھول کر دیکھنے لگی کہ اچانک جوائے اس کے قریب آگیا اور اس کے ہاتھ سے torah پکڑ کر دیکھنے لگا۔

''اوہ ...... تو کیا تم بھی judaism میں انٹرسٹ لے رہی ہو؟'' جوائے نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیا مطلب ......؟ میں سمجھی نہیں ......'' کیتھی نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

''جم انکل jew ہیں اور انہوں نے مجھے یہ دونوں بکس پڑھنے کے لیے دی تھیں۔'' جوائے نے قدرے ..... بے پروائی سے کہا۔

''کیوں ......؟'' کیتھی نے قدرے حیرت سے بھویں سکوڑتے ہوئے پوچھا۔

''وہ مجھے jew بنانا چاہتے ہیں۔'' جوائے نے مسکرا کر کہا۔
''واٹ......؟'' وہ حیرت سے چلائی۔
''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟'' جوائے نے چونک کر پوچھا۔
''اوہ......کچھ نہیں......'' وہ ایک دم اپنے موڈ کو نارمل کرتے ہوئے بولی۔
''اگر تم نے یہ بکس پڑھنی ہیں تو میں تمہیں دے سکتا ہوں۔ میں نے گھر میں مام سے چھپا کر رکھی ہیں۔'' جوا... نے اسے صاف گوئی سے بتایا۔
''وہ کیوں......؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔
''جم انکل کا خیال ہے کہ میں اچانک jew بن کر مام کو سرپرائز دوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا تو کیتھی کو اس کا جواب کچھ عجیب سا لگا۔
''آئی تھنک......تمہاری مام تو zoroastrian ہیں ناں......؟''
''ہاں......لیکن وہ religion کے بارے میں بہت لبرل ہیں......مجھ پر اپنی مرضی امپوز نہیں کرتیں۔ میں ج... religion بھی اڈاپٹ کروں گا وہ اسے قبول کریں گی۔'' جوائے نے گہری سانس لیتے ہوئے بتایا۔
کیتھی نے torah اور تالمود ریکس میں واپس رکھیں اور خاموشی سے اس کے ساتھ باہر آگئی۔ جوائے نے کچ... پینٹنگ بکس اور میگزینز خریدے تھے۔
''جوائے......تم اس لیے jew بننا چاہتے ہو کہ تمہیں جم انکل نے کونس کیا ہے؟'' کیتھی نے گاڑی میں بیٹھ... ہوئے پوچھا۔
''ہاں اور ویسے بھی میں ان کے ساتھ synagogue (یہودیوں کا عبادت خانہ) گیا ہوں۔ ان کی preaching (تعلیمات) بھی سنی ہیں۔ آئی تھنک اٹس اے گڈ ریلیجن......'' جوائے نے قدرے بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تو کیتھی عجب انداز میں اسے دیکھنے لگی۔
''تمہیں jews کی کس بات نے سب سے زیادہ امپریس کیا ہے؟'' کیتھی نے ذرا متجسس ہو کر پوچھا۔
"jews are the spiritual sons of God" جوائے نے مسکرا کر بتایا۔
''رئیلی......؟'' کیتھی نے نہایت حیرت سے کہا۔
"yes they are the best nation of the world very sensible people" جوائے نے انتہائی تعریف کرتے ہوئے کہا تو کیتھی بھی تجسس سے مزید سننے لگی۔
''کیتھی اگر تم بھی jew ہو جاؤ تو یہ بہت اچھا ہوگا......ہسبنڈ اینڈ وائف کا same religion ہو تو لائف اچھی گزرتی ہے۔ ان کے درمیان کسی قسم کے اختلافات نہیں ہوتے۔'' جوائے نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''جوائے......میں آج کل دنیا کے تمام مذاہب پر ریسرچ کر رہی ہوں، مجھے جو ٹھیک لگے گا میں وہی اڈاپٹ کروں گی۔'' کیتھی نے کہا تو جوائے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
''کیا یہ وہی کام ہے جس میں تم بہت بزی ہو اور اسے کمپلیٹ کرنے کے بعد ہی تم شادی کرنا چاہتی ہو؟'' جوائے نے مسکرا کر پوچھا۔
''ہاں......'' کیتھی نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ اور باتیں کرتے جوائے کے ساتھ ہی اس کے گھر چلی گئی۔ پیرن ابھی تک آفس سے نہیں آئی تھی۔ کیتھی اور وہ لاؤنج میں داخل ہوئے تو جوائے تھکے ہوئے انداز میں

صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔

"کیا میں تمہارے لیے کافی لاؤں......؟" کیتھی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں...... پلیز...... سینڈوچز یا muffins بھی...... مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" جوائے نے مسکرا کر کہا تو کیتھی کچن میں چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد اس کے لیے کافی اور سینڈوچز لے کر آئی۔ جوائے نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"تھینکس...... مائی لو......" جوائے نے مسکرا کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو کیتھی بھی مسکرانے لگی اور دونوں ساتھ بیٹھ کر کافی پینے لگے۔

"کیتھی! یو آر دی بیسٹ وومن آف دس ورلڈ...... مام سے بھی زیادہ اچھی......" جوائے نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بری طرح چونکی۔

"کیا مام سے بھی زیادہ......؟" کیتھی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... مام نے ایک بہت غلط کام کیا...... جس کی وجہ سے وہ مجھے اب اچھی نہیں لگتیں۔" جوائے نے قدرے خفگی سے کہا اور خاموش ہوگیا۔

"کیا غلط کام کیا......؟" کیتھی نے حیرت سے پوچھا۔

"سوری، میں تمہیں بتا نہیں سکتا...... that,s very shameful اس لیے مجھ سے مت پوچھو......" جوائے نے الجھ کر کہا اور اس کے چہرے پر افسردگی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ کیتھی کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ بات واقعی ناقابلِ برداشت ہے جسے بتاتے ہوئے جوائے بہت ڈسٹرب ہوگیا تھا۔ کیتھی نے جلدی سے بات بدلی۔

"اوکے...... تم مجھے وہ بکس دینا چاہ رہے تھے۔" کیتھی نے جلدی سے کہا۔

"اوکے...... چلو آؤ کمرے میں......" وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کیتھی ایک سائڈ پر صوفے پر بیٹھ گئی۔ جوائے نے اپنی وارڈ روب کھولی اور اس میں کپڑوں کے نیچے سے ایک باکس نکالا اور اس میں سے توریت اور تالمود نکال کر اسے دیں۔ کیتھی انہیں کھول کر دیکھنے لگی...... جوائے نے ایک دم اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم کیتھی...... تم تو کرسچن ہو...... پھر تم یہ کتابیں کیوں پڑھنا چاہتی ہو...... اور مذہب پر ریسرچ کیوں کر رہی ہو...... کیا فیوچر میں کچھ اسٹڈی کرنا چاہتی ہو...... یا پھر کسی اور مذہب میں convert ہونا چاہتی ہو؟" جوائے نے ایک دم چونک کر اس سے سوال کیا۔

"میں نے christianity چھوڑ دی ہے۔" کیتھی نے آہستہ سے جواب دیا۔

"واٹ...... لیکن کیوں......؟" جوائے نے حیرت سے پوچھا۔

"جوائے میرے خیال میں جو ریلیجن انسان کی روح کی ڈیمانڈز کو پورا نہ کرے...... وہ dissatisfaction (بے اطمینانی) پیدا کرتا ہے۔ مجھے ہر ریلیجن میں true God کی تلاش ہے جس بھی مذہب میں، میں اسے پالوں گی میں اسی کو اختیار کرلوں گی ہوسکتا ہے میں اسی مذہب میں یہ سب پالوں۔" کیتھی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تو کیا...... christianity میں تمہیں true God نہیں ملا......؟" جوائے نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں...... میں نے جب سے آنکھ کھولی ہے کرائسٹ کو ہی گاڈ سمجھتی رہی لیکن پھر پتا چلا وہ اصل گاڈ نہیں......

جبکہ بائبل کی کچھ بکس میں لکھا ہے کہ جیسز خدا کے اکلوتے بیٹے ہیں۔'' جوائے بغور اس کی باتیں سنتا رہا۔ پھر کیتھی اسے ان تمام باتوں کے متعلق تفصیل سے بتانے لگی جو اس نے ان کتابوں میں خدا کے تصور سے متعلق پڑھی تھیں۔

''میرے نزدیک تو خدا ایسا زبردست، عادل اور منصف ہونا چاہیے کہ جب اس کا محبوب انسان بھی کوئی غلطی کرے تو وہ اسے بھی نہ معاف کرے۔'' کیتھی نے قدرے جذباتی لہجے میں کہا تو جوائے چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو، جب گاڈ سپر پاور ہے تو اس کے اختیارات بھی بہت زیادہ ہونے چاہئیں اور انسانوں کو ٹریٹ کرنے کا معاملہ بھی......'' جوائے نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں......اس کی سوچ عام انسانوں کی سوچ سے بلند ہونی چاہیے اور اس کا ظرف، اختیار اور طاقت بھی دنیا کی ہر چیز اور مخلوق سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔'' کیتھی نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا ذہن آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔

''کیا اس لیے تم نے عیسائیت چھوڑ دی ہے کہ اس کا گاڈ تمہیں امپریس نہیں کر سکا؟'' جوائے نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں......اور اس لیے بھی کہ چرچ میں کنفیشن لینے والے فادر بھی تو انسان ہی ہوتے ہیں کیا ان سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتے؟ کیا خدا ان سے کچھ نہیں پوچھے گا۔ یہاں تک کہ وہ گناہگار لوگوں سے confessions بھی لے لیں......انہیں سب معاف ہے......؟ یہ کیسا خدا ہے جو کہیں اپنے معصوم بے گناہ بیٹے کو صلیب پر چڑھا کر گناہگار انسانوں کا کفارہ لیتا ہے......اور کہیں گناہگاروں سے ہر قسم کی معافی دلاتا ہے؟'' اور اس کی آنکھوں کے سامنے فادر ہینری کا چہرہ گھومنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تو جوائے اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''اونو......کیتھی......تم اتنی ایجی ہو رہی ہو......آئی ڈونٹ بلیو اٹ......'' جوائے نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''گاڈ کے اس تصور نے مجھے اندر سے توڑ کر رکھ دیا ہے اور شاید اسی وجہ سے میں سچے خدا کی تلاش میں نکلی ہوں۔'' کیتھی نے آہ بھر کر کہا۔

''کیتھی تم گاڈ کے بارے میں اتنی اوور کونشس کیوں ہو رہی ہو......؟'' جوائے نے قدرے حیرت سے پوچھا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ اس کی دلی کیفیات سے بے خبر تھا۔

''جوائے......دنیا میں انسان کا سب سے گہرا اور مضبوط تعلق اس کی اپنی روح کے ساتھ ہوتا ہے جو بظاہر دکھائی نہیں دیتی......مگر انسان کو متحرک کرنے والی صرف روح ہی ہوتی ہے اور ہر انسان کی روح اپنے خدا سے جڑی ہوتی ہے......خدا کی تلاش دراصل روح کی طلب ہے۔ جب تک اسے اپنا سچا خدا نہیں ملتا وہ بے چین اور بے قرار رہتی ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ میری روح بھی ابھی تک بے چین اور بے قرار ہے۔ اس کو قرار تب ہی ملے گا جب اسے سچا خدا مل جائے گا۔'' کیتھی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''لیکن دنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کے وجود کو سرے سے مانتے ہی نہیں۔ کیا ان کی روحوں کو گاڈ کی تلاش نہیں ہوتی؟ وہ بھی تو گاڈ کے بغیر سکون سے رہتے ہیں۔ اب دیکھو ناں میں نے بھی تو بچپن سے نہ کسی کو خدا جانا ہے اور نہ ہی مانا ہے لیکن میں پھر بھی خوش رہ رہا ہوں اور اگر میں نے jew بننے کا فیصلہ کیا ہے تو وہ ان کے گاڈ کی وجہ سے نہیں jews کی سوچ اور ان کے status سے متاثر ہو کر کیا ہے...... مجھے گاڈ کی کبھی اتنی ضرورت نہیں

رہی۔‘‘ جوائے نے گہری سانس لیتے ہوئے سنجیدگی سے بتایا تو کیتھی اس کی طرف بغور دیکھنے لگی کہ وہ اس کی بات کیوں نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

’’دنیا کے سارے انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ سچ کو سچ جان کر سچ کو قبول کرنے والے کتنے ہوتے ہیں...... اور اپنے فائدوں کے لیے سچ کو چھپانے والے کتنے ہوتے ہیں؟ اسی طرح سچ کا ساتھ دینے والے اور سچ کا مقابلہ کرنے والے کتنے ہوتے ہیں۔ یہ اپنی، اپنی سوچ اور احساس کی بات ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کو دنیا میں رشتوں کی بہت محبت اور ضرورت ہوتی ہے...... اور کچھ تنہا رہنا پسند کرتے ہیں...... تم نے گاڈ کو اس لیے محسوس نہیں کیا کیونکہ تم اسے صرف ایک ضرورت سمجھ رہے ہو جب تم اس سے کوئی رشتہ بناؤ گے تو پھر تمہیں اس کی اہمیت کا اور طرح سے اندازہ ہوگا...... یہاں بھی بات تمہاری اپنی سوچ کی ہے۔ سوچ کے جس زاویے سے تم اسے آبزرو کرو گے...... وہ تمہیں ویسا ہی بن کر ملے گا۔‘‘ کیتھی نے گہری سانس لے کر جذباتی انداز میں کہا تو جوائے حیرت سے اسے دیکھنے لگا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا...... آج کیتھی کسی قسم کی باتیں کر رہی تھی جن پر اس نے پہلے کبھی خود سے غور بھی نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

اس روز کیتھی اسے کالج میں ملی تو قدرے الجھی ہوئی اور اپ سیٹ تھی۔ اس کے چہرے پر انتہائی تھکاوٹ کے آثار تھے اور موڈ میں بھی بیزاری تھی۔ وہ جوائے کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ جوائے بھی الجھا ہوا تھا۔

’’جوائے...... میں کئی روز سے judaism کے بارے میں اسٹڈی کر رہی تھی اور رات کو یہ اسٹڈی کمپلیٹ کی ہے۔ میں jews کے بارے میں پڑھ کر بہت disappoint ہوئی ہوں۔‘‘ کیتھی نے خاصے افسردہ لہجے میں کہا تو جوائے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

’’کیوں......؟‘‘ جوائے نے پلٹ کر پوچھا۔

’’they are less in number but ruling over the world‘‘ کیتھی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

’’ہاں...... جم انکل بھی یہی کہتے ہیں کہ jews are very lucky‘‘ جوائے نے ایک دم خوش ہو کر کہا۔

’’lucky نہیں lusty‘‘ کیتھی نے منہ بنا کر جواب دیا۔

’’کیا مطلب......؟‘‘ جوائے نے حیرت سے پوچھا۔

’’پوری دنیا میں ان سے زیادہ دولت کا lusty کوئی نہیں...... ایک جگہ تو یہ لکھا ہے money is the God of jew‘‘ کیتھی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

’’ہر کسی کا کوئی نہ کوئی passion تو ہوتا ہے ناں...... ہوسکتا ہے jews کا passion...money (دولت) ہو۔‘‘ جوائے نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

’’یہ passion نہیں...... ان کی greed (لالچ) ہے ’they are moneylenders‘‘ کیتھی نے منہ بنا کر کہا۔

’’آف کورس...... وہ دنیا کے richest (امیر ترین) لوگ ہیں...... ساری دنیا کے غریبوں کو charity (خیرات) دیتے ہیں۔ لوگوں کو ان کی دولت سے جیلسی تو ہوتی ہوگی کیونکہ وہ دنیا کے سب سے زیادہ خوش قسمت لوگ ہیں۔‘‘ جوائے نے مسکرا کر کہا۔

''کیا یہ باتیں تمہیں جم انکل نے بتائی ہیں؟'' کیتھی نے پوچھا۔
''یس آف کورس......'' جوائے نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔
''جوائے اگر تم خود ان کے بارے میں اسٹڈی کرو تو تم jews کے بجائے athiest (لادین) رہنا زیادہ اچھا سمجھو گے۔'' کیتھی نے غصے سے کہا۔
''کیا مطلب تم ان کے اتنے خلاف کیوں بول رہی ہو؟'' جوائے نے چونک کر پوچھا۔
''اس لیے کہ پوری دنیا میں ان سے زیادہ طمع پرور، لالچی، سازشی اور دھوکے باز اور کوئی نہیں...... interest (سود) ان کے مذہب میں حرام ہے مگر انہوں نے یہ کہہ کر اسے اپنے لیے جائز اور حلال کر رکھا ہے کہ یہودیوں سے سود لینا حرام، غیر یہودیوں سے لینا جائز ہے اور اس کے ذریعے انہوں نے پوری دنیا کو ایسے complicated system میں انوالوڈ کر دیا ہے کہ پوری دنیا کے لوگوں کو بھکاری بنا دیا ہے۔ انہیں معاشی طور پر مفلوج کر کے انہیں اتنا غریب کر دیا ہے کہ وہ انہی کے ہاتھوں ذلیل ہو کر ان سے بھاری سود پر قرضہ لیتے ہیں اور وہ انہیں قرضے دے کر اپنی مرضی کی شرائط سے انہیں ایکسپلائٹ (ناجائز فائدہ اٹھانا) کرتے ہیں۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ دنیا میں غربت دولت، بیروزگاری اور تمام تباہیوں کے یہی ذمے دار ہیں۔'' کیتھی نے نہایت خفگی سے کہا۔
''تو بھئی وہ لوگ ان سے قرضے نہ لیں ناں......'' جوائے نے منہ بنا کر کہا۔
''یہ لوگ بہت سازشی ذہن رکھتے ہیں۔ پوری دنیا میں jews جیسا cunning مائنڈڈ کوئی نہیں...... کریڈٹ کارڈز، لیزنگ، لونز اور دوسری بے شمار اسکیموں کو وہ اتنا پُرکشش اور منافع بخش بنا کر ضرورت مند لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ کبھی لوگ اسے اسٹیٹس سمبل سمجھ کر اس میں پھنس جاتے ہیں اور کبھی انتہائی مجبور و محتاج ہو کر...... انہوں نے لوگوں کو معاشی طور پر ایسا الجھا کر رکھ دیا ہے کہ وہ کسی تعمیری اور تخلیقی کاموں کی طرف توجہ ہی نہیں دے سکیں۔ دنیا کی اکانومی پر ان کا مکمل قبضہ ہے اور جس کے ہاتھ میں دولت کے خزانے ہوں...... باقی سب تو ان کی طرف بھوکی نظروں سے ہی دیکھیں گے ناں...... وہ خوشحال ہیں اس لیے سائنس، ٹیکنالوجی، زراعت، ہر شعبے میں ترقی کر رہے ہیں...... کیا دولت کے بغیر کسی شعبے میں ترقی ہو سکتی ہے؟'' کیتھی نے گہری سانس لیتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں یو آر رائٹ...... لیکن کیتھی یہ بھی تو دیکھو ناں کہ ان کا گاڈ ان سے خوش ہے اسی لیے تو وہ ان کو اتنی دولت دے رہا ہے، اتنی کامیابیاں اور ترقی بعض اوقات پیسہ ہونے کے باوجود بھی کوئی حاصل نہیں کر سکتا......'' جوائے کی منطق ہی الگ تھی۔
''جوائے لینڈ لارڈ کا بیٹا لینڈ لارڈ ہی ہوتا ہے جب تک کہ وہ اپنے forefathers (آباؤ اجداد) کی دولت ضائع نہیں کرتا لیکن اگر لینڈ لارڈ اپنے بیٹے کو شروع سے ہی دولت کا lusty اور اسے دولت کمانے کی ترکیبیں بتاتا ہے تو وہ اپنے باپ دادا کی دولت کو اور زیادہ بڑھانے کا سوچتا ہے۔ jews میں دولت کی اتنی طمع، لالچ ہے کہ 1938ء میں جولیس اسٹریچ (julius stritch) نے بچوں کی ایک کتاب شائع کی۔ جس میں ایک بچی ماں سے پوچھتی ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ jews بہت زیادہ امیر ہیں؟'' پتا ہے اس کی ماں نے کیا کہا...... اس کی ماں نے جواب دیا کہ جب کوئی غیر یہودی بھوکا ہو...... جسے کسی یہودی نے دھوکا دیا ہو تو اسے اس پر کوئی رحم نہیں آتا اور نہ ہی اس میں وہ کوئی دلچسپی لیتا ہے...... وہ صرف اور صرف پیسے کے لیے کوششیں کرتے ہیں وہ کسی قسم کی انسلٹ اور ہوٹنگ کی بھی پروا نہیں کرتے۔ ان کا خدا صرف سونا اور پیسہ ہے، جس کو پانے کے لیے وہ ہر گناہ کرنے کو تیار ہیں۔'' کیتھی نے کہا تو جوائے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
''رئیلی...... آئی ڈونٹ بلیو اٹ......'' جوائے نے اس کی باتیں سن کر نہایت حیرت سے کہا۔

''jews are very unreliable وہ کسی مطلب کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے، اس کتاب میں ایسا ہی لکھا تھا۔ ان کی دوستیاں اور محبتیں سب کسی نہ کسی غرض کی وجہ سے ہوتی ہیں۔'' کیتھی نے کہا تو جوائے چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

''کیا سوچ رہے ہو......؟'' کیتھی نے حیرت سے پوچھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ جم انکل مجھے کسی مطلب کے لیے jew بنانا چاہتے ہیں۔'' ایک دم جوائے نے کہا تو کیتھی نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں ان کا ضرور کوئی نہ کوئی فائدہ ہوگا...... جوائے تمہیں بہت محتاط رہنا چاہیے...... اور ابھی یہ فیصلہ جلدی نہیں کرنا...... کیونکہ......'' وہ ایک دم کہتے کہتے رکی تو جوائے چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''تم رک کیوں گئیں...... کیا کہنا چاہتی ہو؟'' جوائے نے حیرت سے پوچھا۔

''جوائے...... میں نے دنیا کے بہت سے مذاہب کی اسٹڈی کی ہے اور ابھی کر بھی رہی ہوں، کسی مذہب کے پیروکاروں نے خدا کے وجود کو مانا...... کسی نے نہیں مانا...... مگر کوئی بھی خدا کے بارے میں یوں مشکوک نہیں ہوا جس طرح یہ لوگ ہوئے ہیں......'' کیتھی نے اسے بتایا۔

''کیا مطلب...... میں سمجھا نہیں؟'' جوائے نے چونک کر پوچھا۔

''ان کی ایک کتاب...... exodus میں لکھا ہے کہ...... (یعنی ان کے عقیدے کے مطابق) خدا ایک ایسی ہستی ہے جو انسان کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ سے آپے سے باہر ہو جاتا ہے پھر غصے میں آ کر ایک قوم بلکہ اس کے ساتھ چرند، پرند، ہر چیز کو بھی ہلاکت کی بھٹی میں جھونک دیتا ہے یہ فعل کر گزرنے کے بعد وہ پچھتاتا ہے اور دل گیر ہوتا ہے (نعوذ باللہ)۔'' کیتھی نے کہا تو جوائے بھی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''رئیلی......؟'' جوائے نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

''کیا تمہارا ذہن اس بات کو قبول کرتا ہے کہ گاڈ اپنے کیے پر شرمندہ بھی ہو سکتا ہے؟'' کیتھی نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... its really unbelievable، میں گاڈ کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا لیکن نہ جانے کیوں میرا ذہن بھی اسے نہیں مان رہا۔ آئی تھنک گاڈ از اے سپر پاور...... ٹاٹلے ہیومن بینگ آئی ڈونٹ نو...... کہ گاڈ کو کیسا ہونا چاہیے لیکن یہ سب بہت عجیب ہے۔'' جوائے نے قدرے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''I think God should be an omnipotent جو خدا اپنے کیے پر پریشان اور شرمندہ ہو میں اسے کبھی گاڈ نہیں سمجھ سکتی۔'' کیتھی نے خفگی سے کہا۔

''تمہارا مطلب ہے jews کا گاڈ...... ٹھیک نہیں اس لیے وہ زیادہ اسٹرانگ نہیں ہے'' جوائے نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''گاڈ ٹھیک ہوگا...... لیکن انہوں نے گاڈ کے امیج کو بھی اپنی مرضی سے مولڈ کیا ہے...... انہوں نے اپنی بکس کو اپنی مرضی کے مطابق بدل ڈالا...... اس کے احکامات کو اپنی خواہشات کے مطابق بار، بار بدلا ہے۔ گاڈ نے ان کے لیے سود کو حرام کیا اور انہوں نے اسے یوں بدلا کہ غیر یہودیوں سے سود لینا جائز ہے اپنے یہودیوں سے نہیں...... اسی طرح دوسرے مذاہب یعنی christianity میں سود لینا جائز نہیں مگر انہوں نے رومن کیتھولک چرچ کو فورس کیا کہ وہ سود کو جائز ٹھہرائیں۔ چرچ اس پر نہیں مانا تو انہوں نے دوسرے ملکوں کو اسلحہ دے کر پہلی جنگِ عظیم کروائی...... بعد

میں کیتھولک چرچ نے یہ کہہ کر ان کو سود کی اجازت دی کہ انہوں نے جانا تو دوزخ میں ہی ہے۔ چلو معیشت کو ہی اسٹرانگ کر دیں۔'' کیتھی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... اٹس امیزنگ jews تو کہتے ہیں کہ وہ گاڈ کے spiritual sons ہیں؟'' جوائے نے حیرت سے کہا۔

''کیا تم اس بات کو مان سکتے ہو؟'' کیتھی نے پوچھا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

☆☆☆

کیتھی رات کو اپنے لیپ ٹاپ پر ریسرچ کرنے میں بزی تھی کہ اچانک اسے عبدالرحمٰن کی ای میل موصول ہوئی۔ اس نے انتہائی خوش ہو کر اسے کھولا اور جلدی، جلدی پڑھنے لگی۔ عبدالرحمٰن نے اسے لکھا تھا کہ وہ واپس اپنے ملک آ کر کافی اپ سیٹ رہا لیکن پھر اس نے اپنا آرٹ اسکول چلانے کا ارادہ کیا، اسے ایک بہت اچھا ٹیچر مل گیا ہے جو امریکا سے آرٹ کی ایجوکیشن حاصل کر کے آیا ہے۔ وہ عبدالرحمٰن کے اسکول میں آرٹ ٹیچر کے طور پر جاب بھی کرتا ہے اور عبدالرحمٰن کو آرٹ کے بارے میں بہت گائڈ بھی کرتا ہے اور یہ کہ اب اس کا اسکول کافی اچھا جا رہا ہے۔ لوگ اس میں کافی دلچسپی لینا شروع ہو گئے ہیں اب وہ کافی بہتر فیل کر رہا ہے۔ وہ بہت جلد اپنی آرٹ exhibition ارینج کرنے کا بھی سوچ رہا ہے۔ اور اس نے کیتھی کا بہت شکریہ ادا کیا تھا کہ اس نے اسے بہت سپورٹ کیا تھا اور اس کی ٹینشن کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اور یہ بھی کہ وہ کیتھی کو کبھی نہیں بھول پائے گا۔ اس نے کیتھی کی بہت تعریفیں لکھی تھیں اور اسے بہت اچھی انسان کہا تھا اور اسے بہت سی وشز بھی لکھی تھیں۔ کیتھی یہ سب پڑھ کر بہت خوش ہونے لگی۔ عبدالرحمٰن نے اسے اپنا موبائل نمبر بھی بھیجا تھا۔ کیتھی نے خوش ہو کر اسی وقت اس کا موبائل نمبر ملایا۔ کافی بیلز کے بعد عبدالرحمٰن نے ہیلو کہا تو کیتھی اس کی آواز سن کر انتہائی خوشی سے چلانے لگی۔

''ہائے...... عبدالرحمٰن کیسے ہو؟ میں تمہاری میل پڑھ کر بہت ایکسائٹڈ ہو رہی ہوں اور تمہارے آرٹ اسکول کے بارے میں پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ عبدالرحمٰن آئی ایم شیور...... تم بہت زیادہ ترقی کرو گے اور تمہارا آرٹ اسکول بہت پاپولر ہوگا۔'' کیتھی نے خوش ہو کر کہا تو عبدالرحمٰن بھی خوش ہونے لگا۔

''تھینک یو وری مچ...... کیتھی تم بہت اچھی فرینڈ ہو۔'' اور دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ عبدالرحمٰن نے ایک بار بھی جوائے کا ذکر نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی شکوہ کیا تھا کہ اس کی وجہ سے اسے سب کچھ چھوڑ کر آنا پڑا۔ کیتھی اس کی اس بات سے بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی۔

عبدالرحمٰن اپنی باتوں میں بار، بار اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس نے عبداللہ کی صورت میں ایک اچھا ٹیچر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ خوش ہے۔ عبدالرحمٰن نے خوش ہو کر سب تفصیل سے اسے بتایا۔ کیتھی نے جب اسے گڈ بائے کہہ کر کال آف کی تو وہ بہت زیادہ خوش تھی کہ اب عبدالرحمٰن پہلے کی طرح ڈپریشن میں نہیں تھا اور اس نے اپنے آپ کو کافی کمپوز کر لیا تھا...... اس کی باتوں کو یاد کرتے ہوئے کیتھی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

☆☆☆

اس روز کیتھی لائبریری سے لوٹی تو بہت زیادہ ایکسائٹڈ تھی، مسز ولسن کچن میں بزی تھیں کیتھی نے بیگ لاؤنج میں رکھا اور مسز ولسن کو آوازیں دیتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ مسز ولسن بھی اسے یوں خوش دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں۔

''کیتھی...... آر یو اوکے...... آج تم اتنی ایکسائٹڈ کیوں ہو رہی ہو۔ خیریت تو ہے؟'' مسز ولسن نے قدرے حیرت سے مسکراتے ہوئے پوچھا تو خوشی سے کیتھی کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''مسز ولسن مجھے جس سے خدا کی تلاش تھی...... مجھے وہ آج مل گیا ہے۔ آج مجھے میرا خدا مل گیا ہے۔'' کیتھی نے انتہائی خوش ہو کر مسز ولسن کے گلے لگتے ہوئے کہا تو انہوں نے حیرت اور خوشی سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''رئیلی......؟'' مسز ولسن آنکھیں پھیلا کر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

''ہاں...... مسز ولسن...... میں چاہتی تھی کہ میرا خدا، میرے بالکل قریب ہو...... جو میرے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کرے...... میرے آنسوؤں میں چھپے غم کو محسوس کرے...... میری خوشی کا اسے احساس ہو...... میری ضرورتوں کو سمجھے...... میرے ساتھ سرگوشیوں میں باتیں کرے...... میرے راز و نیاز کو سنے...... جب میں کسی دکھ سے (ڈھے جاؤں) collapse ..... کر جاؤں تو وہ مجھے تسلی دے...... اور کہے کیتھی ڈونٹ وری...... آئی ایم ود یو...... اس میں اور مجھ میں اتنی گہری دوستی ہو کہ جب مجھ سے کوئی غلط کام ہو جائے تو مجھے ہر وقت یہی ڈر لگا رہے کہ میرا دوست مجھ سے ناراض ہو گیا ہے اور مجھے اسے منانے کی فکر لگی رہے اور اسے منانے کے لیے مجھے کسی فادر کے پاس نہ جانا پڑے...... کسی انسان کے سامنے کوئی کونفیشن نہ کرنا پڑے۔'' وہ کسی ٹرانس میں بولے جا رہی تھی مسز ولسن اسے سنے اور دیکھے جا رہی تھیں۔ ''میں اپنے فرینڈ کو خود منانے جاؤں اور وہ اچھے فرینڈ کی طرح میری طرف دیکھ کر ساری خفگی چھوڑ کر مسکرا دے اور پھر ہم دونوں میں پہلے سے بھی زیادہ اچھی اور گہری دوستی ہو جائے۔ وہ مجھے پوری سچائی سے معاف کر دے۔ میری غلطیوں اور گناہوں کا مجھے بار، بار طعنہ نہ دے...... جب مجھے مشورے کی ضرورت ہو تو وہ مجھے مشورہ دے۔ میرے اور اس کے درمیان کوئی تیسرا نہ آئے۔ لیکن اتنی محبت کے ساتھ، ساتھ میرے اور اس کے درمیان بہت

عقیدت، چاہت اور احترام کا رشتہ ہو...... میرے اور اس کے رشتے کی کسی کو کوئی خبر بھی نہ ہو...... وہ میرے ہر راز کو راز رکھے...... مجھے کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہونے دے۔ میری عزتِ نفس کا خیال رکھے...... اور دوسروں کے سامنے میری عزت کا بھرم رکھے...... مسز ولسن میرے دل کو...... میری روح کو جس خدا کی تلاش تھی، وہ آج مجھے مل گیا ہے۔ آج مجھے میرا گاڈ مل گیا ہے۔'' کیتھی نے پُرجوش ہو کر کہا اور خوشی سے اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اور وہ مسز ولسن کے گلے لگ کر رونے لگی۔

''تمہاری اس کیفیت کو دیکھ میں یہی کہوں گی کہ تمہیں واقعی سچا خدا مل گیا ہے۔ ایسی حالت تب ہی ہوتی ہے جب انسان کی روح مکمل طور پر اس ہستی کے آگے سرنڈر کر دیتی ہے۔ جیسے وہ حقیقت پہچانتی ہے۔ کیتھی یہی سچے خدا کی نشانی ہوتی ہے کہ اسے پا کر اس کی قربت کو محسوس کر کے انسان کا جسم اور روح جھومنے لگتے ہیں اس کے ایک، ایک رویں میں ایسی خوشی کا احساس بھر جاتا ہے کہ یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی magnet (مقناطیس) کی طرح اس نے ہر شے کو اپنے سحر میں جکڑ لیا ہو اور ہر شے اس magnet کے ساتھ چمٹ کر رقص کر رہی ہو......'' مسز ولسن بھی فرطِ جذبات سے لبریز ہو کر اپنی ہی لے میں بولتی گئیں تو کیتھی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''مسز ولسن...... کیا آپ گاڈ (اللہ) کے بارے میں جانتی ہیں؟'' کیتھی نے ایک دم حیرت سے پوچھا۔

''ہاں...... اور جب میں نے بھی پہلی بار اس کے بارے میں ریسرچ کر کے اس کی حقیقت کو پایا تھا تو یونہی خوشی سے روئی تھی۔ جس طرح تم آج خوشی سے رو رہی ہو...... اس کی حقیقت کو پانے کے بعد احساس ہوتا ہے جیسے انسان نے اس دنیا کا سب سے بڑا اور قیمتی خزانہ پا لیا ہو......'' مسز ولسن کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں۔

''لیکن آپ نے میرے سامنے تو کبھی ذکر نہیں کیا تھا؟'' کیتھی نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے تمہیں کئی بار کہا تھا کہ میں تم پر اپنی مرضی اور اپنے خیالات مسلط نہیں کرنا چاہتی۔ اللہ اور انسان کا رشتہ جہاں بہت مضبوط ہے وہاں بہت نازک بھی ہے...... انسان کے ذہن میں کہیں بھی ذرا سا شک پیدا ہو جائے تو وہ اس رشتے کی مضبوطی کو کم کرنا شروع کر دیتا ہے لیکن مجھے امید تھی کہ تم خدا کی تلاش کے جس سفر میں نکلی ہو وہ ضرور تمہیں کامیاب کرے گا...... وہ اپنی طرف آنے والوں کو کبھی مایوس نہیں لوٹاتا......'' مسز ولسن نے مسکرا کر کہا۔

''مسز ولسن...... جب میں نے اسلام کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تو میرا دل بہت زیادہ ڈر رہا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں لوگوں کے جو خیالات ہیں کہیں ان کے خدا کے بارے میں بھی کچھ ایسا نہیں لکھا ہو کہ میرا دل مایوس ہو جائے لیکن جیسے، جیسے میں نے ان کے گاڈ یعنی اللہ کے بارے میں پڑھنا شروع کیا تو میرے دل کی حالت بدلنے لگی...... ایک کتاب میں لکھا تھا......

''اس کائنات کا سب سے بڑا سچ اور ٹھوس حقیقت صرف اللہ ہے جو اپنی ذات اور صفات میں تنہا اور اکیلا ہے...... وہ اتنی بڑی طاقت ہے کہ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو وہ کر کے رہتا ہے...... اور جب نہیں چاہتا تو کسی کی بھی نہیں مانتا...... وہ اپنی مرضی اور ارادے میں بالکل خود مختار ہے۔ اسے نہ کسی کے مشورے کی ضرورت ہے نہ کسی کی رائے کی...... وہ jews کے گاڈ کی طرح اپنے کیے پر شرمندہ نہیں ہوتا...... اور کرسچنز کے گاڈ کی طرح نہیں کہ اپنے بندوں کے گناہوں کو بخشنے کے لیے اپنے بیٹے کو قربان کر دے...... اور ویسے بھی مسز ولسن جس اللہ کے پاس کائنات کے سارے خزانے ہوں اور جو زمین و آسمان کی ہر شے کا مالک ہو...... کیا اسے اولاد اور دوسرے لوگوں کی ضرورت ہوگی؟ اور وہ بھی ان لوگوں کی جنہیں اس نے خود بنایا ہے...... لوگوں نے کیسی، کیسی عجیب باتیں اپنے آپ سے گھڑ لی ہیں...... لیکن میں نے جب کتاب میں اللہ کے بارے میں پڑھا تو اس کا اتنا

واضح اور درست concept ملا کہ میرے ذہن میں کسی قسم کا شک ہی نہیں پیدا ہوا..... اور میرا ذہن اور دل ان باتوں کو فوراً مانتا چلا گیا۔'' کیتھی نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا..... تو تم نے ایسا کیا پڑھا.....؟'' مسز ولسن نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کہ اللہ کی مثال ایک نور..... ایک ایسی روشنی جیسی ہے جس سے اس پوری کائنات کا ذرہ، ذرہ..... سورج، چاند، ستارے اور ہر شے اس کے نور سے روشن ہیں اور وہی نور، اس نے انسان کے اندر بھی رکھا ہے۔ جب انسان اس نور کو پانے کی تمنا کرتا ہے تو اس کے اندر پھیلا نور اس نور کے ساتھ attached ہونے لگتا ہے اور پھر خود بخود دونوں میں ایک تعلق پیدا ہونے لگتا ہے۔ جس طرح بجلی کی تاروں کو ٹھیک جگہ یعنی سوئچ میں ڈالیں تو اس سے برقی رو گزر کر وہ تاریں کام کرتی ہیں تو اسی طرح انسان کو جب اللہ کے نور سے آشنائی حاصل ہوتی ہے تو اس کے دل و دماغ اور روح میں پھیلے نور کی اس حقیقی نور کے ساتھ تاریں جڑتی ہیں تو انسان کا دل اور دماغ اور روح ایک دم مطمئن ہونے لگتے ہیں۔ مسز ولسن..... میں نے یہ سب کچھ واقعی اپنے اندر محسوس کیا ہے۔ اسی لیے میں اس قدر خوش ہوں کہ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں نے واقعی اپنے خدا کو پا لیا ہے۔'' کیتھی نے یہ سب انتہائی خوش ہو کر کہا تو مسز ولسن مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ کیتھی نے مسلسل کئی مہینوں تک مطالعہ کیا تھا اور اس دوران عبدالرحمٰن سے بھی اس کی اس موضوع پر بڑی تفصیلی بات چیت ہوتی رہی تھی۔ کبھی کسی مسلم پروفیسر سے بھی ملتی تب بھی بلا جھجک وہ یہی باتیں کرتی۔

''کیتھی..... تمہارا خدا تم پر کتنا مہربان ہوا ہے کہ تمہیں جس بات کی تلاش تھی اس نے خود تمہاری مدد کی اور تم کسی حد تک مطمئن ہو گئیں ورنہ تو لوگ ساری، ساری زندگی اس کی تلاش میں بھٹکتے رہتے ہیں مگر انہیں اس کی ذات کا شعور نہیں ملتا..... اور یہ اسی لیے ممکن ہوا ہے کہ تم جتنی محبت، خلوص اور شدت کے ساتھ کئی مہینوں سے اس کو تلاش کر رہی ہو..... تو اس نے تمہیں اتنی ہی بڑی رحمت سے نوازا ہے۔ ہمیں دیکھو کہ ہم اس کی ہستی کو جانتے اور مانتے ہوئے بھی اتنے بے بس ہیں کہ اس کی ہستی کا کھل کر اقرار نہیں کر سکتے۔'' مسز ولسن نے آہ بھر کر نم آنکھوں سے کہا تو کیتھی نے ایک دم چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب مسز ولسن میں سمجھی نہیں.....؟'' کیتھی نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے اور میری بیٹی الزبتھ نے تمہاری طرح اسلام کے بارے میں بہت پڑھا اور ہم دونوں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا مگر ولسن ہمارے راستے کی دیوار بن گیا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت خلاف ہے۔ ہم نے ولسن کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا مگر اچانک وہ بہت زیادہ بیمار ہو گیا اور ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس کی زندگی صرف تھوڑے عرصے کی ہے اور اس پیریڈ میں اسے کچھ دکھ اور ٹینشن نہ دی جائیں ولسن کو جب اپنی بیماری کا معلوم ہوا تو اس نے باتوں باتوں میں مجھ سے وعدہ لے لیا کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گی جس سے اسے کوئی شدید صدمہ پہنچے..... اس کی زندگی کی خاطر میں نے اور الزبتھ نے اپنے اس فیصلے کو پینڈنگ میں ڈال دیا لیکن ہم نے دل سے تو اسلام قبول کر لیا ہے..... مگر زبان سے اقرار کرنے کے لیے ہمیں تھوڑا سا انتظار کرنا پڑے گا۔'' مسز ولسن نے کہا تو گویا کرب کے عالم میں کیتھی نے ایک دم چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''کیا مسٹر ولسن کی ڈیتھ کا.....؟'' کیتھی نے اچانک سوال کیا تو مسز ولسن نے اس کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی آہ بھر کر خاموش ہو گئیں۔'' مسز ولسن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو کیتھی نے پریشان ہو کر ان کا ہاتھ پکڑا۔

''کیا بات ہے..... مسز ولسن آپ کیوں اتنی اپ سیٹ ہو رہی ہیں؟'' کیتھی نے قدرے فکرمندی سے پوچھا۔

''میں اپنی اس آزمائش پر پریشان ہوں..... جس میں میرے اللہ نے مجھے ڈالا ہے۔ ولسن میرے لیے ایسی

آزمائش بن چکا ہے جسے میں نہ تو چھوڑ کر جا سکتی ہوں اور نہ ہی اس کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ بس جب بھی باتوں باتوں میں اسلام کا نام لیتی ہوں تو وہ مجھے اتنی گالیاں دیتا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔'' انہوں نے پرنم آنکھوں اور گلوگیر لہجے میں کہا۔

''مجھے سمجھ میں نہیں آرہا..... لوگ کچھ پڑھے اور سوچے سمجھے بنا اسلام سے کیوں دشمنی کرتے ہیں جبکہ جو مذہب انہیں اتنے خداؤں کے جھنجٹ سے نکال کر صرف ایک خدا کا اتنا واضح اور خوب صورت تصور دے رہا ہے تو کیا وہ زندگی کے بارے میں کچھ غلط بتائے گا؟ میں نے ابھی اسلامک لا، اسلامک ہسٹری اور اس کی (اخلاقیات) ethics کے بارے میں نہیں پڑھا..... لیکن مجھے امید ہے کہ جس مذہب کا خدا سچا ہے، وہ خود بھی سب سے بڑا سچ ہوگا۔'' کیتھی نے ایک جذب سے کہا۔

''جن کے دلوں اور ذہنوں پر اللہ تعالیٰ کوئی مہر لگا دیتا ہے تو کتنی ہی اچھی اور سچی بات ان کے سامنے کہی جائے تو وہ اسے قبول نہیں کرتے..... وہ لوگ دل کے اندھے ہوتے ہیں۔ ولسن بھی ویسا ہی اندھا ہے.....'' مسز ولسن نے نہایت تکلیف بھرے لہجے میں کہا۔

''تو پھر آپ کب تک انتظار کریں گی؟'' کیتھی نے حیرت سے پوچھا۔

''جب خدا چاہے گا..... تو وہ ہمیں اس آزمائش سے نکالے گا۔ الزبتھ نے تو مجھے کہہ دیا ہے کہ وہ بہت جلد اسلامک سینٹر جا کر اسلام قبول کرلے گی کیونکہ وہ اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتی اور ویسے بھی وہ میری طرح مجبور نہیں ہے..... ولسن کا کینسر لاسٹ اسٹیج پر ہے..... میں اسے چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں..... کیونکہ عملی طور پر اسلام قبول کرنے کے بعد میں ولسن کے ساتھ کبھی نہیں رہ سکتی، میں پیسے بھی جمع کر رہی ہوں کہ اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد میں اللہ کے گھر عمرہ کرنے جاؤں گی یہ میری شدید خواہش ہے۔'' مسز ولسن نے قدرے ایکسائٹڈ موڈ میں کہا.....

''مسز ولسن کچھ عرصے سے میں آپ کے گیٹ اپ میں بہت چینج دیکھ رہی ہوں، آپ ٹراؤزر، شرٹ کے ساتھ اسکارف یا اسٹول لیتی ہیں تو کیا یہ اسی وجہ سے ہے.....؟'' کیتھی نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں..... کیتھی جب انسان اللہ کو جان کر اس کے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی سوچ، رویے اور گیٹ اپ میں خود بخود تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ تمہیں بھی آہستہ آہستہ اس کا اوراک ہو جائے گا۔'' انہوں نے کہا اور ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئیں۔

''مسز ولسن..... میں آپ سے بہت خوش ہوں کہ آپ نے سچ بات کو جانتے ہوئے بھی مجھ پر کچھ مسلط نہیں کیا..... اگر آپ چاہتیں تو مجھے شروع سے ہی اللہ کے بارے میں بتا کر راغب کر سکتی تھیں۔'' کیتھی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

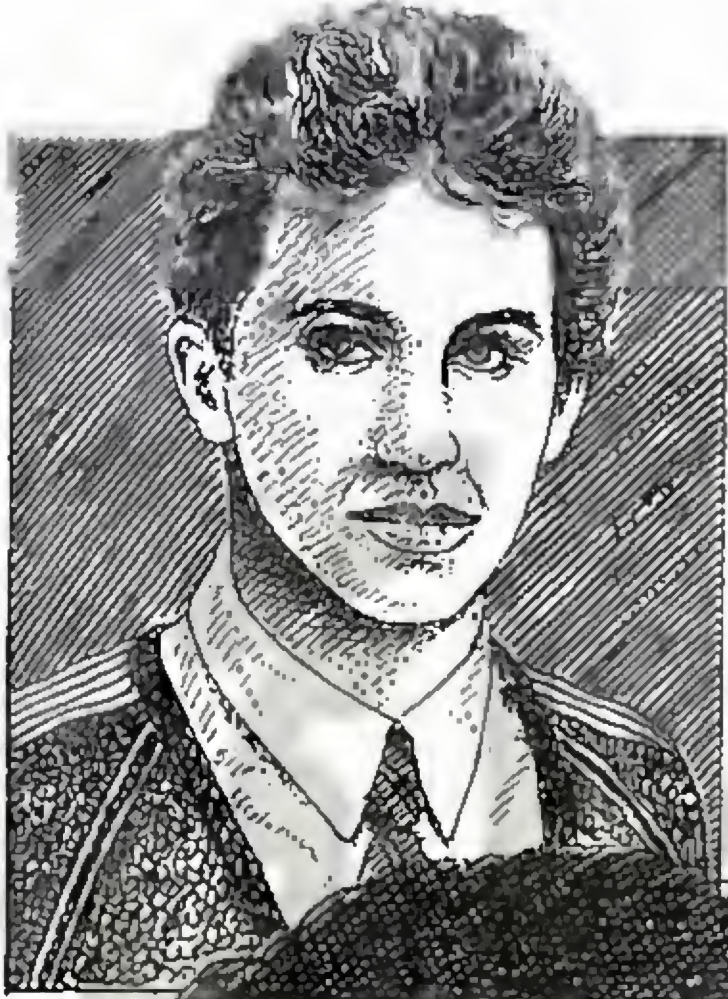
''نہیں..... میں ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی..... کیونکہ اسلام میں جبر اور زبردستی نہیں..... اسلام میں اتنی پوٹینشل ہے کہ وہ پوری شدت کے ساتھ لوگوں کو اپنی طرف راغب کر سکتا ہے اور تم نے جو اتنے خداؤں کی تلاش میں لمبا سفر طے کر کے ایک سچے خدا کو تلاش کیا ہے تو اب اس خدا کی پہچان، عزت اور قدر جو تمہیں اب محسوس ہو رہی ہے..... وہ میرے بتانے سے کبھی نہ ہوتی۔'' مسز ولسن نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں..... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ واقعی جو سچی خوشی مجھے اب محسوس ہو رہی ہے وہ شاید پہلے کبھی نہ ہوتی۔'' کیتھی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا تو مسز ولسن مسکرانے لگیں۔

(جاری ہے)

ابھی امید باقی ہے

نفیسہ سعید



''تم نے اپنے کاغذات جمع کروا دیے؟'' روحیل نے اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہی دریافت کیا، دوپہر کے اس وقت عام طور پر اس کے سیکشن میں کام کم ہو جاتا تھا اس لیے وہ اکثر و بیشتر ارحم کے پاس آکر بیٹھ جایا کرتا۔

''نہیں......؟'' ارحم مختصر سا جواب دے کر اپنے سامنے رکھے کمپیوٹر پر مصروف ہو چکا تھا۔

''کیوں......؟''

ارحم کے جواب نے روحیل کو شدید ترین حیرت سے دوچار کیا......

''بس کیا بتاؤں تمہیں تو علم ہے میرے گھر کے مسائل کا......''

''کیا مطلب......؟ تم اپنے گھر کے چھوٹے، چھوٹے مسائل کی خاطر اتنا اچھا چانس مس کردو گے حیرت ہے بھئی...... میں تمہیں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتا تھا۔ ایسا موقع تو زندگی میں ایک ہی بار ملتا ہے۔اس سے فائدہ اٹھانا بھی عقلمندی ہے۔''

''چھوٹے، چھوٹے مسائل......'' ارحم نے کمپیوٹر سے اپنی توجہ ہٹا کر حیرت سے روحیل کی طرف دیکھا۔ ''تمہیں میرے مسائل کا انبار...... چھوٹا لگتا ہے؟ حیرت ہے جبکہ تم اچھی طرح جانتے ہو میرے بڑے دونوں بھائیوں کو جنہیں شادی کے بعد گھر اور گھر کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں رہی...... میری والدہ دل کے عارضے کا شکار ہیں جبکہ والد کو سانس کی تکلیف ہے، بوڑھی دادی بھی ہمارے ساتھ ہی رہائش پزیر ہیں، چھوٹی بہن کو کالج چھوڑنے کی ذمے داری بھی میری ہے، والد اور والدہ کو باقاعدگی سے چیک اپ کے لیے اسپتال لے کر جانا بھی میری ذمے داری ہے۔اب بتاؤ تم خود بتاؤ ایسے میں، میں کس طرح ان سب کو چھوڑ کر دبئی جاسکتا ہوں......نہیں دوست کم از کم میں اتنا خود غرض نہیں ہوسکتا کہ چار پیسوں کی خاطر اپنے گھر اور گھر والوں کو بے یارومددگار چھوڑ دوں جبکہ میرے پیچھے انہیں کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہو۔''

''سوچ لو......ایسا موقع بار، بار نہیں ملتا کہاں یہاں ملنے والے پندرہ سولہ ہزار اور کہاں وہاں ملنے والی پچاس ساٹھ ہزار کی تنخواہ اور مفت کی سیاحت......اور عیاشی الگ......''

ارحم کوئی بھی جواب دیے بنا دوبارہ کمپیوٹر پر مصروف ہوچکا تھا۔

''دیکھو ارحم برا مت ماننا گھر اور گھر والے صرف تمہارے تو نہیں ہیں ناں......اب تم پچھلے پانچ سالوں سے مسلسل اپنی ذمے داریاں نبھا رہے ہو جبکہ تمہارے دونوں بھائی اتنی اچھی پوسٹ پر فائز ہونے کے باوجود اپنی ذمے داریوں سے مکمل طور پر چشم پوشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ہر ماہ کے شروع میں اپنے ماں، باپ کو دو چار ہزار دے کر سمجھو وہ ایک احسانِ عظیم کر رہے ہیں جبکہ دیگر تمام امور تمہاری ذمے داری ہیں، یاد رکھو آج اگر تم اپنے گھر والوں کی خاطر اتنا اچھا موقع گنوا دو گے تو یقین جانو کل کو ضرور پچھتاؤ گے کل جب تمہاری شادی ہوگی، بیوی، بچے ہوں گے تو سوچو وہ بھی ایسی ہی کم مائیگی کی زندگی گزاریں گے جو تم گزار رہے ہو، میری مانو تو یار سب کی چھوڑو صرف اپنی سوچو اپنے بھائیوں کی طرح......یاد رکھو اس دور میں وہی کامیاب ہے جو صرف اپنا سوچتا ہے، دوسروں کا سوچنے والے کبھی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوتے۔''

''دوسرے کون......؟ ہمارے ماں، باپ ہمارے لیے دوسرے نہیں ہوتے۔'' ارحم، روحیل کی باتوں پر دل ہی دل میں غور کر کے بظاہر سرسری سے انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہے ماں، باپ دوسرے نہیں ہوتے لیکن یہ بھی تو سوچو کہ وہ صرف تمہارے ماں، باپ تو نہیں ہیں ناں بلکہ سہیل اور دانیال کے بھی تو ماں، باپ ہیں۔انہیں بھی تو اپنی ذمے داری کا احساس دلاؤ، آج تو وہ سب کچھ تمہارے کندھوں پر ڈال کر خاموش تماشائی بنے کھڑے ہیں لیکن یاد رکھنا کل آنے والے وقت میں وہ مکان جہاں تم رہائش پزیر ہو اس میں اپنا حصہ مانگنے ضرور کھڑے ہوں گے پھر سوچو تم انہیں کہاں سے حصے کی ادائیگی کرو گے۔آخر میں نقصان تمہارا ہی ہوگا۔باقی تم خود سمجھدار ہو۔'' روحیل بڑے تلخ حقائق بتا رہا تھا اور اسی لمحے ارحم کو

احساس ہوا کہ حقیقت میں ماں، باپ کی محبت اور احساسِ ذمے داری کے زیرِ اثر وہ اپنا بہترین مستقبل داؤ پر لگا رہا ہے۔

''ویسے بھی دوست اس ملک میں رکھا ہی کیا ہے سوائے کرپشن، بے روزگاری اور ناگہانی موت کے، گھر سے نکلو تو امید نہیں ہوتی کہ صحیح سلامت لوٹ کر واپس بھی جائیں گے کہ نہیں ہر طرف لوٹ مار کا سا سماں ہے حکمران سے لے کر عوام تک صرف وہ ہی شخص اچھا ہے جسے موقع نہیں ملا۔ کیا فائدہ ایسے ملک میں رہنے کا جہاں زندگی سستی اور روٹی مہنگی ہو......''

وہ آج کل کے بیشتر نوجوانوں کی طرح اپنے خیالات پیش کر رہا تھا۔ روحیل کی اس بات نے ارحم کو اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔

''ٹھیک ہے انشاء اللہ تعالیٰ کل کاغذات جمع کروا دوں گا۔'' بالآخر وہ ہار گیا۔ سامنے نظر آنے والے بہترین مستقبل نے اسے رشتوں سے نظریں چرانے پر مجبور کر دیا......

''گڈ......! کل یاد سے لے آنا میرا خیال ہے دو دن بعد آخری تاریخ ہے ایسا نہ ہو کہ تم سلیکٹ ہونے سے رہ جاؤ۔'' روحیل اسے ہدایت دیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ جبکہ ارحم اسے دور تک پُرتشکر نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ یہ روحیل ہی تھا جس کی وقتاً فوقتاً دی جانے والی بریفنگ کے سبب ارحم اپنے بارے میں بھی کچھ سوچنے لگا تھا ورنہ سچ تو یہ تھا کہ دونوں بڑے بھائیوں کی بے رخی اور کج خلقی کے سبب شروع سے ہی اس کی سوچ کا مرکز صرف اور صرف اس کا گھر اور گھر والے ہی رہے تھے۔ اپنی ذات کی اہمیت اس کے نزدیک کبھی نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

ارحم ایک کوریئر کمپنی میں ملازم تھا سادہ سا بی کام اور کمپیوٹر میں کیے جانے والے ایک دو ڈپلومہ کورسز کے باعث اس کی تنخواہ کوئی ایسی قابلِ ذکر نہ تھی۔ بس کھینچ تان کر گزارہ کرنے والی بات تھی جبکہ اس کے دونوں بھائی اچھے وقتوں میں مل جانے والی اعلیٰ سرکاری ملازمت کے سبب شہر کے پوش علاقوں میں رہتے تھے۔ اور وہ خود اپنے ماں، باپ، دادی اور چھوٹی بہن کے ساتھ اپنے پرانے محلے کے آبائی گھر میں ہی رہائش پزیر تھا۔ مکان کا اوپری پورشن کرایہ پر دیا ہوا تھا اس کے علاوہ ابا کی پنشن بھی آتی تھی اور یہ سب مل ملا کر کم از کم اتنا ضرور ہو جاتا تھا کہ مہنگائی کے اس دور میں جب عام آدمی کو دو وقت کی روٹی میسر آنا مشکل ہوتا جا رہا ہے اس کے خاندان کی مناسب گزر بسر ہو ہی جاتی تھی ایسے ہی رینگ، رینگ کر گزرنے والے بے کیف دنوں میں اچانک ہی کوریئر کمپنی نے اپنی ایک برانچ دبئی میں کھولنے کا فیصلہ کیا جس کے لیے اچھے مستقبل کی خواہش رکھنے والے ہر نوجوان نے اپنا نام دے دیا اور ارحم ان میں خوش نصیب لوگوں میں شامل تھا جنہیں ابتدائی طور پر کمپنی کی جانب سے برانچ سنبھالنے کا کام سونپا گیا اور یہ سب روحیل ہی کی، کی جانے والی کوششوں کا نتیجہ تھا ورنہ وہ تو اپنے گھر والوں کو اکیلا چھوڑ کر جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور اب جب سب کام ہو گیا تھا تو ارحم کو دبئی جانا صرف اسی لیے مشکل نظر آنے لگا کہ اس کے پیچھے گھر والے بالکل تنہا رہ جاتے۔

وہ ایک حساس دل رکھنے والا نوجوان تھا جو اپنے گھر کے مسائل سے بخوبی آگاہ ہونے کے سبب اپنے بوڑھے ماں، باپ، ضعیف دادی اور چھوٹی بہن کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بوڑھے اور بیمار والدین اپنے بڑے دونوں بیٹوں کی طرف سے عدم توجہی کا شکار ہونے کے سبب اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکیں گے لیکن روحیل کی مسلسل کی جانے والی برین واشنگ نے ارحم کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ دو، چار سال دبئی میں گزار کر اپنے کل کے لیے کچھ پس انداز کر لے گا

تو کیا برا ہے اور گھر کی جو ذمے داری پچھلے پانچ سالوں سے وہ بخوبی نبھار ہا ہے۔ اب اگلے پانچ سالوں تک دونوں بڑے بھائیوں کو نبھانی چاہیے تا کہ انہیں بھی احساس ہو کہ وہ بھی اسی گھر کے بیٹے ہیں بس اسی سوچ نے ارحم کے دل کو کسی حد تک مطمئن کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں اپنے ہونے کے احساس نے اسے تھوڑا سا خود غرض کر دیا تھا۔

☆☆☆

اور پھر اسی شام گھر واپس جاتے ہوئے پیش آنے والے حادثے نے ارحم کے ارادوں پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی۔ وہ دن بھی عام دنوں جیسا ایک عام دن تھا وہ معمول کے مطابق اپنا کام ختم کر کے آفس سے گھر جانے کے لیے نکلا ہی تھا کہ جانے کیا ہوا اچانک ہی اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں دھڑا دھڑ دکانیں اور کاروباری مراکز بند ہونے لگے اور چند ہی لمحوں میں روشنیوں کے شہر کراچی پر اندھیرے کا راج چھا گیا اس صورتِ حال نے ارحم کو کسی قدر پریشان کر دیا وہ اپنے سے زیادہ ان خواتین اور لڑکیوں کو دیکھ کر پریشان ہوا جو اچانک پیش آنے والے ان حالات کے سبب سڑک پر عجیب بے بسی کی تصویر بنی کھڑی تھیں کیونکہ ٹرانسپورٹ کی کمی کے باعث آنے والی ہر بس پر... بلا مبالغہ مرد حضرات کا قبضہ تھا لہٰذا ان عورتوں اور بچیوں کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا ان میں سے اکثر بچیوں کا تعلق ایک قریبی کوچنگ سینٹر سے تھا ان حالات کی وجہ چاہے کچھ بھی ہو لیکن اس طرح اچانک پیش آنے والے واقعات کا اثر ایک عام شہری پر کیا پڑتا ہے اس کا اندازہ آج ارحم کو بخوبی ہو چکا تھا۔ اسے روڈ پر کھڑی ہر لڑکی میں اپنی بہن فرح کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ شہر کی اس غیر یقینی صورتِ حال نے ارحم کی طبیعت کو خاصا مکدر کر دیا...... اس کا اپنا گھر بھی ایک ایسے ہی علاقے میں تھا۔ جہاں حالات کی خرابی کا اثر سب سے پہلے ہوتا تھا لہٰذا ان مخدوش حالات میں اس کا اپنے علاقے میں جانا بھی ایک مشکل امر تھا اسی لیے اس نے فون کے ذریعے گھر والوں کو اطلاع دی اور خود اپنے بڑے بھائی دانیال کے گھر کی جانب چل دیا۔ جہاں عام حالات میں وہ کبھی سالوں بھی نہیں جایا کرتا تھا اور پھر اگلے دو دن تک شہر کی مفلوج زندگی کے باعث اسے دانیال بھائی کے گھر ہی رکنا پڑا اور ان دو دنوں نے اس کے فیصلے کی راہ ہموار کر دی تھی۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اس کا دروازہ کسی نے زور زور سے بجایا۔

''ارحم......ارحم بیٹا......'' آواز یقیناً امی کی تھی وہ ایک دم گھبرا اٹھا اور جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

''کیا ہوا امی خیریت ہے؟''

''نہیں بیٹا، خیریت نہیں ہے جلدی آؤ تمہارے ابو پر بڑا شدید دمے کا اٹیک ہوا ہے ان کی سانس بھی بحال نہیں ہو رہی۔''

امی کی بات پوری ہونے سے قبل ہی وہ تیزی سے بھاگ کر ابو کے کمرے کی جانب بڑھ چکا تھا جہاں ابا چارپائی پر اوندھے پڑے تیز تیز سانس لے رہے تھے۔ فرح ان کی کمر سہلا رہی تھی جبکہ قریب ہی دادی ان کا ہاتھ تھامے کھڑی رو رہی تھیں گھر میں تو سوائے موٹر سائیکل کے کوئی دوسری سواری بھی نہیں تھی اور رات کے اس پہر ان ناگفتہ بہ حالات میں کم از کم ان کے علاقے میں سواری کا ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن امر تھا وہ باہر کی سمت بھاگا اور بنا سوچے سمجھے ساتھ والے گھر کی بیل پر جو ہاتھ رکھا تو بجاتا ہی چلا گیا اور چند لمحوں میں پڑوس میں موجود خان صاحب اور سامنے گھر سے عباسی صاحب کے دو عدد صاحبزادے اس کی مدد کے لیے آن موجود

ہوئے۔ ابا کو جلد ہی خان صاحب کی گاڑی میں ڈالا گیا اور فوری طور پر قریب ترین اسپتال کی ایمرجنسی میں منتقل کر دیا گیا جہاں دی جانے والی بروقت طبی امداد نے ابا کو موت کے بھیانک شکنجے سے واپس کھینچ لیا۔ اس مشکل کی گھڑی میں ارحم کے پڑوسیوں نے جس طرح اس کا ساتھ دیا یقیناً قابلِ تحسین تھا۔ ان میں سے ہر شخص مختلف زبان اور علاقے سے تعلق رکھنے کے باوجود ارحم کے کندھے سے کندھا جوڑے کھڑا اسے احساسِ قوت اور تعاون بخش رہا تھا۔ ان کی مدد اور ساتھ نے ارحم کے دل پر چھائی پچھلے کئی دنوں کی کدورت کو ایک ہی رات میں دھو ڈالا۔ اسے یقین آ گیا کہ دلوں کی محبت ابھی ماند نہیں پڑی اب بھی ہم ایک ہی ہیں اب بھی امید باقی ہے آنے والے کل اور ایک نئے روشن دن کی امید کے ساتھ اس کا دل سرشار ہوا تھا۔ اس کے پڑوسیوں کی محبت اور تعاون نے اپنے سگے بھائیوں کی بے رخی اور.... بے حسی کے اثر کو بھی زائل کر دیا تھا۔ جن کی گاڑی تھی ان کا تعلق پشاور سے تھا عباسی صاحب اردو بولنے والے مہاجر تھے پڑوسیوں کا تعلق گو کہ مختلف جگہوں سے تھا لیکن آج یہاں اس اسپتال میں وہ سب ایک تھے۔ ایک دوسرے کی تکلیف پر تڑپنے والے ہم وطن اور ہم مذہب لوگ جو پہلے مسلمان اور پھر پاکستانی تھے۔ ابا دو دن اسپتال میں رہے تمام لوگوں کی مدد اور حسنِ سلوک سے انہیں کسی بھی پریشانی کا احساس نہ ہوا۔ رات کو اسپتال میں وہ رکتا جبکہ دن میں عباسی صاحب اپنی گاڑی میں امی اور فرح کو اسپتال لاتے اور وہ خود آفس جاتا۔ دانیال اور سہیل بھائی دونوں نے مل کر اسپتال کا بل ضرور ادا کیا تھا مگر دیگر ذمے داریاں ارحم نے بھی پوری کیں۔ جس میں یقیناً اس کا ساتھ اس کے پڑوسیوں نے دیا تھا ان دو دنوں میں اسے یہ احساس بار، بار ہوا کہ اگر رات کے اس پل وہ گھر میں نہ ہوتا تو اکیلی امی،



اسی جھیل کا کنارہ

دل کی دھڑکن ہوئی ہے تیز ابھی
تم نے شاید ہمیں پکارا ہو
جیسے جھونکا کوئی ہوا کا ہو
زلف آنچل کسی کا لہرایا
ایسی مدہوش تھی فضا ایک دن
کھوئے کھوئے سے تھے ہم اور تم
چاند بھی چھپ گیا تھا بدلی میں
میرے کانوں میں سرگوشیاں مدھم سی
وہ شفق رنگ روپ چہرہ تھا
گیلے بالوں میں شبنمی قطرے
تیری زلفوں کے سائے، سائے میں
وقت اِک بار یونہی تھم جائے
ہم ہوں تم ہو وہی نظارہ ہو
ہاں اسی جھیل کا کنارہ ہو

فریدہ افتخار، اسلام آباد

دادی اور فرح کیا کرتیں؟ کس طرح ابا کو سنبھالتیں؟ دانیال بھائی اور سہیل کے آنے تک کیا ہو جاتا، یہ سوچ، سوچ کر اسے دن میں کئی بار جھرجھری آئی اور وہ شکر ادا کرتا، اپنے بیمار باپ کو لاچار چھوڑ کر وہ پیسہ کمانے دبئی نہیں چلا گیا تھا ورنہ ساری زندگی کا دکھ اور پچھتاوا اسے جینے نہیں دیتا، یقیناً دولت اور پیسہ رشتوں سے بڑھ کر اہم نہیں ہوتے، وہ بھی اس صورت میں جب ہم میں احساس باقی ہو۔

''تو تمہارا فیصلہ اٹل ہے.....'' روحیل اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''ہاں.....'' ارحم کے ہاتھ مسلسل کی بورڈ پر مصروف تھے اور اس کے لہجے کا اطمینان قابلِ دید تھا۔ ''کیونکہ میرے گھر کو میری ضرورت زیادہ ہے۔'' اس نے میرے گھر پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''پھر وہ ہی گھر.....'' روحیل بیزار سا ہو گیا۔

''ہاں دوست..... پھر وہ ہی گھر اور صرف گھر کیونکہ یہ گھر ہی ہے جو ہمیں تحفظ دیتا ہے، رشتے دیتا ہے، پیار محبت، ملن، جدائی، خوشی، غم سب زندگی کے خوب صورت رنگ ہیں اور یہ رنگ وہاں ہی نظر آتے ہیں جہاں گھر ہوتے ہیں ذرا دیر کو سوچو کہ بے گھر آدمی کی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے۔''

اس کے ہاتھ رک چکے تھے اور وہ دور خلا میں جانے کیا ڈھونڈ رہا تھا۔ ''بے گھر اور بے وطن آدمی کی مثال دھوبی کے اس کتے جیسی ہوتی ہے جو نہ گھر کا رہتا ہے اور نہ گھاٹ کا اپنے گھر کی اہمیت اور اپنائیت کا احساس تو مجھے دانیال بھائی کے گھر گزارے جانے والے دو دنوں میں ہی ہو گیا تھا۔ یقین جانو میرے گھر میں مجھے مکمل ذہنی آزادی حاصل ہے، میرے لیے اپنے گھر کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھائی جانے والی دال روٹی دانیال بھائی کے گھر کی لمبی چوڑی ٹیبل پر چھری کانٹے کی مدد سے کھائے جانے والے مرغ مسلم سے کہیں زیادہ بہتر ہوتی ہے کیونکہ اس سے میری عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی اور یار کہاں اپنے گھر صبح سویرے نماز کے فوراً بعد اماں کے ہاتھ کے تڑتڑاتے پراٹھے.....''

ذائقہ جیسے ارحم نے اپنے منہ میں محسوس کیا.....

''اور کہاں دانیال بھائی کے گھر دوپہر گیارہ بجے ملنے والا پھیکا سیٹھا ناشتا..... یقین جانو اس گھر میں گزارے جانے والے ان دو دنوں میں، میں نے سانس بھی سوچ سمجھ کر لی کہ جانے کہیں میری سانس کی آواز بھی بھابی کی نازک سماعتوں پر گراں نہ گزرے اور ایسے میں ہی مجھے شدت سے احساس ہوا کہ اگر میرے لیے کسی دوسرے کے گھر دو دن گزارنا اس قدر مشکل ہیں تو میں کسی دوسرے وطن میں دو سال کیسے گزار پاؤں گا۔ نہیں بھئی معذرت کے ساتھ مجھ میں وہ خوبیاں نہیں ہیں جو کسی غیر وطن میں میرے کام آسکیں اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مجھے یہیں اپنے وطن میں ہی رہ کر محنت کرنی ہے اپنے لیے، اپنے گھر کے لیے اور اپنے وطن کے لیے کیونکہ ان سب کو میری ضرورت ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ میرا اللہ جلد ہی مجھے میری محنت کا صلہ دے گا کیونکہ وہ کسی کو مایوس نہیں کرتا وہ واحد ذات ہے جو خود سے منسلک کی جانے والی امیدوں کو کبھی ختم نہیں ہونے دیتی۔'' بولتے، بولتے اس کی آواز رندھ سی گئی اور جانے کیوں اس کی آنکھوں میں نمی آگئی لیکن اس کے چہرے پر چھایا ہوا عزم اور لبوں پر مچلتی پُرسکون مسکراہٹ اس بات کے غماز تھے کہ ابھی امید باقی ہے، آنے والے اچھے وقت کی ایک اچھی صبح کی، ایک روشن اور جگمگاتی شام کی اور ایک خوب صورت زندگی کی اور جب تک یہ امید باقی ہے کوئی انسان کبھی وقتی مسائل اور حالات سے ہار نہیں سکتا۔

اللہ مبارک کرے

عظمیٰ آفاق سعید

بارات کے دن (دولہا) ذیشان اور (دلہن) فاطمہ خوشگوار موڈ میں

ولیمے کی تقریب میں ذیشان اور فاطمہ کا خوب صورت انداز

دائیں سے امثل محمد (دلہن کی والدہ) ڈاکٹر رضی محمد (دلہن کے والد) فاطمہ ذیشان رسول اور عذرا رسول

دائیں سے طیب، سبین طیب، فاطمہ، ذیشان رسول، فرحان رسول، عالیہ فرحان اور عذرا رسول
جب کہ نیچے بیٹھے ہوئے (دائیں سے) ندیا (سبین کی بیٹی) فرحان رسول کے صاحبزادوں کے ہمراہ

ذیشان رسول، سبین اور عالیہ فرحان کے ہمراہ ویڈنگ لان میں داخل ہوتے ہوئے

دائیں سے نزہت اصغر، عذرا رسول، بنین عباس

دائیں سے سعدیہ رئیس، انجم انصار، شگفتہ شفیق، عذرا رسول، رضوانہ پرنس، رفاقت جاوید اور شائستہ اعجاز

دائیں سے مسز ایئر کموڈور شبیر، رفاقت جاوید، یاسمین رشید
انجم انصار، عقیلہ حق، عذرا رسول، ممتاز ضیا، نگہت غفار اور نزہت جبیں ضیا

بعض دفعہ کتنی ساری غلط باتیں خواہ مخواہ ہی مشہور ہو جاتی ہیں...... کہ تاسف سا ہوتا ہے...... کہ منہ کھول دو...... اور جو دل چاہے بول دو...... یہ کوئی چنگی گل تے نئیں ناں......

جیسے لوگ کہتے ہیں...... کہ ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا...... کہ ذیشان کی شادی کا احوال لگنے میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟ اب تو اتنے مہینے ہو گئے...... وغیرہ وغیرہ......

پیاری بہنو......! ذیشان اور فاطمہ کی شادی کی تفصیلی رپورٹنگ میں سوائے تصاویر کے مسئلے کے کوئی اور تاخیر کی بات ہی نہیں تھی۔

جن لوگوں کو فوٹو بنوانے کے مراحل یاد ہیں یا ہوں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ اب فوٹو گرافرز تقاریب کی بے شمار تصاویر تو بنا لیتے ہیں مگر جب تک گھر والے تصاویر کا انتخاب نہیں کرتے اس وقت تک تصاویر ڈیولپ نہیں کی جاتیں۔

اب دولھا کے پاس جب دلہن آ جائے...... تو اسے تصویروں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ اور پھر بیچاری عذرا آنٹی اکیلی کیا، کیا کرتی پھریں...... مگر پھر بھی ان سب تصاویر کا انتخاب ہماری عذرا آنٹی نے ہی کیا ہے...... اس خصوصی کوریج کی وجہ سے ہمارا یہ دلہن نمبر...... خصوصی دلہن نمبر ہو گیا ہے...... اس کا اندازہ تو آپ کو یہ شاندار تصاویر دیکھ کر خود ہی ہو جائے گا۔

میں آپ سب بہنوں کا خصوصی شکریہ بھی ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ کے ہر ماہ پُرشکوہ خطوط اور فونز نے ہمیں یہ احساس بھی دلایا کہ آپ کے دل میں دولھا، دلہن اور عذرا آنٹی کے لیے محبت کے چشمے کیسے گنگنا رہے ہیں...... اور اس کے ساتھ، ساتھ آپ کو...... میرا...... جی ہاں...... عظمیٰ آفاق کا طرزِ تحریر کتنا عزیز ہے (آہم)

اس سے قبل کہ آپ شادی کا یہ آنکھوں دیکھا حال پڑھیں...... اور آخر میں عذرا آنٹی کی تحریر کردہ



عظمیٰ آفاق سعید

جھلکیوں سے لطف اندوز ہوں تو آئیں پہلے ماشاءاللہ...... پڑھیں...... اور پھر اپنی عظمیٰ بہن کو آپ دل سے مان جائیں گے۔

جی ہاں...... بس پیاری بہنو! اب تو آپ لوگ مان جائیں کہ میں کوئی بابی ہوں، کیا کہا...... کیوں مانیں؟ بھئی حافظہ بہت کمزور ہے آپ لوگوں کا، ہر بات یاد دلانی پڑتی ہے۔ ذرا یاد کریں جب میں نے اپنے بھائی عمیر کی شادی کا احوال لکھا تھا تو اس میں دعا کی تھی کہ دوسرے بھائی ضیا کی شادی ہو جائے اور اللہ کے کرنے سے جب ضیا بھائی کے خیر و خوبی سے ہاتھ پیلے ہوئے اور وہ ساتھ عزت کے اپنے گھر کے ہو گئے تو ان کی شادی کے احوال میں، میں نے ایک اور شہزادے کی شادی کے لیے دعا کی تھی۔ یاد آیا کہ نہیں؟

جی بالکل درست......! اور وہ شہزادے ہیں پاکیزہ کے روحِ رواں عذرا رسول اور معراج رسول کے...... نام ان کا ذیشان ہے۔ اس کے ساتھ، ساتھ ان کی شخصیت بھی عالی شان ہے۔ یہ عذرا آنٹی کی

تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ جب بھی ان سے ملتے ہیں بے حد سمپل اور ڈاؤن ٹو ارتھ ہی لگتے ہیں چونکہ ذیشان میرے چھوٹے بھائی عمیر کے ہم عمر ہیں اسی لیے میں جب بھی انہیں دیکھتی ہوں ان میں مجھے عمیر ہی نظر آتا ہے۔

چونکہ برسوں سے عذرا آنٹی کے گھر آنا جانا ہے اس لیے میں نے ذیشان کی زندگی کا ہر دور کافی قریب سے دیکھا ہے، اس وقت بھی جب یہ گود میں ہوتا تھا یا پھر پانچ چھ سال کا تھا، اس کا اس وقت بھی ایک پیارا سا کمرا ہوا کرتا تھا جس میں دیوار پر اس کا ہوا میں اچھلتا ہوا ایک پورٹریٹ لگا تھا۔ کونے پر ٹی وی رکھا ہوتا تھا، سائڈ پر رائٹنگ ٹیبل اور چیئر ہوتی تھی۔ آج کل تو ہر بچے کا الگ کمرا ہونا نارمل بات ہے مگر اس وقت یہ کامن نہیں تھا ہم لوگ کافی حیرت سے یہ سب دیکھا کرتے تھے۔

عذرا آنٹی کے گھر روشن کو تو میں شروع سے ہی دیکھ رہی ہوں کہنے کو تو وہ ذیشان کے لیے رکھی گئی تھیں۔ مگر انہیں اس ..... گھر میں ایک فرد جیسا درجہ حاصل ہے، چھٹیوں پر جب یہ لوگ گھومنے لندن جاتے ہیں (چونکہ لندن میں ان کا گھر بھی ہے) تو روشن بھی ساتھ لندن جاتی ہیں بلکہ عمرے کی ادائیگی کے لیے بھی ساتھ ہی گئی تھیں۔ یعنی یہ سارے انتظامی امور دیکھتی ہیں اس وجہ سے ہر جگہ تناسب اور برابری نظر آتی ہے، کہیں پر اونچ نیچ محسوس نہیں ہوتی۔

عمر کے دور بدلے، دیکھتے، دیکھتے ذیشان میاں نے بچپن سے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ مذہبی رجحان اور سادگی تو اسے وراثت میں ملے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں اور آفاق، معراج انکل سے ملنے ان کے آفس گئے تھے۔ (جب وہ صحت مند تھے) اللہ تعالیٰ انہیں جلد صحت یاب کرے اور انہیں دوبارہ اپنا آفس سنبھالنے کے قابل بنائے۔ (الہٰی آمین) ان کی کرسی آج بھی ان کی منتظر ہے تو معراج انکل نے کھڑے ہو کر اور کمرے سے باہر آ کر آفاق کو ویل کم کیا اور کہا کہ..... ''بھئی داماد آئے ہیں، کوئی مذاق ہے۔'' مجھے آج بھی ان کا رعب ان کا دبدبہ اور ان کا اخلاق یاد ہے کہ جب وہ میری شادی میں عذرا آنٹی کے ساتھ شریک ہوئے تھے، ایک رعب تھا ان کی شخصیت میں، آفس کے چالیس افراد ان کے ساتھ آئے تھے۔ ایک تو ان کی شخصیت، دوسرا ان دونوں یعنی معراج انکل اور عذرا آنٹی کا خوب صورت کپل سب لوگ ایک دفعہ انہیں دیکھنے کے بعد دوسری دفعہ ضرور دیکھتے تھے۔ عذرا آنٹی کے بال پیروں تک آتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کمر پر کوئی آبشار رواں دواں ہو۔ یہاں اپنے بالوں کا یہ حال تھا جیسے پودینے کی گٹھی دماغ پر رکھ دی ہو۔ شروع، شروع میں جب عذرا آنٹی، امی کے گھر آتی تھیں تو خود تو گاڑی سے نکل آتی تھیں مگر چٹیا نکل ہی نہیں پاتی تھی پھر اس کو سیٹ سے اٹھا کر نکالتی تھیں اور ہمیں یہ سارے منظر پتھر کا سا کر دیا کرتے تھے۔ چونکہ نہ کبھی ایسا دیکھا نہ سنا..... بس جی وڈے لوگ، وڈی باتیں......

ماشاء اللہ ذیشان نے حج بھی اس کم عمری میں ہی کر لیا ہے۔ وہ عمر جس میں لڑکے زیادہ تر موج مستی، گھومنے، پھرنے، ہلے گلے میں لگے رہتے ہیں اس کا مزاج مذہب کی طرف ہونا اس کے نیک ہونے کی دلیل ہے ورنہ چوبیس، پچیس سال میں تو لڑکے الگ ہی مزاج رکھتے ہیں۔

''اب بہو بیگم لے آئیں..... بیٹا بڑا ہو گیا ہے۔'' عذرا آنٹی سے خواتین نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ جب ذیشان امریکن یونیورسٹی آف شارجہ سے گریجویشن کی ڈگری لے کر آیا تھا۔

''کوئی مذہبی ذہن رکھنے والی بچی مل جائے تو کبھی دیر نہیں کروں گی۔'' عذرا آنٹی ہمیشہ مسکرا کر جواب دیتیں۔ ایک دن کرسٹل کے خوب صورت



خوش مزاج ساس اور پسندیدہ بہو کا قارئین پاکیزہ کے لیے خصوصی پوز (اللہ نظرِ بد سے بچائے)

باؤل میں مٹھائی آئی جس پر ایک کارڈ لگا تھا کہ ذیشان کی ڈاکٹر فاطمہ سے منگنی ہوگئی۔

منگنی کی مبارک باد دینے کے لیے میں نے عذرا آنٹی کو فون کیا تو بہت خوش ہوئیں۔

''بھئی میں نے تو صرف حجاب کرنے والی لڑکی کی آرزو کی تھی۔ مگر میرے رب کی کرم نوازی دیکھو کہ حجاب کرنے کے ساتھ، ساتھ لڑکی ...... انتہائی اعلیٰ پڑھے لکھے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ ماں، باپ، چچا دادا، پھوپی، بھائی اور فاطمہ خود بھی ڈاکٹر ہیں'' عذرا آنٹی کافی محبت سے تفصیلات بتا رہی تھیں۔

''بھئی مٹھائی کے باؤل کو دیکھ کر تو اب مجھے ذیشان میاں کی شادی کا کارڈ دیکھنے کا انتظار ہے کہ وہ کتنا یونیک ہوگا۔'' میں نے عذرا آنٹی سے کہا۔

''ارے بھئی یہ تو گھر کی بچیوں نے سجا دیا۔ ورنہ میں تو اسراف کے سخت خلاف ہوں۔ جو پیسے ہم ان فضولیات پر خرچ کریں اس سے کسی غریب کی مدد نہ کردی جائے جس سے اللہ بھی راضی ہو اور ہماری آخرت بھی سنور جائے ......'' عذرا آنٹی کہہ رہی تھیں۔

اور پھر یہی ہوا کہ ایک دن ذیشان میاں کی شادی اور ولیمے کے کارڈز موصول ہوئے، کارڈز خوب صورت مگر کافی سادگی لیے ہوئے تھے۔ ان کے پرانے جملے میری سماعتوں میں گونجنے لگے۔ واقعی جیسا سوچنا اور ویسے ہی کر گزرنے کی ہمت کرنا بڑی بات ہے، ورنہ باتیں تو کافی لوگ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا بچہ جس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہ ہو، جہاں منہ کی بات ختم بعد میں ہو اور پوری پہلے ہو جائے۔ اس ماحول میں ہر چیز میں سادگی اختیار کرنا ان لوگوں کے لیے بھی مشعلِ راہ ہے جو اسراف اور نمود و نمائش کے چکر میں اپنا دن، رات کا سکون برباد کیے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ خواہشیں جب بے لگام گھوڑا بن جائیں تو اسے روکنا کافی جان جوکھوں کا کام ہوتا ہے۔ کارڈ کی ایک بڑی خاص عبارت جو میں پڑھنے والوں کے ساتھ شیئر کرنا چاہوں گی اس پر لکھا تھا۔

نو گفٹ نو اینویلپ پلیز ......

''امی، گفٹ نہ لائیں ...... یہ لکھا ہے عذرا آنٹی کے کارڈ پر۔ اب کیا کریں؟'' میں نے امی کو فون کر

کے ذرا پریشانی سے کہا۔

''بیٹا وہ تو انہوں نے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ ذیشان کی شادی پر میں کسی سے کوئی گفٹ، کوئی لفافہ نہیں لوں گی۔'' امی مجھے یاد دلاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''بیٹا لفافہ بنا کر لے چلیں گے، اگر لے لیں گی تو خوشی ہوگی۔'' امی نے مشورہ دیا۔

خیر جناب! پہلی جنوری کو میلاد کی محفل رکھی گئی تھی، دو کو شادی اور تین جنوری کو ولیمہ تھا۔ کارڈ آنے کے بعد سے ہی میں نے اپنی الماریوں کا انسپیکشن شروع کر دیا تھا کہ تین دن کیا پہنا جائے کہ ہم آفت اور قیامت لگیں۔ بچوں کے جوتے، موزے الگ ڈھونڈے جا رہے تھے۔ بچوں کے اسکول میں سردیوں کی چھٹیاں تھیں۔ اس لیے سکون تھا کہ بچوں کی پڑھائی متاثر نہیں ہوگی جو کہ پہلے ہی اچھی خاصی متاثر کن ہے۔ خیر جناب انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور پہلی جنوری آ گئی۔ آج عذرا آنٹی کے گھر میں ہی میلاد کا انتظام تھا۔ رات آٹھ بجے کا بلاوا تھا...... میں، امی، اجیہ اور کسوئی ہم سب تقریباً نو بجے تک ان کے گھر پہنچ گئے۔ گھر کے باہر ہی سے ایک شاندار سی تقریب کے آثار نمایاں تھے۔

گھر کے اندر لان میں ہی تقریب کا انعقاد کیا گیا تھا پورے لان کو خوب صورت سجاوٹ اور جگمگ کرتی روشنیوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ گھر کے لان کے پودوں تک پر سجاوٹی لائٹیں موجود تھیں۔ گویا پتا، پتا، بوٹا، بوٹا خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

چونکہ رات کو کراچی میں کچھ خنکی ہو جاتی ہے تو پورے لان کو ویلوٹ کے شامیانے سے کور کر دیا گیا تھا۔ جب ہم عذرا آنٹی کے گھر پہنچے تو اس وقت تک بری کا سامان دکھا کر رکھا جا رہا تھا۔ عذرا آنٹی بہت پیارے سے لائٹ گولڈن اور بلیو کلر کے سوٹ میں ملبوس تھیں۔ ان کی ساری بھاوجیں پوری تقریب میں ایسے ہی ایکٹو تھیں جیسے کوئی گھر والا ہوتا ہے۔ خاندان کی زیادہ تر خواتین اور بچیاں بلیو کلر کے ہی لباس میں تھیں۔ سب کے لباس ایک ہی کپڑے کے خصوصی طور پر بنوائے گئے تھے۔ ''بھئی ہم نے تو بری دیکھی ہی نہیں...... پہلے ہمیں دکھائیں پھر رکھیں......'' میں نے ان کی رشتے دار خواتین جو جوڑے اور زیورات اندر رکھ رہی تھیں سے کہا۔

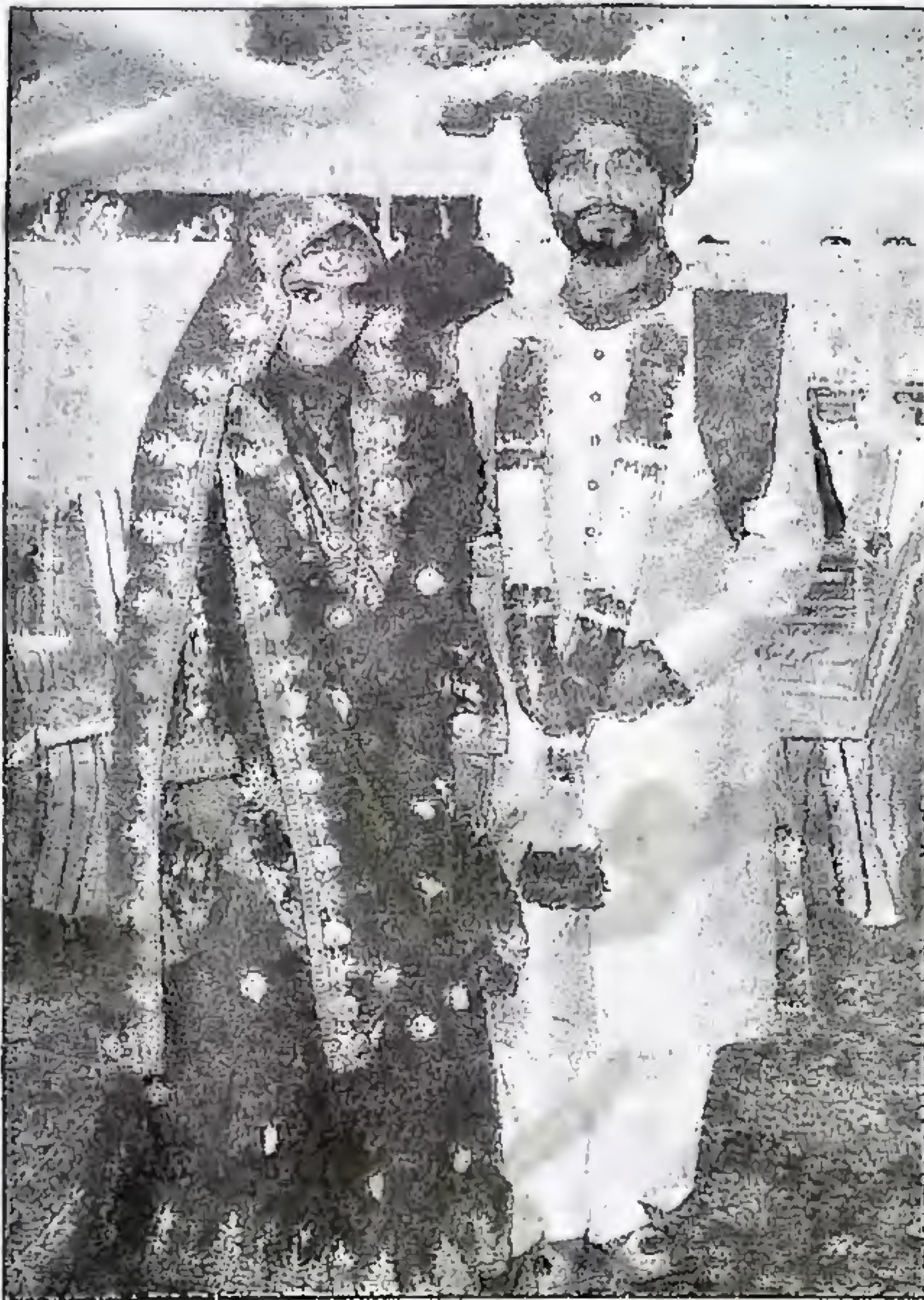
انہوں نے بھی جلدی، جلدی سے تمام جوڑے اور زیورات مجھے دکھانا شروع کر دیے۔ شاید وہ یہ



عذرا رسول اپنی سمدھن امثل محمد کے ہمراہ (ایک محبت بھرا انداز)

سمجھیں کہ میں بھی کوئی خاندان کی بڑی سی خاتون ہوں کہ اگر مجھے نہ دکھایا تو میں کیا آفت مچا دوں (یہ میرا ذاتی خیال ہے) اگرچہ عذرا آنٹی نے تو یہ کہہ دیا تھا کہ میں بری دکھانے والے روایتی طریقے نہیں کروں گی مگر تمام رشتے داروں کے اصرار پر

بری سجائی گئی تھی اور ساتھ ہی جو نزدیکی عزیز واقارب تحفے تحائف (بھات) لے کر آئے تھے جن میں عذرا آنٹی اور معراج انکل کے کپڑے دولھا، دلہن کے جوڑے، بہنوں، کزنز کی چوڑیاں، مٹھائی، پھل اور میوہ شامل تھا۔ وہ سامان بھی ہم سب نے دیکھا۔ ذیشان کی بہن سبین اور بھائی فرحان رسول اور بھابی عالیہ بھی آ گئے، آ گئے تھیں۔ سبین بہت خوب صورت باسکٹ جس میں قیمتی چاکلیٹ، مٹھائیاں، ڈرائی فروٹ اور اپنے ہاتھ سے بیک کر کے کیک اور دیگر اشیاء شامل تھیں اور عذرا آنٹی نے بھی خوب کھلے دل سے ذیشان کی بہن اور بھائی بھابی کو زیورات اور کیش کی صورت نیگ دیا۔ ماشاء اللہ! ماشاءاللہ .... ہر جوڑے اور زیور کو دیکھ کر بس منہ سے یہی نکل رہا تھا۔ شادی اور ولیمے کے جوڑوں کے ساتھ کے زیور بڑے جڑاؤ سیٹ تھے جن کے ساتھ کی ہی میچنگ سونے کی چوڑیاں، کڑے، انگوٹھیاں، ٹیکے وغیرہ بنوائے گئے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے بیش قیمت سیٹ بھی تھے جو بہت ہی خوب صورت تھے۔ راڈو گھڑی اور ایک ہاتھ کی کلائی بھی تھی جسے چوڑا بھی کہتے ہیں۔ چونکہ عذرا آنٹی کو بھی چوڑیوں اور انگوٹھیوں کا بہت شوق ہے۔ اس لیے انہوں نے بہو بیگم کو بھی دل بھر کر دیں...... بس اللہ نظرِ بد سے محفوظ رکھے اور دلہن بیگم کو خوشیوں کے ساتھ یہ ساری چیزیں برتنا نصیب کرے۔ (آمین) ہماری عذرا آنٹی کی محبت اور دل کی وسعت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا...... دلہن کی بری میں نفاست اور خوب صورتی کے ساتھ، ساتھ



دولھا دلہن مہمانوں کا جائزہ لیتے ہوئے

ان کی دریا دلی بھی نظر آ رہی تھی اور میری زبان سے بار، بار ماشاءاللہ نکل رہا تھا۔

میلاد کی اس تقریب میں دلہن کے گھر والے بھی آئے تھے۔ ذیشان نے آج نیوی بلیو سادہ سا قمیص شلوار پہنا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کوئی کام والا فینسی کرتا شلوار پہنا ہوگا...... مگر ذیشان کو بھی سادہ لباس پسند ہے۔ میلاد میں ان کی فیملی گیدرنگ زیادہ تھی۔ رائٹرز میں صرف رضوانہ پرنس ہی موجود تھیں جو عذرا آنٹی کی ریلیٹو بھی ہوتی ہیں، اپنی ای کو یاد کرتے ہوئے ان کی آنکھیں میں نے نم دیکھیں، عذرا آنٹی کی

خاص الخاص دوست یاسمین رشید آج تو پہچانی نہیں جارہی تھیں۔ (آپس کی بات ہے انہوں نے بال سیٹ کروائے تھے) ''آپ پر یہ اسٹائل بہت سوٹ کررہا ہے۔'' میں نے یاسمین رشید کی تعریف کی۔

تسنیم ماہ پارہ بھی اس تقریب میں موجود تھیں...... ان کا انداز ایسا ہے کہ ان سے مل کر ہمیشہ پوزیٹو فیلنگ ہی آتی ہیں۔ ''تم نے تو ہمیں مشہور کردیا عظمیٰ...... جب سے تم نے اپنے گھر کی دعوت کی روداد لکھی ہے، اب سب ہم سے کہتے ہیں کہ ''ایک بار مسکراؤ'' سنائیں......'' وہ کافی محبت اور اپنائیت سے مجھ سے بولیں۔

''بھئی آپ ہیں ہی اس قابل کہ لوگ آپ کے فین بن جائیں......'' میں نے تو ان سے کہا۔

''ہمارے تو فیس بک پر لوگ میسج کررہے ہیں کہ آپ کون سی گرین ٹی پیتی ہیں جس سے آپ کا وزن کم ہوگیا۔ اب ہم لوگوں کو کیا بتائیں؟'' رضوانہ پرنس مجھ سے مخاطب تھیں۔

''آپ کہہ دیں...... رضوانہ گرین ٹی اور اگر نہیں تو عظمیٰ گرین ٹی......'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ویسے رضوانہ پرنس بڑی سدا بہار شخصیت کی مالک ہیں۔ میں نے انہیں کبھی کسی کے خلاف بات کرتے نہیں دیکھا۔ کسی بری بات میں سے بھی پوزیٹو پہلو تلاش کرلیتی ہیں۔

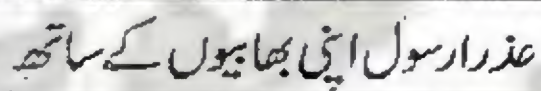
ویسے اس بات کے لیے تو ہماری اماں صاحبہ اور آپ سب کی باجی انجم انصار بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ مشکل سے مشکل بات کا جواب اتنی سہولت اور آرام سے دیتی ہیں کہ آدمی کو کوئی پریشانی، پریشانی نہیں لگتی۔'' امی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایمان (بڑا بیٹا) امتحان میں فیل ہوگیا ہے اور میں اس کو چپل سے مار رہی ہوں۔'' ایک دن میں نے امی کو فون کرکے ان سے گزشتہ رات آنے والے خواب کے بارے میں بتایا۔

''بچے کا فوراً صدقہ اتارو، یعنی اسے آرام کراؤ، دیکھو بیمار نہ پڑجائے۔'' امی نے کافی وثوق سے کہا۔ میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ فون پر کوئی بہن کتنا ہی خوف ناک، خواب سنادے، امی اس کی تعبیر میں ہمیشہ پھول نکال لیتی ہیں۔ تب میں نے بھی سوچا کہ صحیح کہہ رہی ہیں ایمان کے امتحانات بھی ہورہے تھے۔ چھوڑ چھاڑ کر آرام کروانے میں لگ گئی۔ وہ بھی انگلش کے پیپر میں تیاری کے بجائے اپنی ٹلے نویسی کروانے لگا۔

''امی آپ نے تو کہا تھا کہ بچہ بیمار نہ ہوجائے اس کا خیال کرو...... وہ تو نہیں ہوا مگر اس کی رپورٹس کارڈ دیکھ کر میں ضرور بیمار ہورہی ہوں۔'' جب اس کا رزلٹ آیا تو میں نے امی کو دوبارہ فون کرکے بتایا۔



دائیں سے انیلا عباس (بھابی) ایسہ رضوی (خالہ زاد بہن فرام انڈیا) صغریٰ زیدی (بہن فرام کینیڈا)



عذرا رسول اپنی بھابیوں کے ساتھ

''بیٹا کوئی بڑی مصیبت ٹل گئی ہے، کوئی بات نہیں، جان ہے تو جہان ہے۔'' امی میرا غم کم کرنے لگیں۔ پھر میرے پورے گھر نے میرا خواب سچا ہوتا دیکھا بلکہ زور، زور سے سچا ہوتا دیکھا۔ جس کا ذکر بعد میں کروں گی۔

خیر...... بات ہو رہی تھی میلاد کی محفل کی...... ذیشان اپنے ماموؤں، کزنز اور دوسرے احباب کے ساتھ مہمانوں کو ویلکم کر رہے تھے۔ عذرا آنٹی کی ایک بھابی ایسی سدا بہار شخصیت کی مالک ہیں کہ میں انہیں جب سے دیکھ رہی ہوں ان میں کوئی فرق نہیں پڑا، نہ ان کی ظاہری شخصیت میں اور نہ ہی ان کے اعلیٰ اخلاق میں، ان کا نام ہے رضوانہ منظر...... انڈیا سے بھی مہمان شادی میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے...... اور مجھے ان لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ عذرا آنٹی کی دوست حمیرا اور شائستہ بھی اپنی، اپنی فیملیز کے ساتھ موجود تھیں۔ عذرا آنٹی کی پرانی تینوں سہیلیاں عزیزوں جیسی ہیں اور ان کی ہر تقریب میں ہوتی ہیں۔

''آپ کچھ کمزور لگ رہی ہیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟'' شائستہ اعجاز سے مل کر میں نے ان کی خیریت دریافت کی۔

''دو، دو بہوئیں ہیں ہماری، کمزور تو دکھائی دیں گے......'' شائستہ آنٹی بھی مذاق کے موڈ میں تھیں۔

''ارے اب تو صحت بنانے کا ٹائم ہے، ورنہ بہوؤں سے مقابلہ کیسے کریں گی۔'' میں نے بھی مذاق میں جملے کا اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

امی، عذرا آنٹی کی بہنوں سے مل رہی تھیں، ان کی ایک بہن کینیڈا سے شادی میں شرکت کے لیے تشریف لائی تھیں۔ چھوٹی بہن سیدہ کو میں نے کافی عرصے بعد دیکھا تھا۔ ہمیشہ دیکھ کر، وہ مجھے بڑی معصوم سی لگتی ہے۔ مشہور اداکارہ عذرا محی الدین، (بیگم ضیا محی الدین) جو آنٹی کی کزن بھی ہیں وہ بھی تقریب میں بلیک کلر کے سوٹ میں کافی اچھی لگ رہی تھیں۔ فگر اچھا مینٹین کیا ہوا ہے لگ رہا تھا جیسے کوئی لڑکی کھڑی ہو۔ اداکارہ مشی خان چونکہ قریب ہی رہتی ہیں ان کی بھی فیملی موجود تھی۔ سب

مہمانوں کے علاوہ مجھے دلہن کی اماں اور بہنوں سے ملنے کا اشتیاق تھا... دلہن کی والدہ، والد، بھائی، چچا، پھوپی سب ہی لندن میں رہتے ہیں اور پورا خاندان ڈاکٹر ہے بلکہ ان کا..... ذاتی میڈیکل کالج اور اسپتال بھی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی میلاد کی محفل شروع ہوگئی۔ نزہت اصغر کی دونوں بیٹیاں میلاد پڑھ رہی تھیں۔ جبکہ ان کا ساتھ ان کی دیگر کزنز دے رہی تھیں۔ جو بھی محفل اللہ کے نام اور اس کے حبیب ﷺ کے نام کے ساتھ شروع کی جائے تو اس میں خیر و برکت ویسے ہی یقینی بن جاتی ہے۔ مشہور پامسٹ نزہت رضوی بھی کافی تپاک سے ملیں۔ چونکہ امی کی دوست ہیں اس لیے ہمارے لیے بھی قابلِ احترام ہیں۔

عذرا آنٹی تمام مہمانوں کے پاس آ، آ کر ان سے مل رہی تھیں اور ان کا احوال پوچھ رہی تھیں۔ آج ان کی زندگی کا بہت بڑا دن تھا، ان کا اکلوتا بیٹا دولھا بننے جا رہا تھا۔ ایک ماں، باپ کے لیے اس دن کا خواب اسی وقت سے آنکھوں میں سج جاتا ہے جب ان کا بچہ یا بچی پیدا ہوتے ہیں اور آج وہ دن آ پہنچا تھا۔ اب ہم سب تقریب میں بیٹھ کر معراج صاحب کی باتیں کر رہے تھے اور ان کی صحت مند زندگی کے لیے دعا گو بھی تھے۔ سب عذرا آنٹی کی ہمت کی داد دے رہے تھے کہ تن تنہا انہوں نے معراج انکل کی بیماری کے ساتھ، ساتھ اپنے بیٹے کو بھی سنبھالا اور دیگر تمام رشتوں کو بھی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ انہوں نے بیٹے کو بھی ایسی تعلیم دی جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ایسے ہی وقت کے لیے کہا گیا ہے کہ ایک ہو مگر نیک ہو......''

مشہور ٹی وی اداکارہ عینی جعفری بھی تقریب میں موجود تھیں۔ ٹی وی پر تو یہ کافی بڑی، بڑی دکھائی دیتی ہیں مگر ہائی ہیل پر وہ چھوٹی سی گڑیا دکھائی دے رہی تھیں۔ مختصر میلاد ٹائم سے شروع ہو کر ٹائم پر ہی خیر و خوبی کے ساتھ اختتام پزیر ہوا۔ ٹائم کی پابندی عذرا آنٹی کے ہاں شروع سے دیکھی گئی ہے سو آج بھی یہی روایت برقرار رہی۔ سلام پڑھنے کے بعد دعا ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ڈنر کے لیے بلایا جانے لگا۔ کھانے کا انتظام لان کے دوسرے حصے کی طرف تھا جہاں پر گرم تندور بھی لگایا گیا تھا۔ جہاں مہمانوں کے لیے گرم، گرم تل والے نان جن پر ہرا دھنیا چھڑکا ہوا تھا اور مکھن ملا ہوا تھا، مہمانوں کے لیے پیش کیے جا رہے تھے۔

ہر مہمان بڑے آرام، احتیاط اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ ڈنر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لکھنؤ والے جو ٹھہرے...... پہلے آپ لیجیے...... پہلے آپ لیجیے کی صدائیں علیحدہ سنی جاسکتی تھیں۔ ہم نے تو جناب نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ ویسے ہی رات کے تقریباً پونے گیارہ بج رہے تھے حالانکہ عام طور پر یہ ٹائم کراچی کی تقریبات میں کھانے کا نہیں ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی، جلدی آئے، درست آئے کے محاورے پر عمل کرتے ہوئے (جو اسی وقت ہم نے بنایا تھا) ڈنر لینے اٹھ کھڑے ہوئے اور جب اسے لے کر پلٹ رہے تھے جو دو پلیٹوں (کسوئی کے لیے بھی لے لی تھی) ٹیبل پر ای وغیرہ کے لیے بھی کولڈ ڈرنک لے لی تھی اور چار کولڈ ڈرنک پر مشتمل تھا) کسی نے پکڑ کر دلہن کی والدہ سے تعارف کروایا کہ یہ ہیں عظمیٰ آفاق، بہت اچھا لکھ رہی ہیں آج کل......دلہن کی اماں نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور دیکھتی ہی رہ گئیں کیونکہ اب نہ میں ان سے ہاتھ ملا سکتی تھی اور نہ گلے لگ سکتی تھی۔ بوتل بیچ میں آجاتی ناں...... اس وقت میری حالت کیا تھی، یہ میں اور میرا اللہ ہی جانتا ہے۔ ظاہر ہے وہ تو یہی سوچ رہی ہوں گی کہ یہ دو پلیٹ چاول اور چار بوتلیں پیتی ہے، تبھی اس کا پیٹ بھرتا ہے۔ بس یہ تو اللہ کے کام ہیں کہ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے......

اب میں نے ذرا غور سے لوگوں کی پلیٹوں میں

دیکھنا شروع کیا تو یہ کیا......؟ کوئی زیادہ کھانا ہی نہیں لے رہا تھا...... چائنیز رائس پر چوپسی ڈالی نہیں بلکہ ٹپکائی جا رہی تھی، کھانا لینے کے بعد بھی لوگوں کی آدھی سے زیادہ پلیٹ خالی تھی۔ جبکہ ہماری پلیٹ کا تو یہ حال تھا کہ ذرا سا ہل بھی جاتے تو کھانے کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا۔ ''اب اگر کسی نے مجھ سے کچھ منگوایا ناں تو میں بتاؤں گی۔ کسوئی اور اجیہ اب خود جا کر لینا اگر کچھ لینا ہو تو......'' میں نے واپس آ کر دونوں بچیوں کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔

''امی آپ کافی لے آئی ہیں، یہ سب کے لیے بہت ہوگا۔'' اجیہ مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھی کہ اماں کو کیا ہو گیا ابھی تو خیریت سے گئی تھیں۔ ویسے ایک خاص بات کہ دلہن کی والدہ نہیں بلکہ سارے گھر والے کافی سمپل ہیں، کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ ڈاکٹرز ہیں، نہ ان کی چال ڈھال، نہ ان کی گفتگو میں کوئی دکھاوا اور تکبر تھا ساری لڑکیاں اسکارف پہنے بڑے، بڑے دوپٹے لیے بہت ہی پاکیزہ لگ رہی تھیں اور میں دل میں سوچ رہی تھی کہ لندن میں رہنے والے اس طرح کے لوگ ہم سب سے اچھے مسلمان ہیں۔ جن کے کانوں میں نہ تو اذانوں کی آوازیں آ رہی ہیں اور نہ ان کے آگے پیچھے مسلمان موجود ہیں۔ ایک ایسی دنیا کے کونے میں رہتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اپنی پہچان اور اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنا بلکہ دوسروں کے لیے بھی مشعلِ راہ بننا قابلِ تعریف بات ہے۔

بچوں کے گھر سے بار، بار فون آ رہے تھے کہ جلدی آ ئیں، بس پھر جلدی، جلدی کھیر کھائی، ورنہ کھائی تو ذرا آرام سے تھی۔ کشمیری چائے بھی پوری نہیں پی پائی۔ ڈرائیور کو آواز دے کر گھر کی راہ لی کہ دوسرے دن ایک زبردست سی تقریب ہماری منتظر تھی۔ ارے یہ بتانا تو بھول گئی کہ واپسی پر سوجی اور میوے کی پینیڈیاں اور ایک مٹھائی کا ڈبا ہر مہمان کو دیا گیا......



دائیں سے انجم انصار، عذرا رسول، یاسمین رشید اور ممتاز ضیا

دو جنوری کو شادی تھی آج سب بچوں کے جانے کا پروگرام تھا۔ آفاق کو کسی اور تقریب میں جانا تھا تو انہوں نے ولیمے میں جانے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ شادی ہمارے گھر کے نزدیک ہی سدا بہار ہال میں تھی۔ اسی لیے تیار ہو کر ذرا آرام سے نکلے کہ دس منٹ کا فاصلہ ہے۔ جلدی پہنچ جائیں گے۔ اجیہ اور کسوئی نے ریڈ کلر کا فراک چوڑی دار پہنا تھا، دونوں بیٹے پینٹ شرٹ پہنے تھے۔ امی نے پنک کلر کا شلوار قمیص جس کے دوپٹے پر بڑا نفیس براون کام تھا پہنا تھا جبکہ میں نے پرپل کام والا جوڑا پہنا تھا۔ ہم لوگ ساڑھے نو پونے دس تک شادی ہال پہنچے تو پتا چلا کہ جناب بارات آچکی، نکاح ہو چکا......اور دولھا اور

دلہن اسٹیج پر بیٹھے ہیں۔

''یہ کیسے ہوا بھئی؟ اتنی جلدی بارات آ گئی......'' میں نے یاسمین آنٹی سے پوچھا جو ہمیں فوراً ہی مل گئی تھیں۔

''ارے بارات تو ساڑھے آٹھ بجے آ گئی تھی، عذرا ہمیشہ سے ٹائم کی پابند ہیں تو دیر کیسے ہوتی......'' یاسمین آنٹی بتارہی تھیں۔

وہیں ہمیں پتا چلا کہ گھر میں ذیشان کی سہرا بندی کے وقت ثمین کے شوہر طیب کو زبردست نیگ ملا کیونکہ یوپی کے لوگوں میں سہرا یا صافہ بہنوئی باندھتا ہے اور خوشی، خوشی اسے نیگ دیا جاتا ہے۔

اور جناب بہنوئی کو تو تگڑا نیگ ملا ہی ساتھ میں دولھا کے بھائی کو بھی ہار پہنانے پر برابر کا نیگ دیا گیا کیونکہ یہ عذرا آنٹی کے ہاں کی خاندانی رسم تھی۔ ساتھ ہی ہمیں یہ بھی پتا چلا کہ ابھی جب گھر جا کر ثمین دلہن اتروائیں گی تو روپی اور گولڈ کا کڑا ان کو نیگ میں ملے گا۔ واہ بھئی دولھا کی اکلوتی بہن ہونے میں کتنا فائدہ ہے۔

عذرا آنٹی کی ساری بھابیاں بلکہ زیادہ تر باراتی خواتین اور بچیاں آج غراروں میں تھیں اور سب بہت پیارے لگ رہے تھے اور دولھا کی بہن ثمین تو زبردست تیاری کے ساتھ آئی تھیں۔ سارے زیورات میں ان کی گولڈ کی خوب صورت ماتھا پٹی سب سے نمایاں تھی اور عالیہ بھابی نے بھی اپنی تیاری میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ نزہت اصغر، رضوانہ، سب بہت تپاک سے ملیں۔ مجھے اب دولھا اور دلہن کو دیکھنے کی پڑی تھی کہ تھوڑی دیر بعد ہی میں ان دونوں کے سامنے تھی۔ دلہن کم عمر، نازک اندام اور ہنس مکھ سی لگی۔ بڑی، بڑی ذہانت سے بھری آنکھیں اس کے چہرے کی خوب صورتی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ ریڈ کلر کے شاہانہ عروسی جوڑے میں کسی ریاست کی شہزادی معلوم ہو رہی تھی اور ذیشان میاں، ان کے تو کیا کہنے...... آف وائٹ شیروانی جس کے کالر پر ہلکا سا کام تھا اور میرون کلاہ بہت ہی عالی شان دکھائی دے رہے تھے اصل میں دونوں ہی کم عمر ہیں اور یوں بھی کم عمری کا حسن الگ ہی ہوتا ہے۔

عذرا آنٹی کی دوستوں میں حمیرا طارق، شائستہ اعجاز اور یاسمین رشید وغیرہ سب سے ملنے ملانے کے بعد اب جا کر ہم اپنی نشست پر بیٹھے۔ ہال کو غور سے دیکھنے کا جو موقع ملا تو بھئی کیا خوب ہال تھا اور کیا اس کی ڈیکوریشن تھی...... مزہ آ گیا...... ہر طرف فریش فلاورز سجے ہوئے تھے حتیٰ کہ فانوسوں تک پر ریڈ روز بھر دیے گئے تھے۔ وہاں بیٹھ کر اپنا آپ اہم لگ رہا تھا اور یہی کسی شاندار پارٹی کی کامیابی ہے۔ پردے کی وجہ سے مردانہ اور زنانہ الگ تھا۔ اسی وجہ سے تصویریں کھینچنے کی ذمے داری پر بھی خواتین مامور تھیں۔ عذرا آنٹی بہت خوب صورت سوٹ میں ملبوس تھیں۔ لائٹ سے میک اپ میں سجا ان کا چہرہ سب سے الگ اور خوب صورت دکھائی دے رہا تھا۔ اس پر شاکنگ پنک دوپٹا سر پر لیے وہ اپنے مہمانوں سے مل رہی تھیں۔ مہمانوں کے لیے ہر ٹیبل پر ایک، ایک پاؤ مٹھائی کے ڈبے موجود تھے کہ ہر مہمان اپنے گھر شادی کی خوشی میں مٹھائی لے کر جائے۔

تھوڑی ہی دیر بعد کھانا لگنے کا اشارہ دیا گیا۔ مینیو میں کیا تھا...... جو نہیں تھا...... یا کیا رہ گیا تھا جو رکھا جا سکتا تھا۔ ہر کھانے کی ڈش کے ساتھ اس کے نام کا ٹیگ تک رکھا گیا تھا۔ جیسا کہ فائیو اسٹار ہوٹلز میں ہوتا ہے۔ بریانی، وائٹ کڑاہی، فرائیڈ فش، پراؤنز، تکہ، چانپیں اور نہ جانے کیا کیا...... کہ اتنے آئٹم دیکھ کر ہی انسان کی آدھی بھوک ختم ہو جائے...... سلاد کی بہترین ورائٹی اور لذیذ ترین کھانا، بے انتہا اچھا ماحول کہ ویٹرس ٹیبلوں پر کھانا لا کر دے رہی تھیں۔



عذرا رسول اور ذیشان رسول ولیمے کی تقریب میں مہمانانِ گرامی کی آمد کے منتظر

''امی فش بہت اچھی ہے، میں اور کھالوں؟'' کسوئی مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

''اچھا ایک پیس اور لے لو۔'' میں نے فش اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''پراونز کو تو کافی دیر تک میں رول سمجھ رہی تھی پھر تھوڑی دیر بعد پتا چلا کہ یہ پران ٹمپورا ہے۔'' اجیہ امی سے کہہ رہی تھی۔

''امی آئس کریم بھی ہے......'' کسوئی اطلاعات بہم پہنچا رہی تھی۔

''نانی آپ کے لیے آئس کریم لاؤں؟'' اجیہ، امی سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں بیٹا شوگر ہے، بڑھ جائے گی تو پھر کنٹرول کرنا مشکل ہو جائے گا۔'' امی، اجیہ کو منع کر رہی تھیں۔

''ارے امی شوگر تو روز ہوتی ہے، آئس کریم روز تھوڑی ہوتی ہے۔ کھالیں......'' میں امی سے مذاق کر رہی تھی۔ (میری ماں، میری بیسٹ فرینڈ بھی ہیں...... اس لیے ان سے مذاق بھی خوب ہوتا ہے مگر تہذیب کے دائرے میں) تھوڑی دیر بعد ویٹرس کسی بوتل کے جن کی طرح گرم، گرم کافی کے کپس لے کر حاضر ہوگئیں۔ اور کچھ لاؤں...... میٹھا لاؤں...... کولڈ ڈرنک لاؤں...... ایک جاتی تو دوسری ویٹریس پوچھنے آجاتی۔ ہم لوگ شاید زیادہ کھا رہے ہیں، اس لیے سارا عملہ ہم لوگوں کو ہی کھلانے میں لگ گیا ہے کہ ان بھوکوں کا پیٹ بھر جائے پھر کسی اور کو دیکھیں گے۔ میں نے دل میں سوچا...... بعض خیالات ایسے ہوتے ہیں کہ چاہتے ہوئے بھی انہیں کسی سے شیئر نہیں کیا جا سکتا تو یہ بھی ان میں سے ایک تھا۔

وہ تو بعد میں پتا چلا کہ دلہن والوں نے کچھ ٹیبلز کے لیے خاص ہدایات دی تھیں کہ ان کا خاص خیال رکھا جائے۔ جس میں ایک ہم لوگ بھی تھے۔ بہت، بہت شکریہ ڈاکٹر رضی محمد اینڈ فیملی کا۔

''آج شادی میں اتنا جلدی نمٹ گئے تو کل ولیمے میں تو ہر کام اور ٹائم پر ہوگا......'' امی مجھ سے کہہ رہی تھیں۔

''واقعی لگ تو ایسا ہی رہا ہے، ورنہ شادی جیسا فنکشن...... اور گیارہ سوا گیارہ بجے تک نمٹ بھی گئے۔ تعجب ہے۔'' میں نے بڑی حیرت سے کہا۔

''اب ذرا اٹھ کر چلا جائے اور خدا حافظ بھی کر لیا جائے۔'' امی کھڑے ہوتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ہماری بھاوج آپ کی فین ہے، اسے بہت شوق ہے آپ سے ملنے کا.....'' دلہن کی امی اپنی بھاوج سے امی کا تعارف کروا رہی تھیں۔ ''میں نے بہت پڑھا ہے آپ کو..... مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ سے مل کر.....'' وہ امی کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھیں۔

''امی آئس کریم.....'' کوئی میرے کان میں منمنا رہی تھی۔

''بیٹا کھا تو لی تھی، کیا پاگل ہو گئی ہو..... ابھی طبیعت خراب ہو جائے گی.....'' میں نے اسے منع کیا۔

''گاڑی میں کھاتی ہوئی جاؤں گی ناں.....'' وہ آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بولی۔

''اچھا، اچھا چلو لے لو.....'' میں نے ان کی پوزیشن دیکھتے ہوئے حامی بھر دی۔

تو یوں ساتھ خیریت کے..... شادی ہوئی اور خیر و خوبی کے ساتھ ذیشان صاحب بھی بیگم والے ہو گئے۔

تین جنوری بروز ہفتہ ولیمہ تھا۔ آج تو ہمیں آفت اور قیامت لگنا تھا کیونکہ آج ولیمے میں کئی رائٹرز سے ملاقات ہونی تھی۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے فرسٹ امپریشن از دا لاسٹ امپریشن.....

بس اسی بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے آج کے دن کی تیاری کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا تھا، ایڑی چوٹی ایسے ہی لکھ دیا حالانکہ چوٹی ہماری ہے نہیں، سارا زور ایڑی پر ہی ہے۔

آفاق، میں اور بچے رات تقریباً ساڑھے نو کے قریب مقررہ کلب پہنچ گئے۔ امی کافی جلدی چلی گئی تھیں۔ کیونکہ آج وہ بھی میزبانوں میں سے تھیں۔ ہم جب پہنچے اس وقت بھی کافی مہمان پہنچ چکے تھے۔ کلب میں داخل ہوتے ہی ای پر نظر پڑی جو پرپل کلر کی ساڑی میں ملبوس ہمیشہ کی طرح سوبر اور ڈیسنٹ دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی اختر شجاعت بیٹھی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح ہنس مکھ اور نیک صورت..... ان سے ملنا جلنا اس وقت سے ہے جب ان کی شادی ہوئی تھی۔ اب تو ان کی بیٹی ماشاء اللہ بی' بی اے کر چکی ہے۔ شوہر بھی ان کے بہت نائس ہیں۔ ساتھ ہی اسلام آباد سے خاص طور پر آئی ہوئی رفاقت جاوید اپنی دوست خورشید کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ یہ دونوں خواتین مجھے بہت پسند ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ رفاقت آنٹی کے شوہر پائلٹ ہیں اور ائر مارشل رینک کے افسر تھے حال ہی میں ریٹائرڈ ہوئے ہیں..... مگر دونوں میاں، بیوی کی پرسنالٹی بہت ہی ڈیشنگ ہے۔ اوپر سے جب بھی میں ان سے ائرفورس کی کہانیاں سنتی ہوں تو اپنے آپ کو بھی وہیں محسوس کرتی ہوں۔ ہمارے تو جان پہچان میں کسی نے جہاز تو دور کی بات ہے گاڑی بھی ڈھنگ سے نہیں چلائی..... جب بھی چلائی مار کر ہی لائے۔

کبھی سامنے والے کی غلطی تھی..... تو کبھی، پیچھے والے کی غلطی تھی..... (میرے اردگرد رہنے والا کوئی فرد بھی اپنی غلطی نہیں مانتا دکھائی دیا ہے)

''سنیں کبھی آپ کی بھی غلطی ہوتی ہے؟'' ایک دن میں نے آفاق سے پوچھا۔

''میں کیوں کروں گا غلطی..... میرا ڈرائیور بھی بہت اچھا ہے..... وہ بھی غلطی نہیں کر سکتا..... دوسرے لوگ دیکھ کر نہیں چلاتے۔''

''بس کہیں جانا ہوتا تھا تو جاوید کہتے تھے کہ جلدی' جلدی بیٹھو کراچی چلتے ہیں۔ اور ہم لوگ سب جلدی' جلدی سامان وغیرہ لے کر بیٹھ جاتے تھے۔'' رفاقت آنٹی جہازوں کی کہانیاں اتنے آرام سے سنایا کرتی ہیں کہ اتنے آرام سے تو ہم کبھی کلفٹن بھی نہیں گئے۔

رفاقت آنٹی بہت پیاری گلابی پھولوں کی ساڑی میں ملبوس تھیں جبکہ خورشید آنٹی براؤن سوٹ میں تھیں۔ تھوڑا اور آگے بڑھے تو ایک ٹیبل پر ساری رائٹرز اپنے جلوے بکھیر رہی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح

سب سے پہلے یاسمین رشید، شائستہ اعجاز اور ثمیرا سے ملاقات ہوئی اس کے بعد ٹی وی پروڈیوسر عامرہ شاہد رضوانہ پرنس، عقیلہ حق، نزہت جبیں ضیا، ڈاکٹر ممتاز ضیا، سعدیہ رئیس، نگہت غفار، ناہید فاطمہ حسنین اور رفعت سراج سے ملاقات ہوئی۔ رفعت سراج بڑے پیارے بلیک سوٹ میں ملبوس تھیں، چشمے کے اندر سے ان کی جھانکتی ہوئی موٹی، موٹی آنکھیں ان کے ذہین ہونے کا اعلان کرتی ہیں۔ بات بڑے آرام سے اور چبا، چبا کر کرتی ہیں۔ سعدیہ رئیس کے ساتھ ان کی بیٹی بھی آئی تھی...... جو دلہن بن کر بے حد خوب صورت لگ رہی تھی اور جس کی شادی کا احوال میں نے شاید چار رسائل میں پڑھا تھا۔

''عظمیٰ! تمہیں آنے میں دیر کیوں ہوگئی؟'' رضوانہ آنٹی محبت سے ہاتھ پکڑ کر پوچھ رہی تھیں۔

''ٹریفک جام کی وجہ سے۔'' میں نے بات بنائی۔

''تم تو پہچان ہی نہیں رہی ہو۔'' شگفتہ شفیق پاس آکر کہہ رہی تھیں۔ (یہ محبت سے مزین پرسنالٹی ہے۔ لہجے سے امرت ٹپکتا ہے یہ واقعی شگفتہ بھی ہیں اور شفیق بھی)

''وہ ذرا آج میں نے میک اپ زیادہ کرلیا ہے بلکہ سب نے کیا ہوگا تو آج مجھے پہچاننے میں ذرا دقت محسوس ہورہی ہے۔'' میں نے ازراہِ مذاق کہا۔

''ذرا عذرا آنٹی کو مبارک باد دے دوں...... پھر آتی ہوں۔'' میں آگے جاتے ہوئے بولی۔

عذرا آنٹی اپنے بیٹے کی تقریبِ ولیمہ میں بہت مطمئن اور خوش دکھائی دے رہی تھیں اس لیے کہ اپنی من چاہی بہو انہیں مل چکی تھی۔ انہوں نے گاجری گلابی رنگ پہن رکھا تھا۔ سوٹ پر بہت خوب صورت ایمبرائڈری بھی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح بے حد دیدہ زیب اور خوب صورت لگ رہی تھیں۔ (ماشاء اللہ) وہ بہت محبت سے گلے ملیں۔

عذرا آنٹی کو مبارک باد دے کر میں نے اسٹیج کی طرف رخ کیا کہ ذرا دولہا اور دلہن کو بھی دیکھا جائے۔ دولہا، نیوی بلیو کوٹ پینٹ میں بہت پیارا لگ رہا تھا اور دلہن پرپل مکس پنک کلر کے لہنگے میں بالکل ڈول لگ رہی تھی۔ آفاق نے بھی عذرا آنٹی سے مل کر انہیں شادی کی مبارک باد دی جس پر وہ بہت خوش ہوئیں۔ فرحان ان کی بیوی عالیہ اور بہن سبین مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ آج بھی دونوں کی تیاری قابل دید تھی اور عذرا آنٹی کی بہنوں کے ساتھ، ساتھ ان کی



روشن (ذیشان کی میڈ) دلہن کے ساتھ

بھابیوں نے بھی تمام انتظامی امور سنبھالے ہوئے تھے۔ خاص طور پر نزہت اصغر نے تمام دن سارے فنکشنز میں ایکٹو پارٹ پلے کیا تھا جس پر وہ مبارک باد کی مستحق ہیں۔ عقیلہ حق تو سونے کی ڈلی لگ رہی تھیں۔ جی ہاں ان کے میاں شاید جیولر ہیں۔ لگتا ہے کہ ان کی

دکان کی تمام چیزیں دو، دو بنتی ہوں گی، ایک ان کے لیے اور دوسری بیچنے کے لیے...... ان کے کس جگہ سونا نہیں تھا، سر کے کلپ سے لے کر ہاتھ کے پرس تک اچھا خاصا بیس تیس لاکھ کا چلتا پھرتا پیکج تھیں مگر بہت خوب صورت لگ رہی تھیں اور خواتین انہیں بڑے رشک سے دیکھ رہی تھیں۔ سعدیہ رئیس کالی ساڑی میں قیامت ڈھا رہی تھیں مگر نہ تو وہ داماد والی لگ رہی تھیں اور نہ بیٹی میرڈ...... دونوں ہی چھوٹے، چھوٹے لگ رہے تھے۔ ماشاء اللہ...... ڈاکٹر ممتاز ضیا کافی نائس خاتون ہیں، کسوئی سے ملنے کے بعد بولیں کہ "کاٹنے والی فراک پہنادی تھی اماں نے......؟ اب مت پہننا......" کسوئی بھی پریشان کہ گھر کی باتیں ان کو کیسے پتا چل گئیں...... ڈاکٹر ممتاز مجھے پہلے سے کافی دبلی لگیں۔ رضوانہ پرنس گرین کلر کے شیفون کے سوٹ میں ملبوس تھیں۔ ایک جاندار مسکراہٹ جو اُن کی شخصیت کا حصہ ہے وہ آج بھی ان کے چہرے پر موجود تھی۔ ضیا محی الدین کی بیگم یعنی اداکارہ عذرا محی الدین بھی تقریب کا حصہ تھیں...... بلیک کلر کے ویلوٹ کے سوٹ جس پر لال پھول تھے اس میں ملبوس کافی اچھی لگ رہی تھیں۔ یا پتا نہیں جس کی بڑی، بڑی آنکھیں ہوں وہ مجھے بہت خوب صورت لگتا ہے سو عذرا محی الدین کی ہیں۔ نزہت جبیں ضیا ہمیشہ کی طرح سوبر اور سمپل لگیں...... سب اجیہ اور مجھے دیکھ کر حیرت کا اظہار کر رہے تھے کیونکہ ہم دونوں ماں بیٹی کم بہنیں زیادہ لگتے ہیں۔ مجھے تو سن کر ہمیشہ بہت اچھا لگتا ہے بلکہ سیکڑوں گیلن خون بڑھ جاتا ہے۔ جبکہ اجیہ صاحبہ کہتی ہیں کہ پتا نہیں لوگوں کو یقین کیوں نہیں آتا۔ پاکیزہ آفس سے وابستہ کافی لوگ تقریب میں شریک تھے...... سب ہی سے علیک سلیک ہوئی...... آمنہ حماد سے میری پہلی دفعہ ملاقات تھی، پیاری سی لڑکی ہیں۔ اجیہ کے اسکول کی ایک دوست بھی تقریب میں انہیں مل گئیں۔ بعد میں پتا چلا کہ اخبار سے وابستہ شخصیت قیصر مسعود جعفری کی صاحبزادی ہیں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ کئی شخصیات تقریب کا حصہ تھیں۔ سن سیٹ کلب ڈیفنس کے اس ویڈنگ لان کو بھی بہت خوب صورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ کرسیوں کے ساتھ، ساتھ بیچ، بیچ میں صوفوں کی بھی سیٹنگ کی گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی کھانے کے لیے مدعو کیا جانے لگا، جس میں کئی انواع واقسام کے کھانے ہمارے منتظر تھے، انتظامات کا خیال رکھنے کے لیے بھی کافی اسٹاف چاق و چوبند کھڑا تھا کہ کسی چیز کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔ قابوں میں آخر وقت تک کھانے ری فِل ہوتے رہے تھے۔ رمضان انکل کافی دنوں بعد اس تقریب کی بدولت نظر آئے۔ وہ اکیلے آئے تھے ان کی بیگم سلطانہ آنٹی ساتھ نہیں تھیں اور خاصے کمزور دکھائی دیے۔ "آپ اکیلے آئے ہیں؟ سلطانہ آنٹی ساتھ نہیں ہیں؟" ان سے دعا سلام کے بعد میں نے پوچھا۔

"ارے ان کا کیا نام لے لیا...... منہ کا ذائقہ خراب ہوگیا۔" رمضان انکل نے منہ بناتے ہوئے مذاقاً کہا۔ جی ہاں مذاق کی ان کی خاصی عادت ہے، اپنی بیگم کو موضوع بنا کر ایسے، ایسے مذاق کرتے ہیں کہ سننے والا حیران و پریشان سا ہو جاتا ہے۔ ویسے ان کی بیگم بھی ان کے ایسے مذاق کی عادی ہیں وہ مسکراتی رہتی ہیں۔

آج چاروں بچے اور میاں حضور ساتھ تھے۔ اس لیے ہمیں کھانے کے لیے اٹھنا نہیں پڑ رہا تھا۔ کبھی کوئی بچہ کچھ لاکر دے رہا تھا تو کبھی کچھ...... زیادہ بچوں کے فائدوں میں یہ بھی ایک آزمودہ فائدہ ہے کہ تقریبات میں کھانے کے حصول کے لیے دوڑ بھاگ نہیں کرنی پڑتی۔

دولھا ذیشان چونکہ آج میزبان بھی تھے اس لیے کبھی وہ اسٹیج پر دلہن کے پاس بیٹھتے پھر تھوڑی دیر بعد

دوستوں اور عزیزوں سے ملنے کے لیے اسٹیج سے اتر آتے پھر موقع ملتے ہی دوبارہ اپنی دلہن کے پاس اسٹیج پر واپس آجاتے۔ دونوں کی ہنسی اور دونوں کی خوشی ان کے مضبوط بندھن اور محبت کی گواہی دے رہی تھی۔

اللہ ان دونوں کو تمام بلائیات سے محفوظ رکھے...... دونوں کے درمیان محبت، پیار اور عزت قائم رکھے۔ الٰہی آمین۔

جاتے، جاتے دعا گو ہوں کہ عذرا آنٹی اور معراج انکل آپ دونوں ذیشان اور فاطمہ کی تمام خوشیاں دیکھیں...... جلد ہی ان کے بچے دیکھیں..... ان کی خوشیوں کو کبھی کسی کی نظر نہ لگے..... اور ان دونوں کا میل، ان دونوں کا جوڑ اور ان دونوں کی خوشیاں اللہ مبارک کرے.....

پیاری بہنو..... میری ان دعاؤں کے حصار میں اب آپ ہماری عذرا آنٹی کے قلم سے چیدہ، چیدہ جھلکیاں بھی پڑھ لیں..... کہ جو وہی لکھ سکتی تھیں۔

☆☆☆

شادی کی جھلکیاں عذرا رسول کے قلم سے

☆انجم انصار تقریب ولیمہ کی اصل میزبان بنیں، جو میرے پہنچنے سے آدھا گھنٹا پہلے پہنچ گئی تھیں اور لوگوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ (دل سے ان کی مشکور ہوں)

☆اقبال بانو نے رسالہ پڑھتے ہی فوراً فون کیا پہلا فون ان ہی کا تھا۔ (اقبال بانو دعاؤں اور حوصلہ افزائی کا بے حد شکریہ)

☆لکھنؤ کے لوگوں میں شادی کی اہم رسم نیگ دینا ہوتا ہے ذیشان کی طرف سے پاکستان، انڈیا سے لے کر کینیڈا تک کی کزنز کو نیگ دیا گیا۔

☆میری بڑی ممانی جان (جو کہ کئی سال سے بیماری کا سامنا کر رہی ہیں) خاص طور پر آئیں اور اپنے ہاتھ سے سب کو نیگ کی چیزیں بانٹیں۔ حالانکہ اس کے بعد وہ بہت تھک گئی تھیں۔ (ممانی جان آپ کی محبت کا شکریہ نہیں ادا کر سکتی خدا آپ کو عمرِ خضر عطا کرے)

☆ممانی جان کی طرف سے فاطمہ کے لیے ہاتھ کا زیور تھا جو فاطمہ کو بے حد پسند آیا۔ ممانی جان کے گھر جو مہمان ٹھہرائے گئے تھے انہوں نے مہمان داری کا خوب لطف اٹھایا۔ (ممانی جان بے حد فراخ دل ہیں)

☆نزہت اصغر (میری بھابی) نے پورے گھر کو تین چار دن کی محنت سے خوب محبت سے سجایا تھا ساری چیزیں خود لے کر آئیں...... (شکریہ تمہاری محبت کا)

☆اینلا عباس (میری بھابی) نے تازہ پھولوں سے پورے گھر کی سجاوٹ کی اور خاص بات یہ تھی کہ دونوں میاں، بیوی ایک ہفتے تک پھولوں کو تازہ رکھنے کے لیے روز پانی دیتے تھے اور کانٹ چھانٹ کرتے تھے (یہ کوئی آسان کام نہیں تھا...... اینلا تم سب لوگ



اسلام آباد سے خصوصی طور پر شرکت کی غرض سے آنے والی رائٹر رفاقت جاوید اور ان کی دوست مسز کموڈور شبیر، عذرا رسول کی خوشیوں میں برابر کی شریک

ہمیشہ پھولوں کی طرح مہکتے رہو)

☆ نزہت اصغر کی بیٹی بنین نے کئی موقعوں کی انتہائی خوب صورت اور یادگار تصاویر لیں۔ (اب وہ میرے ہر فنکشن کی باقاعدہ فوٹو گرافر ہوگی بے منٹ کے ساتھ)

☆ رضوانہ منظر (میری بھابی) کے گھر بھی مہمان ٹھہرائے گئے تھے جنہوں نے بتایا کہ مزے دار باتوں کے ساتھ مزے دار کھانے، ناشتے بھی ملے (یہ بھائی، بھابی بہت ہی دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔ تمام رشتے دار ان کے ہاں ہر وقت آنے جانے اور ان کو بلانے کے لیے تیار رہتے ہیں)

☆ افشاں ثمر (سب سے چھوٹی بھابی) اور اس کے بچوں نے خاص طور پر شادی کے بعد کے امور نمٹانے میں بہت مدد کی بلکہ لندن لے جانے کے لیے فاطمہ کے سامان کی پیکنگ میں خوب ہاتھ بٹایا۔ (تم سب لوگ جیتے رہو)

☆ ایلیا حیدر (ماموں زاد بہن) انٹیریئر ڈیکوریٹر ہے۔ اس نے چھ مہینے سے میرے گھر اپنا کام شروع کیا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم اور لاؤنج کا تو اس نے نقشہ ہی بدل دیا اور خوب تعریفیں سمیٹیں اور اگلی بکنگ بھی کرتی رہی۔ (وہ خاصی مہنگی ڈیکوریٹر ہے)

☆ ذیشان نے اگلے دن فاطمہ کے گولڈ کے گفٹس دیکھ کر مذاق میں کہا کہ مما آپ تو اب باقاعدہ ایک جیولر شاپ کا آغاز کر سکتی ہیں۔

☆ سبین رسول نے بڑی بہن ہونے کے ناتے گولف کلب میں انتہائی شاندار دعوت کا اہتمام کیا اور تقریباً تمام رشتے داروں کو مدعو کیا اسے منی ولیمہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

☆ فرحان رسول اور عالیہ کی دعوت وقت کی کمی کی وجہ سے ملتوی ہوئی جس کا انہیں بہت افسوس تھا کئی بار دونوں نے اس بات کا ذکر کیا..... (انشاء اللہ اب ذیشان اور فاطمہ آئیں گے گھر پر ایک بڑی دعوت رکھوں گی۔ سب اس کو اپنی ہی طرف سے دعوت تصور کرلیں)

☆ انجم انصار کے خیال میں ذیشان رسول واقعی شہزادے لگ رہے تھے۔ (آپ لوگ تصویریں دیکھ کر خود فیصلہ کرلیں) ہر ماں کی نظر میں تو اس کا بیٹا شہزادہ ہی ہوتا ہے۔

☆ موسم سرما میں منعقد کی گئی اس تقریب میں سب اس لیے بھی بہت خوش تھے کہ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور سجنے، سنورنے کا سب ہی کو بے حد لطف آیا اور سب ان تمام دنوں میں بے حد لطف اندوز ہوئے۔

☆ ویسے تو میں پہلے بھی یہ بات کہہ چکی ہوں مگر ایک دفعہ پھر ان تمام ہی خواہوں، دوست احباب اور خصوصاً پاکیزہ کے مداحین و قارئین کا بے حد شکریہ کہ جنہوں نے فون و خطوط کے ذریعے مبارک باد دی اور اپنی پُرخلوص دعاؤں میں مجھے اور میرے خاندان کو یاد رکھا۔ اللہ آپ سب لوگوں کی بھی دلی مرادیں اور نیک خواہشات بر لائے۔ (الٰہی آمین)

☆ دولہا اور دلہن تو سب کو پیارے لگ ہی رہے تھے مگر مہمانانِ گرامی بھی سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے...... خصوصاً میری مصنفات کی تیاری تو دیکھنے کے قابل تھی۔ (ماشاء اللہ) ایک بات اور کہ کچھ مصنفات شادی میں تو ضرور آئی تھیں مگر ان کی گروپ فوٹوز نہ بن پائیں تو اس کے لیے معذرت کے سوا کیا کہہ سکتی ہوں۔

پیاری بہنوں شادی کا مفصل احوال تو عظمٰی آفاق نے لکھ دیا ہے یہ جھلکیاں تو اندر کی باتیں تھیں جو لوگوں کے اصرار پر مختصراً میں نے لکھ دی ہیں۔ ورنہ تفصیل تو بہت ہے۔

☆☆☆

جی بہنو! امید ہے ذیشان رسول کی شادی کا تفصیلی احوال پڑھنے کی آپ کی خواہش اب پوری ہوگئی ہوگی۔ اس کے لیے مجھے اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔ اب عظمٰی آفاق کو اجازت دیجیے۔ اللہ نگہبان



کوئی اور کرے تو

ہالہ احمد

”نی کڑیو چڑیو...... کتھے ہو بھئی......؟“ جونہی ثوبیہ آپا کی پاٹ دار آواز کانوں میں پڑی ٹی وی پر کوکنگ شو سے ”کرنچی کیک“ کی ترکیب نوٹ کرتی ”کڑی“ اور ”چڑی“ اپنی، اپنی نشست سے اچھل پڑیں۔ ثوبیہ آپا جو

کمرے میں قدم رنجہ فرماتے ہوئے یہ منظر اپنی بے گناہ آنکھوں سے دیکھ چکی تھیں، خوب محظوظ ہوئیں۔
”ہا...... ہائے...... تم دونوں کیا ”ڈڈووں“ (مینڈک) کی طرح چھلانگیں لگا رہی ہو۔“

''کوئی کام تھا تو بیہ آپا؟'' اب کے صبا اور صلہ کچھ سنبھل کر بولیں۔

''ناں، مجھے کون سا کام ہونا ہے تم سے، وہ تو تم دونوں نظر نہیں آرہی تھیں کافی دیر سے تو میں دیکھنے آئی تھی کہ آخر کہاں گھس کے بیٹھی ہو اور کیا کر رہی ہو...... ویسے کیا کر رہی تھیں؟'' ثوبیہ آپا نے تسلی سے جواب دیا تو صبا اور صلہ کی جان ہی جل گئی۔ کیک کی ترکیب تو خیر مس ہو ہی چکی تھی ساتھ، ساتھ موڈ بھی بری طرح خراب ہو چکا تھا۔

''جی کیک کی نئی ترکیب تھی، وہ نوٹ کر رہے تھے۔'' صلہ نے اپنے خراب موڈ کو چھپانے کی پوری کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

''لو جی! آج ایک کیک تو کل دوسرا کیک...... پاگل بنا کے رکھ دیا ہے ان ٹی وی والوں نے...... بھئی کھانا تو کیک ہی ہے ناں...... تو یہ اتنی بھول بھلیوں میں ڈالنے کی کیا ضرورت؟ بتاؤ بھلا...... لوگ تو پاگل ہیں...... کھانا بنانا سب کو آتا ہے اور ان ٹی وی والوں سے اچھا تو میں ہی بنا لیتی ہوں۔ اب یہ لوگ تیار شیار ہو کے ٹی وی پر آجاتے ہیں تو ان کی واہ، واہ ہو جاتی ہے اور ہم جیسوں بیچاروں کا کوئی نام ہی نہیں...... اور دیکھو ذرا...... ہر مسئلے کا علاج ان کے پاس، ہر توڑ کا جوڑ ان کے پاس...... نہ یہ کوئی نستور جن ہیں یا ہامون جادوگر......؟ توبہ......!'' ثوبیہ ہانپ گئیں۔

''آپا! یہ پروفیشنل لوگ ہیں، ہر کام کو ایک خاص تکنیک سے کرنے والے...... ہزاروں لاکھوں لوگ دیکھتے ہیں انہیں...... اتنے اعتماد اور عمدگی سے ہر کام کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔'' صبا نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اور آپا اسکرین پر آکر ہر کسی کے مسائل کا علاج یا نسخے بتانا بھی کوئی آسان نہیں ہے...... ہم لوگوں کو تو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ کون سا نسخہ کس مسئلے کے لیے کارگر ہوتا ہے۔'' صلہ نے بھی ٹکڑا لگایا مگر وہ ثوبیہ آپا ہی کیا جو حقیقت کو تسلیم کرلیں۔

''ارے جاؤ گڑیو! رہنے بھی دو...... میں بھی ان کی جگہ کھڑے ہو کر ان سے بہتر کام کر کے دکھا سکتی ہوں لیکن مجھ جیسوں کو موقع نہیں ملتا ناں...... ایک دفعہ موقع مل جائے تو پھر بتاؤں گی۔'' گویا عزائم مضبوط ہونے کے ساتھ، ساتھ خطرناک بھی تھے۔ صبا اور صلہ نے خاموش ہو جانے میں ہی عافیت جانی...... مگر دونوں دل ہی دل میں ثوبیہ آپا کی دھانسو قسم کی غلط فہمی کو ختم کرنے کا تہیہ ضرور کر بیٹھی تھیں...... مگر کیسے... جب نیت نیک ہو تو اللہ تعالیٰ رستے بھی خود ہی ہموار کر دیتا ہے۔ دونوں کی نظریں اب بھی ٹی وی اسکرین پر جمی تھیں...... ثوبیہ آپا پاس ہی بیٹھی کاغذ کی کشتی بنا رہی تھیں۔ ٹی وی پر جو کچھ دکھایا اور بتایا جا رہا تھا ان دونوں کے دل میں بیک وقت ایک خیال آیا...... دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا...... آنکھوں نے آنکھوں کا حال جان لیا۔

''یس......!'' دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا...... ثوبیہ آپا نے قدرے بدمزہ ہو کر انہیں دیکھا اور پھر سے اپنی کشتی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ دونوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔

ثوبیہ آپا، صبا اور صلہ کی اکلوتی تایا زاد تھیں۔ والدین کے اچانک حادثے میں گزر جانے کے بعد ان کے چچا یعنی صبا اور صلہ کے والد انہیں گاؤں سے اپنے پاس کراچی لے کر آئے تو جہاں ان کی چچی نے انہیں سینے سے لگایا وہیں ان دونوں بہنوں کو بھی تاکید کی گئی کہ وہ ثوبیہ آپا کو اپنی بڑی بہن سمجھیں اور کبھی کسی قسم کی شکایت نہ ہونے دیں...... یہ حکم بھی صادر ہوا کہ گاؤں کی پروردہ ثوبیہ آپا کی سادگی اور معصومیت کا قطعاً مذاق نہ اڑایا جائے...... اب اس سادگی اور معصومیت ہی کا نتیجہ تھا کہ دونوں بہنیں ثوبیہ آپا سے سخت عاجز آچکی تھیں۔ ٹی وی دیکھنا......

موبائل یا کمپیوٹر پر کچھ وقت گزارنا..... رسائل پڑھنا ان سب معاملات میں جب تک ثوبیہ آپا کی دخل اندازی نہ ہو کوئی کام پایۂ تکمیل تک بھلا کیسے پہنچ سکتا تھا اور اس پر طرہ یہ کہ ہر کام میں خود کو ماہر سمجھنا اور ہر معاملے میں بلکہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے معاملے میں ٹانگ اڑانا گویا ان کا پیدائشی مشغلہ تھا۔ پھر یہ کہ بحث میں کوئی مائی کا لال ثوبیہ آپا کو ہرا نہیں سکتا تھا۔ بحث کرتے ،کرتے بے شک مائی کا لال ، نیلا ، پیلا ، ہرا وم توڑ جائے مگر کیا مجال کہ ثوبیہ آپا اپنی ناک پر مکھی بیٹھنے دیں۔ خصوصاً ٹی وی پر دکھائے جانے والے کوکنگ شوز سے تو انہیں اینٹ کتے کا بیر تھا۔ جب بھی صبا ، صلہ کسی پروگرام میں غرق ہوتیں ثوبیہ آپا کسی ناگہانی آفت کی طرح وہاں پہنچ کر پروگرام کا بیڑا غرق کر ڈالتیں۔ کھانے کی کوئی ترکیب انہیں پسند نہ آتی ، الٹا ناک سکوڑ کر فرماتیں۔

''اس میں سکھانے والی کون سی نئی بات ہے یہ ڈش بھلا کسے بنانا نہیں آتی ہوگی۔ یہ میزبان تو بس روز نیا جوڑا پہن کر آجاتی ہیں بینگن کا رائتہ اور آلو کے پکوڑے سکھانے کے لیے حد ہے بھئی۔ اور پھر اس میں کمال کی کیا بات ہے؟ کسی کو بھی نت نئے کپڑے پہنا کر سنگھار کر کے لا کھڑا کردو، وہ بھی یہ رائتے اور پکوڑے بنالے گی۔''

اور یہی غلط فہمی دور کرنے کا بیڑا ان دونوں نے اٹھایا تھا۔ اور بہت جلد ان کا مقصد انہیں حل ہوتا نظر آرہا تھا۔

☆☆☆

اس روز ثوبیہ آپا دوپہر کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کپڑے استری کرنے میں مصروف تھیں۔ جب صبا اور صلہ ان کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ثوبیہ آپا بڑے اچنبھے کا شکار ہوئیں کہ یہ دونوں بہنیں کیسے ان کے کمرے میں ٹپک پڑیں وہ بھی از خود مگر اپنی قابلیت جھاڑنے کے لیے بولیں۔

''ایں؟ تم دونوں یہاں کیسے؟ ضرور کوئی کام ہوگا یا پھر کوئی نیا مسئلہ کھڑا کرلیا ہوگا اور اب حل کرنے کے لیے پہنچ گئی ہو میرے پاس..... ہوں مگر جناب جیسا کہ تم دونوں دیکھ رہے ہو میں بڑی مصروف ہوں..... ایک منٹ کی بھی فرصت نہیں ہے مجھے..... اگر زیادہ ضروری مسئلہ ہے تو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا..... فارغ نہیں ہوں میں..... اور نہیں تو کیا.....'' وہ بلا تکان بولے گئیں اور یہ دونوں بڑے صبر کے ساتھ سنتی گئیں۔

''جی ثوبیہ آپا، آپ فارغ ہو جائیں پھر آپ کے لیے ہے ایک زبردست سرپرائز.....'' صلہ نے چہکتے ہوئے بتایا۔ اب ثوبیہ آپا کے کان کھڑے ہوئے۔

''کیا.....؟ سرپرائز.....؟ تو جلدی بولو ناں بابا، ڈرامے کیوں کررہی ہو؟'' کون سا کام کہاں کی مصروفیت..... آپا جان تو اتاؤلی ہی ہوگئیں..... فٹافٹ استری کا پلگ نکال کر دھم سے ان دونوں کے قریب آبیٹھیں۔

''وہ بات اصل میں یہ ہے آپا کہ خدا نے آپ کی سن لی ہے..... آپ کو شکایت تھی ناں کہ آپ بھی ٹی وی اسکرین پر آکر وہی کچھ کرسکتی ہیں جو کوئی پروفیشنل شیف یا کوکنگ ایکسپرٹ کرسکتا ہے مگر آپ کو موقع نہیں مل سکتا۔'' ثوبیہ آپا جو پروفیشنل شیف اور کوکنگ ایکسپرٹ کے ہجے کرنے میں لگی تھیں..... یک دم ہی انہیں احساس ہوا کہ یہ ہجے کرنا نہایت مشکل کام ہے اور فی الحال ان کے بس کا نہیں اس شغل پر لعنت بھیج کر وہ صبا کی طرف متوجہ ہوئیں جو کہہ رہی تھی۔

''بس پھر ثوبیہ آپا! اب آپ تیار ہو جائیں..... بہت جلد آپ کو بھی موقع مل رہا ہے اسکرین پر آکر اپنے جوہر دکھانے کا۔''

''مگر کیسے؟'' وہ پُرجوش ہوئیں۔

''وہ ایسے کہ ہم نے آپ کے کوائف اور تصویر چینل والوں کو بھیجی تھی۔ وہ لوگ ''ہفتہ ناظرین''

سنار ہے ہیں ناں جس میں کوئی بھی شامل ہو کر اپنی کوکنگ کے ہنر دکھا سکتا ہے۔ بس آپ کے کوائف انہوں نے قبول کرلیے ہیں۔ اب اگلے ہفتے آپ جارہی ہیں اپنی بہترین ڈشز سکھانے کے لیے ہمارے پسندیدہ چینل پر..... ہمارے پسندیدہ کوکنگ شومیں، ہماری پسندیدہ میزبان کے ساتھ..... واؤ.....! کتنا مزہ آئے گا ناں.....؟'' صبا آنکھیں میچتے ہوئے مزے سے بولی۔ ثوبیہ آپا کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا..... بے قابو ہوگئیں، فرطِ جذبات سے صبا اور صلہ کو گلے لگالیا، چٹاچٹ گال چومے۔

''واہ! بہنیں ہوں تو ایسی..... میں تو آج تک تم لوگوں کو بڑا فضول سمجھتی رہی مگر تم دونوں بہت اچھی ہو سچی مچی.....'' جذبات سے مغلوب ہو کر منہ سے کیا اول فول نکلا ثوبیہ آپا کو کچھ خبر نہیں مگر صبا اور صلہ نے اسے بھی خوب، خوب انجوائے کیا۔ ''اچھا پر میں وہاں جاکر پکاؤں گی کیا؟'' ثوبیہ آپا نے دریافت کیا۔

''آپا تراکیب تو پہلے سے بتانی ہوتی ہیں ناں ان کو سو ہم نے سبزیوں کی بریانی اور بنانا اسموذی کی ترکیبیں بھیجی تھیں جو اُن کو پسند بھی بہت آئی ہیں اور بریانی تو آپ اچھی پکا ہی لیتی ہیں۔''

''اچھا ہاں اور وہ..... وہ..... تھی..... وہ کیا بلا ہے.....؟'' ثوبیہ آپا نے اشتیاق سے پوچھا۔

''بوتھی.....'' صبا اور صلہ نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

''بوتھی نہیں ثوبیہ آپا، اسموذی ملک شیک کی طرح بنتی ہے بہت آسان..... میں آپ کو بنا کر دکھادوں گی ایک دفعہ.....'' صلہ نے انہیں مطمئن کیا اور وہ خاصی حد تک ہو بھی ہوگئیں..... صد حیرت.....

''اب دیکھنا بچو جی ذرا..... میں وہاں جا کر بتاؤں گی کہ یہ سب کام ہمیں بھی کرنے آتے ہیں، ان ٹی وی والیوں میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہوتے۔'' ثوبیہ آپا کی گردن میں ابھی سے سریا آنے لگا تھا۔ دونوں نے مسکرا کر انہیں دیکھا اور آگے پیچھے کمرے سے نکل گئیں۔

اب یہ پورا ہفتہ تو ثوبیہ آپا نے خوابوں کی دنیا میں گزارا..... وہ ٹی وی پر کیسی لگیں گی؟ کیسے بولیں گی؟ اپنے کون، کون سے کارآمد ٹوٹکے ناظرین سے شیئر کریں گی وغیرہ، وغیرہ..... آخر خدا، خدا کر کے وہ دن بھی آہی گیا..... سویرے ہی سے گھر میں اٹھا پٹخ مچی تھی۔ جوڑا منتخب کرنے کا مرحلہ نہایت تکلیف دہ ثابت ہوا۔ ثوبیہ آپا کے لیے نہیں بلکہ صبا اور صلہ کے لیے..... دونوں بہنیں اپنے تئیں ان کے لیے بڑا سوبر سا رنگ منتخب کیے بیٹھی تھیں جسے ثوبیہ آپا نے دیکھتے ہی مرے ہوئے چوہے جیسا رنگ کہہ کر مسترد کرڈالا اور پھر تو کبھی چھپکلی جیسا رنگ تو کبھی مگرمچھ جیسا رنگ اور جو رنگ وہ خود پسند کرتیں وہ صبا اور صلہ کے نزدیک رنگ برنگی پیسٹری اور لالی پاپ جیسے رنگ ہوتے..... دونوں فریقین بے حال ہوگئے تب جا کر آسمانی رنگ کے ایک جوڑے کا انتخاب ہوا..... تین بلوں والی گت کھول کر پونی بنائی گئی۔ دوپٹا سلیقے سے جمایا گیا..... کانوں میں ننھے، ننھے ٹاپس بھی اٹکائے گئے۔ کاجل اور لپ اسٹک سے چہرے کو مقدور بھر تبدیلی دینے کی کوشش کی گئی مگر آنکھوں پر موجود چشمہ چہرے کا ہونق پن کسی طور کم نہیں ہونے دے رہا تھا۔ اب چشمہ لگانا ثوبیہ آپا کی مجبوری ٹھہری سو صبا اور صلہ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

دوپہر کا ہلکا پھلکا کھانا کھانے کے بعد ثوبیہ آپا کی سواری باد بہاری مع ان دونوں بہنوں کے گھر سے نکلی..... (کرنے شکار) گاڑی ان کے والد نے دفتر سے بھجوادی تھی کہ بچیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو..... ضروری ساز و سامان بھی ہمراہ تھا۔

چینل والوں کے دفتر پہنچے تو ایک بار ثوبیہ آپا تو بوکھلا سی گئیں مگر پھر کمال مہارت سے انہوں نے خود پر قابو پایا۔ مطلوبہ سیٹ پر پہنچنے کے لیے انہیں کچھ وقت

مزید لگا بہر حال درست وقت پر وہ سیٹ پر بہ نفس نفیس موجود تھے...... وہاں ثوبیہ آپا کو میک اپ ری ٹچ کرنے کے لیے کہا گیا تو ناک چڑھا کر بولیں۔

''ناں تو یہ جو میں ہاشمی سرمہ اور میڈورا کی دو سو چھہتر نمبر کی لف اسٹک (لپ اسٹک) گیلی والی لگا کر آئی ہوں تو اس میں کون سے کیڑے پڑے ہیں؟'' گلوسی لپ اسٹک کو گیلی والی کہنے پر جہاں میک اپ آرٹسٹ نے اپنے بتیس دانتوں کی نمائش کی وہاں ان دونوں نے بھی اپنا سر پیٹ لیا۔ خیر لمبی بحث کے بعد ثوبیہ آپا میک اپ آرٹسٹ کے ہتھے چڑھیں۔ اسکرین کے تقاضوں کے مطابق مناسب میک اپ مکمل ہونے کے بعد ثوبیہ آپا ایک بار پھر کھانے کی تراکیب کی جانب متوجہ ہوگئیں۔ پرائمری کے بچے کی طرح کاغذ ہاتھ میں پکڑے زور، زور سے ہل، ہل کے بہ آواز بلند تراکیب رٹی جارہی تھیں۔ شو کی میزبان بھی میک اپ کروانے کے بعد سیٹ پر پہنچ چکی تھی۔ شو کا آغاز ہوچکا تھا۔ میزبان اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے شو کی آج کی خاص، خاص باتوں کے بارے میں بتارہی تھی۔

''جی تو ناظرین جیسا کہ آپ سب پچھلے چند ہفتوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم اپنے شو میں آپ میں سے کسی کوکنگ ایکسپرٹ کو بلاتے ہیں اور ان کی کسی خاص ریسپی سے آپ کو متعارف کرواتے ہیں تو آج اسی سلسلے میں ہم نے جس مہمان کو اپنے شو میں مدعو کیا ہے وہ ہیں...... ثوبیہ رحیم صاحبہ......!''

''آیئے ثوبیہ......'' لو جی اِدھر ثوبیہ رحیم صاحبہ کے تو پسینے چھوٹنے لگے جو دو قدم چلنے کی کوشش کی تو گویا ٹانگیں وائبریشن پر لگ گئیں۔ میزبان منتظر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ صبا نے ثوبیہ آپا کو دھکا اسٹارٹ کیا اور ثوبیہ آپا پھر سیدھی میزبان ہی کے نزدیک جا کر رکیں۔ میزبان بیچاری خود اس افتاد پر بوکھلا گئی مگر اپنے تاثرات چھپاتے

کچھ کھٹا کچھ میٹھا

لاریوں کے شریر سے چوزے
یہ جو رکشے دکھائی دیتے ہیں
ناک میں دم ہے ان کے ہاتھوں سے
ایسی، ایسی دہائی دیتے ہیں

☆☆☆

ابھی بازار سے لاتا ہوں چینی
گوالا گھر سے اپنے چل پڑا ہے
حضور اب چائے پی کر جایئے گا
ملازم لکڑیاں لینے گیا ہے

☆☆☆

خواب کوئی بُن رہی تھی
تازہ کلیاں چُن رہی تھی
کیوں کیا چالان میرا
فون ہی تو سن رہی تھی

انتخاب: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

پاکیزہ بہنوں کے نام

اچار، چٹنی، مربّے ورگی بہنوں کو (تاخیر سے سہی) مگر میری طرف سے دودھ، مکھن، ملائی، کھیر جیسی میٹھی عید مبارک ہو اور آنے والی گرم مسالے والی بقر عید بھی...... جواب آئی کہ تب آئی۔ واپڈا کی ستائی ہوئی لوڈ شیڈنگ کی ڈسی ہوئی بہنوں کے لیے دعا ہے کہ ہر دن خوشی سے اور پُرسکون گزرے۔ آمین۔

مرسلہ: سجاد بنگش، کوہاٹ



ہوئے کیمرے میں دیکھتے ہوئے شو کو آگے بڑھانے لگی۔

''اچھا پہلے تو آپ یہ بتائیں ثوبیہ کہ آپ کرتی کیا ہیں؟''

''میں......؟'' ثوبیہ نے احمقوں کی طرح منہ کھولا۔ ''اچھا میں...... لو بھائی مجھ سے پوچھ رہی ہیں، میں کرتی کیا ہوں...... میں کیا نہیں کرتی یہ پوچھیں مجھ سے...... میں سب کے ہر طرح کے مسئلے حل کرسکتی ہوں، میرے پاس بڑے اعلیٰ نسخے ہیں کچھ بھی پوچھ لیں آپ مجھ سے۔''

''ناظرین! ہماری آج کی مہمان کھانا پکانے کے ساتھ ساتھ بہت سے گھریلو ٹوٹکے بھی جانتی ہیں، آپ ان سے ان کی ڈش کے بارے میں سوال کرنے کے علاوہ اپنے کسی بھی مسئلے کا حل جان سکتے ہیں...... تو پھر دیر کس بات کی......؟ جلدی سے کال کریں ہمیں اور ہماری آج کی مہمان سے بات کریں جو ہر فن مولا ہیں۔'' میزبان اعلان فرمانے کے بعد ثوبیہ آپا کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ''جی تو آج آپ ہمیں کیا بنانا سکھا رہی ہیں؟''

''بالکل جی بالکل، آج آپ کو میں سکھاؤں گی کہ سبز بریانیوں کی سبزی...... آ...... نہیں، نہیں سبزیوں کی بریانی...... ہاں، ہاں بالکل وہی سبزیوں کی بریانی اور دوسری...... کیا چیز تھی دوسری......؟'' ثوبیہ آپا کے ذہن سے نکل چکا تھا...... ''اچھا خیر پہلے ایک سے تو نپٹ لوں دوسری بعد میں دیکھی جائے گی...... ویسے تھی کوئی میٹھی سی چیز پر نام یاد نہیں آرہا۔'' ابھی شاید وہ بلا تکان بولے ہی جاتیں مگر میزبان نے بریک لے لی...... بریک میں انہیں بنانا اسمودی کا نام طوطے کی طرح رٹوایا گیا صبا اور صلہ بالکل ہی مایوس تھیں۔ جھٹ پٹ کاؤنٹر پر بریانی کے لیے درکار اشیا سجادی گئیں...... بریک ختم ہوئی...... میزبان نے ثوبیہ آپا کو ضروری اشیا بتانے کے لیے کہا۔

''اچھا تو پہلے میں بریانی بنانے کا ارادہ رکھتی ہوں آپ سب کاغذ پر لکھ لیں کہ آپ کو کیا، کیا چاہیے اور آپ بھی لکھ لیں جی آپ کو مجھ سے سیکھنے کی بڑی جلدی تھی ناں......'' ثوبیہ آپا نے میزبان سے کہا تو وہ سچ مچ سٹپٹا گئیں...... ''چاول لے لیں کوئی دو پیالی کے قریب...... ویسے اگر گھر میں جی زیادہ سارے ہیں تو پھر دوسے بھی زیادہ ڈالنے پڑیں گے آپ کو...... ایک تو میں اس مسئلے سے بڑی تنگ ہوں...... کھانے کو ملتا نہیں لوگوں کو اور بچے...... بس لائن لگی ہوئی ہے جی......'' میزبان نے شو کا رخ کسی اور طرف مڑتے دیکھا تو فوراً مداخلت کر کے ان کی توجہ اشیائے ترکیبی کی طرف مبذول کروائی۔ ادھر سے صبا اور صلہ نے اشارے کیے کہ توجہ کھانے کی طرف رکھیں۔ خدا، خدا کر کے اشیا لکھوانے کا مرحلہ سر ہوا...... اب عملی امتحان سر پر آکھڑا ہوا۔ ثوبیہ آپا کو سمجھ نہیں آیا کہ شروع کہاں سے کریں۔ یہاں بھی میزبان کا تجربہ کام آیا انہوں نے فوری امداد کی ٹھانی......

''میرا خیال ہے پہلے آپ چاول ابلنے کے لیے رکھ دیں اتنے میں سبزیوں کا مسالا تیار کرلیں گے۔''

''اوہو ہو ہو...... میرا بھی یہی خیال ہے۔'' ثوبیہ آپا کو سمجھ آ ہی گئی۔ خیر میزبان کی اس فیصد امدادی کارروائی کے ساتھ پتیلے میں چاول ابلنے رکھ دیے گئے۔ پھر سبزیوں کی باری آئی...... آلو، گاجر، مٹر، مرچیں، ٹماٹر، پیاز وغیرہ سب کاٹے گئے۔ صد شکر کہ اس دوران ثوبیہ آپا کی زبان بند ہی رہی۔ میزبان خود ہی ناظرین سے مخاطب رہیں۔ تمام سبزیاں سکون سے کاٹنے کے بعد ثوبیہ آپا سر اٹھا کر بولیں۔

''آج تو میں نے کچھ نہیں کہا مگر اگلی بار چپ نہیں رہوں گی ٹماٹر اتنے پلپلے تھے توبہ اور آلو بھی داغی! کھرچ، کھرچ کر نکالا میں نے وہ داغی حصہ...... کون لایا تھا سبزی؟'' اتنا رعب تو میزبان نے بھی کبھی نہ جمایا ہوگا۔ اسی دوران ایک کال

آ گئی۔ میزبان نے ریسیو کی۔ دوسری طرف موجود خاتون ثوبیہ آپا سے بات کرنے کی خواہش مند تھیں ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے میزبان نے کہا۔
''جی کیجیے بات۔''
''ثوبیہ صاحبہ! میرا ایک مسئلہ حل کر دیجیے، میری ناک پر بے حد کیل ہیں انہیں کیسے ختم کیا جا سکتا ہے؟''
ثوبیہ آپا جو ہری مرچوں کو کچلنے میں مصروف تھیں چند لمحے تو کسی افلاطون کی طرح سوچتی رہیں پھر یوں فرمایا۔
''دیکھیں جی، آپ کے کیلوں کا واحد علاج ہے ''ہتھوڑی'' اٹھائیں ہتھوڑی ہر کیل پر اس طرح دے ماریں کہ وہ کیل اپنی موت آپ مر جائے اور دوبارہ سر اٹھانے کی جرأت نہ کرے...... ٹھیک ہے؟ جائیں شاباش اب مجھے میرا کام کرنے دیں...... ہاں تو سب سبزیاں کٹ چکی ہیں اب ان کا مسالا بناؤں گی میں...... باجی آپ ذرا چاولوں پر دھیان رکھیں لگ ہی نہ جائیں۔'' میزبان خود کو باجی کہنے پر خاصی جز بز ہوئی پھر خاموشی سے کفگیر اٹھا کر چاولوں میں چلانے لگی۔ ثوبیہ آپا نے مسالا بھوننا شروع کیا۔ اتنے میں دوسری بریک آ گئی۔ بریک کے دوران مسالا تو تیار ہو گیا تھا۔ بس اب چاولوں کے ابلنے کی دیر تھی۔ بریک کے بعد جونہی میزبان کو بولنے کا اشارہ ہوا ثوبیہ آپا خود سے بول پڑیں۔
''باجی کو کون سے اشارے کر رہے ہو؟ آج میں کھانا بنا رہی ہوں تو میں ہی بولوں گی ناں۔ اچھا ناظرین، سبزیاں تو تیار ہیں، یہ نگوڑ مارے چاول ابل ہی نہیں رہے، لگتا ہے فصل ہی اچھی نہیں ہے ان کی۔'' میزبان نے چاول کے دو دانے نکال کر چیک کیے اور بولی۔
''چاول تقریباً تیار ہیں اب ان کو چھلنی میں ڈالنا ہے۔''
''ہاں جی، میں ڈالتی ہوں۔'' ثوبیہ آپا کسی پہلوانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پتیلے کو دونوں ہینڈلوں سے پکڑ کر سنک تک لے کر گئیں۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ پورا پتیلا سنک میں الٹ دیا۔ اگلے ہی لمحے احساس ہوا کہ سنک میں چھلنی تو رکھی ہی نہ تھی۔ کیمرا فوراً کاؤنٹر کی طرف فوکس کیا گیا اتنے میں میزبان نے سنک کے پاس جا کر جلدی، جلدی بڑے چمچے کی مدد سے چاول اوپر، اوپر سے اٹھا کر ڈش میں نکالے اور ثوبیہ آپا کو تھماتے ہوئے آہستہ سے خاموش رہنے کی تاکید بھی کی۔ جونہی ثوبیہ آپا اپنا کارنامہ لے کر کاؤنٹر پر پہنچیں ایک اور فون کال آ گئی۔
''جی میں عذرا بات کر رہی ہوں کراچی سے...... مجھے ثوبیہ سے یہ پوچھنا تھا کہ میری ناک بہت موٹی ہے اس کا کوئی علاج بتا دیں پلیز۔'' ثوبیہ آپا نے ساتھ ہی بریانی کی تہ بھی لگانا شروع کر دی پھر مشورہ جو موصول ہوا وہ یہ تھا۔
''میں تو اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ آپ کا منہ ہی چوہیا کی طرح چھوٹا ہے تب ہی تو ناک بڑی نظر آتی ہے۔ آپ بس ڈٹ کر کھانا کھایا کریں۔ عزم کر لیں کہ آپ کو اپنا منہ بڑا کرنا ہے تو بس کرنا ہے۔ جب منہ ہی تھوبڑے کی طرح ہو جائے گا تو آپ کی ناک خود ہی چھوٹی نظر آنے لگے گی...... بس! بریانی کی تہیں تو مکمل ہو چکی ہیں اب کیا کروں؟'' اتنے عظیم مشورے سے نوازنے کے بعد ثوبیہ آپا ذرا تھکن کا شکار نظر آنے لگیں۔ ایک دو جمائیاں بھی لے ڈالیں۔
''دم پر رکھنا ہے بریانی کو اور پھر اگلی ترکیب...... میزبان نے آگے کا راستہ دکھایا۔
''باجی، ذرا یہ پتیلا اٹھا کے توے پر رکھ دیں دم شم کے لیے اور پھر بریک لے لیں...... ذرا تھک سی گئی ہوں میں۔'' میزبان خود بیچاری تھکی، تھکی نظر آنے لگی...... مگر پتیلا اٹھا کے توے پر رکھ دیا۔
''ایک اور کال لے لیتے ہیں جی...... ہیلو کون ہیں ہمارے ساتھ لائن پر؟'' ایک اور کال آ گئی تھی۔

ثوبیہ آپا اب خاصی بیزار نظر آنے لگی تھیں۔

''جی صدف ہیں ہمارے ساتھ اور ثوبیہ سے بات کرنا چاہیں گی۔'' میزبان کی بات پر ثوبیہ آپا نے بھویں سکوڑ کر انہیں دیکھا۔

''جی تو اب کون آگیا ہے اپنا مسئلہ لے کر؟ توبہ میری تو اب ہمت ہی جواب دے گئی ہے مگر اس عوام کے مسئلے ہی حل نہیں ہوتے...... ہاں جی بولیں بھائی مجھے ابھی اور بھی بہت کام کرنے ہیں۔''

''وہ ایسا ہے ثوبیہ جی کہ میرا رنگ پہلے تو اچھا خاصا تھا مگر اب کچھ عرصے سے جھلس سا گیا ہے۔''

''کیوں، کیا تندور میں منہ دے دیا تھا؟'' ثوبیہ آپا جھلا کر بولیں۔

''ارے نہیں شاید دھوپ میں پھرنے کی وجہ سے......''

''ٹھیک ہے صدف، آپ فون رکھیے گا ہم آپ کو آن ائر جواب دیتے ہیں۔'' میزبان نے پھر مداخلت کی۔ ''جی ثوبیہ کیا مشورہ دیں گی آپ صدف کو......؟''

''ان کے لیے پہلا مشورہ تو یہ ہے کہ دھوپ میں لور، لور پھرنا ختم کریں...... دوسرا مشورہ یہ کہ رنگ گورا کرنے کے بہتیری کریمیں بازار میں مل رہی ہیں کوئی بھی لے آئیں اور روزانہ لگائیں۔ بس یہ خیال رکھیں کہ جس دن لگائیں گی تو کچھ بہتر نظر آئیں گی جس دن لگانا بھول گئیں یا ساس نند سے متھا ماری میں کریم لگانا رہ گئی تو اس دن وہ اپنا وہی سڑا ہوا تندوری منہ دیکھنے کے لیے تیار رہیں اور مجھے بھی اب اپنی اگلی ترکیب تیار کرنے دیں تاکہ سیاپا ختم ہو۔'' اتنے بہترین مشورے پر میزبان کا تو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا بہ مشکل انہوں نے بریک لی۔

بریک کے بعد ایک بار پھر میزبان نئے جوش سے ناظرین کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔

''اچھا بابا جی، اب بس کریں کتنی دفعہ لوگوں کو ہائے شائے کریں گی؟ بس جلدی سے یہ چیزیں نوٹ کریں جو میں نے اپنی اگلی ترکیب میں استعمال کرنی ہیں۔''

''جی مگر پہلے اس کا نام تو بتادیں۔''

''اس کا نام...... بڑا اوکھا سا نام رکھ دیا تم دونوں نے ویسے......'' ثوبیہ آپا کیمرے کو بھول بھال کر دور بیٹھی صبا اور صلہ کو گھورنے لگیں...... پھر اشاروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ثوبیہ آپا بھی سنبھل گئیں......'' اس کا نام ہے بنانا اس...... اسمو...... اسموذی ہاں، ہاں بنانا اس...... موذی۔''

خیر سے یہ پہاڑ بھی سر ہوا...... کیلے، دودھ، کریم، چینی، دہی، برف سب اجزا نوٹ کروائے گئے...... کیلے چھیل کر بلینڈر میں پٹخنے کے انداز میں ڈالے گئے...... باقی تمام اجزا شامل کرنے کے بعد ڈھکن بند کر کے جو بلینڈر کا سوئچ آن کیا تو بلینڈر ٹس سے مس نہیں ہوا...... کھٹ، کھٹ، کھٹ بٹن کو بار، بار اوپر نیچے کیا گیا مگر وہ چل کر نہ دیا...... میزبان مدد کو لپکیں...... جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بلینڈر کا پلگ تو لگوایا ہی نہیں گیا...... انہوں نے خود ہی جلدی سے نیچے ہو کر پلگ لگایا...... اور ثوبیہ آپا کو اشارہ کیا...... اب جو ثوبیہ آپا نے بٹن دبایا تو بلینڈر تو زوردار آواز کے ساتھ چلا سو چلا ثوبیہ آپا بھی خود بری طرح ڈر گئیں۔ کیمرا فوراً ان کی طرف سے رخ پھیر گیا مگر ثوبیہ آپا کی زبان کا کیا، کیا جاتا۔

''ہائے...... توبہ تراہ ہی نکال دیا میرا تو...... اُف......'' میزبان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے بال ہی نوچ ڈالے...... مگر اس وقت بال نوچنے سے زیادہ ضروری کام یہ تھا کہ آگے بڑھ کر بلینڈر کا بٹن بند کیا جائے۔ جس کی ثوبیہ آپا کو کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ اپنے اوسان بحال کرنے میں لگی تھیں۔ میزبان نے خود ہی بٹن آف کیا۔ ثوبیہ آپا کی طرف دیکھے بغیر جلدی سے اسموذی کو خوب صورت وائن گلاس میں نکالا پھر بریانی کا ڈھکن اٹھایا۔ یہ دیکھے بغیر کہ چاول گلے یا نہیں انہوں نے ڈش میں بریانی

نکالی..... کاؤنٹر پر دونوں چیزیں سجائیں پھر کیمرے میں مخاطب ہوئی۔

''جی تو ناظرین آخر کار دونوں مزیدار سی ڈشز تیار ہوگئی ہیں، خدا کا شکر ہے..... تو بیہ رحیم صاحب آپ کا بہت شکریہ یہاں آنے کا اور آئندہ کچھ بھی پکانے کا دل چاہے تو براہِ مہربانی اپنے گھر پر ہی پکایئے گا۔'' صدمے سے ان کے منہ سے پتا نہیں کیا، کیا نکل رہا تھا مگر ثوبیہ آپا کو ایک نیا ہی خیال ستا رہا تھا۔

''خالی خولی شکریہ نہیں جی، میں نے اتنی جان مار کر یہ دونوں چیزیں تیار کی ہیں..... یہ میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔''

''جی ی..... ی ی.....؟'' میزبان کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب کیا بولیں۔

''جی اور کیا..... کیا یہاں چھوڑ جاؤں اپنی محنت.....؟ کھاؤ چٹو لوگوں کے لیے.....؟ اوئے تم اب یہ کیمرا چھوڑو اور یہ کھانا بندھوا کر نیچے گاڑی میں رکھواؤ چلو جلدی کرو..... میں پہلے ہی بہت تھک گئی ہوں۔'' ثوبیہ آپا نے چمک کر کہا ساتھ ہی کیمرا مین کو بھی گھسیٹ لیا۔ اس غریب نے میزبان کو شو ختم کرنے کا اشارہ کیا اور وہ تو جیسے تھی ہی اس انتظار میں۔

''ناظرین! کیا کہوں؟ یہ میری زندگی کا عجیب ترین شو تھا۔ آپ میرے ساتھ رہے آپ کا شکریہ اس سے پہلے کہ میں غش کھا کر یہیں گر جاؤں مجھے اجازت دیجیے..... اللہ حافظ.....'' اور کیمرا کلوز ہوگیا۔

صبا اور صلہ نے ثوبیہ آپا کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی طرف کھینچنے لگیں۔ ثوبیہ آپا اب بھی اپنے بنائے ہوئے کھانوں کی دہائیاں دے رہی تھیں مگر صبا اور صلہ نے ایک نہ سنی..... اور انہیں گاڑی میں بٹھا کر ہی دم لیا..... ثوبیہ آپا کا غم کچھ ہلکا ہوا تو سیٹ پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''توبہ توبہ..... میں تو آرام کروں گی گھر جا کر میرا تو دماغ ہل کر رہ گیا..... ایک تو اس منحوس کیمرے کے سامنے کام کرنا پھر لوگوں سے فون پر باتیں کرنا..... بڑا ہی واہیات کام ہے..... میری تو ہمت نہیں یہ کام کرنے کی.....'' دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ دونوں کے لبوں پر بکھر گئی مگر دانستہ دونوں خاموش ہی رہیں۔

اگلے دن صبا اور صلہ حسبِ معمول کوکنگ چینل لگائے بیٹھی تھیں۔ ایک اٹالین ڈش بنانا سکھائی جارہی تھی..... ایک دم ثوبیہ آپا کمرے میں داخل ہوئیں۔ ٹی وی کی طرف دیکھا اور خاموشی سے آکر ان دونوں کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئیں۔ وہ بھی خاموش اور یہ دونوں بھی..... آخر وقفہ آیا تو ثوبیہ آپا نے زبان کھولی۔

''بھئی ایک بات تو ماننی پڑے گی..... یہ پروگرام، شو گرام کرنے کوئی آسان کام نہیں ہیں..... بڑا گردہ چاہیے ان کو کرنے کے لیے تو..... میں نے تو بھائی ایک ہی دن جا کر دیکھ لیا..... تو یہ بڑا مشکل کام ہے..... ہمت ہے ان میزبانوں کی..... پکا کر بھی دکھاتے ہیں..... لوگوں سے باتیں بھی کرتے ہیں..... ہاتھ کے ہاتھ ان کے مسئلوں کا حل بھی بتاتے ہیں..... مجھے تو کل یہ بھی بھول گیا کہ کس مسئلے کے لیے کون سا نسخہ بتانا چاہیے..... سچ بات ہے بھئی..... جس کا کام اسی کو ساجھے.....''

''کوئی اور کرے تو ڈنکا باجے!'' صبا اور صلہ نے یک آواز ہوکر نعرہ لگایا اور ایک دوسرے کو وکٹری کے نشان بنا کر دکھائے..... وہ دونوں بہت خوش تھیں..... اور کیوں نہ ہوتیں ان کا مقصد پورا ہوگیا تھا۔ ثوبیہ آپا کی خوش فہمی اور شیخی کا بھوت اتر چکا تھا..... اور اب وہ دونوں کسی بھی وقت اپنے پسندیدہ چینل سے بھرپور لطف اندوز ہوسکتی تھیں۔



متاعِ دل

نبیلہ ابر راجا

ساتواں حصہ

طیب کو دو دن سے بخار تھا......اس روز دُرِ یکتا شاپنگ سے واپس آئی تو طیب بخار میں تپ رہا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ سویا ہوا تھا۔

"زبین، طیب کب سویا ہے، دوائی دی تھی اسے؟" دریکتا نے فکر مندی سے طیب کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا...... اور زبین سے دریافت کیا جو کچھ الجھی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"جی ہاں، دوا دی تھی پینے کے بعد سو گیا تھا۔"


READING
Section

''اور کب دی تھی دوا......؟''

''وہ تو جی آپ کے جانے کے بعد ہی دی تھی۔''

''تو کیا طیب اس وقت سے سو رہا ہے؟'' اس نے حیرت سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ وہ شہر شاپنگ کرنے گئی وہاں سے واپس بھی آگئی اور طیب ابھی تک سو رہا تھا۔

''جی بی بی جی ...... مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔'' زبین کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔

''کیا غلطی ہوئی ہے؟'' دُرِ یکتا کھٹک گئی۔

''میں نے طیب کو تھوڑی سی افیم چٹادی تھی۔ بہت زیادہ رو رہا تھا ناں اس لیے......''

''او گاڈ! تم اسے وہی دیتی رہی ہو......'' دُرِ یکتا نے انتہائی غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ ''نکل جاؤ یہاں سے......''

''بی بی جی معاف کردیں، مجھ سے طیب کا رونا دیکھا نہیں جاتا تھا۔'' زبین اس کے پاؤں پر گر پڑی۔ دُرِ یکتا نے اس سے اپنے پاؤں چھڑوائے۔

''اچھا جاؤ یہاں سے۔''

''شیریں بی بی کو مت بتایئے گا۔ آئندہ میں یہ غلطی نہیں کروں گی۔''

''میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی بس تم جاؤ یہاں سے۔'' دُرِ یکتا نرمی سے بولی ساتھ ہی وارننگ بھی دی۔

''یہ پہلی اور آخری غلطی ہے جو میں طیب کے سلسلے میں معاف کر رہی ہوں۔ آئندہ ایسا نہ ہو، میرے بھائی کا خون لاوارث نہیں ہے۔'' دُرِ یکتا جذباتی سی ہوگئی تو زبین حیرت سے دیکھنے لگی۔ ماں اور نانی کو بچے کی ذرا پروا نہیں تھی اس لیے اس نے بھی توجہ نہیں دی تھی...... پر سامنے بیٹھی نرم دل سی لڑکی جو ذرا، ذرا سی بات پر افسردہ ہوجاتی ہے، جس کی آنکھیں نیر بہانے لگتی ہیں...... وہ طیب سے اتنا پیار کیوں کرتی ہے۔ جس اللہ نے طیب کو پیدا کیا ہے یقیناً اس نے اس لڑکی کے دل میں اس کی محبت بھی ڈالی ہے۔ ورنہ اس نے تو رو، رو کے ہی ادھ موا...... ہوجانا تھا۔

شکر کا مقام تھا کہ طیب تھوڑی دیر بعد بیدار ہوگیا چٹکی بھر افیم کا اثر ختم ہوگیا تھا۔ زبین بچے کے لیے دودھ کا تازہ فیڈر بنا کے لائی اور دُرِ یکتا نے طیب کو گود میں لٹا کر دودھ پلایا۔ پندرہ منٹ بعد دوبارہ دوا دی۔ دوا پیتے ساتھ ہی اس نے قے کردی۔ دُرِ یکتا کے سارے کپڑے بھر گئے۔ زبین نے لپک کے طیب کو لے لیا اور پہلے اس کے کپڑے تبدیل کیے۔ وہ حسبِ معمول رونا شروع کرچکا تھا۔

مائرہ شاپنگ سے تھکی ہاری آئی تھی۔ آتے ہی لیٹی اور آنکھ لگ گئی تھی۔ طیب چیخ، چیخ کے رو رہا تھا۔ مائرہ کی آنکھ کھل گئی وہ بستر سے اتر آئی آکر۔ دیکھا تو طیب، دُرِ یکتا کی گود میں تھا۔

''یہ کیوں رو رہا ہے؟'' مائرہ پوچھ رہی تھی۔

''بھابی اسے بخار ہے، بے چینی ہے، شاید اس لیے رو رہا ہے۔''

''دوا دے دو اور چپ کراؤ اسے۔'' اس نے لاتعلق سی ہوکر مشورہ دیا اور واپس مڑ گئی۔

زبین بھی دُرِ یکتا کی طرح حیران تھی۔ آج مائرہ نے غالباً پہلی بار طیب کا پوچھا تھا۔

''پتا نہیں آج سورج کہاں سے نکلا تھا۔'' دُرِ یکتا نے زبین کی ہلکی سی بڑبڑاہٹ نہیں سنی تھی۔ اب پتا نہیں یہ اتفاق تھا یا سچ مچ طیب کی بے چینی کم ہوئی تھی۔ وہ مائرہ کے یہاں آ کے پوچھنے کے بعد خاموش ہوگیا تھا۔

☆☆☆

اورنگزیب نے صرف قریبی رشتے داروں کو ہی مائرہ کے نکاح میں مدعو کیا تھا۔ البتہ باسط اور حمزہ احمد کی طرف سے کافی مہمان بارات کے ساتھ آئے تھے۔ نکاح کے بعد باسط اور مائرہ کو اکٹھے بٹھایا گیا تو بینا کو مائرہ اور شاہ زیب کی شادی یاد آگئی۔ جب وہ دونوں اسٹیج پر اکٹھے بیٹھے تھے تو اس کے دل نے بے اختیار خواہش کی تھی کہ کاش شاہ زیب کی جگہ مائرہ کے پہلو میں میرا باسط ہوتا...... کاتبِ تقدیر نے شاید اسی وقت بینا کی دعا کو اس کی حسرت کو قبولیت کے خانے

میں درج کرلیا تھا۔
مگر اس نے ایسا کب چاہا تھا کہ شاہ زیب مرجائے۔ بینا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ شاہ زیب کا ہنستا مسکراتا چہرہ تصور میں یک دم زندہ ہوگیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مائرہ کے پہلو میں اب بھی شاہ زیب ہی بیٹھا ہو۔
باسط کے چہرے پر بھی تو خوشیوں کے وہی الوہی جذبے دمک رہے تھے۔ جن جذبوں سے کبھی شاہ زیب کا چہرہ جگمگایا تھا۔
''اے اللہ میرے باسط کے چہرے اور دل کی خوشی سلامت رکھنا۔ میں نے شاہ زیب کا کبھی برا نہیں چاہا تھا۔ اے میرے رب......! تو، تو میرے دل کی حالت اور نیت کو خوب سمجھتا ہے۔ میں نے کبھی عمر زیب کا بھی برا نہیں چاہا تھا۔ میں اپنے نصیب کے لکھے کو جان گئی تھی پھر بھی مجھ سے کوئی بھول چوک ہوگئی ہو تو مجھے معاف کردینا۔ میرے باسط کو سلامت رکھنا......'' بینا دل ہی دل میں دعا گو تھی۔
دُرِ یکتا، طیب کو گود میں اٹھائے ان دونوں کے سامنے ہی بیٹھی تھی۔ طیب کی حیران نگاہ مائرہ کے چہرے کی طرف ہی تھی۔ جیسے وہ سب کچھ جان اور سمجھ رہا ہو۔ عاشر تصویریں بنا رہا تھا۔ اس نے دُرِ یکتا کو بھی مائرہ اور باسط کے ساتھ تصویر بنوانے کا اشارہ کیا اور کیمرا سیدھا کر کے کھڑا ہوگیا۔ دُرِ یکتا چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتی مائرہ کے برابر بیٹھ گئی۔ طیب اس کی گود میں ہی تھا۔
باسط کی نگاہ اس پر پڑی تو دل ہی دل میں اسے شدید غصہ آیا۔ طیب نے مائرہ کا زرتار آنچل پکڑ لیا تھا۔ دُرِ یکتا فوٹو بنوانے کے فوراً بعد وہاں سے ہٹ گئی۔ شیریں تائی نے اشارہ کیا تھا کہ طیب کو لے کر سائڈ پر بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے باسط کے بگڑتے تیور ملاحظہ کرلیے تھے۔

☆☆☆

عاشر بھی کیمرا رکھ کر اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ طیب حیران، حیران نگاہوں سے لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔
''آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو، ان کپڑوں میں۔'' عاشر نے آج پہلی بار دُرِ یکتا کی یوں کھل کے تعریف کی تھی۔ وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔ عاشر کے ساتھ اس کا زیادہ آمنا سامنا ہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ تایا کے ساتھ پپا کے آفس میں مصروف تھا، کم کم ہی گاؤں آتا۔
''تھینکس عاشر بھائی......'' اسے تشکر کا اظہار کرنا ہی پڑا۔
''اس میں تھینکس والی کوئی بات نہیں ہے۔ اپنوں میں یہ نہیں چلتا۔ ویسے بھی بڑے کچھ اور سوچ رہے ہیں، تم بھی اب اپنی سوچ کا انداز تبدیل کرلو......'' وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ دُرِ یکتا جھینپ سی گئی۔ پہلے تو کبھی اس نے دُرِ یکتا پہ اتنی توجہ نہیں دی تھی۔ نہ اس کی باتیں سمجھ آرہی تھیں۔
''میں سمجھی نہیں عاشر بھائی......'' اس نے سوالیہ نگاہیں اس کی سمت اٹھائیں۔
''ارے، میں تمہارا بھائی نہیں ہوں، کزن ہوں اور کزن بھائی نہیں ہوتا سمجھیں...... تمہیں اس پولیسے سے خلع مل جائے تو امی اور ابو سب بتادیں گے۔'' عاشر کا لہجہ اور انداز دونوں ہی معنی خیز تھا۔ دُرِ یکتا اس سے دور ہٹ کے بیٹھ گئی۔
فرح چچی کی نگاہ عاشر پر ہی تھی۔ انہیں کھدبھد سی لگی ہوئی تھی۔ دُرِ یکتا دور ہٹی تو انہیں سکون ہوا۔ مائرہ کی رخصتی کے وقت طیب نے رو، رو کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ پھولوں سے سجی گاڑی میں بیٹھ کر مائرہ نئی منزلوں کی تلاش میں نئے ہم سفر کے سنگ رخصت ہوگئی، اپنے پیچھے مسافرت کی گرد میں اٹی ایک نشانی چھوڑ کے۔

☆☆☆

یہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ مائرہ اس کے کمرے میں دلہن بنی بیٹھی تھی۔ سولہ سنگھار سے آراستہ کسی نوخیز کلی کے مانند...... پر نہیں مائرہ نوخیز کلی کہاں تھی۔ اس کلی

کوتو اس سے پہلے کوئی پھول بنا چکا تھا۔

''کیوں گھونگٹ کا تکلف کرتی ہو، بہت بار دیکھ چکا ہوں پہلے بھی اس چہرے کو......'' باسط کو خود سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیوں اتنا تلخ ہو رہا ہے۔ مائرہ نے حیرت بھری شکوہ کناں نگاہیں اٹھا کے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں دیکھا ہوگا میرے اس چہرے کو پہلے بھی کئی بار...... لیکن اس رنگ میں اس رشتے سے تو پہلی بار دیکھ رہے ہوناں......'' ناز تھا، انداز تھا، ادا تھی سب کچھ ہی تو تھا مائرہ میں۔

''اس رشتے میں، اس رنگ میں مجھ سے پہلے بھی تو کوئی دیکھ چکا ہے۔'' باسط نے بے رحمی کی انتہا کردی۔ اولین شبِ ملن کی اس گھڑی میں مائرہ نے کب یہ سب سننے کی تمنا کی تھی۔ وہ خاموش ہوگئی۔

باسط نے خود ہی اس کا ہاتھ تھاما اور بہت خوب صورت سا بریسلٹ اس کی کلائی میں پہنایا۔ اسے خود بھی اپنے رویّے کی بدصورتی کا احساس ہو چکا تھا۔ سب کچھ بھلا کے نئے رشتے کی طرف پلٹا۔ اس کی آنکھیں گلابی ہو چلیں ان میں نشہ سا اتر آیا۔ باسط جو قربتوں کے فسوں خیز سمندروں میں ڈوب ابھر رہا تھا یک دم کوئی اس کے کان میں بڑے زور سے چیخا...... ''برتی ہوئی عورت، استعمال شدہ عورت......''

اس نے مائرہ کو ایک دم پرے دھکیلا جیسے وہ آگ کا انگارہ ہو، چھوت ہو اس کے حلق میں کانٹے اگ آئے۔ جی چاہ رہا تھا کہ سمندر پی جائے۔ کیسی صحراؤں کی سی پیاس اس کے من میں پھیلتی جارہی تھی۔

مائرہ بے چینیاں سمیٹے تھک ہار کے سوگئی تھی۔ باسط بھی سگریٹ پھونک، پھونک کے تھک چکا تھا۔ رات کے آخری پہر وہ سوئی ہوئی مائرہ کے اوپر جھکا تو سب کچھ بھولنے کی کوشش میں تھا۔ وہ کچی نیند میں تھی، جاگ گئی۔ باسط کی نگاہوں میں طلب تھی۔ وہی پیاس طلب بھری نگاہ جو کبھی مائرہ کے وجود سے لپٹی تھی تو وہ بھول ہی نہیں پائی تھی۔

باسط کے بازو سختی سے اس کے گرد حمائل ہوگئے۔

مائرہ کی سانس ہی رکنے لگی۔

''تم صرف میری ہو...... میری ہی تھیں، تمہاری زندگی میں صرف میں ہی ہوں اور کوئی نہیں ہے۔'' وہ دیوانگی کی حدوں کو چھو رہا تھا۔

☆☆☆

مائرہ رخصت ہو کے باسط کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کرچکی تھی۔ عمر زیب اسی پرانی کیفیت میں تھے۔

نوید زیب، اورنگزیب بھائی کے علم میں لائے بغیر ایک ڈاکٹر سے ملے اور عمر کا کیس ڈسکس کیا...... ڈاکٹر نے کہا کہ گھر پر ان کا علاج نہیں ہوسکتا۔ انہیں اسپتال لانا ضروری ہے۔ نوید اس کوشش میں تھے کہ عمر کو اسپتال لے جائیں۔

☆☆☆

دُرِ یکتا نے آہستگی سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ کمرے میں روشنی تھی کیونکہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ عمر زیب کارپٹ پر نیچے بیٹھے تھے۔ دُرِ یکتا کو وہ پہلے سے بھی زیادہ کمزور لگے۔ گالوں کی ابھری ہوئی ہڈیاں ان کی تیزی سے گرتی ہوئی صحت کا اشارہ دے رہی تھیں۔ دُرِ یکتا دروازے کے پاس ہی کھڑی رہی۔

''پپا......'' اس کے لب ہلے...... عمر نے آواز پر سر اٹھا کے خالی، خالی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس کا جی چاہا وہ بھاگ کے ان کے پاس جائے اور سینے میں منہ چھپالے اور پھر اونچی، اونچی آواز میں روئے...... انہیں اپنا ایک، ایک دکھ ایک، ایک غم بتائے۔ انہیں بتائے کہ ''مائرہ آپ کی بہو باسط کے سنگ نئے گھر چلی گئی ہے۔ آپ کے لاڈلے شاہ زیب کا بیٹا ماں کی گود کے بغیر پل رہا ہے۔ آپ کی دُرِ یکتا کو اشعر لغاری زندہ درگور کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ننھے طیب کو باپ کی دائمی جدائی کے ساتھ، ساتھ ماں کی محبت بھی نہیں ملی ہے۔ پپا میں بہت اکیلی ہوں آپ کے بغیر میں بہت کمزور ہوں، ہمارا گھر اکیلا اور خالی ہے۔ پپا آپ کو یہ سب کیوں نہ پتا چلا...... آپ کیوں آنکھیں بند کرکے جیتے رہے اور سب کا اعتبار کرتے رہے۔ پپا میری

زندگی مذاق بن کے رہ گئی ہے۔'' کاش پپا اس کا دکھ جان پاتے...... پر وہ کیسے جانتے...... خود تک سے تو وہ بے خبر تھے۔ کچھ دیر وہ وہیں کھڑی رہی اور پھر دروازہ بند کر کے باہر آ گئی۔ ڈھلتی شام اپنے پہلو میں اداسیوں کے بھی رنگوں کو چھپائے ہوئے تھی۔

طیب جاگ چکا تھا۔ نزہین کپڑے تبدیل کرا کے طیب کو اس کے پاس لے آئی۔ دُرِ یکتا اسے اٹھائے، اٹھائے برآمدے سے آگے آ گئی اور گملوں کی قطار کے پاس خالی جگہ پر جا کر بیٹھ گئی۔ طیب اپنی موٹی، موٹی آنکھیں کھولے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ دُرِ یکتا نے بے اختیار اس کی پلکوں کو چوما تو وہ کسمسانے لگا۔

وہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔ کتنا کمزور ہو گیا تھا وہ...... پیدائش کے وقت سرخ و سفید اور موٹا تازہ تھا۔ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی بچہ ہے۔ رو، رو کے تو اس نے اپنی جان ہی کھالی تھی۔ اگرچہ اب وہ پہلے کی طرح نہیں روتا تھا پھر بھی رونے کا دورہ اسے وقتاً فوقتاً پڑ ہی جاتا تھا۔ دُرِ یکتا اسے گود میں لٹائے اداس، اداس نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

وقت اور حالات کتنے ظالم ہیں، بہت سارے خونی رشتوں کے بغیر جینا سکھا دیتے ہیں۔ طیب کو دیکھتے ہوئے یہ بات اس کے ذہن میں آئی تھی۔

☆☆☆

مائرہ، باسط کے ساتھ باہر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ باسط نے کھانا ہوٹل میں کھانے کا پروگرام بنایا تھا۔ بلیک بارڈر والی میرون ساڑی میں ملبوس بالوں کا جوڑا بنائے زیورات سے آراستہ سجی بنی مائرہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔ بیٹے کی ماں بننے کے بعد اس کا حسن دو آتشہ ہو گیا تھا۔ باسط لیٹا اس کی تیاریوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ سب سے آخر میں مائرہ نے خود پر پرفیوم اسپرے کیا اور گھوم کر باسط کی طرف دیکھا۔

''اب چلیں، میں تو تیار ہوں۔'' وہ خاموشی سے تکتا رہا۔ مائرہ اس کے پاس آ گئی۔ ''کیا بات ہے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''تم پہلے سے زیادہ پیاری ہو گئی ہو۔'' باسط نے تعریف کی تو اس کی گردن کچھ اور بھی اکڑ گئی۔

''یہ سب تمہاری محبتوں کا کمال ہے، میں تمہاری محبت پا کر مغرور ہو گئی ہوں۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے سینے سے سر لگا دیا۔

''تو کیا شاہ زیب تم سے محبت نہیں کرتا تھا؟'' پل بھر میں باسط کا موڈ بدل گیا اس نے مائرہ کا سر اپنے سینے سے ہٹا دیا۔ جانے اس کے اچھے خاصے موڈ کو کیا ہو جاتا تھا۔

''یہاں یہ اس کا کیا ذکر......؟''

''اس کا ذکر ہی تو ہو گا۔'' وہ زہر میں بجھے لہجے میں بولا۔

''باسط وہ میرا ماضی تھا جو میں بھول چکی ہوں۔''

''پر میں تو نہیں بھولا ہوں۔ اس کی زندہ جیتی جاگتی نشانی تمہارے پاس موجود ہے۔ تم کیسے بھول سکتی ہو اسے۔'' باسط کی آنکھوں سے شعلے لپکتے محسوس ہو رہے تھے۔

''باسط میں تم سے محبت کرتی تھی، کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔ وہاں میرے گھر والوں نے شادی کی تھی۔ ان کا فیصلہ تھا۔''

''ہاہاہا......'' باسط ہنستا چلا گیا۔ ''گھر والوں کا فیصلہ...... ہاہاہا...... شاہ زیب مجھ سے زیادہ امیر تھا۔ تم بھی اس کی دولت، گھربار دیکھ کے قربان ہو گئی تھیں اور شیریں خالہ نے اپنی بہن کے جذبات تک کا کوئی خیال نہیں کیا...... صاف کہہ دیا کہ ہم نے زبان دے دی ہے حالانکہ اس وقت ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ ہم سے جھوٹ بولا گیا تھا۔ شیریں خالہ نے اپنی بہن سے جھوٹ بولا۔ اور تب تم بھی شاہ زیب کے نام کی مالا جپ رہی تھی۔ بہت جلدی تمہارا اور خالہ کا غرور ٹوٹا ہے۔'' باسط بہت بے رحمی سے بول رہا تھا۔

مائرہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ باسط اٹھا، شوز پہنے اور غصے سے دروازہ بند کر کے باہر

آ گیا۔
تھوڑی دیر بعد وہ اکیلا ہی جارہا تھا۔ اس نے مائرہ سے ایک بار بھی جانے کے لیے نہیں کہا۔ گاڑی کی چابی، موبائل فون اٹھایا۔ مائرہ ایک تو اتر سے رو رہی تھی۔ باسط نے ایک نظر تک نہ ڈالی اس پر..... اسے گویا مائرہ کے بہتے آنسوؤں کی کوئی پروا ہی نہیں تھی۔

باسط نے دوستوں کے ساتھ باہر ڈٹ کے کھانا کھایا، ہلا گلا کیا اور رات بہت دیر سے گھر واپس آیا۔

سب گھر والے سوچکے تھے۔ باسط نے آرام سے اپنے بیڈروم کا دروازہ کھولا۔ زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا۔ مائرہ کروٹ بدلے لیٹی تھی اور جاگ رہی تھی۔ بال بکھرے اور آنکھیں شدتِ گریہ سے سرخ..... باسط نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور کپڑے بدلنے چلا گیا، واپس آکر تکیہ اٹھایا اور اس سے قدرے دور ہو کے لیٹ گیا۔

''میں ان ڈراموں سے متاثر ہونے والا نہیں ہوں۔ جاؤ منہ ہاتھ دھو کے آؤ اور پنک نائٹی پہنو..... اس کے بعد میرے پاس آنا اور یہ میرا حکم ہے۔ پانچ منٹ سے اوپر نہ ہوں۔'' باسط کے لہجے میں سختی تھی۔ مائرہ اسی طرح لیٹی رہی جیسے سنا ہی نہیں ہو۔

''میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ کمرے کی دیواروں سے مخاطب نہیں ہوں۔ ٹسوے بہانا بند کرو اور جلدی کرو.....'' اس بار اس نے مائرہ کا بازو بڑی زور سے ہلایا۔ مائرہ کو جرأت نہیں ہوئی کسی قسم کے احتجاج کی۔

اس نے خاموشی سے منہ ہاتھ دھو کے بال سنوارے، پر آنسو جانے کہاں سے امڈے چلے آرہے تھے جیسے اس کے اندر سیلاب آگیا ہو اور سب بند ٹوٹ گئے ہوں۔

ایک بار پھر اس نے منہ پر پانی کے چھپاکے مارے، اتنے میں باسط غصے میں ابلتا ہوا باتھ روم میں آگیا۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ پانچ منٹ سے اوپر نہ ہوں۔ تم یہاں کس کا ماتم کررہی ہو۔'' وہ اس کے کان کے قریب چیخا تو مائرہ کے آنسو رک گئے۔ کتنا اجنبی اور سرد سا رویہ تھا اس کا..... وہ میکانکی انداز میں اس کے ساتھ آگئی۔

''سکون چاہیے اس وقت مجھے صرف سکون.....'' باسط کے بازو اس کی کمر کے گرد حمائل ہوگئے۔ وہ اپنے حق کا استعمال کررہا تھا اور مائرہ کے اندر کوئی بیٹھا زور، زور سے رو رہا تھا۔ ہاں اس کی آنکھوں میں اب آنسو نہیں تھے۔

باسط نے کوئی معذرت نہیں کی نہ کسی شرمندگی کا اظہار..... اس میں مردانگی جو تھی، وہ ایک مکمل مرد تھا جیسا ایک مرد کو ہونا چاہیے۔ کبھی یہ الفاظ مائرہ نے شاہ زیب..... کو کہے تھے۔ باسط اس کے قریب تھا اور اسے شاہ زیب سے کہی باتیں یاد آرہی تھیں۔ کبھی شاہ زیب اس کے پاس تھا اور اسے باسط کی مردانگی یاد آتی تھی۔

جذبات کا طوفان ختم ہونے کے بعد باسط کروٹ بدل کر سکون سے سوگیا۔ مائرہ نے قطرہ، قطرہ اذیت اپنے جسم و جان میں اترتی محسوس کی تھی۔

☆☆☆

باسط اب واپسی کی تیاری کررہا تھا ضرورت سے زیادہ وقت پاکستان میں لگ گیا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے مائرہ کو جی بھر کے شاپنگ کروائی۔ کپڑے اور زیورات اس کے پاس پہلے سے موجود تھے۔ باسط نے اپنی پسند سے اور لے کر دیے۔ روز اسے کہیں نہ کہیں لے کر نکل جاتا۔ باہر کھانا کھلاتا، لانگ ڈرائیو کرتا۔ جب وہ کہتی باسط اب دیر ہوگئی ہے گھر چلو وہ تب گاڑی واپسی کے لیے موڑتا۔ اس سے کہتا کہ میرے پاس بیٹھی رہو، کوئی کام مت کرو، میں یہاں سے تمہاری پیاری، پیاری یادیں سمیٹ کے لے جانا چاہتا ہوں۔ وہ اسے دیوانوں کی طرح تکتا جاتا۔ تب مائرہ اس کی بے تابیوں اور بے قراریوں پر حیران ہوجاتی۔ اس کے دھوپ چھاؤں جیسے مزاج کو وہ سمجھ ہی نہیں پارہی تھی۔ وہ برسنے پر آتا تو پور، پور سیراب کردیتا اور جب روٹھتا تو سانسیں تک سینے سے روک دیتا..... وہ ایسا ہی شعلہ

شبنم تھا۔

☆☆☆

مائرہ کتنی بار اپنے آنسو نظر چھپا کے صاف کر چکی تھی۔ باسط کل جا رہا تھا۔ جوں، جوں وقت قریب آتا جا رہا تھا اس کے دل میں عجیب سی گھٹن ہو رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا زنجیر بن کے باسط کے قدموں سے لپٹ جائے اسے نہ جانے دے..... ایسا نہ ہو وہ چلا جائے تو پھر وہ ہمیشہ کے لیے اس کی واپسی کا راستہ تکتی رہے۔ انتظار اس کا مقدر بن جائے۔

وہ اس کے سینے پر سر رکھے لیٹی تھی۔ باسط ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے بالوں میں کنگھی کر رہا تھا۔ اپنی بے پناہ چاہت کا اظہار کر رہا تھا۔

''باسط کب آؤ گے واپس؟'' مائرہ نے ذرا سا سر اٹھا کے اس کی طرف دیکھا۔

''اب تو آنا جانا لگا ہی رہے گا۔ تمہارے بغیر میں کہاں رہ پاؤں گا۔ زنجیر سی ڈال دی ہے تمہاری محبت نے میرے پاؤں میں، دیکھ لو شادی کے بعد میں ایک پل، ایک دن بھی تم سے دور نہیں ہوا ہوں۔ نہ تمہیں امی کے گھر جانے دیا ہے..... لیکن مجبوری ہے جو میں تم سے دور جا رہا ہوں۔'' باسط کے لفظ، لفظ سے محبت ٹپک رہی تھی۔

''باسط میں کیسے رہوں گی۔'' وہ پھر سے روہانسی ہونے لگی تو باسط نے اسے تسلی دی۔

''میں جب واپس آؤں تو تمہاری طرف سے خوشخبری ملنی چاہیے مجھے۔'' وہ مائرہ کو اسی طرح بازوؤں میں جکڑے، جکڑے بولا تو وہ سمجھ ہی نہیں پائی کہ خوشخبری کا مطلب کیا ہے۔

''خوشخبری سے کیا مراد ہے باسط؟''

''ہماری قربتوں کی کوئی نشانی وجود میں آجانی چاہیے۔ یہ خوشخبری سنانا مجھے جلدی۔'' وہ اس کی ناک چھو کے بولا تو مائرہ شرما گئی۔

باسط کو اس کی شرمانے کی ادا بہت بھائی۔ وہ کنواری لڑکی کی طرح سرخ پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

اشعر ضروری میٹنگ کے بعد آفس سے اٹھ آیا تھا۔ شام دوستوں کے ساتھ جیم خانہ جانے کا موڈ تھا اس لیے وہ جلدی آ گیا تھا۔

طاہر لغاری ٹی لاؤنج میں بیٹھے تھے اور بے انتہا سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ اشعر نے سلام کیا تو انہوں نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا جو ان کی گود میں دھرا ہوا تھا۔

''پپا کیا ہے یہ؟'' وہ الٹ پلٹ کے دیکھتے ہوئے بولا۔

''خود پڑھ لو، دیکھ لو۔'' وہ اسی سنجیدگی سے بولے تو اشعر کو محسوس ہوا جیسے ان کی بے انتہا سنجیدگی کا تعلق اسی لفافے سے ہے۔ مُزیکتا کے وکیل کی طرف سے خلع کا نوٹس تھا..... جسے اشعر نے پُرزے، پُرزے کر کے فضا میں اچھال دیا اور باہر نکل گیا۔ اس نے کوئی بات نہیں کی تھی نہ کچھ بولا تھا۔ نہ کسی قسم کے غصے کا

اظہار کیا تھا۔ اس کی خاموشی بہت خطرناک تھی اور طاہر کو کھل رہی تھی۔

☆☆☆

''میں نے وکیل کے ذریعے خلع کا نوٹس بھجوادیا ہے۔ بہت اچھل رہا تھا کہ خلع نہیں دے گا۔'' اورنگزیب گاؤں آئے تھے اور دُرّیکتا کے ساتھ، ساتھ شیریں کو بھی اپنی حالیہ کارکردگی بتارہے تھے۔ جواباً دُرّیکتا نے کسی قسم کی رائے نہیں دی۔ وہ جانے کیا سمجھے اس کے پاس آکے بیٹھ گئے۔

''تم پریشان مت ہو وہ خلع دے، دے گا۔ میرا تو نہیں خیال کہ اشعر عدالت میں آکے اپنے مقدمے کی پیروی کرے گا۔ وہ عدالت کی طلبی پہ حاضر ہی نہیں ہوگا اور عدالت تمہارے حق میں فیصلہ دے گی۔ میں طاہر لغاری کی نفسیات اچھی طرح جان چکا ہوں۔ عزت دار لوگ ہیں، عدالتوں کے چکر میں پڑنے والے نہیں ہیں۔ پیشی پر کوئی عدالت میں آئے گا ہی نہیں۔'' دُرّیکتا کو ان کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ مارے باندھے سن رہی تھی۔ اسے عدالت کے نام سے ہی پریشانی ہورہی تھی کہ وہاں جانا پڑے گا...... اور یقیناً وہاں پر اشعر لغاری اور طاہر انکل بھی تو ہوں گے۔ اشعر لغاری سے اسے ویسے بھی ڈر لگتا تھا اور طاہر انکل کو وہ کیسے فیس کرے گی۔ تایا اورنگزیب اسے چند پیشیوں میں ہی فیصلہ اپنے حق میں ہونے کی خوشخبری سنا رہے تھے۔ وہ کسی بات سے بھی تو خوش نہیں ہو پارہی تھی حالانکہ اسے خوش ہونا چاہیے تھا کہ اسے خلع ملنے والی ہے۔ یہ خوشخبری کوئی اور نہیں تایا اورنگزیب اسے سنا رہے تھے۔

''اپنے دل کو مضبوط رکھو کچھ نہیں ہوتا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ بس تمہارے نصیب میں یہی لکھا تھا۔ شکر کرو کہ اشعر لغاری اور اس کے خاندان کی حقیقت پہلے ہی کھل گئی ہے۔ بعد میں پتا چلتا تو کیا ہوتا......'' شیریں تائی بھی ہمدردی کا اظہار کرنے میں تایا سے پیچھے نہیں تھیں۔

''میری کب سے آرزو تھی کہ تمہیں بیٹی بنا کے اپنے گھر میں لاؤں۔ اللہ نے میری یہ خواہش سمجھو پوری کردی ہے۔ بس اشعر والا قصہ ختم ہو تو میں بھی تیاریاں شروع کردوں۔'' شیریں تائی اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی بات کا مطلب بہت واضح تھا۔ دُرّیکتا دودھ پیتی بچی نہیں تھی جو سمجھ ہی نہیں پاتی۔ اس کا دم الجھنے لگا۔ ایک دم سے جی چاہا اٹھ کے دور بھاگ جائے۔ مزید یہاں بیٹھی رہتی تو پریشان ہوتی۔ خاموشی سے اٹھ آئی۔

''شرما گئی ہے۔'' اس کے جانے کے بعد شیریں نے تبصرہ کیا تو اورنگزیب نے فاتحانہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہے ہوں کہ اب منزل دور نہیں ہے ہم سے۔ عین اس وقت اورنگزیب کا سیل فون گنگنانے لگا۔

''ہیلو......'' وہ کال ریسیو کرتے ہی اپنی مخصوص گونجدار آواز میں بولے۔ دوسری طرف اشعر لائن پہ تھا۔ اس نے رسمی تکلفات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

''مجھے نوٹس مل گیا ہے میں نے اس لیے کال کی ہے......'' اشعر دلی جذبات کو چھپا کے بات کررہا تھا۔

''پھر کیا سوچا ہے، کیا عدالت میں جانا ہے یا عدالت کے باہر معاملہ طے کرنا ہے؟'' اورنگزیب اشعر کی فون کال کو اپنے لیے بہت بڑی کامیابی تصور کررہے تھے اس لیے اکڑ سے گئے تھے۔

''معاملہ جو بھی ہے آپ کو پتا چل جائے گا، مجھے یہ پوچھنا ہے کہ کیا اس خلع میں آپ کی مرضی بھی شامل ہے؟''

''دُرّیکتا نے خود اپنی زبان سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اسے خلع چاہیے۔ جب وہ راضی نہیں ہے تو اس میں کوئی بھی راضی نہیں ہے۔ ہم سب یہی چاہتے ہیں کہ دُرّیکتا کو خلع مل جائے۔ اس کے بعد میں اپنے خاندان میں ہی اس کی شادی کردوں گا۔ پہلے بھی سب کی مرضی یہی تھی مگر عمر زیب نے اپنی مرضی کی...... خیر وہ ماضی کی باتیں ہیں۔ میں اب دُرّیکتا کی

شادی اپنے بیٹے عاشر سے کرنا چاہتا ہوں اس کی بھی یہی خواہش ہے۔'' وہ اپنی دُھن میں بڑے جوش سے بتا رہے تھے۔ دوسری طرف اشعر نے اپنے کھولتے جذبات کو بڑی مشکل سے قابو کیا تھا۔

''آپ بھول رہے ہیں کہ دُرَیکتا ابھی میرے نکاح میں ہے اور آپ فی الحال ایسا نہیں کرسکتے۔'' وہ لفظ چبا، چبا کے بولا۔

''دریکتا کو تمہارے نکاح کی قید منظور نہیں ہے۔'' اورنگزیب نے اسے کچھ یاد کرایا۔

''میں اسے اس قید سے کبھی رہائی نہیں دوں گا بے شک وہ زندگی کی قید سے رہائی پا جائے۔'' اشعر کا لہجہ سنگدلی کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔

وہ رابطہ منقطع کرچکا تھا۔

کچھ دیر پہلے اورنگزیب اپنی فتح کے نشے کے احساس سے ہی سرشار ہو رہے تھے۔ اور اب پریشانی سے سر پکڑے بیٹھے تھے۔ اشعر گلے کی ہڈی بن چکا تھا۔

☆☆☆

باسط سب سے مل کر آخر میں بینا سے ملا تو ہمیشہ کی طرح اس کے آنسو نکل آئے۔ اس نے بھیگی آنکھوں سمیت بیٹے کا ماتھا چوما اسے دعائیں دیں بالکل اپنے سگے بیٹے ایاز کی طرح ...... اسے کبھی احساس نہیں ہوا اتنے برسوں میں کہ باسط اس کا اپنا بیٹا نہیں ہے اس نے بینا کی کوکھ سے جنم نہیں لیا ہے۔

عمر زیب سے رشتہ ٹوٹنے کے بعد حمزہ احمد کے گھر والوں نے رشتہ مانگا تھا۔ حمزہ کی پہلی بیوی ایک حادثے میں اللہ کو پیاری ہوچکی تھی۔ باسط اس وقت دو سال کا تھا۔ بینا کی شکل صورت شیریں کے مقابلے میں واجبی سی تھی اوپر سے رشتہ بھی ٹوٹ چکا تھا ایسے میں حمزہ احمد کے رشتے کو گھر والوں نے غنیمت تصور کرتے ہوئے فوراً ہاں کردی۔ بینا بہت روئی پر اس کی ایک نہ چلی۔ شروع، شروع میں اس کی حمزہ کے ساتھ لڑائیاں بھی ہوئیں پر آہستہ، آہستہ وقت کے ساتھ وہ حالات سے سمجھوتا کرنا سیکھ گئی۔ حمزہ احمد نے شادی کے پہلے دن

غزل

اور کیا کرتا بیاں غم تمہارے سامنے
میری آنکھیں ہو گئیں پُرنم تمہارے سامنے
ہم جدائی میں، تمہاری مر بھی سکتے ہیں مگر
چاہتے یہ ہیں کہ نکلے دم تمہارے سامنے
جس میں ہم دونوں کے بچپن کی بھی اِک تصویر ہے
ڈھونڈ کر لایا ہوں وہ البم تمہارے سامنے
آتے، آتے لب پہ رہ جاتی ہیں دل کی حسرتیں
کھولتے ہیں ہم زباں کم، کم تمہارے سامنے
تم سمندر کی طرح آغوش وا کرتے نہیں
ہم تو بن جاتے ہیں موجِ یم تمہارے سامنے
کس لیے تم نیند میں شرما رہے ہو اس طرح
خواب میں کیا آگئے ہیں ہم تمہارے سامنے

شاعر: یاور عظیم
انتخاب: رضیہ جاوید، کراچی

ہی اس سے کہا تھا کہ باسط کو کبھی معلوم نہ ہونے پائے کہ تم اس کی سگی ماں نہیں ہو۔ اس کڑوے جھوٹ کو بینا نے میٹھے سچ کی طرح پیا...... ایاز گود میں آیا تو اسے باسط کی محرومی بھی سمجھ آگئی اور اس نے کھلے دل اور ماں کی آغوش کی طرح باسط کو سمیٹ لیا...... پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ بینا اپنے گھر کی خاطر اپنے بچوں کی خاطر سب کچھ بھول گئی۔ باسط سے اس کی محبت کسی دکھاوے پر مبنی نہیں تھی اور حمزہ احمد نے تمام عمر اس کا اعتراف کیا۔

''امی آپ تو ایسے روتی ہیں جیسے میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔'' باسط نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا تو اس نے تڑپ کے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''آئندہ یہ بات مت کرنا۔ میں سہہ نہیں پاؤں گی۔''

''امی نہیں کہوں گا، معاف کردیں، مجھے نہیں پتا تھا آپ اتنی ڈرپوک اور بزدل ہیں۔''

''مائیں ایسی ہی ڈرپوک اور بزدل ہوتی ہیں۔ جس طرح میں ہوں اس لیے اب زبان سے کوئی ایسا

حرف نہ نکالنا۔'' بینا نے وارننگ دی تو باسط نے بڑی سعادت مندی سے سر ہلایا۔

باسط اپنے پیچھے مائرہ کے دل میں بہت ساری بے چینیاں چھوڑ گیا۔ وہ پل، پل اسے یاد کرتی۔ باسط کے جانے کے بعد مائرہ کا دل کہیں بھی نہیں لگ رہا تھا۔ کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ بینا نے اسے پریشان دیکھا تو چند روز کے لیے میکے جانے کا مشورہ دے دیا۔ مائرہ خود بھی یہی چاہ رہی تھی۔ چنانچہ اگلے دن حمزہ احمد اسے گاؤں چھوڑ گئے۔

حویلی میں قدم رکھتے ہی پرانی اپنائیت جاگ پڑی۔ وہ سب رشتے یاد آگئے جنہیں اتنے دنوں سے باسط کی ہم سفری میں بھولی ہوئی تھی۔ شیریں اور سائرہ اسے دیکھ کے بہت خوش ہوئیں۔ ہاں دُرِ یکتا سے ملتے ہوئے اس نے وہ پہلی جیسی گرمجوشی محسوس نہیں کی۔ وہ اسے الجھی، الجھی سی لگی جیسے بادلِ ناخواستہ مسکرا رہی ہو۔

''کیا بات ہے پریشان سی لگ رہی ہو؟'' اس نے پوچھا تو دُرِ یکتا سے تھا پر جواب شیریں تائی کی طرف سے آیا۔

''پریشان کیوں نہ ہوگی بیچاری...... دو دن بعد عدالت میں پیشی ہے اور اس اشعر لغاری نے کال کر کے تمہارے ابو کو بہت دھمکیاں دی ہیں، اس کے بارے میں بھی الٹا سیدھا کہا ہے۔ یہ اس لیے رونی صورت بنائے بیٹھی ہے۔''

''اوہ، اچھا دو دن بعد پیشی ہے۔'' مائرہ اسے دیکھ کے رہ گئی پھر جیسے اچانک اسے بھولے بسرے طیب کا خیال آیا تو اس کا پوچھ بیٹھی۔

''طیب کیسا ہے کہاں ہے؟''

''وہ ٹھیک ہے، سو رہا ہے۔'' دُرِ یکتا آہستہ سے بولی۔

''اس کی فکر مت کرو۔ بالکل ٹھیک ہے، بہت اچھے طریقے سے اس کی پرورش ہو رہی ہے۔'' شیریں نے اسے کوئی اور بات ہی نہیں کرنے دی۔ مائرہ بھی اِدھر اُدھر کے قصوں میں بھول گئی۔

☆☆☆

ابھی اتنی رات نہیں ہوئی تھی پر مائرہ جلدی لیٹ گئی تھی۔ وہ سیل فون کے ساتھ لگی ہوئی تھی کہ باسط کی کال آگئی۔ اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔

''جی جناب، کیسی ہیں ہماری بیگم صاحبہ......؟''

باسط کا تروتازہ لہجہ کانوں سے ٹکرایا تو اس کی ساری اداسی اور کلفت اڑنچھو ہوگئی۔

''میں ٹھیک ہوں تم سناؤ۔''

''ہماری کیا پوچھتی ہو، تمہاری جدائی میں تڑپ رہے ہیں۔''

''تو پھر گئے کیوں تھے مجھے چھوڑ کے؟''

''مجبوری تھی مگر جلدی آؤں گا فکر نہ کرو......''

''آجاؤ ناں ابھی......'' مائرہ بیچارگی سے بولی تو وہ ہنسنے لگا۔

''اس طرح نہ بلاؤ میں سچ مچ آجاؤں گا پھر پتا ہے ناں میرا......'' وہ شرمائی۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی...... باسط نے ہی خاموشی کو توڑا۔

''خالہ کی طرف آئی ہو، امی نے بتایا تھا۔ گھر بات ہوئی تھی میری...... اور ہاں ایک بات یاد رکھنا تم اپنے بیٹے کی طرف مت جانا...... ایسا نہ ہو یہاں آکے تمہاری ممتا جاگ پڑے۔ میں یہ بات برداشت نہیں کروں گا۔ تم نے ساری محبت میرے بیٹے، میری اولاد کے لیے محفوظ رکھنی ہے اگر میری زوجیت میں رہنا ہے تو......'' باسط کے لہجے میں یکا یک خودغرضی در آئی۔ مائرہ کچھ بول ہی نہیں پائی۔

باسط نے کچھ دیر بعد ایسی مزید ہدایات کے ساتھ فون بند کر دیا تھا۔ وہ سیل فون رکھ کے اس کے رویے کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆☆☆

دُرِ یکتا کی آج عدالت میں پیشی تھی۔ تائی شیریں اور تایا اورنگزیب اسے مسلسل سمجھانے بجھانے میں لگے ہوئے تھے۔ پر نہ جانے کیوں اس کا دل وسوسوں اور گھبراہٹ کا شکار تھا۔ جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ طوفان سے پہلے والی مخصوص خاموشی طاری تھی۔ کسی انہونی کا

اشارہ تھا۔ دریکتا نے طیب کو ڈھیر سارا پیار کیا...... اس سے اس کے آنسو بہہ نکلے۔

''زبین، طیب کا خیال رکھنا میں آجاؤں گی جلدی......'' آنسو پونچھتے ہوئے اس نے زبین کو پھر یاد دہانی کروائی تو سائرہ، مائرہ کی طرف دیکھ کے ہنس پڑی۔

''بہت دکھ ہو رہا ہے اپنے ہزبینڈ سے علیحدگی کا۔'' وہ بہت عجیب سے لہجے میں بولی تو شیریں نے اسے ڈانٹا۔

''کیا ہر وقت فضول باتیں کرتی رہتی ہو۔ ہم جا رہے ہیں کم از کم اسی کا خیال کرلو۔'' وہ اِدھر ہی برا سا منہ کے چپ ہو کے بیٹھ گئی۔

شیریں نے دریکتا کو اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھالیا۔ اورنگزیب اور عاشر دوسری گاڑی میں تھے۔ دونوں گاڑیاں ڈرائیور چلا رہے تھے۔

دریکتا سر جھکائے مسلسل اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔ شیریں باہر کے مناظر میں گم تھیں۔

☆☆☆

طاہر کی طبیعت کچھ خراب تھی اس لیے اشعر نے منع کر دیا تھا کورٹ جانے سے۔ ''پپا رہنے دیں آپ مت جائیں ریسٹ کریں۔ آپ کو ریسٹ کی ضرورت ہے۔ میں جا رہا ہوں آپ کو کال کر کے وہاں کی سچویشن بتادوں گا پھر آفس جاؤں گا۔'' وہ شوز پہن رہا تھا۔

''ٹھیک ہے مجھے بتا دینا جو بات بھی ہو۔'' طاہر لغاری نے بادل ناخواستہ سر ہلایا۔

''اوکے پپا ڈونٹ وری۔'' اس نے مڑ کے باپ کو دیکھا اور اپنے کمرے میں آگیا۔ اپنا ریوالور الماری سے نکالا اور کھول کے اس کا چیمبر چیک کیا۔ ریوالور پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ اس نے سیفٹی کیچ ہٹادیا اور اسے بیلٹ کے نیچے اڑسا۔ اشعر کے لبوں پر... پُراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ طاہر دیکھ لیتے تو آج ضرور اس کے ساتھ جاتے۔

اس نے پپا کے سامنے بے مثال صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا تھا، اپنے لہجے اور کسی بھی انداز سے اپنے ارادوں کا اظہار ہونے نہیں دیا تھا۔ وہ نارمل نظر آنے میں پوری طرح کامیاب رہا تھا۔ تب ہی تو طاہر پُرسکون تھے۔

☆☆☆

اشعر عدالت کے احاطے میں پہنچا تو وہاں ابھی اتنا زیادہ رش نہیں تھا۔ دریکتا کے وکیل نے پیش کار کے ساتھ مل کر اپنے کیس کا پہلا نمبر لگوایا تھا تب ہی اشعر جلدی آیا تھا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی وہ لوگ ابھی نہیں پہنچے تھے۔ اشعر دوبارہ کورٹ سے باہر آگیا۔ گاڑی اس نے سائڈ پر پارک کی ہوئی تھی۔

وہ بار، بار رسٹ واچ کو دیکھ رہا تھا۔ ان لوگوں کو اب تک آجانا چاہیے تھا۔ دس منٹ کے جان لیوا انتظار کے بعد اورنگزیب کی گاڑی آتی نظر آئی۔ اشعر کو انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ ڈرائیور نے اورنگزیب کے کہنے پر گاڑی کا انجن بند کر دیا۔ اورنگزیب اور عاشر دونوں نیچے اتر آئے۔ ان کے پیچھے ہی شیریں کی گاڑی کے ڈرائیور نے بھی ایسا ہی کیا۔

''کیا بات ہے لگتا ہے تمہیں عقل آگئی ہے تب ہی یہاں کھڑے ہو۔'' اورنگزیب نے دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اتنے میں شیریں تائی بھی گاڑی سے اتر کر ان کے پاس آکے کھڑی ہو گئیں۔

''دریکتا تم بھی آجاؤ۔'' جانے کیا سوچ کے شیریں نے گم صم پریشان بیٹھی دریکتا کو اشارہ کیا۔ وہ ڈرتے، ڈرتے نیچے اتری۔

پہلے دایاں پاؤں باہر رکھا پھر بایاں...... جیسے سوچ رہی ہو کہ اسے ایسا کرنا چاہیے بھی کہ نہیں۔

''اس کا فیصلہ ابھی ہو جائے گا۔'' اشعر نے نرمی سے جواب دیتے ہوئے اورنگزیب کا بازو کندھے سے ہٹایا۔ دریکتا، شیریں تائی کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ اشعر نے دائیں ہاتھ سے ریوالور بیلٹ کے نیچے سے نکالا اور شیریں کی اوٹ میں کھڑی دریکتا کو بائیں ہاتھ سے اپنی طرف کھینچا۔ یہ دونوں کام اس نے انتہائی پھرتی سے کیے۔ ریوالور دیکھ کے اورنگزیب اور عاشر بھی پیچھے ہٹ گئے۔ ان میں سے کسی کے پاس بھی اسلحہ

نہیں تھا۔ یہ شوق صرف نوید کو تھا باقی کوئی بھی اپنے ساتھ نہیں رکھتا تھا۔

''میں اسے اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں کسی کو اعتراض ہے تو بولے۔'' اس کا لہجہ بلا کا سفاک تھا۔ دُرِ یکتا اس اچانک وار کے لیے تیار نہیں تھی بری طرح ہراساں ہوگئی۔ اشعر نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کے دُرِ یکتا کو فرنٹ سیٹ پر دھکا دیا۔ بجلی کی تیزی سے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اورنگزیب، عاشر اور دونوں ڈرائیور ہکا بکا دیکھ رہے تھے۔

''بہت برا کروں گا میں اشعر لغاری تمہارے ساتھ.....'' اورنگزیب نے دانت پیستے ہوئے اشعر کو غائبانہ دھمکی دی۔ وہ اپنے پیچھے گرد چھوڑ کر جا چکا تھا۔

☆☆☆

دُرِ یکتا بالکل خاموش تھی۔ کافی دیر اسے اسی پوزیشن میں بیٹھے گزر گئی تھی۔ اس کا سر گھٹنوں پر دھرا تھا اور سر مو حرکت کا احساس تک نہیں تھا۔

اشعر شہر کو کافی پیچھے چھوڑ چکا تھا۔ اب وہ مضافاتی علاقے سے گزر رہا تھا۔ ''ایک بار ہی منزل پر پہنچ کے دیکھیں گے آپ کو دُرِ یکتا صاحبہ۔'' وہ اس کے بے سدھ وجود کو غور سے تکتے ہوئے خود سے بولا۔ اگلے پندرہ منٹ میں وہ فارم ہاؤس پہنچ چکا تھا۔ یہ فارم ہاؤس اشعر کے دوست کا تھا۔ کبھی کبھار پکنک کا ارادہ ہو تو سب دوست یہاں آجاتے۔ کوئی فنکشن یا پارٹی ارینج کرنی ہوتی تو ان دوستوں کا سب سے پہلا انتخاب فارم ہاؤس ہی ہوتا تھا۔ اشعر نے اپنے اقدام کے بارے میں اپنے دوست کاشف کو اعتماد میں لے کر بتا دیا تھا۔ اس نے خلوص سے ہر طرح کی مدد کی یقین دہانی کروائی تھی۔

اشعر چاہتا تو دُرِ یکتا کو براہ راست گھر بھی لے کے جا سکتا تھا پر اس نے جان کے ایسا کرنے سے گریز کیا تھا۔

گیٹ کھلا ہوا تھا اور چوکیدار وہاں موجود تھا۔ کاشف کے حکم پر چوکیدار اشعر کے یہاں آتے ہی چلا گیا۔ کاشف نے داہنی جانب کے دونوں کمرے صاف کروا دیے تھے۔ اشعر نے گاڑی اندر لا کر روکی۔ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر وہ اترا اور دُرِ یکتا کی جانب آیا۔ اس کا سر سابقہ پوزیشن میں گھٹنوں پر دھرا تھا اور وہ گٹھڑی سی بنی ہوئی تھی۔ اشعر کو عجیب سا احساس ہوا۔ اس نے جھک کے دریکتا کا سر سیدھا کیا تو وہ پھر ڈھلک گیا۔ بے اختیار وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔ دریکتا جانے کب سے بے ہوش تھی۔

اشعر نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر نیچے اتارا۔ وہ اس کے اوپر آرہی..... اس نے اسے کندھے پر اٹھا لیا۔ دُریکتا کے بالوں کی چوٹی اشعر کے چہرے کو چھو رہی تھی۔ اور چادر زمین پر ساتھ ساتھ گھسٹ رہی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ، یہ کیا مصیبت ہے۔'' وہ جھنجلا سا گیا۔ اس نے دریکتا کو صوفے پر لا کر لٹا دیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اشعر نے زور، زور سے ہلایا پر اس میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ اس نے پھر دریکتا کا ناک اور منہ اپنی ہتھیلی سے بند کر دیا۔ یہ کوشش کارگر ثابت ہوئی۔ اس کی آنکھیں دھیرے سے کھلیں۔ وہ ہوش میں آرہی تھی۔ اشعر دور ہٹ کے کرسی پر بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگا کے منہ میں دبائی۔

اس کی نگاہیں دریکتا کی جانب ہی تھیں۔ اس نے پوری آنکھیں کھول کے پہلے چھت کو دیکھا اجنبی در و دیوار تھے۔ اس کی ساری بے ہوشی دم توڑ گئی اور وہ تڑپ کے اٹھ بیٹھی۔ اشعر اس کی ایک، ایک حرکت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ صوفے سے ٹانگیں نیچے لٹکاتے ہی وہ وہیں ساکت ہوگئی۔ اس نے اشعر کو دیکھ لیا تھا۔ وہی پرانا خوف عود آیا جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوئی تھی۔ اشعر کچھ بھی نہیں بول رہا تھا۔ اپنی گہری نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اور بھی ڈسٹرب ہو رہی تھی۔

اسی اثنا میں اس کا سیل فون گنگنانے لگا۔ ''آپ کے تایا کی کال ہے۔'' اس نے عام سے انداز میں

اسے انفارم کر کے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف اورنگزیب بغیر دعا سلام کے شروع ہو گئے۔
"میں تم پر دُرِ یکتا کے اغوا کے جرم میں پرچہ کٹوا دوں گا۔" اشعر ہنسنے لگا۔
"آپ مجھے اپنی منکوحہ کو ساتھ لے جانے کے جرم میں اندر کروائیں گے۔ ہاہاہا...... یہ شوق بھی پورا کرلیں۔ ویسے مجھے یہ نہیں پتا کہ اگر کوئی اپنی منکوحہ کو ساتھ لے جائے تو اس پر کون سی دفعہ لگتی ہے۔ آپ نے پرچہ کٹوانا ہے تو شوق سے کٹوائیں۔ فی الحال میری بیوی میرے پاس ہے۔" اشعر نے سرشار انداز میں بولتے ہوئے اچانک رابطہ منقطع کر دیا اور موبائل بیڈ پر اچھال دیا۔ دوسری طرف اورنگزیب بے بسی سے ہاتھ میں پکڑے اپنے فون کو دیکھنے لگے۔

☆☆☆

"میں ابھی جا رہا ہوں پپا کے پاس، رات تک آجاؤں گا۔ اگر آپ کا دل رونے اور چیخنے چلانے کو کر رہا ہو تو شوق سے کریں۔ یہاں ایک چوکیدار ہے اور وہ بھی اس وقت رہائشی حصے سے دور ہے۔ گونگا بہرا ہے اس پر اثر نہیں ہوگا۔ یہ فریج پڑا ہے اس میں پانی، پھل اور بریڈ پڑی ہے بھوک لگے تو اسی سے کام چلائیں۔ کھانا میں اپنے ساتھ رات کو لے کر آؤں گا۔ تب تک ریسٹ کریں یا اچھی طرح رو دھولیں۔"
اشعر اسے دیکھ تک نہیں رہا تھا۔
باہر نکل کر اشعر نے دروازہ لاک کر دیا اور چابی جیب میں ڈال لی۔ اس کے باہر نکلتے ہی دُرِ یکتا نے زور، زور سے رونا شروع کر دیا۔ وہ ساتھ ہی بچاؤ بچاؤ کی آواز بھی بلند کر رہی تھی۔ اشعر کو اس کی .... وقوفانی پر ہنسی آگئی کیونکہ اس ویرانے میں دور، دور تک اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔ سوائے چوکیدار کے...... وہ بھی اس وقت یہاں سے دور اپنے کوارٹر میں تھا۔ کاشف نے پہلے ہی اسے کہہ دیا تھا کہ اشعر صاحب کے کسی کام میں مداخلت نہیں کرنی۔
سیٹی پر شوخ سی دھن بجاتے ہوئے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اس کا پورا وجود فتح کے نشے سے سرشار تھا۔
دریکتا اب اس کے رحم و کرم پر تھی۔
اورنگزیب کی کال پھر آ رہی تھی۔ اس نے دھیان نہیں دیا۔

☆☆☆

طاہر لغاری کو نائٹ ڈیوٹی کا کہہ کر اشعر نے اپنی غیر موجودگی کا اچھا جواز ڈھونڈا تھا۔ خود اس نے پپا کے ساتھ کھانا کھایا اور دریکتا کے لیے ایک ریسٹورنٹ سے پیک کروایا۔ کافی ٹائم ہو گیا تھا۔ اس نے گاڑی کی اسپیڈ بتدریج بڑھا دی۔

☆☆☆

"صبح سے رات ہو گئی تھی۔ طیب رو، رو کے بے حال ہو رہا تھا۔ زبین اسے پہلے افیم دے کے سلاتی رہی تھی پر آج دُرِ یکتا کی غیر موجودگی میں اس نے پھر وہ غلطی نہیں دہرائی۔
سب گھر والے بے انتہا پریشان تھے۔ اِدھر طیب نے رو، رو کر جان عذاب میں ڈالی ہوئی تھی۔ چھوٹا بچہ دریکتا کے لاڈ پیار سے مانوس تھا اور اس کی غیر موجودگی سے بے چین...... شیریں جھنجلا رہی تھی۔
"ارے کریں فون اشعر کو اور پوچھیں کہاں لے گیا ہے دریکتا کو۔"
"ہاں جیسے وہ بتا دے گا ناں...... اسی انتظار میں بیٹھا ہے وہ...... ہم پوچھیں اور وہ بتا دے۔" اورنگزیب بری طرح ان پر بگڑے تو شیریں اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔
زبین دوبارہ طیب کو مائرہ کے پاس لائی تو شیریں اس پر غصہ ہونے لگیں وہ بیچاری چپ ہو گئی۔ طیب چپ ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

دریکتا دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے قالین پر بیٹھی تھی۔ وہ رو، رو کے نڈھال تھی طیب کس طرح رہا ہوگا اس کے بغیر...... اور باقی سب خاندان والے کس قدر

پریشان ہوں گے۔ کیا سوچ رہے ہوں گے، پپا کا کیا حال ہوگا۔ پورے گھر پر کس قدر پریشانی طاری ہوگی۔ واقعی اشعر لغاری اچھا آدمی نہیں ہے۔ اگر اچھا اور باکردار انسان ہوتا تو اسے کبھی اس طرح نہ لاتا یہاں۔" دُرِ یکتا اسے ریوالور نکالتے دیکھ کر ہی خوفزدہ ہوگئی تھی اور گاڑی میں اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ وہ یہاں آبادی سے دور لے آیا تھا۔ جہاں اس کی فریاد پر کوئی کان دھرنے والا تک نہیں تھا۔ وہ اس جگہ اکیلی تھی اور اشعر لغاری کو اسے یہاں بند کر کے جاتے ہوئے ذرہ بھر رحم تک نہیں آیا کہ وہ ایک کمزور اور نازک دل لڑکی ہے کہیں خوف کے مارے مر ہی نہ جائے۔

دُرِ یکتا نے دروازے اور کھڑکیوں پر زور آزمائی کی تھی پر اسے ناکامی ہوئی کیونکہ دروازے اور کھڑکیاں مضبوط لکڑی سے بنی تھیں۔ کھڑکیوں پر مضبوط گرل لگی تھی اور ان میں ایک درز تک نہیں تھی۔ تھک ہار کے وہ بیٹھ گئی اور سب گھر والوں کے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔ اب آنسو نئے سرے سے اُمڈے آرہے تھے۔

اچانک باہر کسی گاڑی کے ٹائر چرچرائے۔ دُرِ یکتا اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ یہاں سے بھاگنا چاہ رہی تھی اور ابھی اس کے پاس ایک موقع تھا۔ گاڑی میں آنے والا یقیناً اشعر لغاری تھا کیونکہ اس نے کہا تھا میں رات کو آؤں گا۔ دُرِ یکتا کے ذہن میں ایک منصوبہ آیا۔ اس نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا...... سامنے ٹیبل لیمپ پڑا تھا۔ اس نے ہاتھوں میں اٹھالیا۔ اچھا خاصا بھاری تھا۔ وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہوگئی کہ جیسے ہی اشعر اندر آئے وہ بے خبری میں اس کے سر پر دے مارے اور یہاں سے بھاگ نکلے...... اشعر لغاری کے تیور اسے چھوڑنے والے نہیں لگ رہے تھے۔ اگر وہ اپنے ارادے میں ناکام ہو بھی گئی تو اسے یہ دکھ تو نہیں ہوگا ناں کہ اس نے کوشش نہیں کی۔

☆☆☆

گاڑی کا دروازہ کھول کے پیک کیا ہوا کھانا اشعر نے ایک ہاتھ میں پکڑا...... اس کے دوسرے ہاتھ میں کمرے کی چابی تھی۔ اس نے اسی طرح ایک ہاتھ سے چابی کی ہول میں گھمائی دُرِ یکتا دروازے کے پیچھے دونوں ہاتھوں میں وزنی لیمپ پکڑے کھڑی تھی۔ دروازہ کھلا دُرِ یکتا کا ہاتھ کسی خوف کے احساس سے کانپا اور لیمپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اشعر بال، بال بچ گیا پر دُرِ یکتا کے لبوں سے نکلنے والی آوازیں بہت دردناک تھیں۔ وزنی لیمپ اس کے پاؤں پر لگا تھا۔ وہ دروازے کے پاس ہی لڑکھڑا کے گری۔ اشعر اندر کا منظر دیکھتے ہی بغیر کہے سنے سب کچھ جان گیا تھا۔ دریکتا کے پاؤں سے خون نکل رہا تھا۔

اشعر نے کھانا وہیں رکھا اور بیٹھ کے اس کا پاؤں بغور دیکھا۔ بظاہر کوئی گہری چوٹ نظر نہیں آرہی تھی پر خون تیزی سے نکل رہا تھا۔ یہاں بینڈیج کا سامان موجود نہیں تھا البتہ باتھ روم کی کیبنٹ میں ٹشو رول اور ٹنکچر آیوڈین اسے مل گئی۔ اس نے زخم صاف کیا اور پھر دریکتا کی ہی چادر کے کونے کو پھاڑ کر پٹی سی بنا کے اس کے پاؤں پہ باندھی۔

''اٹھیے بیڈ تک چلیے...... کافی سزا مل گئی ہے آپ کو اپنے کیے کی۔ اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں آپ خود ہی گر گئی ہیں۔'' وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائے کھڑا تھا۔ دُرِ یکتا نے نظرانداز کردیا تو اس نے برا نہیں مانا بلکہ کرسی پر مزے سے بیٹھ گیا۔ وہ خود ہی کسی نہ کسی طرح اٹھی اور صوفے تک جانے میں کامیاب ہوگئی۔ اشعر نے کھانا پلیٹوں میں نکالا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔

''کھالیں کھانا، آپ نے یقیناً صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ میں اتنے میں چوکیدار سے پین کلر کا پوچھ لوں اگر مل جائے تو......'' وہ اس بار دروازہ لاک کیے بغیر ہی باہر گیا۔ اسے سو فی صد یقین تھا دُرِ یکتا زخمی پاؤں کے ساتھ کہیں نہیں جاسکتی۔ اس کا یقین بے جا نہیں تھا۔

خوش قسمتی سے پین کلر مل گئی۔ وہ خود جان بوجھ کے کافی دیر لگا کر آیا تھا تاکہ اس کی غیر موجودگی میں دُرِ یکتا اچھی طرح کھانا کھالے۔ دریکتا نے کھانا کھایا تو تھا پر برائے نام..... لگتا تھا کھانے کو جیسے چکھا گیا ہے بس......

''یہ پین کلر لے لیں آرام آجائے گا۔'' اس نے دو گولیاں دُرِ یکتا کے سامنے رکھ دیں۔'' اس نے میکانکی انداز میں اٹھا کے پانی کے ساتھ نگل لیں۔

''فی الحال آپ زخمی ہیں مزید کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ابھی صرف سونے کا ہی کہوں گا، سو جائیں۔ باقی حساب کتاب پھر ہوں گے۔ بڑے ادھار آپ کی طرف نکلتے ہیں۔'' اشعر طنزیہ انداز میں بولا۔ اس نے شوز اور موزے اتار کے بیڈ کے نیچے رکھے۔ اس سے پہلے کہ وہ شرٹ اتارتا...... اورنگزیب کی کال آگئی۔ اشعر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس نے سیل آف کر کے رکھ دیا۔

اسے سخت نیند آرہی تھی۔ آج کا پورا دن بھاگ دوڑ میں گزرا تھا۔ اب وہ تھکا ہوا تھا۔ جسم آرام مانگ رہا تھا۔

وہ تو سو گیا پر دریکتا کچھ تو پاؤں کی تکلیف اور کچھ اپنی تکلیف دہ سوچوں کی وجہ سے بھی جاگتی رہی۔

☆☆☆

طیب رات بھر وقفے وقفے سے روتا رہا۔ وہ روتا بھی تو بہت بلند آواز میں تھا۔ سب کی نیند ڈسٹرب ہی رہی تھی اس لیے شیریں صبح کچھ اکھڑی، اکھڑی سی تھیں۔ انہوں نے اورنگزیب کو مشورہ دیا کہ طاہر لغاری کو فون کریں اور اسے اشعر کے کارنامے کا بتائیں تاکہ وہ دریکتا کے سلسلے میں اس پر دباؤ ڈال سکیں...... پر اورنگزیب اس تجویز سے متفق نہیں تھے۔ اشعر نے اپنی من مانی کر لی تھی۔ دُرِ یکتا اس کے پاس تھی طاہر لغاری کیا کر سکتے تھے۔

اورنگزیب کی لاکھ کوشش کے باوجود ناکامی ہوئی تھی دریکتا کی تلاش میں...... جانے اشعر نے اسے کہاں رکھا ہوا تھا۔

یہ بات تو طے شدہ تھی کہ دریکتا اس وقت اشعر کے گھر میں موجود نہیں تھی۔

اورنگزیب نے پتا بھی کروالیا تھا اس کے گھر کے بارے میں۔ باقی ان کے ذہن میں ایسی کوئی جگہ نہیں تھی جہاں وہ دُرِ یکتا کو رکھ سکتا تھا۔ طیب کی وجہ سے اور دریکتا کے اغوا کی وجہ سے عجیب سے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ سارا بنا بنایا کھیل بگڑ کے رہ گیا تھا۔ انہوں نے جو سوچا تھا ویسا ہوا ہی نہیں تھا۔ دریکتا کو اشعر طلاق دے دیتا تو اورنگزیب اس کی شادی عاشر سے کر دیتے۔ دریکتا کا شوہر ہونے کے رشتے سے سب کچھ عاشر کا ہو جاتا پھر انہیں کوئی الزام نہیں دے سکتا تھا کہ انہوں نے ظلم و زبردستی سے دریکتا کی جائداد پر قبضہ کیا ہے۔ سب کچھ قانونی ہوتا۔

یہ بات تو طے تھی کہ انہوں نے آسانی سے ہار نہیں ماننی تھی مگر اس کے لیے دریکتا کا جلد از جلد بازیاب ہونا ضروری تھا۔ اسے گھر سے غائب ہوئے بلکہ اغوا ہوئے ایک دن اور ایک رات گزر چکی تھی اور نیا دن چڑھ آیا تھا۔

اس وجہ سے مائرہ نے بھی اپنے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اب نہ دریکتا کا کچھ پتا چل رہا تھا اور نہ طیب کے چڑچڑے پن میں کمی ہو رہی تھی۔ اسی حساب سے شیریں کا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔ وہ اشعر لغاری کو کوسنے دے رہی تھیں۔

وہ اتنی آسانی اور آرام سے ان لوگوں کے سامنے دُرِ یکتا کو ساتھ لے گیا اور وہ کچھ کر ہی نہیں پائے۔ شیریں طعنے دیتی تھیں اورنگزیب کو کہ آپ کو مسلح ہو کے جانا چاہیے تھا ورنہ اشعر کبھی دُرِ یکتا کو ساتھ لے جانے میں کامیاب نہ ہوتا اور وہ غصے میں شیریں کو ناقص العقل عورت کا خطاب دیتے۔

اورنگزیب انہیں غصے سے دیکھ کر رہ جاتے۔ وہ ایسے ہی تو شیریں کو ناقص العقل نہیں کہتے تھے ناں...... کتنے آرام سے حکم دے رہی تھی کہ دریکتا کو

لے آئیں جیسے وہ شادی کے بعد بیاہ کے اپنے سسرال گئی ہوئی ہے۔ اشعر لغاری ایک انا پسند اور غیرت مند نوجوان تھا بھلا وہ اپنی بیوی کو ان کے پاس دوبارہ واپس آنے کیوں دے گا۔ وہ پولیس میں ابھی تک اس واقعے کی رپورٹ تک درج نہیں کروا پائے تھے۔ اشعر ٹھیک ہی کہتا تھا کہ وہ کیا ایف آئی آر درج کرواتے کہ اشعر لغاری اپنی منکوحہ کو زبردستی گن پوائنٹ پر ساتھ لے گیا ہے؟ اس واقعے کا ان کے ڈرائیور، عاشر اور شیریں کے علاوہ کوئی عینی گواہ نہیں تھا۔ وہ زیب داستان کے اضافے کے ساتھ ایف آئی آر درج کروا بھی دیتے تو کیا ہوتا۔ وہ ایف آئی آر میں درج کرواتے کہ اس کے پاس اسلحہ تھا اور اس نے سرعام ہمیں ڈرایا، دھمکایا تو اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ وہ پولیس آفیسر تھا۔ اس کے پاس اسلحہ ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں تھی وہ دُرِیکتا کو عین سڑک سے اٹھا کے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس بات کی بھی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ دانت پیسنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بس ایک بار دُرِیکتا کسی طرح اس کے شکنجے سے آزاد ہو جاتی تو پھر اشعر قیامت تک اس کی گرد بھی نہیں پا سکتا تھا مگر کیسے......؟

☆☆☆

ملگجا ملگجا سا اجالا تھا جب دُرِیکتا کی آنکھ کھلی۔ اشعر کونے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ دُرِیکتا کا دل تنفر سے بھر گیا۔

''ہونہہ دکھاوے کی نماز پڑھتا ہے یہ دو نمبر انسان......'' اس نے دل میں خود سے کہا۔ اشعر نے نماز پڑھ کر مصلّٰی اٹھایا۔ دُرِیکتا نے رخ پھیر لیا۔ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ اشعر نے دروازہ کھول دیا۔ باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ چوکیدار کو ناشتے کے لیے کہنے چلا گیا۔ اس وقت فارم ہاؤس میں چوکیدار کے علاوہ کوئی اور ملازم نہیں تھا چنانچہ الٹا سیدھا ناشتا اسی نے بنایا اور ساتھ یہ بھی خوشخبری سنائی کہ ایک دو گھنٹے تک گل زرین اور اس کی بیوی بھی آجائے گی پھر کھانے پینے کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ وہ دونوں بھی ادھر ہی کام کرتے تھے۔ کچھ دن کی چھٹی پر گاؤں گئے ہوئے تھے۔ دُرِیکتا منہ ہاتھ دھو کے واش روم سے باہر نکلی اور صوفے پر لاتعلق سی ہو کے بیٹھ گئی۔

''ناشتا کرلیں، میں آپ کے منہ میں نوالے ڈالنے والا نہیں ہوں۔'' اس نے اپنے کپ میں چائے ڈالی اور گھونٹ، گھونٹ پینے لگا۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ کل رات بھی اس نے برائے نام کھایا تھا اور اب بھی اس کا موڈ کچھ ایسا ہی نہ کھانے والا لگ رہا تھا۔

اشعر نے دوسرے کپ میں اس کے لیے چائے ڈالی دو توس اور ایک انڈا پلیٹ میں رکھا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''ناشتا شروع کریں۔ میں اپنی بات تیسری مرتبہ دہرانے کا عادی نہیں ہوں۔'' دُرِیکتا کا دل کچھ بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا پر سامنے بیٹھے اشعر لغاری کا لہجہ نظر انداز کرنے والا نہیں تھا۔

اس نے آنسوؤں کے ساتھ چائے حلق مین اتاری اور آدھا توس بہ مشکل کھا پائی۔ اشعر نے اورنگزیب انکل کا نمبر ملایا اور دُرِیکتا سے بات کرنے کے لیے کہا وہ خود فون اسے دے کر اس کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔ دُرِیکتا بات کرتے ہی رو پڑی۔

''تایا پلیز مجھے لے جائیں اپنے ساتھ......'' دوسری طرف سے طیب کے رونے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ وہ زیبن کی گود میں تھا اور حسب عادت گلا پھاڑ کر رو رہا تھا۔ دُرِیکتا کی حساس سماعتوں تک اس کی آواز بخوبی پہنچ رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا وہ جھپٹ کے طیب کو سینے سے لگا لے۔ وہ اس کا رونا اس کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس تھوڑے سے عرصے میں اس معصوم اور بے ضرر وجود کی عادی ہو گئی تھی اور اس دکھ سے بھی اس کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھتی تھی کہ مائرہ نے بھی شادی کر لی تھی۔ طیب کا وجود اس کے شوہر اور خود شاید مائرہ کو بھی گوارا نہیں تھا۔

''تم کہاں ہو دُرِیکتا، آرام سے بات کرو میرے

ساتھ۔'' اورنگزیب کی پہچانی آواز ابھری......
''مجھے نہیں پتا میں کہاں ہوں۔'' وہ پھر سے رو پڑی۔ اشعر نے اس کے ہاتھ سے اپنا سیل فون لے لیا اور آف کر دیا۔
''آپ فی الحال ریسٹ کریں، میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ دروازہ لاک کر جاؤں گا کیونکہ مجھے آپ پر اعتبار نہیں ہے۔'' اسے روتا ہوا چھوڑ کے وہ خود باہر آ گیا تھا۔
کچھ ضروری کام تھے جو اسے ہی نمٹانے تھے۔

☆☆☆

طیب کی حالت بگڑ گئی تھی اسے تیز بخار تھا۔ زبین اسے سنبھال، سنبھال کے خاموش کروا کروا کے خود بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ مائرہ کو جانے کیسے رحم آ گیا تھا۔ زبین نے ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے کہا تو وہ راضی ہو گئی۔ دل میں یہ احساس جاگزیں تھا کہ طیب میری اولاد ہے۔ دریکتا نہیں ہے تو کون اس کا خیال رکھے۔ بیچارہ رو، رو کے نڈھال ہو رہا تھا۔ زبین نے ہی طیب کو گود میں لیا ہوا تھا۔ جلدی میں مائرہ سیل فون بھی ساتھ لے جانا بھول گئی تھی۔
باسط کی کال آئی تو سائرہ نے ریسیو کر کے پوچھنے پر مائرہ کا بتا دیا کہ وہ طیب کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی ہے۔
''اچھا، وہ آئے تو مجھے فوراً کال کرے۔'' باسط نے غصے سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ گھر آنے پر باسط کا پیغام سن کر مائرہ کے دل میں اتھل پتھل ہونے لگی جانے اس کا ری ایکشن کیا ہونا تھا۔ سائرہ بے وقوف نے کیوں بتایا تھا بھلا اسے کہ وہ طیب کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی ہے۔
مائرہ نے اسی خوف کے ساتھ باسط کو کال کی......
وہ سلام دعا کے بغیر برسنا شروع ہو گیا۔
''میں نے تمہیں منع کیا تھا ناں کہ ماضی کو بھول جاؤ اور اپنی محبت، اپنی مامتا میرے بچوں کے لیے محفوظ رکھو...... تمہیں میری بات سمجھ نہیں آئی۔ مجھے نفرت ہے شاہ زیب کے بچے سے۔ میں جب ان لمحات کا تصور کرتا ہوں جب تم اس کے ساتھ ہوتی تھیں تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔ یوں لگتا ہے میں ریزہ، ریزہ ہو کے فضا میں بکھر جاؤں گا۔ میرا روم، روم جلتا ہے۔ اب تم ادھر ہی بیٹھو، اپنی ماں کے گھر اور اپنے ماضی کی نشانی کو سینے سے لگا کر رکھو...... میرے گھر آنے کی ضرورت نہیں۔''
باسط نے اس کے بعد کھٹ سے فون بند کر دیا۔ مائرہ نے بے تابی سے دوبارہ نمبر ملایا۔ باسط نے بزی کر دیا اس نے دس بارہ بار ایسے ہی کیا پر باسط کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ مائرہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے وہ سائرہ پر چڑھ دوڑی۔
''تمہیں کیا ضرورت تھی باسط کو یہ بتانے کی میں طیب کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی ہوں۔''
''اگر بتا دیا تو اس میں اتنا غصہ ہونے والی کیا بات ہے۔ انہوں نے پوچھا، میں نے بتا دیا۔ پتا نہیں آپ سچ کا سامنا کرنے سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔ اپنی اولاد کو آپ باسط بھائی کے ڈر سے سینے سے نہیں لگاتیں ادھر امی ہیں وہ چاہتی ہیں کہ دریکتا ہی طیب کو سنبھالے اور آپ آرام سے زندگی گزاریں۔ اور ادھر دریکتا اپنے شوہر سے ڈرتی ہے، مجھے تو آپ سب کی سمجھ نہیں آتی۔'' سائرہ نے لاابالی پن سے بڑی بات کر دی تھی۔
''بند کرو اپنی تقریر...... میری خوشیوں سے تو تمہیں کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔'' مائرہ اونچی آواز سے روئی تو شیریں حواس باختہ بھاگتی آئیں کہ جانے کیا ہو گیا ہے جو مائرہ یوں رو رہی ہے۔ سائرہ ایک کونے میں کھڑی تھی اور مائرہ رو رہی تھی۔
''ارے کیا ہوا ہے، مجھے بھی تو بتاؤ۔'' انہوں نے سائرہ کے کندھے جھنجوڑے۔
''ہونا کیا ہے باسط کی کال آئی تھی اور......'' مائرہ الف تا یے بتانے لگی۔ شیریں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔
''یہ مصیبت میرے سر آ کے رہنی تھی۔ ارے مر کے بھی شاہ زیب تمہارا پیچھا نہیں چھوڑ رہا ہے۔ میں نے

تمہیں کتنی بار کہا کہ طیب کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ارے جن کا خون ہے سنبھالیں۔ ہم نے ٹھیکا نہیں لے رکھا ہے پرائی اولاد پالنے کا۔'' وہ یہ بات کہتے ہوئے بھول گئی تھی کہ شاہ زیب، عمر کا بیٹا ہے اور عمر، اورنگزیب کا بھائی ہے۔

''میں تمہیں خود چھوڑ کے آؤں گی، باسط ہوتا کون ہے میری بیٹی کو یہ بات کہنے والا۔ میں حمزہ بھائی سے کہوں گی اپنے لاڈلے کو سنبھالیں۔'' شیریں کبیدہ خاطر ہو رہی تھیں۔

''آپ بینا خالہ سے کہیں، باسط خالہ کے بہت قریب ہے۔'' مائرہ بولی۔

''ارے قریب کیوں نہ ہوگا میری بہن نے جان لڑا دی ہے۔ پرائی اولاد کے لیے..... اپنا بیٹا بنا کے رکھا لاڈ کیا.....'' بے خیالی میں شیریں کے منہ سے نکل تو گیا پر اب پچھتا رہی تھیں۔ شیریں کے پاس مائرہ قریب ہو کے بیٹھ گئی۔

''امی، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ باسط اور پرائی اولاد.....؟'' وہ حیران تھی۔

''ہاں مائرہ، باسط حمزہ بھائی کی پہلی بیوی سے ہے۔ یہ دو سال کا تھا جب وہ فوت ہوئی۔ حمزہ کراچی جا کے سیٹل ہو گیا سب رشتے داروں سے دور اور بینا سے بھی کہا کہ باسط پر یہ راز کھلنا نہیں چاہیے کہ تم اس کی سگی ماں نہیں ہو۔ میری بہن پر آفرین ہے اس نے پرورش کا حق ادا کر دیا۔'' شیریں نے سب کچھ بتا دیا۔ بات ان کے منہ سے نکل گئی تھی اب چھپانے کا فائدہ نہیں تھا۔ ویسے ان کے خیال میں حمزہ بھائی کو یہ بات چھپانی نہیں چاہیے تھی باسط سے۔ زندگی کے کسی موڑ پر کسی ذریعے سے اسے یہ راز پتا چلتا تو اسے ٹھیس لازمی لگنی تھی۔

خیر یہ حمزہ احمد کا اپنا مسئلہ تھا۔ شیریں کے سامنے ابھی مائرہ اور اس کی خوشیاں تھیں۔

''تم کل تیاری رکھنا میں خود تمہیں گھر چھوڑ کے آؤں گی ساتھ حمزہ بھائی سے بات بھی کروں گی کہ وہ باسط کو جھاڑیں۔'' شیریں نے مائرہ کو ساتھ لگا کر تسلی دی تو کچھ سکون ملا اسے۔ مگر یہ جاننے کے بعد کہ باسط بینا خالہ کا بیٹا نہیں ہے اس کے احساسات عجیب سے ہو گئے تھے۔ وہ آج سے پہلے تک یہی سمجھتی آئی تھی کہ باسط، بینا خالہ کا بیٹا اور اس کا کزن ہے۔

''بینا خالہ بڑی ہمت والی ہیں، پرائی اولاد کو اپنا لیا۔'' مائرہ نے حیرانی سے سوچا..... اور خود باسط کیا تھا کسی اور عورت کا بیٹا..... ان کی سوتن کا بیٹا جسے خالہ نے سگی اولاد سے بڑھ کے چاہا..... جانے باسط کا دل اتنا تنگ کیوں تھا جو طیب کو قبول نہیں کر پا رہا تھا۔

مائرہ یہی سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

سب کچھ ٹھیک تھا۔ طاہر لغاری کو کچھ پتا نہیں تھا اور نہ ہی اورنگزیب یا عاشر میں سے کسی نے انہیں اطلاع دی تھی۔ اشعر نے دُریکتا کے لیے کچھ کپڑے خریدے۔ دو دن سے وہ ایک ہی سوٹ میں ملبوس تھی اور چادر کا کونا بھی پھٹا ہوا تھا۔ ایک جوتا بھی نہیں تھا۔ اشعر نے اندازے سے اس کے لیے سینڈل لیے۔ زنانہ شاپنگ کا اسے کوئی خاص تجربہ نہیں تھا۔ بس جو سامنے آیا اس نے لے لیا۔

اس کی واپسی مختلف کاموں کو نپٹاتے ہوئے رات کو ہی ہوئی۔ دُریکتا بیٹھی ہوئی تھی۔ دو دن سے اس نے بالوں میں کنگھی نہیں کی تھی۔ نہ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ عجیب اجڑے مزار جیسی حالت تھی اس کی۔

کل کی طرح اشعر آج بھی کھانا پیک کروا کے ساتھ لایا تھا۔

''آپ کا پاؤں ٹھیک ہے۔'' اس نے آتے ساتھ ہی پوچھا۔ دُریکتا نے کوئی جواب نہیں دیا جیسے سنا ہی نہیں ہو۔ اشعر نے دوبارہ نہیں پوچھا۔

''کھانا کھا کے کپڑے بدل لیں یہ میں ساتھ لایا ہوں اور اپنا حلیہ ٹھیک کریں۔ میں نفیس ذوق کا مالک ہوں۔'' اشعر کا اشارہ اس کے بکھرے ہوئے بالوں کی جانب تھا۔

(باقی آئندہ)



ایک اسٹیل کی پتیلی

فرحین اظفر

جانے فضا میں حبس بڑھ گیا تھا یا چلتے، چلتے پنکھا بند ہو گیا تھا۔ وہ گہری نیند...... بلکہ اب گہری نیند لگتی ہی کہاں تھی۔ اب تو یہ حال تھا کہ بلی کی چاپ سے بھی نیم مندی اور ادھ کھلی آنکھیں ہوشیار ہو جاتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ عالمِ بے خبری میں فقط چند لمحے ہی گزار پائی تھیں کہ ایک دم ہڑ بڑا کر اٹھیں۔

”سی...... ی...... ی...... اف...... ف......“

بے حد بلا کی گرمی اور حبس تھا۔

باریک ململ کا دوپٹا سر پر لپیٹا تھا جو پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ انہوں نے جھٹ اسے اتار پھینکا اور لان کی قمیص کے گلے کو دو انگلیوں میں دبا کر گلے سے دور کر کے جھلنے لگیں۔ پسینے کی جیسے دھاریں سی بہہ نکلی تھیں۔ نیند سے جاگنے پر یونہی ایک دم شدید گرمی اور پسینے کا حملہ ہوتا ہے۔ تخت کے سامنے رکھا پیڈسٹل فین دائیں دیوار کی جانب منہ کیے فراٹے سے چل رہا تھا۔

''کس منحوس نے اس پنکھے کو دیوار کی طرف گھما دیا..... ہوگا وہی عماد کا بچہ..... شیطان.....'' دانت پیستے ہوئے وہ بہ مشکل اٹھ کر پنکھے تک پہنچیں۔ نقاہت کے مارے ان سے قدم اٹھانا بھی دوبھر ہو گیا تھا۔ جیسے، جیسے عمر گزر رہی تھی۔ ان کی جسمانی کمزوری دماغی قوتِ ارادی کو پچھاڑ کر حاوی ہوئی جاتی تھی اور یہی وہ صورت حال تھی..... جس سے وہ شدید جھنجلا جاتی تھیں۔

''اری رقیہ..... رقیہ.....!'' ان کی پاٹ دار آواز گھر کے نچلے پورشن میں لہرائی تو سہی لیکن گونج نہیں پائی، یقیناً برابر والے کمرے میں اپنے چھوٹے بچے کو بغل میں داب کر بڑی خراٹے لیتی رقیہ کے سر پر بھی ایسا ہی بلکہ حجم میں اس سے بڑا پنکھا فل اسپیڈ سے گھوم رہا تھا۔ جس کی زوردار بھر، بھر رقیہ کو گھنٹے بھر کے لیے ان کی سخت آواز سے چھٹکارا دلا دیتی تھی۔

''ارے رقی.....'' ان سے مزید پکارا نہیں گیا..... خشک گلے میں پھندا لگ گیا۔ وہ آدھا نام پکار کر زور، زور سے کھانسنے لگیں۔ جب کھانسی تھمی تو خیال آیا کہ گلاس بھر پانی پینے کے لیے انہیں خود ہی کمرے سے باورچی خانے تک کا سفر طے کرنا ہوگا۔

لو کے تھپیڑوں سے جلتے برآمدے میں قدم رکھتے ہی کسی کی یاد بڑے زور سے حملہ آور ہوئی اور زمین کے کسی کونے سے نکل کر ایک مہربان چہرہ تصور کی دنیا آباد کرنے کی زوردار کوشش کرنے لگا۔

وہ اس کوشش کو ناکام بنا دینا چاہتی تھیں۔ جبھی بہ آواز بلند بڑبڑاتی ہوئی لمبے برآمدے کے آخری کونے میں بنے کچن تک آئیں۔

سامنے ٹھنڈے چولھے پر چمکتی، دھلی دھلائی اسٹیل کی دیگچی اوندھے منہ رکھی تھی۔

''ارے اللہ رقیہ! اللہ تجھے سمجھے، میرا پانی تک نہیں ابالا.....'' ماتھے پر ہاتھ مار کر فریج کھولا تو ٹھنڈے پانی کی ''خاص بوتل'' ندارد.....

''ہیں.....؟'' یہاں پنکھے کی آواز نہیں تھی لہٰذا سناٹا بھی غیر معمولی تھا۔ انہوں نے اپنی تعجب خیز آواز خود ہی سنی۔

''میرا پانی ختم ہو گیا..... لیکن میں نے تو خود بوتل بھر کے رکھی ہے صبح..... میں نے تو ایک بار بھی نہیں پیا پانی۔'' صبح سے اب تک رقیہ کا تیار کردہ ٹھنڈا روح افزا پیاس بجھا رہا تھا۔ انہوں نے پھر اوپر سے نیچے تک ہاتھ مار کر ایک بار پھر چھوٹے سے فریج کا جائزہ لیا۔ پانی تو نظر نہیں آیا..... البتہ ایک بالشت بھر کے ڈبے میں گلاب جامنیں ضرور دکھائی دے گئیں۔

''اے لو.....! اب یہ کہاں سے آئی مٹھائی..... اور مجھ بڑھیا کو پوچھنا تو دور، بتانا بھی گوارا نہ کیا کہ کہیں سے مٹھائی آئی رکھی ہے۔'' یہ قصور بھی رقیہ کے کھاتے میں لکھا جانے والا تھا۔

ڈبے کے کنارے پر ٹیپ لگا تھا اور اتنا سختی سے بند تھا کہ ناخن سے رگڑ کر کھولنے کی کوشش میں ان کی پیشانی سے پھوٹتا پسینہ ٹھوڑی سے ٹپک پڑا..... انہوں نے کوفت سے ڈبا پٹخ دیا..... پھر اسٹینڈ میں لگی چھری اٹھائی۔

اپنی پیاس، ٹھنڈے پانی کی تلاش، پانی کا اچانک ختم ہو جانا اور نیا پانی ابلنے کو رکھنا..... مٹھائی دیکھ کر وہ پانی اور اس سے متعلقہ تمام غم عارضی طور پر بھول چکی تھیں۔

''ہم..... م..... م'' ڈبا کھل چکا تھا۔ تازہ سنہری گلاب جامنوں کا درجۂ حرارت بتا رہا تھا کہ انہیں فریج

کی زینت بنے زیادہ دیر نہیں گزر رہی ہے۔

''ہیں تو مزیدار...... '' دو گلاب جامن بوڑھے معدے کی نذر کر کے تیسری انگلیوں میں دبائی تو ایک بار پھر پانی کی طلب جاگی......اور تمام خوابیدہ حسیات بھی جاگ پڑیں، انہوں نے ہاتھ میں پکڑی گلاب جامن واپس ڈبے میں ڈالی...... پھر فریج سے بچا پانی نکال کر پیا...... بے حد برے دل کے ساتھ اب انہیں خدشہ لاحق تھا۔رات تک ہو نہ ہو انہیں جلاب ضروری لگ جائیں گے۔ان کا نازک معدہ جراثیموں بھرا ابنا ابلا پانی پینے کی بالکل سکت نہیں رکھتا تھا۔

''اب اس عمر میں، میں بوڑھی جان یہ کام بھی کروں......'' چکنے ہاتھوں اور مٹھائی سے بھرے منہ کے ساتھ(جو اب تیسری گلاب جامن منہ میں ڈالنے کے سبب بھرا تھا) بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے چولھے پر اوندھا کے رکھی اسٹیل کی دیگچی اٹھائی۔ اسی وقت انہیں زور کی کھانسی آئی اور پتیلی ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا گری۔

''ٹھن......ٹھنا......ٹھن...... ن...... ن...... نن......'' سوئے ہوئے گھر کی سہ پہر سے گلے ملتی دوپہر میں ایک ہنگامہ جاگ اٹھا۔کسی کمرے سے بچے کے رونے کی تیز آواز آئی......اور پھر پچکارتی رقیہ کی...... وہ جانتی تھیں، رقیہ بگڑے تیور لیے کمرے سے باہر آنے ہی والی تھی......وہ خود بھی ریڈی اسٹیڈی گو والی کیفیت میں آ گئیں......

☆☆☆

باہر وین والے کا مخصوص ہارن گونجا......اس نے دوپٹے کا سرا منہ پر ڈھانپ کر ذرا سی جھری کھول کر باہر جھانکا......گرمی سے سرخ ٹماٹر چہرہ لیے اس کی پیاری شہزادیوں جیسی بیٹی وین سے اتر رہی تھی۔ نقاب کے اندر سے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ چھ سالہ معصوم اُمِ رومان نے گیٹ کو ہلکا سا دھکیلا اور پیچھے کھڑی اپنی ماں کو دیکھ کر ہنستی ہوئی اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

''اگر آج بھی آپ سوتی ہوئی ملتی ناں تو میں آپ سے کٹی ہو جاتی۔''

''ہوں......ں جبھی تو میں اپنی پیاری پرنسز کے لیے جاگ رہی ہوں۔'' اس نے لاڈ سے اپنی بیٹی کو خود سے چمٹایا لیکن گود میں اٹھانے سے گریز کیا۔

''اُف! میں بہت تھک گئی، ماما گود میں لے لیں۔''

''نہیں جانو ابھی نہیں ناں...... ماما کی طبیعت تھوڑی خراب ہے۔'' دل میں اٹھتی درد کی لہر اور دکھتے بدن کو نظر انداز کر کے اس نے اپنی راج دلاری بیٹی کو معذرت سے دیکھا...... جس نے منہ بسور لیا تھا اور تھکے، تھکے انداز میں پیر پٹختی اندر بڑھ گئی۔

اس نے جلدی سے بیڈ روم میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور اپنی بیٹی کا یونیفارم اتار کر اے سی کی کولنگ تیز کر دی۔ کمرے میں ہی ایک طرف ڈسپنسر رکھا تھا۔اس نے جلدی سے پانی نکال کر ام رومان کو پلایا۔

''آپ کی فیورٹ چکن بریانی پکائی ہے میں نے اور آج بابا نے آنے کا پرامس بھی کیا ہے۔بس ابھی وہ آ جائیں گے تو میں کھانا نکالتی ہوں۔تب تک آپ چینج کر دو......میں آپ کے لیے پڈنگ لے کر آتی ہوں۔''

☆☆☆

''ارے کیا ہوا، کیا مصیبت آ گئی۔'' حسب توقع رقیہ بھنائی ہوئی کمرے سے نکلی تھی۔ کمر پر صرف چھوٹی سی چڈی میں ملبوس ننگ دھڑنگ لیکن خوب گوراچٹا اور گول مٹول بچہ لٹک رہا تھا۔

''ارے مصیبت کیوں...... میں آئی ہوں کچن میں، برتن چھوٹ گیا تھا ہاتھ سے۔''

''ہاں تو بات تو ایک ہی ہے ناں......'' رقیہ بڑبڑائی......پھر ایک دم ٹھٹک گئی۔

اماں کے ہاتھ میں ادھ کھائی گلاب جامن تھی۔ وہ ایک قدم آگے آئی۔ پھر سلیب پر رکھا ڈبا

کھلا دیکھ کر ایک جھپٹا مار کر اٹھایا۔
''ہائیں...... یہ مٹھائی...... یہ...... یہ آپ نے کھائی ہے...... یہ آپ نے کھولا ہے ڈبا؟'' اسے تو جیسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگ گیا۔ بچہ بغل سے چھوٹ کر زمین پر آرہا...... اور وہیں ریں، ریں کرنے لگا۔ وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے کبھی ڈبے کو دیکھتی کبھی اماں کو...... اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ میں بھی بے ربطگی تھی۔
''ہاں، میں نے کھائی ہے، کیوں تجھے کوئی تکلیف ہے۔''
''ارے ہائے...... خالہ اماں...... کبھی تو اپنی نیت خوری پر ہاتھ رکھ لیا کرو، لو بھئی...... غضب خدا کا...... ایک، ایک روپیہ جوڑ کر آدھا کلو منگائی تھی...... سمیعہ کے بچے کی مبارک باد دینے کے لیے اور یہاں...... ہائے ہائے...... کون سی منحوس گھڑی میں......'' اس نے ڈبے کو واپس پٹخ کر فضیحتا ڈال دیا۔
''تو، تو مجھے بتا نہیں سکتی تھی کہ کسی کو دینے کے لیے منگا کر رکھی ہے۔ چھپا تو ایسے رکھی تھی.. جیسے اکیلی خود ہی ڈکارے گی۔''
''لیکن ڈکار تو خود گئیں ناں...... اسی لیے رکھی تھی چھپا کر...... یا اللہ...... ضرورت کیا تھی فریج کھولنے کی......'' اس نے دانت کچکچائے۔
''ناں یہ تیرے پیو کا فریج ہے جو تجھ سے پوچھ کر کھولوں گی ہیں...... تیری نیت ہی بری تھی ناں اسی لیے خود بخود میرے پیٹ میں اتر گئی۔''
وہ جانتی تھیں...... ان سے غلطی ہو چکی ہے۔ مٹھائی کا ڈبا اگر گھر کے لیے ہوتا تو یوں پیک کر کے نہ رکھا جاتا۔ اور اگر گھر کے لیے بھی ہوتا تب بھی انہیں گلاب جامن یوں انگور کے دانوں کی طرح چٹ نہیں کرنی چاہیے تھی۔ گھر میں افراد کم تھے اور ان کا خیال بھی رکھتے تھے۔ تھوڑا صبر کرتیں تو عزت سے مل ہی جانی تھی۔ جبھی بولتے ہوئے ان کا لہجہ نرم ہو چلا تھا لیکن الفاظ وہی تھے آگ لگانے والے۔
''ارے میری نیت بری تھی یا آپ کی نیت خراب تھی...... برداشت نہیں کر سکیں ذرا سی مٹھائی...... اس گھر میں تو زندگی عذاب جیسی ہے۔ خود کو کچھ نصیب نہیں...... دوسرے کے لیے جو مر دھر کے منگاؤ وہ بھی دوسروں کی خوراک بن جاتا ہے...... اوتو، تو چپ کر......'' ساس کو سناتے سناتے اس نے زمین پر مچلتے بچے کی ننگی کمر پر ایک تھپڑ چٹاخ سے جڑ دیا۔ معصوم بچہ بلبلا گیا۔ تسنیم بیگم کا دل ذرا کی ذرا پگھلا...... یہ تھپڑ ان کی بھانجی پلس بہو یقیناً ان ہی کو لگانا چاہتی ہوگی...... جو بچے کے حصے میں آگیا۔
''اے ہے...... چل چھوڑ بھی دے اب...... اس معصوم کا کیا قصور...... جس کے نصیب میں تھی اس کے پیٹ میں چلی گئی۔'' اب وہ بھی، کبھی عادت کے برخلاف معاملہ رفع دفع کرنے کی تکلیف بھی اٹھا لیتی تھیں لیکن مدِمقابل رقیہ تھی۔ ان کی اپنی بھانجی، پلس اپنی بہو......
''پیٹ میں چلی تو گئی اب ہضم بھی ہو جائے جب کی بات ہے۔'' اس نے جلے دل سے بچے کو اٹھا کر پھر بغل میں دبوچا، اس کے سرخ چہرے سے آنسو صاف کیے...... اور بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔
''بڑی بی کی شوگر دیکھو...... وقت بے وقت ہائی...... اور یہ حرکتیں دیکھو...... ارے ہم تو خود بلڈ پریشر کے مریض بن کے ان سے پہلے دنیا سے چلے جائیں گے۔'' اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ تسنیم بیگم کے پردۂ سماعت سے ٹکرا کر دل جلا گئی۔
''ہونہہ...... شوگر...... شوگر...... کر کے میرا کھانا پینا ہی چھڑا دیا، منحوس نے...... ہاں، ہاں میں تو نہیں مرنے والی ابھی...... مریں...... میرے دشمن......'' کراری آواز میں بولتی۔ آنکھوں میں ابھرتی نمی کو جھٹلاتی وہ...... اسٹیل کی پتیلی میں پانی بھرنے لگیں۔ نل کی تیز دھار کے ساتھ چند آنسو بھی

ٹیک کر دوپٹے میں گم ہو گئے۔

☆☆☆

رقیہ ان کے چھوٹے بیٹے راحیل کی بیوی اور بہو بننے سے پہلے ان کی بھانجی تھی۔ بڑا بیٹا عدیل اور اس کی بیوی زارا خود ان ہی کی مرضی سے علیحدہ رہائش اختیار کیے ہوئے تھے۔

عدیل نے زارا سے اپنی پسند سے شادی کی تھی ورنہ تسنیم بیگم، رقیہ کو عدیل کی بیوی بنانا چاہتی تھیں۔ عدیل کی ضد پر زارا کو بہو بنا کر لے تو آئیں لیکن اس کی طرف سے دل میں جو میل آیا پھر وہ اپنی ہزار خدمت اور زباں بندی کے باوجود ان کے دل سے وہ میل دھو نہیں سکی۔

شادی کے ہفتے بھر بعد ہی انہوں نے زارا کو کچن کے کاموں کا چارج دے دیا...... بلکہ درحقیقت اسے تنگ کرنے اور زچ کرنے کا چارج سنبھال لیا۔ زارا بہت سگھڑ اور صفائی پسند لڑکی تھی لیکن تسنیم بیگم کو کبھی اس کے ہاتھ سے کیے گئے کام میں نہ سگھڑاپا نظر آتا نہ صفائی...... اور وہ یہ بات سمجھتی تھی کہ بہو کے عہدے پر سے ان کی بھانجی کو ہٹا کر خود فائز ہونے پر اس نے تسنیم بیگم کا دل دکھایا۔ لہٰذا ان کی باتیں اور ان کا ردِعمل ایک بہت فطری رویہ ہے۔ زارا سے ان کی چڑ اور عداوت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔

انہیں کبھی اس کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں آیا۔ جب سب ہی دسترخوان پر اس کے ہاتھ کے ذائقے کی تعریف کر رہے ہوتے تو وہ ڈھونڈ کر کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتیں...... ایسے وقت میں دسترخوان پر چھا جانے والی خاموشی صاف محسوس کی جاتی...... اور پھر اس خاموشی کو توڑنے والی آواز صرف خود زارا کی ہی ہوتی۔

''کوئی بات نہیں امی! اس بار آپ کو پسند نہیں آیا، میں انشاء اللہ اگلی دفعہ اس سے بھی زیادہ محنت سے پکاؤں گی تاکہ کوئی کمی باقی نہ رہے۔'' اسے اپنی ساس کی باتیں ناگوار بھی گزرتیں اور کبھی چہرے سے خفگی بھی جھلک جاتی لیکن اس نے کبھی زبان سے اپنی ساس کو پلٹ کر جواب نہیں دیا تھا۔

اس کی وجہ صرف اور صرف، عدیل کی بے غرض اور بے پناہ محبت تھی۔ وہ زارا کو اتنا ہی چاہتا تھا کہ زارا کے لیے اس کی محبت میں تسنیم بیگم کی کڑوی کسیلی باتیں سننا بہت آسان تو نہیں لیکن کسی حد تک قابلِ برداشت بن جاتی تھیں۔

☆☆☆

''ٹھن...... ٹھن ٹھنا ٹھن......''

تسنیم بیگم کی چہیتی اسٹیل کی پتیلی زارا کے گناہ گار ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر آ رہی...... آواز کی گونج اتنی زوردار تھی کہ تسنیم بیگم سوتے سے ہڑبڑا کر اٹھیں اور حواس بیدار ہوتے ہی تیزی سے باہر لپکیں۔

کچن کے دروازے پر پہنچ کر اندر سنک کے پاس کھڑی پتیلی دھوتی ہوئی زارا کو دیکھ کر ان کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔

''کیا کر رہی ہو اس وقت یہاں......؟''

''امی وہ میں اپنے لیے چائے بنانے آئی تھی۔'' اس نے پلٹ کر رسان سے جواب دیا۔

''تو......؟'' انہوں نے بڑھ کر اس کے ہاتھوں سے پتیلی جھپٹی...... اس کے ساتھ کیا کرنے چلی تھیں۔ اسے اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''یہ چولھے پر الٹا کر رکھی تھی اس لیے......'' اس کی بات ادھوری رہ گئی...... تسنیم بیگم صدمے سے پتیلی کا پیندا دیکھ رہی تھیں۔ جہاں ایک جگہ سے وہ معمولی سا چپٹا نظر پن نظر آ رہا تھا۔

''یہ، یہ دیکھو...... کر دی ناں خراب...... ہزار بار کہا ہے، احتیاط سے اٹھایا کرو......''

''امی میں نے تو احتیاط سے ہی......''

''اے بس رہنے دو اپنی باتیں، کام کرنے میں ہاتھ ٹوٹتے ہیں۔ گھنٹا گھنٹا موبائل پر باتیں ہوتی رہتی

ہیں۔ جب وہ نہیں گرتا ہاتھ سے...... اور میری پتیلی...... مجھ بڈھی کے برتنوں کی بھلا کیا اوقات...... اپنے جہیز کے کانچ کے برتن ٹوٹیں تب پتا چلے...... ساری نیند کا بھی ستیاناس کردیا اور میری پتیلی بھی......'' وہ اب اپنی پتیلی کو ہاتھوں میں اٹھائے... بڑبڑاتی ہوئی واپس جارہی تھیں''۔ بھری دوپہریا میں جنے کون سے نرالے شوق پال رکھے ہیں۔ موئی چائے پینے کے...... ایک عدیل کیا کم پاگل تھے جو اپنے جیسی ایک اور اٹھالائے۔''

اسے اب ان باتوں کی کچھ، کچھ عادت ہوچلی تھی۔ اس لیے دل میں اٹھتے درد بھرے احساس کو نظر انداز کرتی وہ چولھا جلانے لگی۔

رات کے کھانے پر عدیل کے سامنے بھی کچہری سجی...... الزامات لگائے گئے اور خود ہی فیصلہ بھی صادر......

''میں نہیں کرسکتی اس مہنگائی کے دور میں یہ بے وقت کے شوق پورے...... بس میں نے کہہ دیا ہے کہ چائے پینی ہے تو دو ٹائم بنے گی۔ ناشتے میں اور شام میں...... اور اس کے علاوہ اگر کسی کا دل چاہے تو اپنا دودھ، پتی، چینی خود سے لے کر استعمال کرے۔''

زارا نے بہت تحمل سے اس نئے اعلان کو سنا اور اس کا دل ایک دم ہی کھانے سے اچاٹ ہوگیا کیونکہ عدیل خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔

''تم فکر مت کرو...... چند دن بعد جب امی کوئی نیا حکم جاری کریں گی تو چائے پر سے پابندی ہٹ جائے گی۔'' عدیل کی بات اسے بھنانے کے لیے کافی تھی۔

''بات چائے کی نہیں ہے۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کہے، کیسے اسے سمجھائے......

''تو پھر کیا بات ہے؟'' عدیل دن بھر کا تھکا ہارا غنودگی میں جارہا تھا۔

اس نے گہری سانس بھر کے اسے دیکھا پھر کروٹ بدل لی۔ اسے معلوم تھا عدیل سے کہنے کا کوئی فائدہ نہیں...... اس وقت تو وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ غور کرنا تو دور اس کی بات اور وہ بھی شکایت بھری بات سننے کے بھی قابل نہیں تھا۔

اس کی بات اتنی مختصر بھی نہیں تھی کہ ایک جملے میں بیان ہوجاتی۔

تسنیم بیگم اس پر زندگی تنگ کرتی ہی چلی جارہی تھیں۔ ابھی تو فقط چھ مہینے گزر رہے تھے اور وہ بری طرح عاجز آچکی تھی۔ شام میں صرف اس کا چھت پر جانا منع تھا بے پردگی کی وجہ سے...... رات کو لوڈشیڈنگ کی صورت میں بھی صرف وہ چھت پر نہیں جاسکتی تھی۔ الٹی سیدھی مخلوقات کے اثرات کے سبب...... ہاں کپڑوں سے بھری بالٹی لے کر چھت پر ہی ڈالنی ہے کہ صحن میں لٹکتے کپڑے بہت برے لگتے تھے۔ وہ رات کو اپنے شوہر کے ساتھ، ساتھ کمرے میں داخل نہیں ہوسکتی تھی کہ گھر میں ساس اور ایک جوان دیور بھی موجود تھے۔ صبح، شوہر کے نکلنے کے بعد کمرے سے نہیں نکل سکتی تھی بے حیائی کے کارن...... یہ تو اس کے شب و روز کی معمول کی پابندیاں تھیں۔

کچن میں قدم رکھتے ہی اس پر مشکلات کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگیا۔

پہلے کا تو پتا نہیں...... مگر زارا کے چارج لیتے ہی انہیں کچن ہر دم ہمہ وقت چم چم کرتا ہوا چاہیے ہوتا...... ایک بھی برتن کبھی گندا ہو، نہ کھانا پکاتے میں گھی، تیل، چینی، نمک یا کسی بھی قسم کے مسالوں کے ڈبے سلیب پر نظر آئیں۔ برتن دھو کر بے انتہا واضح اور چنیدہ ترتیب سے پلیٹیں اور کپ رکھے جائیں۔ روز اسٹینڈ دھوئے جائیں اور بلا ناغہ ریک صاف کیے جائیں۔ زارا کو یہ کام یوں مشکل نہیں لگتے تھے کیونکہ وہ اپنے گھر میں بھی کچن کو یونہی ہر وقت صاف ستھرا رکھتی تھی۔ لیکن ان کی پسندیدہ چھیتی

اور لاڈلی وہ اسٹیل کی پتیلی......

وہ صرف ایک عام سا برتن نہیں اس کے صبر، برداشت کے ساتھ، ساتھ بلڈ پریشر کے لیے بھی ایک آزمائش تھی۔

دن میں تین سے چار اور کبھی کبھی پانچ بار اس میں تسنیم بیگم کے لیے پانی بوائل ہوتا...... ہر بار زارا ہی یہ فعل انجام دیتی اور ہر بار پتیلی کو دھو، مانجھ کر یوں کر دیتی...... جیسے اس میں کبھی کوئی چیز پکائی نہیں گئی۔ اگر کبھی غلطی سے وہ پتیلی مانجھنا بھول جاتی تو تسنیم بیگم اس کی ساری خدمات بھلا کر اس کے وہ لتے لیتیں کہ وہ آئندہ کے لیے توبہ کر لیتی۔

ایک بار اس نے غلطی سے عدیل کے کپڑوں میں کلف لگانے کے لیے اس میں کلف پکا لیا...... تسنیم بیگم نے اسے اتنی باتیں سنائیں، اتنا واویلا کیا...... اسے پھوہڑ، جاہل اور بے غیرت کے القابات سے نوازا اور اتنا چلائیں کہ آفس سے آرام کی غرض سے جلدی آ کر کمرے میں سویا ہوا راحیل باہر آ گیا۔

''کیا ہو گیا ہے امی...... کیوں اتنا ہنگامہ مچایا ہوا ہے؟'' اس کا انداز بہت جارحانہ تھا۔

''ارے ہونا کیا ہے...... یہ دیکھو میری پتیلی کا حشر......'' انہوں نے بے حد غمزدہ انداز میں اسے پتیلی دکھائی۔ ہنگامے اور شور شرابے میں کلف پر سے توجہ ہٹ جانے کی وجہ سے وہ پیندے سے چپک گیا تھا اور کناروں سے ذرا سا جل بھی گیا تھا۔

''تو اس میں اتنا شور کرنے والی کیا بات ہے۔'' اس نے امی کے انداز کو ذرا گھاس نہیں ڈالی۔ راحیل، عدیل کے مقابلے میں ذرا بدتمیز قسم کا تھا...... تسنیم بیگم اس سے زیادہ زور آوری نہیں دکھا سکتی تھیں۔ وہ اس کے غصے سے ذرا دبتی بھی تھیں۔

''پورا گھر سر پر اٹھا لیا آپ نے......'' راحیل غصے میں دہاڑا...... زارا نے اسے پہلی بار یوں غصے میں دیکھا تھا۔

''آ...... امی آپ فکر مت کریں، میں بالکل صاف کر دوں گی۔'' اس نے ساس بیگم کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی غرض سے جلدی سے کہا...... مبادا وہ راحیل پر چڑھ دوڑیں۔

''اور بھابی آپ بھی ذرا دیکھ بھال کر کام کیا کریں۔'' اس نے چڑ کر بڑی بھاوج کو مخاطب کیا۔ اور دہاڑ سے دروازہ بند کر کے کمرے میں گم ہو گیا۔

ہمیشہ کی طرح تسنیم بیگم تو بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں لیکن زارا اپنے آنسوؤں پر قابو پا نہ سکی۔

یہ تھا اس کی خدمت...... چاپلوسی اور زبان بندی کا صلہ...... کہ ساس کے دل میں جگہ تو کیا بنتی الٹا چھوٹا دیور بھی اسے نوکرانی سمجھ بیٹھا تھا۔

ہمیشہ کی طرح اسے اس بار بھی اپنے آنسو خود ہی صاف کرنے تھے۔ وہ خاموشی سے اسٹیل کی پتیلی مانجھنے لگی۔

☆☆☆

ان ہی حالات اور ٹینشن کی وجہ سے زارا امید سے ہوئی لیکن اس کا حمل ٹھہر نہ سکا۔ مس کیرج شادی شدہ زندگی کا پہلا شدید دھچکا تھا۔ عدیل کی ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں مگر اس نے گھر کے دوسرے لوگوں سے ہمدردی کی امید لگا کر بہت غلطی کی اور جب امیدیں ٹوٹتی ہیں تو کتنا دکھ ہوتا ہے۔ زندگی کے سکھائے ہوئے اسباق میں ایک نئے ذلت بھرے باب کا آغاز ہوا...... پوتا کھلانے کی شدید آرزو دل میں دبا کر بیٹھی تسنیم بیگم کی زبان کی دھار اور بھی تیز ہو گئی۔ اس کی پہلی پریگنینسی بھی دیر سے ہوئی تھی۔ مس کیرج کے بعد ڈاکٹر نے ایک سال تک احتیاط کا کہہ دیا تھا۔

وہ دو ہفتے مکمل آرام کے بعد جب امی کے گھر سے واپس سسرال آئی تو جسمانی طور پر جتنی تھکن زدہ تھی، ذہنی طور پر اس سے کہیں زیادہ پژمردہ اور نڈھال۔

''امی مجھے بانجھ کیوں کہہ دیتی ہیں ہر ایک کے سامنے...... میں بالکل ٹھیک ہوں، میرے ساتھ بس ایک حادثہ ہوا ہے اور کچھ نہیں...... آپ امی کو سمجھائیں ناں......''

''سمجھاتا تو ہوں، وہ کب سمجھتی ہیں کسی کی بات......'' عدیل خود بھی اس معاملے میں بے بس تھا۔

''آپ جانتے ہیں یہ مس کیرج کام اور ٹینشن کی زیادتی سے ہوا ہے اور اس کی ذمے دار سراسر وہ خود ہیں، میں نہیں......''

''میں جانتا ہوں زارا میری جان......! تم ٹینشن مت لیا کرو...... میں ان سے پھر بات کرلوں گا، اوکے......'' اس نے عدیل کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موندلیں۔ اس دنیا میں اس کی واحد جائے پناہ یہی تو تھی۔ جہاں سمٹ کر اسے زمانے کے غم بھول جاتے تھے۔



دوسری بار خوش خبری دیر سے ملی۔ لیکن بالآخر مل ہی گئی۔ مگر ڈاکٹر نے فوراً ہی بے حد احتیاط اور بیڈ ریسٹ کا مشورہ دے ڈالا۔ جو امی کو ایک آنکھ نہیں بھایا۔

''آج کل کی ڈاکٹرنیوں نے ہی اس نئی نسل کے دماغ خراب کیے ہیں۔ ہمارے زمانے بھی تھے......'' بیڈ ریسٹ تو خیر وہ کیا ہی کرتی اسے مائنڈ ریسٹ بھی کم، کم ہی نصیب ہو پاتا۔

خدا، خدا کر کے وہ مہینے گزرے...... اس نے جیسے تیسے ان دنوں میں گھر کے ڈھیروں ڈھیر کام نمٹائے اور بالآخر وہ ایک پیاری سی گلابی سی بیٹی کی ماں بن گئی۔

دو دن کے لیے تو گھر بھر میں خوشی منائی گئی۔ تسنیم بیگم بھی پوتے کے ارمان بھول کر اسے گود میں لیے، لیے پھریں۔ پھر بالآخر انہیں یاد آنے لگا کہ انہیں پوتی نہیں پوتا چاہیے تھا کیونکہ پوتا ہی ان کے بیٹے کی نسل کو لے کر آگے بڑھے گا۔ بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔

''ہاں لیکن بیٹیاں بھی انسان ہی ہوتی ہیں اور بہویں بھی کسی کی بیٹیاں ہی ہوتی ہیں۔'' وہ دل ہی دل میں کڑھ کر خود سے کہتی۔

ابھی اس کی بیٹی اُم رومان نے آٹھویں مہینے میں قدم رکھا ہی تھا کہ انہیں پھر سے خوش خبری کی پڑگئی۔

''اب تو ماشاء اللہ سے رومان بڑی ہوگئی ہے۔'' انہیں آٹھ مہینے کی بچی جس نے ابھی صرف بیٹھنا سیکھا تھا۔ بڑی نظر آنے لگی تھی۔

''اور جب تک تم فارغ ہوگی یہ اور بڑی ہوچکی ہوگی۔'' شکر تھا کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ وہ سمجھ دار ہوچکی ہوگی۔ گھر کے کاموں میں تمہارا ہاتھ بٹا دیا کرے گی۔

وہ کچھ بول نہیں سکتی تھی۔ صرف ان کے ارشادات سن سکتی تھی۔

زارا پورا، پورا دن بچی اور گھر کے کاموں میں ہلکان رہتی۔ تسنیم بیگم بچی کو سنبھالنے سے صاف انکار کردیتیں کہ بچی کی گندگی سے ان کی نمازوں کا حرج ہوتا ہے۔ ایسے گھن چکر بنی اگر اسے کبھی دوسرے بچے کا خیال بھی آجاتا تو اس کا دل چلا اٹھتا۔

''نہیں نہیں......ابھی نہیں...... پانچ سال تک تو بالکل نہیں......'' ہر گزرتے دن کے ساتھ گھر میں مصروفیات بڑھتی گئیں اور زارا کے گرد زندگی کا گھیرا تنگ سے تنگ ہوتا گیا۔ وہ ذمے داریوں سے گھبرانے والی یا کام سے جی چرانے والی عورت نہیں تھی لیکن تسنیم بیگم کی نکتہ چینیاں اس کی زندگی میں بیزاری اور کوفت بھرتی جارہی تھیں۔ وہ اس قدر بیزار رہنے لگی تھی کہ ایک دن عدیل بھی کہہ اٹھا۔

''تمہارے چہرے پر وہ تازگی اور شگفتگی تو خیال و خواب ہی بن گئی جو تمہاری شخصیت کو اور نکھار دیتی تھی۔ اب تو ہر وقت بارہ بجتے دکھائی دیتے ہیں۔'' اپنے محبوب شوہر کے منہ سے اپنے لیے یہ

الفاظ سن کر اس کا دل سسک اٹھا۔ خوف سے بھر گیا، سہم کر رہ گیا اور دل سے بے اختیار ایک التجا و دعا کی صورت نکلی۔

''یا اللہ...... ! میری زندگی کو آسان بنا دے اور میرے شوہر کا دل مجھ سے خراب ہونے سے بچا لے ورنہ میں جی نہیں پاؤں گی۔'' قبولیت کی گھڑی نے اس کے آنگن میں اسی دم چپکے سے قدم دھرے اور قدرت اس کی معصومیت پر مسکرا اٹھی۔

صرف ہلکی سی لپ اسٹک اور کانوں میں چھوٹے، چھوٹے سونے کے ٹاپس نے اس کی معمولی سی تیاری کو باقاعدہ سنگھار کی شکل دے ڈالی۔ عدیل کی آفس سے واپسی کا ٹائم تھا۔ اس نے اماں کی اسٹیل کی پتیلی میں ان کے لیے پانی ابلنے کے لیے رکھا اور لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے ننھی بچی کو لے کر چھت پر آ گئی۔

چھت کی منڈیر پر سے ہی اس نے راحیل کو اپنے دو دوستوں کے ساتھ گھر میں آتے دیکھا۔ اس کا منہ اتر گیا۔ راحیل کے دوستوں کی آمد کا مقصد تھا کہ اسے ایک بار پھر کچن میں گھسنا پڑتا...... لیکن خیر گزری کہ راحیل اسے ڈھونڈتا ہوا اوپر نہیں آیا بلکہ اس نے زارا کے موبائل پر میسج سینڈ کر دیا۔

''بھابی چائے بنانی ہے، چولھے پر پانی چڑھا ہے اسی میں بنا لوں۔''

''ہاں بنا لو...... مگر آدھا پانی پھینک دینا ورنہ چائے کی دیگ تیار ہو جائے گی۔'' اس نے مسکرا کر جوابی میسج لکھ کر بھیجا۔

''اوکے...... مگر چینی، پتی کتنی ڈلے گی یہ بتا دیں۔''

اسے ہنسی آ گئی۔ اس نے تین کپ چائے کے حساب سے چینی، پتی بتائی پھر لکھا۔

''اماں کی اسٹیل کی پتیلی ہے، چائے تیار کرتے ہی دھو کر رکھ دینا ورنہ......'' میسج بھیج کر اس نے شکر ادا کیا کہ راحیل نے اس سے کام کہنے کے بجائے خود ہی ذمے داری لے لی۔ چھت پر بہت اچھی ٹھنڈی اور سبک ہوا چل رہی تھی۔ ام رومان اس کی گود میں لیٹ کر سو گئی۔ مغرب میں تھوڑا وقت تھا۔ اس نے سوچا بچی کو یہیں چھوڑ کر نیچے جا کے دیکھوں لائٹ آ گئی یا نہیں...... اور اماں کی پتیلی بھی دیکھ لوں۔ کہیں راحیل نے ایسے ہی چھوڑ دی اور اماں نے دیکھ لیا تو بس...... اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے پلنگ پر بچھے گدے پر رومان کو لٹا کر تکیے اطراف میں سیٹ کر دیے اور خود نیچے اتری۔

آخری سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ اپنی مخصوص آواز کے ساتھ وہی اسٹیل کی پتیلی کچن سے اڑتی ہوئی آئی اور صحن میں بیچوں بیچ زوردار طریقے سے شور مچا کر زمین بوس ہو گئی۔

''یا اللہ خیر......'' زارا بری طرح ڈر گئی اور بے اختیار اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ پتیلی کے بعد کچن سے ساس بیگم نمودار ہوئیں اور اس کے بعد انہوں نے زارا کی شان میں قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا۔ راحیل کے دوست ابھی گھر ہی میں تھے۔ راحیل کمرے سے گھبرا کر باہر نکلا...... سیڑھیوں کے نزدیک کھڑی زارا اور واویلا کرتی اماں کو دیکھ کر لمحے بھر میں ماجرا سمجھ گیا۔ اس نے پہلے اماں کو خاموش کرایا پھر فی الفور اپنے دوستوں کو لے کر باہر نکلا...... زارا جو بھری، بھری آنکھوں سمیت سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی رخ موڑ گئی۔

غیر مردوں کے سامنے اس بے عزتی پر اس کا دل خون کے آنسو رو پڑا۔

راحیل دوستوں کو چھوڑ کر پلٹا...... تو تسنیم بیگم نے پھر سے فضیحتا شروع کرنا چاہا۔

''اماں آپ خدا کے واسطے اتنا تو خیال کر لیا کریں کہ گھر میں کوئی مہمان موجود ہے۔'' وہ ماں سے الجھ پڑا۔

''سارے خیال کرنے کے لیے ہی میں ہی رہ گئی ہوں...... میں سب کی عزتوں کا خیال کروں اور یہ چنڈالن میرے ذرا سے برتن تک کا خیال نہیں کرسکتی۔ چائے چولھے پر چڑھا کر خود آنکھ مٹکا... ہنے چھت پر چلی گئی۔ ساری چائے سوکھ کر پیندے سے چپکی پڑی ہے۔ حشر دیکھ تو میری پتیلی کا۔''

اسی وقت عدیل نے گھر میں قدم رکھا۔ زارا کو اس صورتِ حال میں اس کا اس طرح سے اچانک آجانا اور بھی دکھ اور گھبراہٹ میں مبتلا کر گیا۔

''کیا ہو گیا، کیا ہو رہا ہے یہ سب......'' وہ تھکا ہارا لوٹا تھا۔ صورتِ حال یقیناً اسے بیزار کرنے کے لیے کافی تھی۔

''ارے مجھ سے کیا پوچھ رہا ہے۔ اپنی بیوی سے پوچھ......'' آگے ان کا لمبا شکایتی بیان تھا۔

''لیکن یہ چائے میں نے نہیں راحیل نے بنائی ہے۔ امی نے چولھے پر جلتی چھوڑی ہے۔'' گھبراہٹ میں اس کی آواز قدرے بلند ہو گئی۔

''ارے واہ......! میں نے بنائی ہے تو کیا...... بنانے سے پہلے میں نے آپ سے پوچھا تو تھا ناں...... آپ نے خود ہی کہا تھا کہ ہاں اس پتیلی میں بنالو......''

''یہ لو......! دیکھا...... دیکھ رہے ہو اس منحوس کی حرکتیں، بجائے اس کے کہ چھوٹے دیور کو منع کرے کہ ماں ناراض ہو جائے گی۔ اسے اور شہ دے دے کر اکسایا اس نے۔ اری جنم جلی سے اتنا نہ ہوا کہ دو کپ چائے خود سے بنا کر دے دیتی۔ میرے بچے کو چولھے میں جھونکا اور اب الزام بھی اسی کے سر......''

عدیل منہ کھولے سب کو دیکھ رہا تھا۔ یہی حال اب زارا کا ہوا۔

''امی...... لیکن میں نے اس سے نہیں کہا تھا۔ یہ خود ہی چائے بنانے گیا تھا۔ اور میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ فوراً دھو کر رکھ دینا۔''

''ہاں تو میں کون سا روز، روز چائے، کھانے بناتا ہوں جو مجھے یاد رہتا۔ ایک تو میں نے آپ کے آرام کا خیال کیا اور اوپر سے آپ مجھے ہی امی کی نظروں میں گندا کر رہی ہیں۔''

زارا تو چپ کی چپ ہی رہ گئی۔ راحیل ایک بہت ہی بے تکی بات کا بے حد بھونڈا جواز پیش کر رہا تھا۔ اپنے گھر، کچن، برتنوں اور خاص کر اس اسٹیل کی پتیلی کے لیے امی کتنی حساس رہتی تھیں کیا اسے معلوم نہیں تھا...... کیا وہ مہمان تھا، کوئی اجنبی تھا یا کرائے دار یا محلے کا کوئی فرد...... نہیں، وہ ان ہی کا بیٹا تھا۔ تسنیم بیگم کا بیٹا...... ان کا اپنا خون، اپنی اولاد۔ وہ جانتا تھا کہ ان کے عتاب سے کس طرح خود کو بچا کر بھاوج کو اس کی زد میں لانا ہے۔ تسنیم بیگم کا سارا نزلہ زارا پر ہی گرا تھا۔

وہ آخری سیڑھی پر یونہی کھڑی تھی...... اب دھیرے، دھیرے رو بھی رہی تھی۔ تسنیم بیگم اب بھی اسے برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر اپنی صفائی میں کچھ بولنے کی کوشش کی۔

''چھوڑیں امی......! ختم کریں سب قصہ...... جو ہونا تھا ہو گیا'' عدیل نے اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی۔

''ظاہر ہے اب آپ تو یہی کہیں گے۔ آپ کی بیگم پر جو بات آرہی ہے۔ وہ کس طرح ٹلے گی۔'' راحیل تنک گیا پھر زارا کو مخاطب کر کے بولا۔

''خوش ہو جائیں، آپ کے حمایتی بڑے ٹائم پر پہنچے۔ کیا دھرا آپ نے اور امی کی صلواتیں سنیں ہم......'' اس کی بات ابھی ادھوری تھی۔ جب عدیل کی دہاڑ نے سب کو سناٹے میں دھکیل دیا۔

''راحیل! یہ تم کس طرح زارا سے بات کر رہے ہو۔ اپنی بڑی بھابی سے تم ہمیشہ اسی طرح بات کرتے ہو۔ تمیز، ادب، لحاظ سب بھول گئے ہو کیا تم۔'' غصہ ضبط کرنے میں اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا۔ تسنیم بیگم کا منہ کھل گیا۔ خود وہ رونا بھول کر

عدیل کا منہ تکنے لگی۔

''ارے تو خواہ مخواہ میں چھوٹے بھائی پر چڑھ رہا ہے جورو کی پڑھائی میں۔''

''کیوں..... کیا غلط کہا ہے میں نے؟ آپ جو دل چاہے زارا کو کہیں۔ میں نے کبھی آپ سے نہیں پوچھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ برابری سے زارا سے زبان چلائے بلکہ زارا نے تو اسے کچھ کہا بھی نہیں ہے۔''

''لو کہا کیوں نہیں ہے۔ ابھی آپ کے سامنے.....''

''ہاں میرے سامنے اس نے جو بات ہوئی تھی وہی بتائی ہے۔ تمہاری طرح بدتمیزی نہیں کی اس نے..... اور امی نے تمہیں میرے ساتھ ہمیشہ تمیز سے بات کرنا نہیں سکھایا کیا..... پھر تم زارا کے ساتھ بدتمیزی کیوں کررہے تھے..... معافی مانگو اپنی بھابی سے۔''

اگلا مطالبہ تو ناقابلِ یقین ہی تھا۔ صحن میں موجود باقی تینوں نفوس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

''معافی مانگو میں کہہ رہا ہوں۔'' راحیل نے غصے سے پہلے اسے اور پھر امی کو دیکھا پھر پیر پٹختا ہوا اپنے کمرے میں بند ہوگیا..... عدیل نے اسے آواز بھی دی لیکن اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

''یہ..... یہ ہے آپ کی تربیت..... زارا نے شادی کے بعد سے کتنی بار آپ سے معافی مانگی ہے امی! کبھی منہ نہیں بنایا۔ کبھی پیچھے نہیں ہٹی..... اور آج راحیل اس سے بدتمیزی کررہا تھا اور آپ اسی کی حمایت کررہی تھیں۔ بجائے اس کے کہ اسے بڑی بھابی سے ادب سے بات کرنے کو کہتیں۔'' عدیل نے اپنی ماں کو بھی نہیں چھوڑا۔ اسے معاملات کو جج کرنا آتا تھا۔ صحیح اور غلط میں تمیز کرنا آتا تھا لیکن وہ اکثر تسنیم بیگم کے لحاظ میں ان کی غلط باتیں خود بھی برداشت کرتا اور زارا کو بھی یہی کہتا کہ امی کی تلخ روی کو ہنس کر سہہ لو۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوجائے

گا لیکن یہاں تو معاملہ ہی دوسرا چل نکلا تھا۔ امی کے دل میں جگہ پانے کے چکر میں وہ دوسروں کی نظروں سے بھی گر رہی تھی اور عدیل کو یہ بات بالکل گوارا نہیں تھی۔

''زارا پانی پلاؤ......'' عدیل کمرے میں چلا گیا۔

مغرب کی اذانیں شروع ہو رہی تھیں پھر بھی چھت پر سوئی ہوئی بیٹی کو لانے سے پہلے اس نے اسٹیل کی پتیلی جو صحن میں اوندھے منہ پڑی ہوئی تھی۔ اٹھا کر سنک میں بھگو دی۔ اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔

وہ شام اس گھر میں زارا کی آزمائشوں کی آخری شام تھی۔ دوسرے ہی روز عدیل نے کرائے کا گھر ڈھونڈنے اور اس میں شفٹ ہونے کا مژدۂ جاں فزا سنا کر زارا کو ہلکا پھلکا کر دیا۔ اس کے دل سے عدیل کے خلاف سارے گلے شکوے دھل گئے۔ عدیل نے ماں سے کس طرح بات کی...... انہیں کیا کہہ کر منایا...... ہو سکتا ہے جگہ کی تنگی کا کہا ہو یا کچھ بھی...... بہر الحال انہوں نے شفٹنگ تک پھر دوبارہ زارا کو کڑوی کسیلی باتیں نہیں سنائیں نہ ہی ان لوگوں کو جاتے دیکھ کر مصنوعی آنسو بہائے۔

پوتی سے وہ پہلے بھی کوئی خاص محبت نہیں کرتی تھیں اور زارا کو تو بالکل ہی نہیں گردانتی تھیں۔ خس کم جہاں پاک...... سے ذرا سا ہی بہتر تھا ان کا رویّہ...... زارا نے اس پر بھی خدا کا شکر ادا کیا۔

نئے گھر میں شفٹ ہونے کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ اور عدیل ایک دوسرے سے کس قدر دور ہوئے جا رہے تھے۔ زارا کے دل میں شکایتوں کا انبار تھا۔ اور وہ روز بروز خاموش ہوتی جا رہی تھی۔ جب عدیل کے ساتھ اپنی من مرضی سے رہنے، اوڑھنے پہننے اور کھانے کو ملا تو دنوں میں ہی اس کی چال ڈھال بدل گئی۔ اس کے چہرے پر وہی شگفتگی اور چال ڈھال میں وہی بانکپن جھلکنے لگا جو دھیرے، دھیرے تسنیم بیگم کو خوش کرنے کی کوشش میں مفقود ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

تسنیم بیگم کی دلی آرزو پوری ہوئی۔ وہ پہلی فرصت میں اپنی بھانجی رقیہ کو بہو بنا کر گھر میں لے آئیں۔ رقیہ پہلے سے جانتی تھی کہ وہ تسنیم بیگم کی بہو بنے گی۔ اسے ان کے مزاج کی سختی اور نرمی کی تمام وجوہات اور اسباب از بر تھے۔ اس لیے بجائے ان سے دبنے اور ان کی خدمت کو اپنا شعار بنانے کے، اس نے ان ہی کی چال ان پر الٹ دی۔ کچن میں قدم رکھتے ہی اس نے پہلا دن صبر سے گزارا اور دوسرے دن اپنے جہیز کے نئے نکور لشکتے ڈنر سیٹ اٹھا کر ترتیب سے سجا دیے۔ شروع میں تو اس کی دریا دلی سے تسنیم بیگم بہت خوش ہوئیں مگر بعد میں اس کی حقیقت کھلی۔

کچن میں پلاسٹک اور کانچ کے برتن سجے تھے۔ تو ان برتنوں والی کی حکومت بھی چلنے لگی۔ تسنیم بیگم کے کچن اپلائنسز کوئی پرانے کہلائے۔ کوئی فالتو اور کسی نے تو کباڑہ تک کا درجہ پایا۔ تسنیم بیگم جز بز تو بہت ہوئیں پر...... کچھ بول نہیں سکیں کہ بہو بہر الحال ان کی اپنی لائی ہوئی تھی بلکہ اچھا خاصا قیمتی اور ڈھیروں جہیز بھی ساتھ لائی تھی۔ عدیل اور زارا کے کمرے نے اسی جہیز کی بدولت ڈرائنگ روم کا درجہ پایا تو گھر کے سبھی افراد کی وقت بے وقت انٹری وہاں بند کر دی گئی۔ دن بھر میں صرف ایک وقت وہ کمرا صفائی کے لیے کھلتا اور پھر بند...... اور گھر میں افراد کتنے تھے۔ رقیہ خود تھی...... یا ساس امی...... ایسے میں کوئی عقل کا اندھا بھی جان سکتا تھا کہ یہ پابندی کس کے لیے تھی۔

یونہی اس کے جہیز کی چھوٹی، چھوٹی چیزوں سے گھر بج سنور تو گیا لیکن تسنیم بیگم کا نہیں رہا...... وہ بالکل اپنی ہی طرح رقیہ سے صفائی ستھرائی اور چیزیں برتنے میں احتیاط کے لیکچر سنتیں اور دل

سوس کر رہ جاتیں۔

ایک سال کے اندر، اندر اس نے تسنیم بیگم کو پوتے کی خوش خبری دے دی مگر وہ خوش اتنا نہ ہو پائیں جتنا رقیہ چوڑی ہوگئی۔ پورا سوا مہینہ میکے میں گزار کر گھر واپس آئی تب بھی احتیاط کے تقاضے اس کے ساتھ تھے۔ سوا مہینے تک گھر کے کام کر، کر تسنیم بیگم کے جوڑ ہل گئے لیکن وہ رقیہ کو معمولی سی سرزنش بھی نہ کر سکیں۔

یہ وہ دن تھے جب زارا ایک بار پھر امید سے ہوئی اور ایک بار پھر اس کا مس کیرج ہو گیا...... جب وہ درد اور تکلیف کے ان مراحل سے نمٹ رہی تھی تو تسنیم بیگم نے محض فون پر اس کی خیریت دریافت کر لی تھی۔ البتہ اس کی مدد اور آرام کے خیال سے اس کے گھر جانے سے صاف انکار کر دیا تھا...... نتیجتاً زارا نے اپنی بڑی شادی شدہ بہن کو گھر بلوا لیا تھا۔ اسے تو مدد گار مل گئی لیکن رقیہ نے اپنی زچگی کے دوران رج کے کمزوری اور آرام کے ڈرامے کیے...... پورے نو ماہ خود آرام سے رہی اور تسنیم بیگم کو تگنی کا ناچ نچائے رکھا...... خدا خدا کر کے بچہ ہوا، چھلا گزرا تو اس کے بعد بھی وہ پوری طرح صحت مند نہ تھی۔ اسے اب بھی آرام کی ضرورت تھی۔

وہی تسنیم بیگم جنھوں نے کبھی زارا کے چائے پینے پر اس کے دودھ، پتی، چینی کے استعمال پر پابندی لگائی تھی۔ اب رقیہ کو آدھا آدھا کلو دودھ ایک وقت میں پیتے دیکھتیں اور رفقط اپنا دل جلاتیں۔

رقیہ نے ان کے آرام کے خیال سے انہیں... پیڈسٹل فین لا کر دیا۔ مگر شدید گرمی کے دنوں میں وہ پنکھا باہر صحن میں چلتا اور اس کی ٹھنڈی ہوا میں پُرسکون نیند سونے کے لیے تسنیم بیگم کو بھی اپنے حجرے سے باہر نکلنا پڑتا...... لیکن اس سب کے باوجود ان کی زبان بند رہی لیکن پھر ایک دن حد ہوگئی۔ جب رقیہ نے ان کی پیاری اسٹیل کی پتیلی کو اپنے عماد کی فیڈر یں ابالنے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ سارا، سارا دن اس میں پانی پکتا اور دودھ کی بوتلیں ابلتیں جس کے نتیجے میں کبھی تسنیم بیگم کو بوائل پانی مل جاتا کبھی نہیں...... یہ بات ان کی برداشت کی حد تھی۔ کئی مہینوں سے اپنی زبان پر کسی ضبط کی زنجیروں کی کڑیاں ٹوٹ گئیں۔ گھر میں بہت دن بعد فضیتا اٹھا لیکن اس کا انجام من پسند نہیں نکلا۔ رقیہ بجائے دبنے اور ان سے معافی مانگنے کے اور شیر ہوگئی۔

''جب عدیل بھائی اور زارا بھابی الگ جا سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں......'' یقیناً یہ راحیل کی شہ ہی تھی جو وہ اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کر گئی۔

تسنیم بیگم کی زبان پر فل اسٹاپ لگ گیا۔ ان کی سوالیہ، حیران اور دکھ بھری نظریں راحیل کی طرف اٹھیں۔

''رقیہ تم خاموش رہو، ای بھئی کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہیں ذرا سی بات کے لیے اتنی ٹینشن پھیلا رہی ہیں آپ...کون ساتھ رہنا چاہے گا۔'' وہ بہت اکتا کر بولا اور عماد کو گود میں اٹھا کر بیوی کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ تسنیم بیگم کتنی دیر وہیں کھڑی ساکت لیکن بولتی نگاہوں سے گھر کے اجنبی در و دیوار دیکھتی رہیں پھر دھپ سے اپنے بستر پر گر گئیں۔

☆☆☆

''دیکھا! دیکھا میں نے کہا تھا ان کی طبیعت بگڑے گی آج ایک نہ دو پوری چار گلاب جامن نگل گئیں۔ ارے بھئی مانا کہ مال ہمارا اپنا ہے پر پیٹ تو ان کا اپنا تھا ناں...... اس قدر شوگر پر اتنی بے احتیاطی توبہ......'' رقیہ انہیں گھبرا کر صحن، برآمدے اور کمرے کا چکر لگاتے دیکھ کر بڑبڑا رہی تھی۔ چھوٹا بیٹا سو رہا تھا۔ عماد، راحیل کے ساتھ قریبی پارک گیا تھا کھیلنے......

تسنیم بیگم کا شوگر لیول ہائی ہو رہا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

''ارے رقیہ سن تو...... کب آئے گا یہ راحیل......؟''

''اوہو خالہ بتایا تو ہے عماد کو لے کر گئے ہیں۔ یہیں پارک تک ابھی آجائیں گے۔ اتنے دن میں تو کہیں جا کے ان کو خیال آتا ہے بچوں کا......'' اس نے ان کی ڈاکٹر کے پاس لے جانے والی بات پر پیشگی حد بندی لگائی۔

تسنیم بیگم بیچارگی سے ہٹ گئیں اور سر سے پیر تک پسینے میں شرابور رقیہ نے روٹی کو توے پر پٹخ ہی دیا۔

☆☆☆

عدیل دوپہر میں گھر نہیں آسکا۔ اس نے فون کر کے بتادیا تھا کہ وہ نہیں آسکتا۔ زارا اداس سی ہوگئی۔ لیکن جب شام میں عدیل گھر آیا تو اس نے ایک بہت ہی بڑی خوشی کی خبر سنائی۔

''مجھے آفس کی طرف سے پروموشن کے ساتھ گھر مل رہا ہے۔ بہت ہی معمولی سا کرایہ کٹے گا۔''

زارا پر ایک دم کسی سوچ کی اداسی چھاگئی۔

''کیا بات ہے تم اس طرح خوش نہیں ہوئیں جیسا ہونا چاہیے تھا۔''

''کچھ نہیں، بس میری طبیعت ذرا بوجھل سی ہے۔'' وہ بے دلی سے کہہ کر دسترخوان سمیٹنے لگی۔ عدیل بھی چپ سا ہوگیا۔

اس گھر میں شفٹ ہونے کے بعد وہ تیسری بار امید سے ہو کر مس کیرج کا شکار ہوئی تھی۔ اُمّ رومان کے بعد مسلسل زچگی اور پھر پیچیدگی کے بعد ابارشن نے اسے ناامید سا کر دیا تھا۔ وہ سچ مچ خود کو بانجھ سمجھنے لگی تھی حالانکہ اگر وہ بانجھ ہوتی تو بھلا امید سے ہوتی ہی کیوں......

وہ عدیل کو وارث دینا چاہتی تھی۔ اس کے بیٹے کی ماں بننا چاہتی تھی۔ اور اگر انصاف سے دیکھتی تو زندگی میں سوائے ایک اس کے اور کوئی کمی بھی نہیں تھی۔

''شاید میں کسی کی بددعا کے حصار میں آگئی ہوں۔'' کئی بار اس نے گھبرا کر یہ بات سوچی اور عدیل سے شیئر بھی کی تھی۔ عدیل نے ہمیشہ ہی اس بات کو اس کا وہم قرار دیا تھا لیکن اس کی پریشان کن سوچیں پیچھا نہیں چھوڑتی تھیں۔

''میں نے کسی سے اس کا بیٹا چھینا...... اب میں خود بیٹے کے لیے ترس رہی ہوں اور میری گود خالی ہے۔'' چاہئے جل، جل کر سوکھ رہی تھی اور وہ سوچے جا رہی تھی۔ معاً اسے ایک خیال آیا۔ لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ آنکھوں میں چمک اور لہجے میں تازگی لیے وہ عدیل کے پاس لپکی۔

''عدیل! جب ہمیں گھر مل جائے گا تو ہم اماں کو اپنے پاس لے آئیں گے۔''

عدیل حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

''اور میں ان کی اتنی خدمت کروں گی کہ ان کا دل میری طرف سے بالکل صاف ہو جائے گا۔ میں انہیں بالکل شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔ اور ان کے لیے نئی اسٹیل کی پتیلی خرید کر لاؤں گی۔'' عدیل نم آلود محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔ وہ اس کے جذبات سمجھ رہا تھا۔

☆☆☆

دونوں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ کل صبح ہی ہم جا کر امی کو یہ خوشخبری سنائیں گے لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔

رات کو ہی راحیل نے امی کی طبیعت بگڑ جانے اور عدیل کو اسپتال پہنچنے کو کہا۔

بچی کو اپنی ماں کی طرف چھوڑ کر وہ دونوں جس وقت اسپتال پہنچے تسنیم بیگم دواؤں کے زیر اثر غنودگی میں تھیں۔

''امی کس قدر کمزور اور بوڑھی سی لگ رہی ہیں۔'' زارا کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''کمزور نہیں ہوں گی تو اور کیا...... بالکل اپنا خیال نہیں کرتیں، بلڈ پریشر اور شوگر جیسے مرض تو ویسے ہی انسان کو توڑ دیتے ہیں۔ اور یہ وقت بے وقت

بچوں کی طرح چوری چھپے کبھی میٹھا کھالیتی ہیں کبھی کھانے میں نمک ڈال لیں گی۔ احتیاط اور پرہیز تو جیسے ان کے دشمن ہیں۔''

زارا صرف سنتی رہی، راحیل اور رقیہ کی شکایتیں بہت لمبی تھیں۔ وہ کہہ نہیں سکی کہ بلڈ پریشر کے مریض پابندی سے دوائیں کھاتے ہیں بغیر نمک کے کھانے نہیں۔

پوری رات اسپتال میں جاگ کر گزری۔

رقیہ نے تو آنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ راحیل نے فون کر کے امی کی خیریت کی اطلاع دی تو دوسری طرف سے جانے اس نے کیا کہا کہ اس نے جلدی سے فون بند کر دیا پھر عدیل اور زارا کو دیکھ کر کھسیا گیا۔

''وہ دراصل ... پوری رات چھوٹے والے نے بخار میں تنگ کیا ہے۔ ابھی ابھی اس کی آنکھ لگی تھی اس لیے غصہ کر رہی تھی۔'' زارا نے افسوس سے منہ پھیر لیا۔

راحیل کا اس سے دبنا سمجھ نہیں آتا تھا۔ کیا صرف اس لیے کہ وہ اس کے دو، دو بیٹوں کی ماں تھی، اسی وقت ڈاکٹر نے آ کے مریض کے ہوش میں آجانے اور اس سے ملنے کی اجازت دے دی۔

تسنیم بیگم نڈھال سی پڑی تھیں۔ زارا نے جا کے ان کے ہاتھ تھام لیے۔ انہوں نے ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''زارا آگئی میری بیٹی۔''

''جی، جی امی...... میں آگئی ہوں، آپ فکر نہیں کریں، آپ بہت جلدی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''تو میرے پاس رہے گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' سوکھے ہونٹ مسکرانے کے سے انداز میں ذرا کی ذرا پھیلے......

''ہاں، ہاں میں یہاں بھی آپ کے پاس رہوں گی اور یہاں سے آپ کو اپنے گھر لے جاؤں گی۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔'' وہ بہ مشکل خود پر ضبط کر رہی تھی۔ ورنہ جس طرح آج تسنیم بیگم اس سے بات کر رہی تھیں۔ دل کرتا تھا پھوٹ، پھوٹ کر رو دے۔

''پانی تو پلاؤ عدیل......'' انہوں نے پپڑی زدہ ہونٹوں پر زبان پھیری...... زارا نے جلدی سے گلاس میں پانی ڈال کر ان کے لبوں سے لگا دیا۔

''بہت کڑوا پانی ہے۔'' دو گھونٹ پی کر انہوں نے گلاس ہٹا دیا۔

''منرل واٹر ہے ناں امی......! کسی، کسی کمپنی کا ایسا ہی بد ذائقہ ہوتا ہے۔ مگر آپ فکر نہیں کریں۔ جب آپ میرے گھر آجائیں گی تو میں آپ کے لیے نئی پتیلی لے آؤں گی۔ آپ کو خود پانی ابال کر دوں گی۔''

عدیل اور راحیل ڈاکٹر سے ملنے چلے گئے۔

تسنیم بیگم کی طبیعت اب بہتر تھی۔ زارا کی آواز ان کے تن مردہ میں نئی روح پھونک رہی تھی۔ ورنہ رقیہ کی بے رخی اور بے حسی نے انہیں جیتے جی مار ڈالا تھا۔

زارا نے اپنی خدمتوں سے اپنا آپ منوالیا تھا۔ ان کے دل میں اس کی قدر آگئی تھی۔ کتنے دن سے ان کا دل کرتا تھا کہ رقیہ اور راحیل کو چھوڑ کر عدیل کے پاس چلی جائیں لیکن خود سے کہتے شرم آتی تھی۔ آج زارا نے خود سے انہیں لے جانے کی بات کر کے ان کا کھویا ہوا بھرم اور عزت لوٹا دی تھی۔ انہیں لگتا تھا انہوں نے خود کو بھی اپنی پتیلی کی طرح ہی بے قدرے لوگوں کے ہاتھوں میں سونپ دیا تھا مگر خدا کا شکر تھا کہ جلد ہی رہائی مل گئی تھی۔

''سدا خوش رہو، آباد رہو...... پھولو، پھلو...... ہنسو کھیلو......'' ان کے منہ سے دعاؤں کے چشمے ابل پڑے اور زارا کے جلتے دل پر ٹھنڈی پھوار پڑ گئی۔ اس نے دل میں سوچا کہ ''شاید نہیں یقیناً مجھے اسی ماں کی دعاؤں کی ضرورت ہے اور وہ دن دور نہیں جب میرا آنگن ان ہی دعاؤں کے پھولوں سے مہکنے لگے گا۔''





اعتبارِ وفا

قسط 13

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا . . . گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے . . . کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سُجھائی تک نہیں دیتی۔

ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے . . . لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے . . . اور مان لیا جائے . . . کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے . . . اور وفا کے غُنچے وہیں کِھلتے ہیں . . . جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دُھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں



''مونا، مونا.....'' اب جبکہ وہ مایوس ہو چکے تھے، وہ انہیں نظر آ گئی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف لپکے تھے۔ رواحہ وہاں ہی حیران سا کھڑا رہ گیا تھا۔

اسٹریچر پر جھکی خاتون نے سر اٹھایا، اجنبیت سے انہیں دیکھا لیکن پھر لمحہ بھر بعد ہی اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک لہرائی۔

''آپ.....!''

''تم نے پہچان لیا مونا.....؟''

''ہاں، تھوڑی وقت تو ہوئی لیکن پہچان لیا۔''

''وقت بھی تو بہت گزر گیا ہے ناں.....'' ان کے لبوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

ایک طویل عرصہ گزر گیا تھا۔

''دراصل شادی کے فوراً بعد ہی ہم کینیڈا شفٹ ہو گئے تھے۔ کبھی کبھار تین چار سالوں بعد آنا ہوتا تھا پھر امی وغیرہ کے دبئی شفٹ ہونے کے بعد وہ بھی ختم ہو گیا۔ اب تقریباً دس سالوں بعد پاکستان آئی ہوں، یہاں کراچی میں احسان کی سسٹر رہتی ہیں ان کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے آئے تھے ہم۔''

''میں نے ایک بار پہلے تمہیں سگنل پر گاڑی میں دیکھا تھا تب سے تمہیں تلاشتا پھر رہا ہوں۔'' ان کے لہجے میں یک دم ہی صدیوں کی تھکن اتر آئی تھی..... انہوں نے اسٹریچر کی طرف دیکھا جس پر موجود مریضہ تقریباً بے ہوش تھیں۔

''میری نند ہیں، اچانک ہی ان کی طبیعت خراب ہو گئی تو میں گھر پر اکیلی تھی۔ ڈرائیور کے ساتھ انہیں یہاں لے کر آئی ہوں۔'' اس نے پریشانی سے میل نرس کی طرف دیکھا جو اسٹریچر کے پاس خاموش کھڑا تھا۔

''مونا میں تم سے ملنا چاہتا ہوں، اس وقت تم پریشان ہو اپنا فون نمبر دے دو۔'' انہوں نے پریشان کھڑی مونا کی طرف دیکھا۔

''اوہ ہاں.....'' اس نے کندھے پر لٹکے شولڈر بیگ سے بال پین اور چھوٹی سی ڈائری نکالی۔ جلدی سے نمبر گھسیٹا اور کاغذ پھاڑ کر ان کی طرف بڑھا دیا۔

تب ہی ایک اور میل نرس بھی آ گیا۔ اب انہوں نے اسٹریچر اٹھا لیا تھا۔

''میں تقریباً ایک ہفتہ اور یہاں ہوں۔''

''مونا..... وہ..... تم اس سے ملیں؟'' وہ کہنا چاہتے لیکن لفظ ان کے ہونٹوں پر ہی تھرتھرا کر رہ گئے تھے، وہ معذرت طلب نظروں سے انہیں دیکھتی اسٹریچر کے ساتھ، ساتھ تقریباً بھاگتی ہوئی ایمرجنسی کی طرف جا رہی تھی..... وہ وہاں ہی کھڑے اسے جاتا دیکھ رہے تھے۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ رواحہ ہولے، ہولے چلتا ہوا ان کے قریب آیا۔

''بابا.....!'' اس نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''بابا یہ خاتون کون تھیں؟''

''یہ مونا ہے چندا کی دوست.....'' انہوں نے کسی گہرے خیال میں ڈوبے ہوئے کہا۔

''ماما کی دوست.....؟'' رواحہ کی آنکھیں یک دم چمکیں اور اس نے بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا..... اسٹریچر نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔

''ماما کی دوست کیا یہاں کراچی میں ہی رہتی ہیں؟ آپ نے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا.....''

''نہیں..... یہ ملک سے باہر تھیں، میں نے آج کئی سالوں بعد اسے دیکھا ہے، لاہور میں کئی سال ہم مونا کے گھر کے گراؤنڈ فلور پر رہے تھے۔'' وہ اس کے فون نمبر کو کسی قیمتی متاع کی طرح مٹھی میں بند کیے پارکنگ کی طرف بڑھے تھے۔

''کیا آپ یہاں رک کر ان کا انتظار کرنا چاہتے ہیں؟'' رواحہ نے ان کے ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں، اس وقت وہ پریشانی میں ہے۔'' ابھی تک وہ کسی گہرے خیال میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ''اور مجھے تو سکون اور اطمینان سے کہیں بیٹھ کر بات کرنی ہے..... تم نہیں جانتے رواحہ، مونا مجھے اپنی سگی بہن کی طرح ہی عزیز تھی اور مونا کی امی نے جب میں چھوٹا تھا تو میرا بہت خیال رکھا تھا۔ بابا جان، ہمیشہ ان کے ممنون رہتے تھے۔ لیکن پھر رابطے ٹوٹ گئے۔''

''انہوں نے آپ کو بتایا کہ وہ یہاں کراچی میں کہاں رہائش پزیر ہیں؟''

''نہیں.....'' انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میری اور چندا کی شادی کے فوراً بعد ہی مونا کی شادی ہوگئی تھی اور وہ شادی کے بعد کینیڈا چلی گئی تھی۔ اور آج اتنے سالوں بعد اچانک ملاقات ہوئی ہے۔''

''تو پھر آپ کی دوبارہ کیسے ملاقات ہوگی ان سے..... آپ نے ان کا فون نمبر لیا؟ اگر نہیں لیا تو پلیز لے آئیں جا کر..... یا میں جاتا ہوں، وہ وزیٹر لاؤنج میں ہی ہوں گی لے آتا ہوں..... اسکائی بلو ڈریس والی وہ سوبر سی خاتون تھیں، میں پہچان لوں گا۔'' گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے رواحہ نے کہا تو انہوں نے اپنی بند مٹھی کی طرف دیکھا تھا۔

''نمبر تو لے لیا ہے؟'' رواحہ کو جواب دے کر گاڑی کے دوسری طرف آ کر انہوں نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تو اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے رواحہ انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

''بابا.....!'' ان کے بیٹھنے کے بعد رواحہ نے کہا۔

''آپ مونا آنٹی کو گھر پر بلائیں گے یا اُن سے ملنے جائیں گے؟''

''پتا نہیں..... پہلے مونا سے فون پر بات کروں گا پھر اسے گھر آنے کی دعوت دوں گا..... دیکھو کیا کہتی ہے۔''

''آپ کی بہن ہونے کے ناتے وہ میری پھپھو بھی ہوئیں اور ماما کی دوست ہیں تو خالہ بھی۔'' وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح خوش ہو رہا تھا۔ ''پھر تو ان کی زبردست سی دعوت ہونی چاہیے۔''

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''اور ان کے پاس ضرور ماما کی کوئی تصویر ہوگی اور انہیں نانا جان اور نانو کے متعلق بھی ضرور علم ہوگا کہ وہ آج کل کہاں ہیں۔''

وہ چونکے رواحہ کی آنکھوں سے اشتیاق جھلکتا تھا۔

''میں ان سے ماما کے متعلق پوچھوں گا۔ ان کی پسند، ان کے شوق اور ماما کی ساری باتیں..... آپ نے تو کبھی ماما کے متعلق کچھ زیادہ نہیں بتایا۔'' اس نے شکوہ کیا لیکن وہ ساکت بیٹھے تھے۔

''آپ انہیں کب فون کریں گے بابا؟'' گاڑی مین روڈ پر لانے کے بعد اس نے پھر پوچھا۔

''کچھ دنوں تک کروں گا ابھی تو وہ اپنی نند کی بیماری کی وجہ سے پریشان تھی۔''

''ٹھیک ہے لیکن جلدی کیجیے گا کہیں وہ واپس کینیڈا نہ چلی جائیں۔'' وہ بہت ایکسائٹڈ ہو رہا تھا۔

''آپ نے بتایا تھا ناں کہ نانا جان اور نانو، ماما کی ڈیتھ کے بعد امریکا سے کینیڈا چلے گئے تھے۔'' اسے ایک دم یاد آیا تھا۔ ''تو مونا آنٹی تو ضرور اُن سے ملتی ہوں گی، انہیں یقیناً نانا جان وغیرہ کے متعلق سب پتا ہوگا۔''

اس کا ایکسائٹڈ ہونا نیچرل تھا۔ اپنی زندگی میں پہلی بار اس نے ایک ایسی ہستی کو دیکھا تھا جس کا تعلق اس کے بے حد قریبی رشتوں سے تھا۔ رشتوں کے نام پر اس کے پاس سوائے بابا کے اور کچھ نہیں تھا۔

انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

ان کی کل زندگی کا حاصل، ان کی قیمتی متاع...... ان کے جینے کا آسرا اُس کی دمکتی آنکھیں، اس کے ہنستے لب... پُرجوش لہجہ...... نہیں وہ اسے نہیں گنوا سکتے...... وہ ان آنکھوں کی چمک ماند ہوتے، ہونٹوں کی ہنسی بجھتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ دل کے اندر ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ انہوں نے نچلے ہونٹ کو سختی سے دانتوں تلے دبا لیا تھا۔ بے اختیار کھڑکی کھولتے ہوئے انہوں نے ہاتھ باہر کر کے بند مٹھی کھول دی تھی اور دل کو جیسے کسی نے زور سے مٹھی میں بند کر کے کھولا تھا۔ چھوٹا سا کاغذ کا پرزہ پیچھے کہیں ہوا میں اڑ گیا تھا۔ وہ ایک موہوم سی امید پر رواحہ کو نہیں کھو سکتے تھے۔ وہ اسے ٹوٹتے، بکھرتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ تو اس کی ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے پھر کیسے...... رواحہ کی خاطر انہوں نے اپنے اندر جلتی امید کی وہ ننھی سی لو بھی بجھا دی تھی جو آج مونا کو دیکھ کر آپوں آپ ان کے اندر جل اٹھی تھی۔ شاید اسے علم ہو...... اسے خبر ہو اور ایک بار صرف ایک بار وہ اسے دیکھ سکیں، دور سے ہی سہی...... وہ رواحہ کو بتائے بغیر ہی مونا سے مل سکتے تھے...... فون پر اس سے بات کر کے جان سکتے تھے لیکن...... یہ انہوں نے کیا کر دیا تھا۔

مونا کا فون نمبر تو اسی وقت انہوں نے...... انہیں اپنی سانس سینے میں گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی اور انہیں لگا جیسے ان کا دل ابھی بند ہو جائے گا۔ وہ بیڈ سے گھبرا کر اٹھے اور سامنے کھڑکی کے پردے کھول کر لمبی، لمبی سانسیں لینے لگے، وہ کچھ دیر یونہی کھڑے رہے اور پھر ایک گہری سانس لے کر کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئے۔ جب سے مونا سے ملے تھے ان کی کیفیات عجب تھیں...... اس وقت ماضی کے کئی مناظر ان کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر دھند بھرنے لگے تو انہوں نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ ایسی کالی سیاہ رات تو ان کی زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی۔ اس رات وہ کتنے خوش تھے اور''بہارو پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے'' گنگناتے ہوئے وہ اپنے بیڈ روم میں آئے تھے۔

بابا جان نے بتایا تھا کہ وہ صبح جا کر چندا کو لے کر آئیں گے، ان کی چندا کی ممی سے بات ہو گئی ہے اور کپڑے تبدیل کرنے سے پہلے ہی انہوں نے بہت بے چینی سے اس کا نمبر ملایا تھا۔ جب سے چندا میکے گئی تھی ان کا معمول تھا کہ وہ بہت باقاعدگی سے رات سونے سے پہلے اس سے بات کرتے تھے حالانکہ باقاعدگی سے ملنے بھی جاتے تھے پھر بھی بیڈ روم میں آتے ہی نمبر ملاتے تھے۔

''ابھی تو جناب یہاں سے گئے ہیں۔'' چندا چھیڑتی دل ہی دل میں نازاں ہوتی۔

''تو کیا ہوا میرا جی چاہ رہا ہے، اپنے بچوں کی والدہ ماجدہ سے بات کرنے کو۔''

''ابھی بچے دنیا میں نہیں آئے ہیں۔'' چندا ہنستی۔

''آ جائیں گے۔'' چندا سے بات کیے بغیر تو انہیں نیند ہی نہیں آتی تھی...... سو انہوں نے فون کا سیٹ اپنے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا تھا اور چندا بھی فون رات کو اپنے بیڈ روم میں لے جاتی تھی۔

چندا پہلی بیل پر ہی ریسیور اٹھا لیتی تھی لیکن آج خلافِ معمول اس نے فون اٹینڈ نہیں کیا تھا۔

''کہیں سو تو نہیں گئی۔'' انہوں نے سامنے کلاک پر نظر ڈالی تھی۔ گیارہ بجے تھے۔

''ضرور خفا ہو گی۔'' آج پہلی بار وہ چندا سے ملنے نہیں جا سکے تھے۔

صبح آنکھ دیر سے کھلی تھی بہ مشکل تیار ہو کر ٹائم پر کالج پہنچے...... اور پھر کالج میں بہت مصروف دن تھا اور خلافِ معمول دیر بھی ہو گئی تھی گھر آ کر جو سوئے تو پھر فون کی بیل سے ہی آنکھ کھلی تھی۔ انہوں نے سوچا چندا کا فون ہوگا لیکن دوسری طرف کوئی اجنبی لڑکی تھی۔

''وہ سوئی نہیں ہوگی ضرور خفا ہوگی۔'' لبوں پر بے اختیار مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور انہوں نے ایک بار پھر نمبر ملایا تھا اور پھر چندا نے ریسیور کرلیا۔ اس نے بہت آہستگی سے ہیلو کہا تھا۔ انہیں اس کی آواز بہت بھاری بھاری سی لگی۔

''کیا ہوا میری جان، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں...... سوری میں آج نہیں آسکا بس ایک کام میں پڑ گیا تھا۔ دیر ہوگئی تو مجھے آنا مناسب نہیں لگا۔ خیر اب تو یہ عارضی جدائی ختم ہونے والی ہے۔ بابا اور میں تمہیں صبح لینے آرہے ہیں۔'' انہوں نے ایک ہی سانس میں ساری بات کرلی تھی۔

''نہیں......'' لمحہ بعد ائرپیس سے آواز آئی تھی۔

''آنے کی ضرورت نہیں ہے...... مجھے اب تمہارے ساتھ نہیں رہنا۔''

''چندا...... یار اتنی ناراضی؟ بتا تو رہا ہوں کہ تمہاری طرف ہی آنے والا تھا کہ......''

''مجھے طلاق چاہیے......'' چندا نے ان کی بات کاٹی تھی۔

انہوں نے ریسیور کان سے ہٹا کر اسے حیرت سے دیکھا تھا، انہیں لگا جیسے ان کے کانوں نے غلط سنا ہو...... یہ بات بھلا چندا کیسے کہہ سکتی تھی۔ وہ مذاق میں بھی ایسی بات نہیں کرسکتی ضرور کسی اور کا نمبر مل گیا ہوگا۔ آواز اور نام کی مناسبت محض اتفاق بھی ہوسکتی ہے۔ خود کو یقین دلا کر انہوں نے دوبارہ نمبر ملایا تھا۔ دوسری طرف چندا ہی تھی۔ تصدیق کرنے کے بعد انہوں نے اطمینان کی سانس لی۔

''کیسی ہو جانم، سوری...... آج تمہاری طرف نہیں آسکا تھا۔ لیٹ ہوگیا تھا، مت پوچھو کیسے خود کو زنجیر کیا ہے۔ صبح ناشتے کے فوراً بعد لینے آجاؤں گا تمہیں۔''

''تم نے غالباً دھیان سے میری بات سنی نہیں ہے کہ مجھے لینے کے لیے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اب تمہارے ساتھ نہیں رہنا...... میں تم سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔''

''یہ کیا حماقت ہے چندا اور کیسا جان لیوا مذاق......'' وہ تڑپ کر بولے تھے۔

''نہ یہ حماقت ہے، نہ کوئی مذاق...... میں نے جو کچھ کہا ہے بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے۔'' اس کا لہجہ بہت سخت تھا۔ اس نے تو کبھی ذرا سے بھی سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی وہ تو کسی سبک خرام ندی کی طرح تھی۔ نرم لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بات کرتی ہوئی۔ نہیں، یہ ان کی چندا نہیں ہوسکتی یہ تو کوئی اور تھی۔

''پاگل ہوگئی ہو چندا کیسی باتیں کررہی ہو۔'' انہوں نے تڑپ کر کہا تھا۔

''پہلے پاگل تھی لیکن اب نہیں اور پلیز مجھے چندا مت کہو...... میں کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی جس کا کریکٹر میری نظر میں مشکوک ہو۔''

''تم میرے کریکٹر پر شک کررہی ہو؟'' وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپے تھے۔

''سنی سنائی پر شک ہوسکتا ہے لیکن آنکھوں دیکھی پر نہیں، مجھے شک نہیں یقین ہے۔'' اس کی زبان جیسے زہر اگل رہی تھی۔ جانے کب سے وہ یہ زہر اپنے اندر اکٹھا کررہی تھی۔ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پارہے تھے کہ آخر اچانک ایسا کیا ہوگیا تھا۔ کچھ دنوں سے اس کا موڈ ضرور کچھ خراب تھا لیکن اس حد تک......

''تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، پلیز میری بات تو سنو......''

''بہت بے وقوف بن چکی اب نہیں...... اب میں نے تمہیں جان لیا ہے۔''

لاوا پھر بہہ نکلا تھا وہ ششدر سے حیران سے سن رہے تھے...... ان کی قوتِ گویائی جیسے ختم ہوگئی تھی۔ وہ اتنا بھی نہ کہہ سکے کہ وہ ان پر اتنا بڑا الزام کیوں لگا رہی ہے۔ آخر ایسا کیا دیکھا ہے اس نے، ان کے کریکٹر میں جو کیا خرابی

ہے؟ اس کے لفظ نہیں تھے آگ کے دہکتے ہوئے انگارے تھے جو اُن کے وجود پر گر کر انہیں جلا رہے تھے۔

''چندا پلیز!'' انہوں نے بہ مشکل کہا...... لیکن اس نے ایک دم فون بند کر دیا...... یعنی اسے ان کی کوئی بات نہیں سننی تھی...... انہیں اپنے ہاتھوں، پیروں سے جان نکلتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی...... کچھ دیر وہ یونہی خالی، خالی نظروں سے ہاتھ میں پکڑے ریسیور کو دیکھتے رہے جس میں سے ٹوں، ٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ ''کیا ابھی، ابھی انہوں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے...... نہیں، یہ خواب تو نہیں تھا......'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ریسیور کریڈل پر ڈالا...... ایک گہری سانس لی...... ''نہیں چندا ایسا نہیں کر سکتی...... وہ بھلا ایسے کیسے......؟ ضرور کسی نے اسے بہکایا ہے...... اسے کوئی شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔'' انہوں نے ریسیور اٹھا کر اس کا نمبر ملایا...... لیکن دوسری بیل کے بعد انگیج کی بیل ہونے لگی تھی اور پھر نمبر ملاتے، ملاتے ان کی انگلیاں تھک گئیں۔ اس نے ریسیور نیچے رکھ دیا تھا......

''وہ ان کا فون ریسیو نہیں کرے گی۔'' بالآخر انہوں نے خود کو یقین دلایا اور اٹھ کھڑے ہوئے...... اور چند لمحوں بعد وہ بابا جان کے سامنے کھڑے تھے۔

''بابا جان میں چندا کی طرف جا رہا ہوں۔'' وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے تھے۔

''اس وقت رات کے ایک بجے......'' ان کی نظر سامنے کلاک پر پڑی تھی۔ ''وہ ٹھیک تو ہے ناں......؟ کیا اسپتال میں ہے؟''

''نہیں، اسپتال میں نہیں ہے۔'' ان کی آنکھیں خوں رنگ ہو رہی تھیں اور چہرہ چیخ رہا تھا۔

''کیا ہوا پھر......؟'' وہ گھبرا گئے تھے۔

''بابا جان میرے ساتھ کچھ غلط ہونے والا ہے۔ بلکہ کچھ غلط ہو گیا ہے۔'' ان کا ضبط جواب دے گیا تھا اور وہ کسی ہارے ہوئے شخص کی طرح ان کے سامنے بیٹھ گئے تھے اور چندا کے ساتھ ہونے والی گفتگو بتاتے ہوئے ان کی طرف بے بسی سے دیکھنے لگے۔

''بابا جان اس نے میری بات نہیں سنی۔ وہ میرا فون ریسیو نہیں کر رہی...... میں یہ اذیت برداشت نہیں کر پا رہا۔'' اور بابا جان نے ان کے بازو کو تھپتھپاتے ہوئے نرمی سے کہا تھا۔

''یہ تو تم دونوں میاں، بیوی کی آپس کی بات ہے۔ اگرچہ چندا اس طرح ٹیمپر لوز کرنے والی لڑکی نہیں ہے پھر بھی ہو سکتا ہے اسے تمہاری کوئی بات بری لگ گئی ہو، صبح آرام سے جا کر اس سے بات کرنا...... اس طرح آدھی رات کے وقت جا کر سارے گھر والوں کو جگاؤ گے اور کیا کہو گے ان سے......؟ ہو سکتا ہے اس نے گھر میں کسی سے ذکر ہی نہیں کیا ہو...... جو بات تم دونوں کے درمیان ہے وہ تم دونوں ہی آپس میں طے کرو......'' انہیں بابا جان کی بات سمجھ آ گئی تھی لیکن پھر بھی وہ بہت بے چین، بہت مضطرب تھے۔

''اس نے اتنی بڑی کیسے کہہ دی مجھ سے بابا جان! شادی بیاہ کوئی بچوں کا کھیل ہے کیا...... اسے اگر مجھ سے شکایت تھی تو مجھے بتاتی...... بغیر کسی وجہ کے اس نے میرے کریکٹر......'' ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

''میں خود نہیں سمجھ پایا اس کا رویہ...... ہو سکتا ہے وہ اپنی طبیعت کی وجہ سے کچھ چڑچڑی ہو رہی ہو اور اس نے زیادہ ہی کسی بات کو لے لیا ہو......''

''لیکن کیا بات بابا جان......؟ میرا کردار تو کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے ہے۔ کہاں جھول نظر آیا اسے...... کہاں خامی دکھائی دی؟'' وہ روہانسے ہو رہے تھے۔ گو بابا جان خود اپ سیٹ سے ہو گئے تھے لیکن اسے بہلا کر سونے کے لیے بھیج دیا تھا۔ لیکن ایک پل کو بھی ان کی آنکھ نہیں جھپکی تھی۔ وہ پوری رات بے چین رہے تھے اور بابا جان بھی بے چین سے بار، بار اٹھ کر آتے اور انہیں سونے کی تلقین کرتے تھے لیکن نیند کیسے آتی بھلا...... چندا نے اتنی

بڑی بات کہہ دی تھی...... ان پر اتنا بڑا الزام لگا دیا تھا۔ کیا وہ انہیں نہیں جانتی تھی۔ دو سال اکٹھے پڑھا...... ایک سال ان کی شادی کو ہونے والا تھا اور ان تین سالوں میں کیا وہ انہیں جان نہیں پائی تھی جو...... انہوں نے اس کی گفتگو یاد کرنے کی کوشش کی تھی اور پھر جیسے ان کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا، بجلی سی کوندی تھی۔ انہیں آج شام کا واقعہ یاد آیا تھا...... وہ کالج سے آکر سوئے تو فون کی بیل پر ہی آنکھ کھلی تھی...... دوسری طرف کوئی اجنبی لڑکی تھی...... ''آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔'' وہ حیران ہوئے تھے۔

''آپ سے...... آپ سر مبشر حسن کے بیٹے ہیں ناں......؟''

''جی......!''

''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''کیوں......؟'' وہ مزید حیران ہوئے تھے۔ ''اور آپ نے ہمارا نمبر کہاں سے لیا؟''

''مجھے ایک معاملے میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے پلیز انکار مت کیجیے گا۔''

اس نے دوسری بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

''ٹھیک ہے، آپ صبح میرے کالج آجایئے گا۔ میں اگر کچھ کر سکا تو ضرور کروں گا۔''

انہیں چندا کی طرف جانا تھا پہلے ہی وہ لیٹ ہو گئے تھے۔ وہ ضرور انتظار کر رہی ہوگی۔

''نہیں...... پلیز صبح نہیں ابھی......'' اس نے تیزی سے کہا تھا۔

''ابھی میں بہت مشکل سے گھر سے نکلی ہوں...... صبح شاید نہ آسکوں...... اور پھر صبح آنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے...... مجھے اسی وقت آپ سے ملنا ہے پلیز انکار مت کیجیے گا۔''

''لیکن پہلے آپ یہ بتائیں آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟'' وہ الجھے تھے۔

''میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں آپ کو...... میں بھی جی...... سی میں تھی...... آپ سے جونیئر تھی۔''

''آپ کا نام......؟'' انہوں نے اپنے ڈپارٹمنٹ کی جونیئر لڑکیوں کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ وہ تقریباً سب کے ناموں سے تو واقف ہی تھے۔

''نام جان کر کیا کریں گے آپ...... یوں بھی میرا ڈپارٹمنٹ الگ تھا۔''

وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔

''پلیز یہ کسی کی زندگی اور موت کا سوال ہے، انکار مت کیجیے گا۔'' اس نے پھر کہا۔

''اوکے......!'' ان کا نرم دل جیسے اس کی بات پر پریشان ہو گیا تھا۔

''میں گھر پر ہوں آپ گھر آجائیں۔''

''نہیں، گھر پر نہیں آسکتی...... میں یہاں جس پی سی او سے فون کر رہی ہوں اس کے قریب ہی ایک ہوٹل ہے...... آپ یہاں آجائیں...... میں یہاں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ انہیں پتا سمجھانے لگی تھی۔

وہ متذبذب سے پتا سمجھ رہے تھے۔

پتا سمجھا کر اس نے پھر التجا کی تھی۔

''پلیز میں نے بہت آس سے آپ کو فون کیا، مجھے امید ہے آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔''

''لیکن آپ نے مجھے ہی فون کیوں کیا...... جبکہ میں آپ کو جانتا بھی نہیں ہوں۔ آپ اپنے کسی عزیز، رشتے دار، جاننے والے سے بھی تو مدد لے سکتی ہیں۔'' کچھ تھا جو اُن کے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔

''ہاں...... لیکن مجھے جس سلسلے میں آپ کی مدد درکار ہے وہ آپ کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔''

''مگر......'' انہیں چندا کی طرف جانا تھا۔ وہ انتظار کر رہی ہوگی۔ انہوں نے پھر سوچا۔
''میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ بس چند منٹ...... پلیز آپ کو اپنے بابا جان کی اور چندا کی قسم......''
''اوہ......'' انہوں نے ہونٹ سکیڑے تھے۔ وہ جو کوئی بھی تھی انہیں اچھی طرح جانتی تھی اور چندا کو بھی، تب ہی تو اس کے نک نیم سے بھی باخبر تھی اور کسی وجہ سے اپنا نام نہیں بتانا چاہتی تھی۔ تو وہ کیا کریں...... لمحہ بھر کے لیے انہوں نے سوچا...... ایک لڑکی ان سے مدد مانگ رہی تھی تو انہیں اس کی مدد کرنی چاہیے؟ وہ تذبذب میں تھے۔ مگر بالآخر فیصلہ کرنے کے بعد انہوں نے پھر پاسمجھا تھا۔
''اوکے، میں آدھے گھنٹے میں پہنچوں گا، کافی فاصلہ ہے یہاں سے۔''
''تھینک یو میں ساری زندگی آپ کا احسان نہیں بھولوں گی۔''
انہیں لگا جیسے اس کی آواز بھرا گئی ہو، ان کا دل اور بھی پگھلا اور انہوں نے سوچا، یہ لڑکی یقیناً کسی بڑی مشکل میں گرفتار ہے اور اگر میں اس کے کام آسکتا ہوں تو کیا حرج ہے...... چندا کی طرف کچھ دیر سے چلا جاؤں گا۔'' تب وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کرنے جا رہے ہیں۔
''پلیز ابھی اپنے والد کو کچھ مت بتایئے گا۔'' اس نے فون بند کرنے سے پہلے التجا کی تھی...... اور وہ بابا جان کو کسی دوست کی طرف جانے کا بتا کر گھر سے نکلے تھے۔ مطلوبہ ریسٹورنٹ کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ ریسٹورنٹ کی طرف جا رہے تھے جب یک دم دائیں طرف سے وہ گملوں کے پیچھے سے نکل کر ان کے قریب آئی تھی۔
''السلام علیکم......'' انہوں نے چونک کر اس لڑکی کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اسے پہچانتے تو نہ تھے۔
''پتا نہیں یہ وہی لڑکی ہے یا کوئی اور......'' انہوں نے سلام کا جواب دے کر متذبذب سا ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا۔
''میں رینا ہوں...... میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔''
''اوہ......'' انہوں نے اب کے غور سے اسے دیکھا تھا۔ گہرے میک اپ کے ساتھ وہ کوئی الٹرا ماڈرن لڑکی لگ رہی تھی۔ یہ شکل ان کے لیے بالکل انجان تھی۔ انہوں نے اس لڑکی کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اگر وہ ان کے کالج میں پڑھتی بھی تھی تو کم از کم ان کا کبھی اس سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ یوں بھی کالج میں تو لڑکیاں بہت سادگی سے آتی تھیں جبکہ اس وقت یہ ٹھیک ٹھاک تیار تھی۔
''دراصل میں یہاں باہر ہی آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ اندر اکیلے بیٹھنا کچھ مناسب نہیں لگا تھا مجھے۔ آیئے اندر بیٹھ کر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔'' وہ خاموشی سے اس کے ساتھ اندر ریسٹورنٹ کے ہال میں اس کی منتخب کردہ ٹیبل پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ لڑکی نے فوراً ہی ویٹر کو بلا کر کچھ لانے کا آرڈر دیا تھا۔
''پلیز کچھ مت منگوائیں۔'' انہوں نے فوراً ہی ہاتھ اٹھا کر اسے روکا تھا۔
''جو بھی مسئلہ آپ کو درپیش ہے وہ بتائیں۔ میں زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکوں گا، مجھے جلدی جانا ہے۔''
''یہاں بیٹھنے کا کچھ تو جواز ہونا چاہیے ناں......'' وہ مسکرائی تھی۔
''میں نے صرف کولڈ ڈرنک اور کباب منگوائے ہیں۔''
کچھ ہی دیر بعد ویٹر کوک کے گلاس اور کباب کی پلیٹ رکھ کر چلا گیا تو انہوں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔
''فرمائیں، میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں، ویسے مجھے بالکل یاد نہیں کہ میں نے کبھی آپ کو جی سی میں دیکھا ہو۔''
''دراصل میں نے صرف تین ماہ بعد ہی کالج چھوڑ دیا تھا لیکن ان تین ماہ میں چندا سے کافی سلام دعا ہو گئی تھی سو اس کے حوالے سے میں نے آپ کو جانا تھا۔''

تب ہی انہیں اس کی شکل ذرا بھی یاد نہیں تھی۔

''ہم چھ بہنیں ہیں۔'' ذرا توقف کے بعد اس نے کہنا شروع کیا تھا۔ ''اور ہمارا ایک ہی بھائی ہے، بدقسمتی سے اسے پڑھائی سے کچھ خاص دلچسپی نہیں ہے...... لیکن ابا اسے پڑھانا چاہتے ہیں۔ دو سال سے وہ بی اے میں اٹکا ہوا ہے۔ میرے ابا بہت سخت ہیں، انہوں نے کہہ دیا ہے کہ اگر اس بار بھی وہ کلیئر نہ کرسکا تو وہ اسے گھر سے نکال دیں گے...... یہ اس کا آخری چانس ہے...... باقی تو اس نے کسی نہ کسی طرح سے کلیئر کر ہی لیے ہیں بس ایک پیپر رہ گیا ہے اگر وہ کلیئر نہ کرسکا تو پھر نئے سرے سے سب پیپر دینے پڑیں گے...... ابا تو شاید اسے گھر سے ہی نکالیں یا نہ نکالیں لیکن وہ کہتا ہے وہ خودکشی کرلے گا...... اور وہ کر بھی لے گا...... وہ ایسا ہی ہے...... ضدی اور اکھڑ سا...... اماں کا رو رو کر برا حال ہوگیا ہے۔ اسے کچھ ہوگیا تو ہم سب بے موت مرجائیں گے۔ اماں کا تو ساتھ ہی جنازہ اٹھے گا اور......''

''تو میں کیا کرسکتا ہوں۔'' انہیں اس کی یہ ساری لمبی چوڑی بات سن کر ازحد کوفت ہوئی تھی۔

''آپ ہی تو کرسکتے ہیں، آپ کے والد کے پاس اس کا پیپر ہے، اگر آپ ان سے کہہ کر صرف پاسنگ مارکس دلوادیں تو ہم ساری زندگی آپ کے احسان مند رہیں گے۔''

''اوہ تو یہ بات ہے۔'' وہ ساری کہانی سمجھ گئے تھے۔ نمبر بڑھوانے کے لیے اس نے یہ ساری کہانی گھڑی تھی۔

''سوری محترمہ......! میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ نہ میرے بابا اس طرح کا کوئی کام کرتے ہیں اور نہ ہی میں کوئی غلط کام کرنے کے لیے سفارش کرسکتا ہوں۔'' بے حد بیزاری سے کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''پلیز چند نمبروں سے کیا ہوجائے گا۔ آپ کے بابا کو چند نمبر زیادہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن میرے بھائی کی زندگی بچ جائے گی۔'' اس نے جیسے بے اختیار ان کا بازو تھام کر انہیں روکنے کی کوشش کی تھی۔

''یہ ممکن نہیں ہے محترمہ......'' انہوں نے اپنے بازو سے اس کا ہاتھ ہٹایا تھا۔

''میرے بابا بہت اصولی آدمی ہیں، وہ آپ کے اس ڈرامے سے متاثر نہیں ہوسکتے اور نہ ہی میں متاثر ہوا ہوں۔''

''یہ ڈراما نہیں ہے۔'' اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں اور پھر سر جھکاتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپالیا تھا۔ وہ بیزاری سے کھڑے کچھ دیر اسے دیکھتے رہے......

''محترمہ یہاں آپ کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں، وہ اس طرح آپ کو روتے دیکھ کر کیا سوچیں گے۔'' دوبارہ بیٹھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''میرا بھائی مرجائے گا اور اس کی موت......'' اس نے ہاتھ ہٹاتے ہوئے ہاتھوں کی پشت سے چہرہ صاف کیا تھا۔ بات ادھوری چھوڑ کر وہ پھر منت کرنے لگی تھی۔

''پلیز انکار مت کریں...... آپ اپنے......؟''

''میں صرف اتنا کرسکتا ہوں کہ آپ کے بھائی کی پڑھائی میں ہیلپ کردوں......'' انہوں نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''صبح آپ اسے میرے کالج میں بھیج دیں، میں اسلامیہ کالج میں پڑھاتا ہوں، وہ مجھ سے آکر ملے...... میں اسے سمجھاؤں گا اور پڑھائی میں اس کی پوری مدد کروں گا۔ انشاء اللہ اگلی بار وہ ناکام نہیں ہوگا۔''

''پلیز......'' اس نے پھر ملتجی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ لیکن انہوں نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر بل لانے کا کہا اور اس کے نہ، نہ کرنے کے باوجود وہ چند نوٹ اس پلیٹ میں رکھ اٹھ کھڑے ہوئے اور تیز، تیز قدموں سے چلتے ہوئے ریسٹورنٹ سے باہر نکل کر پارکنگ کی طرف بڑھے اور ابھی انہوں نے گاڑی کا لاک کھولا ہی تھا کہ وہ تقریباً

بھاگتی ہوئی ان کے قریب آئی تھی اور ان کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

''پلیز......خدا کے لیے......''

''میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چوائس نہیں ہے اور نہ ہی میں اس سے زیادہ کچھ کرسکتا ہوں۔''

''اچھا صبح میں اسے کالج بھیج دوں گی وقار نام ہے اس کا۔'' مایوسی اس کے لہجے سے جھلکتی تھی۔
انہوں نے ذرا سا رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا وہ بالکل ان کے قریب کھڑی تھی۔ غیر ارادی طور پر وہ تھوڑا سا پیچھے ہٹے تھے۔

''میں اسے سمجھاؤں گا مس کہ زندگی اتنی ارزاں نہیں ہے کہ چھوٹی، چھوٹی باتوں پر اسے گنوا دیا جائے۔'' انہوں نے گاڑی کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا۔

''لیکن اس کے لیے ارزاں ہے۔''

انہیں لگا تھا جیسے وہ پھر رونے لگی ہو۔ پارکنگ کی مدھم روشنی میں انہوں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا وہ رو نہیں رہی تھی لیکن اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

''آپ نے کبھی محبت کی ہے......؟ شاید نہیں......''

''لیکن وہ اپنی منگیتر سے بہت محبت کرتا ہے اور اس کے سسر نے بھی کہا ہے کہ اگر وہ بی اے کلیئر نہ کرسکا تو وہ اسے اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں دیں گے تو وہ پھر خودکشی کے علاوہ اور کیا کرسکتا ہے۔''

''تو موصوف اس وجہ سے خودکشی کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ دل ہی دل میں مسکرائے تھے، وہ محبت بچھڑ جانے کے احساس سے ہی جس کرب سے گزرے تھے اس کرب نے ان کے دل کو اس لمحے اس انجانے لڑکے کے لیے گداز کیا تھا۔

''وہ آپ کی بات سمجھ جائے گا ناں......'' وہ پھر جیسے ان کے قریب ہوئی تھی۔

''انشاء اللہ......!'' انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

''یہاں سے مجھے آسانی سے کنوینس نہیں ملے گی، کیا آپ مجھے مین روڈ تک ڈراپ کردیں گے۔ مین روڈ پر نزدیک ہی میرا اسٹاپ ہے؟'' انہوں نے ایک لمحے کے لیے سوچا...... آس پاس واقعی ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ پارکنگ میں بھی دو تین گاڑیاں اور چند بائیک کھڑی تھیں۔ لڑکی ذات ہے اور پھر اکیلے جانے کب تک کھڑا رہنا پڑے۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے تھے اور ساتھ ہی پچھلا دروازہ ان لاک کیا تھا لیکن وہ چکر کاٹ کر وہ فرنٹ ڈور کے پاس آکر شیشہ ناک کررہی تھی۔ انہوں نے بے حد بیزاری سے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا تھا۔

''عجیب بے باک لڑکی ہے۔'' انہوں نے سوچا تھا اور گاڑی پارکنگ سے نکال کر روڈ پر لے آئے تھے۔

''اوہ میرے خدا!'' اب انہیں سمجھ آیا تھا۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھاما تھا۔

''ضرور تب ہی چندا کے کسی جاننے والے نے مجھے وہاں ریسٹورنٹ میں اس کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر چندا کو بتایا ہوگا تب ہی تو وہ اتنی بدگمان ہورہی تھی...... اور چندا......'' دل نے کسی خوش فہمی کا ہاتھ تھاما تھا۔ ''جب چندا کو ساری بات بتائیں گے تو چندا کی ناراضی اور غصہ خود ہی ختم ہوجائے گا...... اور کیا نام تھا اس لڑکی کا رینا...... ہاں رینا اور چندا تو اسے جانتی ہے۔ بہت اچھی طرح سے، وہ چاہے تو اس سے تصدیق بھی کرسکتی ہے......'' انہیں کچھ اطمینان تو ہوا تھا پھر بھی وہ سو نہیں سکے تھے اور صبح سویرے ہی تیار ہوکر لاؤنج میں آبیٹھے تھے۔ بابا جان بھی نماز پڑھ کر لاؤنج میں آگئے تھے۔ وہ ان کی بے چینی محسوس کررہے تھے سوان پر دم کرکے ہلکا سا مسکرائے تھے۔

''میری جان ازدواجی زندگی میں کبھی کبھار ایسی چھوٹی موٹی پریشانیاں آتی ہی رہتی ہیں۔ آدمی کو صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔''

''بابا جان مجھے لگتا ہے چندا کو کسی نے مجھے ریسٹورنٹ میں دیکھ کر بتایا ہے۔'' بابا جان کو ساری بات بتاتے ہوئے انہوں نے خیال ظاہر کیا تھا۔'' اور وہ مجھ سے بدگمان ہوگئی...... بابا جان اسے مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا لیکن اس نے ایک دم فیصلہ سنا دیا...... اتنی بدگمان ہوگئی وہ مجھ سے۔'' شکوہ ان کے لہجے میں در آیا تھا۔'' اسے مجھ پر اعتبار ہونا چاہیے تھا ناں...... اور میری محبت پر یقین لیکن بابا جان مجھے لگتا ہے اسے میری محبتوں پر یقین ہی نہیں تھا۔ اعتبار تو یقین کی کوکھ سے ہی جنم لیتا ہے ناں...... لیکن...... بابا جان اس نے مجھے کردار کا اتنا ہلکا جانا......'' ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ تو ان سے خفا تھی ہی خود ان کے دل میں اس کے لیے بے شمار شکوے پیدا ہوگئے تھے۔

''انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا جانم، وقتی غصہ ہے، جب کوئی کسی سے شدید محبت کرتا ہے تو کسی ایسی بات پر جس کی وہ اپنے محبوب سے توقع نہیں کر رہا ہو یوں ہی شدید ردِعمل ظاہر کرتا ہے تو چندا بھی تم سے بہت شدید محبت کرتی ہے سو ہرٹ ہوئی ہے...... جب اسے حقیقت معلوم ہوگی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ انہیں تسلی دے رہے تھے' سمجھا رہے تھے لیکن ان کے دل کو تو پنکھے لگے ہوئے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ فوراً اس کے پاس جائیں اور اس بے اعتباری پر خوب سارا لڑیں اس سے اور ہزار منتوں کے بعد مانیں لیکن وقت تو جیسے رینگ، رینگ کر گزر رہا تھا۔ جب خدا بخش نے آ کر ناشتا لگنے کی اطلاع دی تھی تو انہیں لگا تھا جیسے انہیں لاؤنج میں بیٹھے، بیٹھے صدیاں بیت گئی ہوں...... بابا جان کے اصرار کے باوجود انہوں نے ناشتا نہیں کیا تھا اور صرف چند گھونٹ چائے کے لے کر کھڑے ہوگئے تھے۔

''بیٹا کچھ تو لے لیتے۔'' بابا جان تشویش سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''بابا جان آپ تیار ہو جائیں، میں آپ کو کالج ڈراپ کر کے چندا کی طرف جاؤں گا۔'' یہ ان کا معمول تھا کہ بابا جان کو ان کے کالج ڈراپ کر کے وہ اپنے کالج جاتے تھے واپسی پر اکثر تو وہ اپنے کسی کولیگ کے ساتھ ہی آ جاتے تھے جو قریب ہی رہتے تھے۔ ہاں کبھی کبھار وہ انہیں پک کر لیتے تھے ان کی شادی کے بعد بابا جان نے اپنی پرانی گاڑی فروخت کر کے انہیں یہ نئی گاڑی خرید دی تھی اور ابھی تک ان کے اصرار کے باوجود اپنے لیے الگ گاڑی نہیں خریدی تھی۔

''میں آج کالج نہیں جا رہا، تم جاؤ...... چندا کو ساتھ لے کر آنا میں گھر پر تم دونوں کا استقبال کروں گا۔ اتنے دنوں بعد میری بیٹی گھر آئے گی۔'' وہ مسکرائے تھے لیکن ان کی آنکھوں میں تشویش کے گہرے رنگ تھے۔

''بابا جان وہ میری بات کا یقین تو کر لے گی ناں...... مان جائے گی...... آ جائے گی ناں میرے ساتھ۔''

''ارے کیوں یقین نہیں کرے گی...... اور کیوں نہیں مانے گی...... اب اتنی بھی سخت دل نہیں ہے میری بیٹی......'' بابا جان کے ہونٹوں پر امید بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور وہ بابا جان سے دعائیں لے کر دل میں ڈھیروں امیدیں سجائے اور سیکڑوں شکوے لیے وہاں پہنچے تو اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔ وہ شاکڈ سے لاؤنج میں کھڑے تھے۔ جب سے چندا ادھر رہنے آئی تھی اور وہ اس سے ملنے آتے تو ملازمہ سے پوچھ کر کہ چندا کہاں ہے، وہ سیدھے اس کے کمرے میں چلے جاتے تھے لیکن آج ملازمہ نے انہیں لاؤنج میں ہی روک دیا تھا۔

''چھوٹی بی بی اس وقت آپ سے نہیں مل سکتیں۔'' اور ان کے دل میں موجود شکووں میں ایک اور شکوے کا اضافہ ہوا تھا...... بابا جان نے کہا تھا کہ یہ تم دونوں میاں، بیوی کی آپس کی بات ہے اس میں دوسروں کو ملوث مت کرو اور اس نے ایک ملازمہ کو اس میں شامل کر دیا تھا...... انہوں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے تاسف محسوس کیا تھا۔

''بیٹھ جائیں صاحب، میں بڑی بیگم صاحبہ کو بتاتی ہوں۔'' ملازمہ چلی گئی تھی لیکن وہ یونہی شاکڈ سے کھڑے رہ گئے تھے۔ جب ممی آئی تھیں اور ہمیشہ کی طرح بہت پیار اور محبت سے ملی تھیں۔

''بیٹھو بیٹا...... میں دیکھتی ہوں شاید سو رہی ہے۔''

''نہیں، وہ جاگ رہی ہے لیکن مجھ سے ملنا نہیں چاہتی۔'' انہوں نے بے حد آہستگی سے کہا۔

''کیا تم دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟'' ممی نے بے حد حیرت سے انہیں دیکھا تھا اور وہ بے حد شرمندہ سے ہو گئے تھے۔

''نہیں لیکن وہ مجھ سے بدگمان ہو گئی ہے، شاید اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' انہوں نے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا۔

''پلیز ممی...... آپ اس سے یہ کہیں کہ میری بات سن لے...... میں اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی خفگی نے مجھے ساری رات سونے نہیں دیا اس لیے میں صبح اتنے سویرے چلا آیا۔''

انہوں نے وضاحت کی تو ممی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

اور وہ مضطرب سے بیٹھ گئے تھے۔ بار، باران کی نظریں لاؤنج میں کھلنے والے اس کے کمرے کے دروازے کی طرف اٹھتی تھیں۔ ممی کچھ ہی دیر بعد واپس آ گئی تھیں انہوں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ وہ کچھ پریشان اور الجھی، الجھی سی لگ رہی تھیں۔

''اس کا موڈ اس وقت بہت خراب ہے۔'' انہوں نے معذرت طلب کرتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ ''وہ اس وقت تم سے نہیں ملے گی۔ وہ بچپن سے ایسی ہی ہے۔ جب کسی بات پر ہرٹ ہوتی ہے تو یونہی خفا ہو کر بیٹھ جاتی ہے لیکن بہت جلد اس کا دل صاف ہو جاتا ہے...... تم پریشان مت ہو۔ میاں، بیوی کے درمیان ایسی ناراضیاں اور خفگیاں چلتی رہتی ہیں۔'' انہوں نے انہیں پریشان دیکھ کر تسلی دی تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر چلے آئے تھے حالانکہ ان کا جی چاہ رہا تھا وہ سیدھے اٹھ کر اس کے کمرے میں چلے جائیں اور ہاتھ پکڑ کر گھر لے آئیں۔ وہ ان کی بیوی تھی۔ وہ اجڈ اور جاہل ہوتے تو شاید ایسا ہی کرتے لیکن وہ مہذب تھے اور تعلیم یافتہ...... سو وہ ایسی کوئی حرکت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور پھر اگلے کئی دن تک وہ اس سے ملنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ سیکڑوں بار فون کیا لیکن نہ تو وہ ملی تھی اور نہ ہی ان کا فون اٹینڈ کرتی تھی...... اب تو ممی بھی پہلے جیسی خوش دلی سے نہیں ملتی تھیں۔ ممی کے رویے میں انہوں نے رکھائی محسوس کی تھی تب اس روز انہوں نے ممی سے درخواست کی تھی کہ وہ اس سے یہ کہیں صرف ایک بار وہ مجھ سے مل لے میری بات سن لے پھر اس کے بعد اس کا جو بھی فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہوگا۔

تب ممی کے کہنے پر وہ اس سے ملنے کو تیار ہو گئی تھی۔

''تم چلے جاؤ، وہ اپنے کمرے میں ہی ہے۔'' ممی نے انہیں لاؤنج میں آ کر بتایا تھا اور خود لاؤنج سے نکل گئی تھیں۔

وہ اپنے کمرے میں سامنے ہی صوفے پر بڑا سا دوپٹا اپنے جسم پر پھیلائے بیٹھی تھی۔

''چندا......'' وہ بے قراری سے اس کی طرف بڑھے تھے۔ اس نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا تھا اور وہ وہاں ہی ساکت کھڑے رہ گئے تھے یہ وہ نظریں تو نہ تھیں جن میں انہیں دیکھتے ہی ستارے دمکنے لگتے تھے۔

ان نظروں میں بیگانگی تھی، اجنبیت تھی اور ایسی سرد مہری کہ انہیں لگا جیسے ان کا دل ایک ساتھ کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر بکھر گیا ہو اور کرچیاں اُن کے وجود میں چبھی جا رہی ہوں۔

''چندا تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہو؟'' انہوں نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''جو بات تم جانتے ہو اسے دُہرانے کا کوئی فائدہ...... تم وہ کہو جو کہنے آئے ہو۔'' اتنی سپاٹ اتنی سرد آواز کہ انہیں اپنی رگوں میں خنکی سی اترتی محسوس ہوئی تھی۔

''مت کرو ایسا چندا، میں نہیں سہہ پاؤں گا، تمہارا یہ رویہ یہ بے اعتنائی......'' ان کی آواز میں ہزاروں آنسوؤں کی نمی تھی۔

وہ یونہی کھڑے تھے اس کے سامنے اس سے کچھ فاصلے پر اس نے ان سے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔

''کیا ہمارا رشتہ اتنا ہی کمزور اور بودا تھا کہ ذرا سی غلط فہمی سے ٹوٹنے لگے؟''

''یقین ٹوٹ جائے تو سب کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔ ہر رشتہ خواہ وہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ ریت کی دیوار سے بھی زیادہ کمزور ہو جاتا ہے اور میرا بھی یقین ٹوٹا ہے، اعتبار کرچی، کرچی ہوا ہے، میں اب اس رشتے کو جوڑے رکھنے سے قاصر ہوں...... سوری......''

''چندا......'' انہوں نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''نہیں، مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ میں نے خود تمہیں دیکھا ہے ایک ایسی لڑکی کے ساتھ جس کا حلیہ چیخ، چیخ کر بتا رہا تھا کہ اس کا تعلق کس طبقے سے ہے، تمہارا ذوق ایسا ہوگا، مجھے اس پر بھی حیرت ہے۔''

''ضروری تو نہیں کہ جو دکھائی دے رہا ہو وہ ایسا ہی ہو...... کبھی، کبھی بصارتیں اور سماعتیں دھوکا بھی تو دے جاتی ہیں، تم نے صرف اس پر یقین کیا جو تمہیں نظر آیا، تم مجھ سے پوچھتیں تو میں وضاحت کرتا، بتاتا تمہیں کہ حقیقت کیا ہے۔''

''گو مجھے وضاحتوں کی ضرورت نہیں پھر بھی تمہیں آج جو کچھ کہنا ہے کہہ دو۔''

تب انہوں نے اسے ساری بات بتا دی تھی۔

''اس لڑکی کو تم اچھی طرح جانتی ہو چندا...... رینا نام ہے اس کا...... تم اس سے ساری بات کی تصدیق کر سکتی ہو۔''

انہوں نے پُرامید نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اس نے بہت خاموشی سے ان کی ساری بات سنی تھی لیکن اب اس کے ہونٹوں پر ایک استہزائیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''میں اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتی...... اور یہ صرف ایک دن کی بات نہیں ہے دیکھنے والوں نے کئی بار تمہیں اس لڑکی کے ساتھ دیکھا ہے۔''

''میں نے اس روز سے پہلے اس لڑکی کو کبھی نہیں دیکھا تھا...... میرا یقین کرو چندا......'' انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے اسے یقین دلائیں جو اُن کی طرف سے دل پتھر کیے بیٹھی تھی۔

''یقین ہی تو نہیں رہا۔'' گو اس نے بہت آہستگی سے کہا تھا لیکن انہوں نے سن لیا تھا اور انہیں لگا تھا یا سچ مچ ایسا ہی تھا کہ انہیں اس کی سرد مہر آنکھوں کی سطح پر نمی سی تیرتی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے نظریں جھکائی تھیں۔

''میں اخباروں میں پڑھا کرتی تھی کہ ایک جوڑا سرِعام محبت کا اظہار کرتے ہوئے...... اور مجھے یقین نہیں آتا تھا...... یوں ہی گپ لگا کرتی تھی لیکن اس رات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا...... وہ تم سے چپکی کھڑی تھی اور پھر میں نے اسے تمہاری طرف جھکتے ہوئے بھی دیکھا۔''

انہیں لگا تھا جیسے کسی نے انہیں جلتی ہوئی آگ میں دھکیل دیا ہو...... چندا کے ہونٹوں سے نکلنے والا ہر لفظ ان کے وجود پر جیسے آبلے ڈالتا گیا تھا۔

''خدا کے لیے چندا مجھے اس طرح میری ہی نظروں میں ذلیل تو نہ کرو۔''

''میں ذلیل نہیں کر رہی بلکہ حقیقت بتا رہی ہوں۔''

''فار گاڈ سیک اب اور کچھ نہیں......'' شدید ترین بے بسی کے احساس سے انہوں نے اس کی طرف دیکھا تھا انہیں لگا تھا جیسے وہ کچھ دیر اور وہاں کھڑے رہے تو ان کا دل پھٹ جائے گا، وہ ان آنکھوں کی نفرت کیسے برداشت کرتے جن میں انہوں نے اپنے لیے ہمیشہ محبت کے دیے جلتے دیکھے تھے...... وہ تیزی سے باہر نکلے تھے اور پھر بے کے بغیر لاؤنج سے نکل کر گیٹ سے باہر نکل آئے تھے۔ پتا نہیں انہوں نے کیسے گاڑی ڈرائیو کی، کیسے گھر تک پہنچے

تھے انہیں خبر نہیں تھی۔ بابا جان ان کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے تھے۔
''کیا ہوا جانِ پدر......؟'' وہ یک دم کھڑے ہو گئے تھے۔
''بابا جان......'' وہ ان کے گلے لگ کر کسی ننھے بچے کی طرح بلک، بلک کر رو دیے تھے۔
''اس نے میری بات کا یقین نہیں کیا بابا جان...... اس نے اپنی آنکھوں کے گرد بدگمانی کی جو پٹی باندھ رکھی ہے اس کے پار اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا...... وہ کچھ دیکھنا ہی نہیں چاہتی...... اسے صرف اپنی بصارتوں پر یقین ہے۔''
بابا جان انہیں ہولے، ہولے تھپکتے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد سنبھلے تو بابا جان سے الگ ہو کر وہ کارپٹ پر ہی بیٹھ گئے تھے اور بابا جان ان کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔
''کیا محبت کے رشتے بھی اتنے کمزور اور بودے ہوتے ہیں بابا جان کہ ذرا سی بدگمانی سے ٹوٹ جائیں۔'' انہوں نے بھیگی پلکیں اٹھائی تھیں۔
''کوئی بھی رشتہ اتنا مضبوط نہیں ہوتا جو ٹوٹ نہ سکے چاہے محبت کا رشتہ ہو...... چاہے خون کا...... یہ الگ بات ہے کہ خون کے رشتے ٹوٹ کر بھی باقی رہتے ہیں...... بھلے تعلق نہ رہے لیکن محبت کے رشتے ٹوٹ جائیں تو پھر باقی نہیں رہتے۔''
''بابا جان......'' انہوں نے تڑپ کر انہیں دیکھا تھا اور اپنا سر اُن کے گھٹنوں پر رکھ دیا تھا۔ وہ جیسے اذیت کے پل صراط سے گزر رہے تھے۔ وہ ایک امید جواب تک دل کو آسرا دیے ہوئے تھی کہ شاید میری بات کو سن کر چندا کی غلط فہمی دور ہو جائے اور سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے لیکن وہ امید دم توڑ گئی تھی اور اب جیسے دور تک اندھیرے تھے اور روشنی کی کوئی کرن نہ تھی۔ بابا جان ہولے، ہولے ان کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہے تھے۔
''بابا جان......'' یکا یک انہوں نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ ''وہ ویسے کہہ دیتی کہ اسے میرا ساتھ منظور نہیں...... وہ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو میں کیا اسے زبردستی روک لیتا...... وہ مجھ پر یوں الزام تو نہ لگاتی...... مجھے یوں ذلیل تو نہ کرتی...... اس نے مجھے بے کردار جانا بابا جان......'' ان کی آواز پھر بھرانے لگی تھی اور آنکھیں خون رنگ ہو گئی تھیں...... جیسے ساری اذیت آنکھوں میں اتر آئی ہو۔
''میں بات کروں گا اس سے...... ملوں گا......'' بابا جان نے انہیں تسلی دی تھی۔ ''پہلے میں نے سوچا تھا یہ تم دونوں میاں، بیوی کا معاملہ ہے۔ آپس میں طے کر لو گے لیکن......''
''بابا جان وہ آپ کی بات کا یقین کر لے گی ناں......؟'' وہ آس بھری نظروں سے انہیں تکنے لگے تھے۔
''آپ اسے سمجھا سکتے ہیں، بتا سکتے ہیں کہ آپ کا بیٹا بدکردار نہیں ہے، وہ عورتوں کے پیچھے بھاگنے والا نہیں ہے۔''
بابا جان نے صرف سر ہلایا تھا۔
''وہ لڑکا...... تم نے کہا تھا کہ تم نے اس سے کہا تھا وہ اپنے بھائی کو تمہارے پاس کالج بھیجے تو......؟''
امید کی لو پھر سے بھڑکی تھی وہ یک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ اتنے دنوں سے کالج ہی نہیں جا رہے تھے۔ یقیناً وہ کالج آیا ہو گا اور...... بہت ساری باتیں بیک وقت ان کے ذہن میں آئی تھیں۔ اگر وہ لڑکی مل جائے تو وہ اسے چندا کے پاس لے جائیں گے اور لیکن وہ جب کالج گئے تو انہیں پتا چلا کہ اس نام کا تو کوئی لڑکا ان کی عدم موجودگی میں ان سے ملنے نہیں آیا۔ انہوں نے ایک، ایک بندے سے پوچھا تھا لیکن وہ آتا تو کوئی نہ کوئی تو بتاتا ناں...... بابا جان بھی ناکام ہی رہے تھے۔ انہوں نے چندا سے ہی نہیں اس کی ممی، ڈیڈی سے بھی بات کی تھی لیکن چندا نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا تھا۔ وہ ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے طلاق چاہیے تھی...... وہ ساری رات کروٹیں بدل، بدل کر صبح ہونے کا انتظار کرتے تھے۔ نہ راتیں گزرتی تھیں نہ دن...... ان کی حالت دیوانوں جیسی ہو رہی تھی۔ تب ایک روز وہ اس کے

ڈیڈی کے آفس جا پہنچے۔ ڈیڈی اچھی طرح ملے تھے۔ انہوں نے بہت تحمل سے ان کی بات سنی تھی۔

''میں تمہاری بات کا یقین بھی کرلوں تو وہ نہیں کرے گی۔ میں جانتا ہوں...... وہ میری اکلوتی بیٹی ہے، میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں...... میں اس کی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میں اس کی شادی تمہارے ساتھ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ ہم نے اس کے لیے کسی اور کی خواہش دل میں پال رکھی تھی۔ پھر میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ وہ جن آسائشوں کی عادی ہے شاید تم اسے وہ آسائشیں نہ دے سکو۔ مجھے تم پر یا تمہارے خاندان پر کوئی اعتراض نہیں تھا تم کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتے تھے لیکن میں تمہیں چندا کے لیے موزوں نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن مجھ سے اس کے آنسو برداشت نہیں ہوئے، میں اس کا رونا نہیں دیکھ سکا تھا۔ مجھے اپنی خواہش اس کے آنسوؤں کے سامنے بے معنی لگی اور اب بھی میں اس کے آنسو برداشت نہیں کرسکتا وہ جب روتے ہوئے کہتی ہے کہ اسے تمہارے ساتھ نہیں رہنا اور یہ کہ وہ طلاق لینا چاہتی ہے تو میں اسے مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ تمہارے ساتھ ہی رہے، اس کے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں اس لیے میں تم سے کہوں گا اسے طلاق دے دو۔''

اور انہیں لگا تھا جیسے وہ جانکنی کے عالم میں ہوں۔ موت شاید اس سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتی ہوگی جو وہ اس وقت محسوس کررہے تھے۔ وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح ان کے آفس سے باہر آگئے تھے۔ اور پھر انہوں نے کالج جانا چھوڑ دیا تھا۔ کسی بے چین روح کی طرح گھر کے اندر پھرا کرتے، بچوں کے لیے خریدی گئی چیزیں نکال، نکال کر دیکھتے رہتے۔ ان کی آنکھیں ہر وقت سرخ رہنے لگی تھیں...... بابا جان ان کی حالت دیکھ کر خود صدیوں کے بیمار لگنے لگے تھے۔

''بابا جان ہمارے بچے......'' اس روز بڑے دنوں بعد وہ خدابخش کے بلانے پر بابا جان کے ساتھ ٹیبل پر ناشتا کرنے کے لیے بیٹھے تھے۔ اُن کا کیا ہوگا...... وہ کس کے ساتھ رہیں گے۔ اتنے چھوٹے بچے ماں سے الگ نہیں کیے جاسکتے۔''

بابا جان نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا تھا اور کچھ دیر پرسوچ نظروں سے انہیں دیکھتے رہے تھے۔

''میں آج کالج سے واپسی پر چندا کی طرف جاؤں گا۔ لیکن میری جان تم خود کو سنبھالو...... زندگی ایسے نہیں گزرتی...... حقیقت کو قبول کرنے کا حوصلہ پیدا کرو......''

''میں نے حقیقت کو قبول کرلیا تھا بابا جان کہ وہ میرے نصیب میں نہیں...... لیکن پھر اللہ نے اسے میرے نصیب میں لکھ دیا...... اس نے اگر یوں ہی چھوڑ کر چلے جانا تھا تو پھر وہ میری زندگی میں کیوں آئی تھی بابا جان...... کیوں......؟'' وہ بابا جان کو دیکھنے لگے تھے۔ شاکی نظریں ان کی طرف اٹھی تھیں۔

''ہم تقدیر سے نہیں لڑ سکتے جانِ پدر...... پھر بھی ایک کوشش اور کر دیکھتے ہیں'' وہ اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے چلے گئے تھے وہ کتنی ہی دیر تک یونہی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے رہے تھے اور پھر خدابخش کے برتن سمیٹنے کے بعد اٹھ کر اس کمرے میں آ بیٹھے تھے جو اُن کے بیڈروم سے ملحق تھا اور چندا اسے بچوں کے لیے تیار کررہی تھی اور پھر خدابخش کے اصرار کے باوجود بھی انہوں نے لنچ نہیں کیا تھا اور اس وقت تک اسی کمرے میں بیٹھے رہے تھے جب تک بابا جان آنہیں گئے تھے۔ وہ نڈھال لگ رہے تھے لیکن ان کی آنکھیں زندگی کا پیغام دیتی لگتی تھیں۔ وہ ان کے آنے پر کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئے تھے۔ بابا جان ان کا بازو تھپکتے ہوئے مسکرائے تھے۔

''وہ بچوں کی خاطر سمجھوتا کرنے پر تیار ہے۔'' وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگے تھے انہیں اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔

''کیا...... بابا جان کیا اس نے کہا کچھ ایسا؟'' انہوں نے اٹک اٹک کر پوچھا تھا۔

''ہاں......'' بابا جان صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

''میں نے اس سے ہونے والے بچوں کی خاطر سمجھوتا کرنے کے لیے کہا.....اور......''
''وہ مان گئی بابا جان.....کب.....کب آئے گی وہ گھر؟''
وہ بے قرار ہو گئے تھے۔
''اس نے خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے لیے کچھ وقت مانگا ہے.....چند دنوں تک آ جائے گی۔''
''آپ کو یقین ہے ناں بابا جان وہ آئے گی؟'' بجھی امیدوں کی راکھ میں کوئی چنگاری بھڑکی تھی۔
''ہاں.....'' بابا جان نے ایک گہری سانس لی تھی۔ ''لیکن..... اس نے کہا ہے کہ وہ صرف بچوں کی خاطر یہ زہر پینے کو تیار ہوئی ہے۔ وہ اس گھر میں تو رہے گی لیکن تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھے گی۔''
''بابا جان.....!'' ان کی آواز جیسے خوشی سے لرزنے لگی تھی۔
''وہ ایک بار آ جائے واپس تو ایک روز اسے میری بے گناہی کا یقین آ جائے گا۔ وہ یہاں آ جائے گی..... یہاں رہے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا بابا جان.....''
خدا بخش آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا لیکن پھر بھی دروازے کی ہلکی سی چرچراہٹ سے انہوں نے چونک کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ حال میں واپس آ گئے تھے۔
''کیا بات ہے خدا بخش.....؟'' وہ آہستہ سے بولے۔
''کچھ نہیں صاحب یونہی دیکھنے آیا تھا کہ آپ سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں۔''
''بچوں نے کھانا کھا لیا؟'' انہوں نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے سامنے کلاک پر نظر ڈالی تھی۔
''نہیں صاحب، رواحہ صاحب نے کہا تھا کہ آپ جاگ رہے ہوں تو کھانا لگا دوں.....''
ایک گہری سانس لے کر انہوں نے خدا بخش کی طرف دیکھا اور بیڈ کی پٹی پر ہاتھ رکھ کر اٹھے..... وہ جب بھی ماضی کے سفر سے پلٹتے تھے ان کا یہی حال ہوتا تھا جیسے سفر کی تکان ان کی ساری توانائی نچوڑ لیتی تھی۔ ایک لمحے کو ان کا جی چاہا وہ خدا بخش سے کہہ دیں کہ انہیں بھوک نہیں ہے لیکن پھر رواحہ کے خیال سے خاموش ہو گئے۔ خدا بخش تاسف سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان کی سرخ آنکھیں اور ستا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کس سوچ میں گم لیٹے ہوئے تھے۔ خدا بخش نے اپنے دل میں ان کے لیے بے حد رنج محسوس کیا.....
''صاحب.....'' وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ انہوں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔
''رواحہ کیا کر رہا ہے؟''
''لاؤنج میں بیٹھے گانے سن رہے ہیں۔''
''اور عظام.....؟'' انہوں نے خدا بخش کی سوال کرتی نظروں سے نگاہیں چرا کر پوچھا۔
''وہ تو نہیں آئے۔''
''ابھی تک نہیں آیا؟'' ان کی نظریں پھر کلاک کی طرف اٹھی تھیں۔
''تم تو کہہ رہے تھے کہ سامنے پارک تک گیا ہے۔''
''ہاں یہی کہہ کر گئے تھے۔''
''اللہ نہ کرے اسے کچھ ہو.....'' وہ پریشان سے ہو گئے تھے۔ انہیں عظام سے ایسی ہی انسیت تھی یا پھر وہ اس کے دشمنوں کی وجہ سے پریشان ہو جاتے تھے۔
''یا اللہ وہ خیریت سے ہو اسے اپنے حفظ و امان میں رکھنا.....'' پاؤں میں چپل پہنتے وہ تیزی سے باہر نکلے تھے۔ رواحہ لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز کانوں میں ہیڈ فون لگائے موسیقی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے

آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور اس کے لبوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ تھی۔

''رواحہ......'' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے اسے بلایا تو وہ آنکھیں کھول کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''جی بابا......!''

''بیٹا عظام پارک گیا تھا ابھی تک نہیں آیا۔'' پریشانی ان کے لہجے سے جھلکتی تھی۔

''بابا پارک میں اسے اپنے کوئی جاننے والے مل گئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔ ابھی اس کا فون آیا ہے کہ ہم کھانے پر اس کا انتظار نہ کریں...... اسے شاید کچھ دیر ہو جائے۔'' رواحہ کو ان کا عظام کے لیے پریشان ہونا اچھا لگا تھا، یہ ان کی اس سے محبت کی انتہا تھی کہ وہ اس کے دوستوں کے لیے بھی حساس تھے۔ عظام کے ساتھ ان کی محبت و شفقت دیکھ کر وہ اپنے دل میں ان کے لیے بے انتہا فخر محسوس کرتا تھا۔

''خدا بخش چاچا کھانا لگا دیں۔'' رواحہ نے خدا بخش سے بلند آواز میں کہا تو وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے دائیں طرف والے سنگل صوفے پر بیٹھ گئے۔

''بابا، عظام کوئی بچہ تو نہیں ہے آپ یوں ہی پریشان ہو جاتے ہیں۔'' خدا بخش کو کھانے کا کہہ کر وہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''مجھے خوف آتا ہے کہ کہیں خدانخواستہ اس کے دشمن......''

''اب تو اتنے سال ہو گئے ہیں مر کھپ گئے ہوں گے ان کے دشمن...... عظام تین سال کا تھا تب اس کے پاپا نے بتایا تھا کہ ایک بار......'' رواحہ مسکرایا تو انہوں نے بغور اسے دیکھا۔ اس کے چہرے سے گزشتہ دنوں والی پریشانی مفقود تھی اور آنکھوں میں وہی ہمیشہ والی چمک تھی اور کچھ پا لینے کی خوشی اور آسودگی جھلکتی تھی۔ کچھ دن پہلے تو انہوں نے اس کی آنکھوں میں ایسی مایوسی دیکھی تھی جیسے اس نے لنگر اٹھا لیے ہوں اور جہاز لہروں کے حوالے کر دیا ہو...... ''لیکن

اب وہ..... تو کیا اسے کوئی امید ہاتھ لگی ہے؟ اور کیا کوئی یقین کا دیپ جل اٹھا ہے اس کے اندر، جس کی روشنی اس کے پورے چہرے کو جگمگا رہی ہے۔'' اس کے چہرے پر نظریں جمائے، جمائے وہ مسکرائے تھے۔

''رواحہ بابا کی جان مجھے کب ملوا رہے ہو اس سے؟''

''بابا.....!'' رواحہ ذرا سا جھینپا تھا اور پھر اس کی آنکھیں یوں دمکنے لگی تھیں جیسے ہزاروں کرمک شب ان آنکھوں میں اتر آئے ہوں..... وہ بھی جب خوش ہوتی تھی تو اس کی آنکھیں یونہی دمکنے لگتی تھیں۔ اور اس کے لبوں پر بھی ایسی ہی پیاری سی مسکان سج جاتی تھی جو اس وقت رواحہ کے لبوں پر سجی تھی۔ وہ لمحہ بھر کے لیے کھو سے گئے تھے اور پھر جیسے کسی خیال نے دل کو مٹھی میں لیا تھا تو انہوں نے چونک کر رواحہ کو دیکھا تھا جو کسی حسین خیال میں گم سا ہو گیا تھا۔

''تم نے کہا تھا رواحہ تمہارے اور اس کے راستے مختلف ہیں۔ تو جانم ایک ہی راستے پر قدم رکھنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا کہ وہ تمہارے ساتھ آخر تک چل سکے گی یا نہیں..... کہیں بیچ راہ سے ہی تو پلٹ نہیں جائے گی؟'' ان کے لہجے میں کوئی خوف بولتا تھا اور وہ از خود پریشان ہو کر اسے دیکھ رہے تھے اور دل پر جیسے کوئی ہولے، ہولے انگلیاں مار رہا تھا..... رواحہ جیسے اب بھی کسی تصور میں گم لگتا تھا لیکن اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''کچھ راستے اتنے خوب صورت ہوتے ہیں اور اپنے اندر اپنی دلکشیاں سمیٹے ہوتے ہیں کہ آدمی سوچے سمجھے بغیر ان پر قدم رکھ دیتا ہے اور میں نے بھی سوچے سمجھے بغیر ہی اس پر قدم رکھا ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں انہیں مخاطب کیا تھا..... ابھی اس کے پاس بابا کو بتانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا..... ابھی تو ان کے درمیان اس طرح کی کوئی بات ہوئی ہی نہیں تھی..... ساتھ چلنے، ساتھ نبھانے کی بات محبتوں کا اقرار..... ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ ساتھ، ساتھ چلنے لگے تھے اور اسے لگتا تھا جیسے ان کے راستے ایک ہو گئے ہوں۔ وہ لان میں، لائبریری میں، کلاس روم میں ہر جگہ اسے اپنی منتظر ملتی تھی اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھیں جگمگانے لگتی تھیں ان بیتے دنوں میں انہوں نے ڈھیروں باتیں کی تھیں۔ ارتفاع نے اسے..... اپنے ماما، پاپا اور بھائی کے متعلق بتایا تھا، اپنے شوق، اپنی دلچسپیاں، اپنی خامیاں، خوبیاں سب..... ظفری ابھی تک یونیورسٹی نہیں آیا تھا اور عالیہ بھی ان دنوں بہت چھٹیاں کر رہی تھیں اور ارتفاع کے ساتھ باتیں کرنا اس کی باتیں سننا اسے بہت اچھا لگتا تھا.....

''رواحہ.....'' انہوں نے اسے گم دیکھ کر بے چینی سے کہا۔ ''پہلے قدم پر ہی رک کر سوچ لینا چاہیے ورنہ بہت آگے جا کر پلٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

''بابا.....'' وہ سر جھٹک کر پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہوا۔ ''آپ کو یاد ہوگا ایک بار آپ نے کہا تھا۔ محبت بڑا بے اختیار جذبہ ہوتا ہے۔ وہ آدمی کو بے بس کر دیتا ہے۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر پھینک دیتا ہے تو.....'' اسے اپنے دوستوں جیسے بابا کے سامنے اپنی محبت کا اعتراف کرتے جھجک سی محسوس ہوئی۔

''میں بھی بے اختیار ہو گیا، ہوں بابا..... میں تو پہلے قدم پر ہی پیچھے پلٹنے کا حوصلہ نہیں رکھتا..... آگے جا کر تو پلٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''اور وہ.....؟''

''پتا نہیں بابا.....'' اس کی نظریں جھک گئیں۔

''اس کے والد کیا کرتے ہیں۔''

''وہ بزنس مین ہیں.....''

''بہت بڑے بزنس مین ہیں کیا.....؟'' ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

''میرے خیال میں.....'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو کیا وہ ایک پروفیسر کے بیٹے کو اپنی بیٹی کے لیے قبول کریں گے؟'' کسی درد نے ان کے دل میں چٹکی بھری تھی۔
''میں نہیں جانتا بابا لیکن ایک بار اس نے بتایا تھا کہ اس کے پاپا اس سے بہت محبت کرتے ہیں اتنی کہ بعض اوقات اس کی غلط ضد بھی مان لیتے ہیں جبکہ اس کے بھائی افنان اور اس کی ماما کا خیال ہے کہ اس کے پاپا نے اسے بگاڑ دیا ہے۔''

''رواحہ...... روی بیٹے، تم اس سے بات کرو، کھل کر بات کرو...... ابھی بہت دیر نہیں ہوئی۔ تم خود کو سمجھا سکتے ہو، روک سکتے ہو، مجھے ڈر لگتا ہے رواحہ...... مجھے اس دکھ سے خوف آتا ہے جو محبت کی دین ہے، میں تمہارے لیے ڈرتا ہوں، میں تمہیں ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تمہارا کوئی دکھ برداشت نہیں کر پاؤں گا۔ تم مجھے اس کے گھر لے چلو تاکہ میں تمہارے لیے دستِ طلب دراز کرسکوں۔''
''او کے بابا ریلیکس......'' رواحہ نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔
''میں بات کروں گا اس سے...... اور آپ پلیز پریشان نہ ہوں...... انسان اپنی تقدیر سے نہیں لڑسکتا...... اگر میری تقدیر میں دکھ لکھا ہے تو مجھے اسے سہنا ہی ہے۔ جب اللہ کسی کو دکھ عطا کرتا ہے تو اسے اس کو سہنے کا حوصلہ بھی عطا کرتا ہے۔'' رواحہ کے تسلی دیتے انداز نے ان کے مضطرب دل کو پُرسکون کردیا اور انہوں نے مسکرا کر رواحہ کی طرف دیکھا...... تب ہی خدا بخش نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو وہ دل ہی دل میں رواحہ کی دائمی خوشیوں کی دعا مانگتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔



وہ ڈی ون میں اپنے لیے مخصوص کیے گئے کمرے میں دونوں ہاتھ پیچھے باندھے بے چینی سے اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہا تھا۔ سیمو اور بالی دائیں طرف دیوار کے ساتھ لگے صوفے پر بیٹھے تھے۔ سیمو کی طبیعت اب کافی بہتر تھی اور وہ بہت سکون سے بیٹھا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے رک کر اس نے بالی کی طرف دیکھا۔
''تمہیں یقین ہے کہ تم انہیں ڈاج دینے میں کامیاب ہوگئے تھے؟''
''سو فی صد......'' بالی نے پورے یقین سے کہا۔
وہ کلینک سے نکلے تو سائیں مٹھا کی ایک گاڑی ان کے پیچھے تھی...... بالی کو فوراً ہی احساس ہوگیا تھا...... سو اس نے جلد ہی اس سے پیچھا چھڑا لیا تھا...... سیمو کو گھر اتار کر وہ فوراً ہی ایرک سے ملنے چلے گئے تھے کیونکہ وقت کم تھا اور اس بار وہ بگ با کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا...... کیونکہ آنے والے دنوں کے لیے جو پلان اس نے بنا رکھا تھا اس کے لیے اسے بگ با کی سپورٹ کی بے حد ضرورت تھی اور بگ با...... بہرحال اس کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ رکھتا تھا...... وہ مقررہ وقت پر ایرک کے بنگلے پر پہنچ گیا تھا...... گو اس کا ذہن الجھا ہوا تھا، اندر جھکڑ چل رہے تاہم اس نے خود کو کمپوز کرکے ایرک اور ولسن کی ہر بات توجہ سے سنی تھی۔ وہ بگ با سے کیا چاہتا تھا...... اسے کہاں، کہاں اور کس، کس طرح ان کی مدد کی ضرورت تھی اور بدلے میں وہ بگ با کے لیے کیا کرے گا۔ اس نے ایرک سے سوال بھی کیے تھے اور کئی باتوں کی وضاحت بھی چاہی تھی۔ پھر بھی ولسن کی تیز نظروں نے اس کی الجھی کیفیت کو محسوس کرلیا تھا۔
''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ثمر حیات؟'' اسے ولسن کی کھوجتی نظریں اپنے اندر اترتی محسوس ہوئیں۔
''نہیں کچھ طبیعت اپ سیٹ سی ہے، میں کلینک سے سیدھا اِدھر ہی آرہا ہوں، کچھ درد سا محسوس ہوا تھا سینے میں۔''
وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ ولسن اس کے متعلق کچھ غلط اندازہ لگائے جیسا کہ پہلے اس نے بگ با سے خیال ظاہر کیا تھا کہ اسے لگتا ہے ثمر حیات انہیں پسند نہیں کرتا۔
''اوہ پھر تو آپ کو باقاعدہ کسی ہارٹ اسپیشلسٹ کے پاس جانا چاہیے مسٹر ثمر حیات......'' ایرک نے بھی تشویش

کا اظہار کیا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں مسٹر ایرک کچھ اعصابی کھنچاؤ تھا، ڈاکٹر نے میڈیسن دے دی ہے۔'' وہ جبراً مسکرایا تھا۔

''او کے، آپ سے مل کر خوشی ہوتی ہے۔ آئندہ بھی ملاقات ہوتی رہے گی۔'' ایرک اٹھ کھڑا ہوا تھا..... اور ولسن نے اس کے اشارے پر ایک بریف کیس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''بگ باکی امانت.....'' ثمر حیات نے بریف کیس لے لیا تھا اور پھر ولسن اسے باہر گاڑی تک چھوڑنے آیا تھا۔

''تم پہلی بار بھی مجھے اچھے لگے تھے اور اب بھی اچھے لگے ہو لیکن تم ہر بار مجھے کچھ ناراض اور خفا سے لگتے ہو..... اگر ہمارے بارے میں کچھ ابہام ہے تمہیں تو کسی روز کھل کر بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔'' ولسن بے حد زیرک اور مکار تھا اس نے دل ہی دل میں اسے سراہا تھا۔

''میں بگ باکا محض ایک کارکن ہوں اور آپ کے متعلق وہی بہتر جانتے ہیں، میں ان دنوں کچھ ذاتی مسائل میں الجھا ہوا ہوں اس لیے آپ کو ایسا لگا۔''

''باس، یہ آپ سے کہاں ٹکرا گیا؟''

بالی نے پوچھا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''لمبی کہانی ہے بالی پھر کبھی سہی.....'' وہ تھکا، تھکا سا صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کل سے یہ گاڑی باہر نہیں نکالو گے۔ اسے ڈی ٹو کے گیراج میں بند کر دو، میں نہیں چاہتا کہ وہ یہاں تک پہنچے اور میری دشمنی میں تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔''

''آپ حکم کریں باس اسے مزہ چکھا دیتا ہوں۔ ایم پی اے ہے تو اپنے گھر کا۔'' سیمو ہمیشہ سے جذباتی تھا۔

''نہیں سیمو اس کے ساتھ میری ذاتی دشمنی ہے۔ بگ باکا اس سے تعلق نہیں ہے۔ قاتل ہے یہ میری بیوی کا.... اور،'' اندر جیسے کوئی آگ سی دہکی تھی اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

سیمو اور بالی لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئے جیسے وہ اس دکھ کو محسوس کر رہے ہوں جو ثمر حیات کے دل کو کاٹ رہا تھا۔

''بس جان کا بدلہ جان ہے ناں تو کل کا سورج اسے نہیں دیکھ پائے گا یہ سیمو کا وعدہ ہے۔ اس کا ٹھکانہ ڈھونڈنا مشکل نہیں ہوگا۔'' سیمو نے سینے پر ہاتھ رکھا اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''نہیں سیمو.....'' ثمر حیات نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''تم لوگ جاؤ آرام کرو.....''

''لیکن باس.....'' سیمو نے پھر کچھ کہنا چاہا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''میں نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا اور اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے۔''

اس نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا۔

سیمو اور بالی چلے گئے لیکن اس کے سینے میں آگ بھڑک رہی تھی آگ جو پورے وجود کو جلاتی اور راکھ کرتی تھی۔ آج برسوں بعد وہ شخص اس کے سامنے تھا جس نے اسے درد کے ایسے سمندر میں پھینک دیا تھا جس کا کوئی انت نہیں تھا وہ برسوں سے درد کے اس سمندر میں ڈوب، ڈوب کر ابھرتا تھا پھر ڈوب جاتا تھا۔ وہ شخص جس نے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا۔ اس کا دل خالی کر دیا تھا گھر اجاڑ دیا تھا۔ وہ اس کے سامنے تھا لیکن اس کے ہاتھ اس کی گردن کی طرف اٹھ نہیں سکے تھے۔ اس سے اس نے خود کو کتنا بے بس محسوس کیا تھا۔ اور یہ بے بسی فرحی نے آخری سانس لیتے وقت اسے سونپی تھی۔

(جاری ہے)

محبت یہ نہیں ہوتی

روشانے عبدالقیوم

''سالار کی محبت میری سمجھ سے بالاتر ہے......
محبت میں محبوب کو سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے نہ کہ بے دام کا غلام بنا دیا جائے...... وہ جو کہتا ہے آنکھیں بند کر کے وہی کرتی ہوں...... جدھر روانہ کر دے، میں چل دیتی ہوں...... محبت میں تو بہت وسعت ہوتی ہے، محبوب کو ہر خامی ہر خوبی سمیت قبول کیا جاتا ہے پھر سالار کی محبت ایسی کیوں نہیں...... بنا کچھ کہے یا اقرار کیے میں اس کے رستے چل پڑی، کبھی اس



نے نہیں کہا کہ وہ مجھے چاہتا یا اپنانا چاہتا ہے پھر بھی وہ مجھے جس روپ میں ڈھلنے کو کہتا ہے، میں ڈھل جاتی ہوں...... کیا اس لیے کہ وہ بہت خوب صورت، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بے تحاشا دولت مند ہے، اس کی گیدرنگ میں بہت حسین اور طرح دار لڑکیاں ہوتی ہیں لیکن وہ حق صرف مجھ پر جتاتا ہے کیا یہی بات مجھے مغرور کرتی ہے، میں ہواؤں میں اڑنے لگتی ہوں اور سب کچھ بھول جاتی ہوں، خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرنے لگتی ہوں۔'' اپنے حسین اور لمبے بالوں کو زمین پر پڑے دیکھ کر وہ نم آنکھوں سے اپنے خوب صورت چہرے اور کندھوں تک کٹے بالوں کو آئینے میں دیکھتے ہوئے سوچتی جارہی تھی۔

سالار کے لیے اس نے خود کو کتنا بدل ڈالا تھا، وہ بہت سادہ سی لڑکی تھی مگر سالار کو بنی سنوری، میک اپ زدہ، چمکتی دمکتی لڑکیاں پسند تھیں، دل کی مرضی کے خلاف وہ اکثر اب میک اپ میں نظر آتی، حسین تو پہلے بھی تھی اب مزید جاذب نظر دکھتی۔

سالار کو اس کے لمبے گھنے بالوں کی سادہ سی چوٹی کوفت میں مبتلا کرتی تھی۔

''عزہ اتنے لمبے بال تمہیں الجھن میں مبتلا نہیں کرتے؟'' اس نے صرف اتنا کہا تھا وہ بھی منہ بنا کر...... اور عزہ حیرت سے بولی تھی۔

''نہیں، لمبے بال تو کسی، کسی لڑکی کے نصیب میں ہوتے ہیں اور وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرتی ہے۔'' اس کی سادہ سی بات پر سالار نے ہاتھ جھٹک کر اس کی بے وقوفی اور سادگی پر چوٹ کی تھی۔

''پتا نہیں تم کس دنیا میں رہتی ہو...... یہ وہ زمانہ نہیں رہا، جس کی تم بات کرتی ہو، اب لڑکیاں لمبے بالوں سے بھی آگے تک کی سوچتی ہے، چاند تک پہنچ چکی ہیں۔''

اس کی بات کا نتیجہ نکلا کہ وہ گھر آ کر آئینے کے سامنے بیٹھی اور روتے ہوئے اپنے خوب صورت بال کاٹ ڈالے۔

اسے لگا جیسے اس کی شخصیت ادھوری ہوگئی ہو مگر یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ سالار کو اچھا لگے گا۔

☆☆☆

''کتنی بدل گئی ہو تم عزہ...... حالانکہ ہمارے پورے خاندان میں تم جیسی سادہ، پُروقار لڑکی نہیں تھی۔'' اس کا چچازاد سمیر بالآخر زیادہ دن چپ نہ رہ سکا، وہ عزہ کی سالگرہ کے موقع پر چھوٹا سا تحفہ اور کارڈ لے کر آیا تھا۔

عزہ نے اس کی آنکھوں میں چمکتی محبت کی جوت کو آج بجھتے دیکھا تھا۔ وہ اس کی خود سے خاموش محبت سے آگاہ تھی بھلا کیسے انجان رہتی کہ وہ تو ایک ہی سفر کے راہی تھے، محبت کرنے والا دل دوسرے محبت کرنے والے کے دل کی حالت سے کیسے لاتعلق و بے خبر ہوسکتا ہے۔ وہ محض مسکرا ہی سکی، کیا کہتی بھلا۔

''پورے خاندان میں تمہارے اور سالار کے متعلق باتیں پھیل رہی ہیں، کیا واقعی وہ تم سے شادی کرنے والا ہے؟'' سمیر آج اسے حیرت زدہ کرنے پر مسلسل آمادہ تھا۔

سالار اس کی اکلوتی خالہ کا اکلوتا بیٹا تھا، ان کا ہر وقت ملنا، ہر وقت ساتھ رہنا بھلا خاندان والوں سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا تھا۔

''ایسی...... کوئی بات نہیں۔'' اس نے نگاہیں چرائیں۔

سمیر اس سے چھ سال بڑا تھا، ہر معاملے میں وہ اسی سے مشورہ لیتی، اپنا ہر مسئلہ اس سے شیئر کرتی مگر اس معاملے میں وہ خاموش رہی اور اس کی یہی خاموشی، خاندان میں چہ مگوئیوں کا سبب بنی، اس نے بھی تردید یا تائید نہیں کی بس سنتی اور خاموش رہتی۔

سمیر نے بہت دکھ سے اپنی کم عمر و سادہ سی کزن

کی بدلتی حالت کو دیکھا تھا حتیٰ کہ اس کی شخصیت کا اہم حصہ اس کے لمبے بال بھی کٹ کر کندھوں تک آگئے تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں تو اسے کہو کہ ایسی بات ہو، کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے مسئلے حل نہیں ہوتے، اسے تم سے شادی کرنی ہے تو اپنے ماں، باپ سے ذکر کرے کوئی غیر تو نہیں تمہارا خالہ زاد ہے اور پھر چچا، چچی کو بھی بے حد عزیز ہے، تاخیر کی کوئی وجہ بھی تو ہو......'' اس نے عزہ کو ڈانٹا تھا۔

''ہمارے درمیان انڈراسٹینڈنگ سہی، پر کبھی اس موضوع پر بات نہیں ہوئی، میں کیسے سالار سے ایسی بات کہہ دوں۔'' وہ جھجک کر بولی۔

''کیا مطلب اس بات کا...... ؟ عجیب بے وقوف لڑکی ہو، خود کو سرتاپا اس کے لیے بدل لیا اور ابھی تک تمہارے درمیان ایسی کوئی بات نہیں...... کیا سمجھوں میں اسے، تم اتنی بے پروا تو نہیں تھیں؟'' وہ شکوہ اور تعجب کیے بنا نہ رہ سکا۔

وہ خاموش رہی۔

''تم محبت کرتی ہو اس سے؟'' سمیر نے اس کی سمت بغور دیکھتے اچانک پوچھا تھا۔

وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

''بولو......! میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' وہ پلک تک نہیں جھپک رہا تھا۔

عزہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''اور سالار...... ؟ کیا وہ بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہے؟'' اب کے اس کے لہجے میں رشک جھلکا تھا۔

''پتا نہیں...... شاید......'' وہ گومگو کی سی کیفیت میں تھی۔

سمیر نے گویا سر پیٹ لیا۔

''تمہاری طرف سے میں بات کروں سالار سے؟''

''نہیں...... نہیں پلیز، فی الحال اس بات کو رہنے دیں۔'' وہ بے تابی سے بولی تھی۔

''کیوں......؟'' سمیر نے دایاں ابرو اچکایا۔

''خالہ نے امی کو فون پر باتوں ہی باتوں میں بتایا تھا کہ سالار ابھی شادی نہیں کرنا چاہتے، ابھی وہ اپنے بزنس کو مزید اسٹیبلش کرنا چاہتے ہیں۔'' اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا یہ بات کہتے ہوئے۔

''اور تم ایسے شخص کے خواب دیکھنے لگیں جس نے ابھی تک تم سے کوئی عہد و پیمان نہیں باندھا کوئی امید نہیں دلائی مگر جب وہ کوئی بات کہہ دیتا ہے تو تم مکمل طور پر اس میں ڈھل جاتی ہو، کیا تم پہلے سے اتنی بے وقوف تھیں یا سالار کی محبت نے تمہیں ایسا بنا دیا ہے؟''

سمیر کی آنکھوں میں نمی جھلملا گئی تھی۔ اس نے اپنی بات کے جواب میں عزہ کو سر جھکاتے دیکھا تھا شاید وہ بھی آنسو ضبط کر رہی تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''محبت تو سر اٹھانا سکھاتی ہے، جھکانا نہیں...... تم نے کوئی گناہ نہیں کیا جو مجرموں کی طرح سر جھکاؤ...... سوچ سمجھ کر اپنے لیے محبت کو چنوں جو تمہیں عزت دے، تمہارا سر اٹھائے ناں کہ تم لوگوں کے سوالوں پر نظریں چراتی، سر جھکاتی نظر آؤ، اپنی عزت خود کرواؤ عزہ تمہارا حق ہے یہ کہ تم اس سے حساب مانگو، کہو اس سے کہ وہ کیوں تمہاری شخصیت مسخ کر رہا ہے، تمہارا اصل مٹا کر اسے کون سی تسکین ملتی ہے، کیوں وہ تمہارے ساتھ کھیل، کھیل رہا ہے نہ کھل کر سامنے آتا ہے نہ چھپتا ہے...... ایسا کب تک چلے گا، اسے تم اچھی لگتی ہو یا تم پر حکومت کرنا چاہتا ہے، تم ایک بار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو...... تو تمہیں پتا چلے کہ وہ دراصل چاہتا کیا ہے۔'' سمیر نے اسے خوابوں، خیالوں کی دنیا سے نکال کر حقیقت کی اِک نئی راہ سجھائی تھی۔

''بہرحال......'' سمیر نے لمبی سی سانس اندر کھینچ کر دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے اور ذرا آگے کو ہوا۔

''اماں دراصل میری شادی کرنا چاہتی ہیں، اب میں اپنی زندگی میں سیٹل ہوں، ان کا اصرار روز بروز بڑھ رہا ہے، اب کے میں نے انہیں ٹالنے کے بجائے تمہارا نام دے دیا ہے، انہیں کوئی اعتراض نہیں مگر مجھے تمہاری رائے جاننی ہے، سوچ لو...... مجھے کوئی جلدی نہیں۔'' وہ اس سے کیا کہہ رہا تھا اسے سمجھ نہیں آیا۔

''لیکن......'' وہ درمیان سے بولی تھی۔

''پہلے میری پوری بات سن لو...... جانتا ہوں تم نے کبھی میرے بارے میں ایسا نہیں سوچا، زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں، رشتے بدلتے دیر نہیں لگتی، بس سمجھنے تک کی بات ہے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے سے باز رکھا۔

''میں نہیں جانتا اللہ نے ہمارے لیے کیا طے کر رکھا ہے مگر اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، سالار یا سمیر...... تمہارا ایک فیصلہ تین زندگیاں بنا بھی سکتا ہے اور بگاڑ بھی سکتا ہے...... جلد بازی ہرگز مت کرنا...... اگر مجھے وہ کسی بھی لحاظ سے تمہارے قابل لگتا تو میں کبھی اپنا پرپوزل تمہارے سامنے نہ رکھتا، مگر یاد رکھنا صرف دولت اور ظاہری خوب صورتی ہی سب کچھ نہیں ہوتی، کم از کم تمہارے جیسی حساس لڑکی سچی محبت کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ چلا گیا مگر عزہ کے وجود میں جنبش تک نہیں ہوئی، وہ اپنی جگہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

اس نے سمیر کا لایا ہوا گفٹ کھولا۔ خوب صورت سی نازک گھڑی تھی پھر اس نے بہت خوب صورت پھولوں سے مرصع کارڈ کھولا۔

محبت یہ نہیں ہوتی
کہ جس میں معاف کر دینا
نہایت غیر ممکن بات ہو جائے
محبت یہ نہیں ہوتی
کہ تم نے کہہ دیا تو دن ہو
اور تم نے کہہ دیا تو رات ہو جائے
محبت یہ نہیں ہوتی
کہ جب جیتو تو تم جیتو
کہ جب بولو تو تم بولو
گلے شکوے تمہیں ہی ہوں
یہ سارے فیصلے تم ہی کرو
کس کو
محبت بھیک میں دینی ہے
کس کو خواہشوں کے ساتھ اپنانا ہے
کس سے وعدہ کرنا ہے
یا کس کو بھول جانا ہے
محبت یہ نہیں ہوتی
ذرا سا سوچ لینا تم
جسے اب تک محبت کہتے آئے ہو
محبت وہ نہیں ہوتی

اس نے کارڈ بند کر کے بیڈ پر رکھا اور گہری سانس لی، فیصلہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

''عزہ میں تم سے بات کر رہا ہوں۔'' سالار نے غصے سے اسے دیکھا جو آج بہت بدلی، بدلی سی غائب دماغ سی لگ رہی تھی۔

''جی کیا کہہ رہے تھے آپ؟'' وہ چونکی۔

''میں چاہتا ہوں، آج ہم ڈنر اکھٹے کریں، میں اپنے گھر میں تمہاری برتھ ڈے سلیبریٹ کرنا چاہتا ہوں، صرف ہم دونوں وہاں ہوں گے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا...... ہنستے ہوئے وہ مزید دلکش لگتا تھا۔

''آپ نہایت غیر معقول بات کر رہے ہیں، میں بھلا کیوں رات گئے تک آپ کے ساتھ اپنی برتھ ڈے مناؤں گی، خالہ، خالو یورپ ٹرپ پہ ہیں، اکیلے گھر میں بھلا میں کیوں رات کو آنے لگی، سمیر کو بھی اچھا نہیں لگے گا۔''

''کیا بکواس ہے یہ...... ؟ سمیر کہاں سے

آئیگا؟'' وہ جو پہلی بار عزہ کے منہ سے اپنے کسی بات کے جواب میں انکار مت کرششدر رہ گیا، سمیر کے نام نے اسے آگ بگولا کر دیا تھا۔

''عزت سے اس کا نام لیں، تین دن بعد ہماری انگیجمنٹ ہورہی ہے، میں اپنے ہونے والے منگیتر کے بارے میں ایسے انسلٹنگ الفاظ برداشت نہیں کرسکتی۔'' وہ آج خود بھی اپنی بہادری پر حیران تھی، ایک وہ وقت بھی تھا کہ وہ سالار کے سامنے سر تک نہیں اٹھا سکتی تھی۔

''کیا گھٹیا مذاق ہے یہ، بند کرو اپنا یہ سمیر نامہ، مجھے غصہ مت دلاؤ۔'' اس کے کانوں کی لویں تک سرخ پڑ گئی تھیں۔

''یہ مذاق نہیں...... اور گھٹیا تو بالکل بھی نہیں، وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، اپنی والدہ کو انہوں نے میرا نام دیا اور وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر آئیں اور اب ہمارے گھر منگنی کی تیاریاں ہورہی ہیں، میں بہت ہی خوش ہوں۔'' وہ واقعی بہت خوش تھی۔

''پھر وہ سب کیا تھا...... ہماری محبت کیا ہوئی......؟''

وہ حد درجہ حیران و پریشان تھا، شاید عزہ کے دماغ پر کچھ اثر ہوگیا تھا۔ اب تک وہ یہی سمجھ رہا تھا۔

''ہماری محبت...... ؟ کیا واقعی...... ہمارے درمیان محبت تھی؟'' اس نے تھی کو کافی لمبا کھینچ کرنا سمجھی سے پوچھا تھا۔

''کیا آپ نے کبھی مجھ سے محبت کا اقرار کیا؟ کوئی خوب صورت سا وعدہ لیا......؟ نہیں ناں تو پھر میں کیسے سمجھتی، محبت میں الہام تو نہیں ہوتے، زبان سے ہی اقرار کیے جاتے ہیں...... اور آپ جیسا انسان سوائے اپنی ذات کے کسی سے بھی محبت نہیں کرسکتا، مجھے افسوس ہے کہ میں نے خود کو اتنا بدل لیا۔'' وہ اٹھی اور پرس سنبھالا تھا۔

''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتیں۔'' وہ بھی بے تابی سے اٹھا تھا۔

''کتنے خود غرض اور خود پسند انسان ہیں آپ، اب بھی اپنے بارے میں ہی سوچ رہے ہیں...... جو شخص مجھے اپنے اصل، اپنی خامیوں اور اپنی شخصیت کے ساتھ قبول نہیں کرسکتا، جس کے لیے محبت محض حکومت کرنا ہو، حکم چلانا میں ایسے خود پسند شخص کے ساتھ اپنی پوری زندگی نہیں گزار سکتی، میرے ساتھ اتنا وقت گزار سکتے ہیں مگر اپنی محبت کا اظہار آپ کو توہین لگتا ہے؟ آپ کی انا کو میں جھکانا بھی نہیں چاہتی، اسی طرح سر بلند رہے آپ کی انا، آج میں آپ کو ٹھکراؤں گی تو آپ کو میرا درد بھی محسوس ہوگا، آئندہ آپ کسی اور لڑکی کی ذات اور جذبات سے بھی کھیلنے کا سوچ بھی نہیں سکیں گے......'' اس کے منہ سے کف اڑنے لگا۔

''ہاں یہ تو میں کہنا بھول ہی گئی، ہر لڑکی عزہ کی طرح بے وقوف نہیں ہوتی اور ہاں تین دن بعد ضرور آیئے گا میری انگیجمنٹ پہ۔ مجھے خوشی ہوگی۔'' وہ جاتے، جاتے پلٹ کر بولی تھی۔ سالار کی آنکھوں کے گوشے سرخ ہو چلے تھے۔

وہ سمجھ نہ سکی مگر اک گونہ سکون کا احساس ضرور ہوا تھا...... کہ یہ اک مرد کے عورت کے ہاتھوں شکست کے آنسو تھے، اپنی محبت کو کھونے کا احساس...... یا محبت کے اظہار میں دیر کرنے کا پچھتاوا...... عزہ سمجھ نہ سکی۔

سمیر جیسے مکمل انسان کی ہمراہی کسی بھی لڑکی کو سرشار کرسکتی تھی وہ تو پھر عزہ تھی۔ جس سے وہ بے حد محبت کرتا تھا۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرا کر سمیر کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

محبت یہ نہیں ہوتی
ذرا سا سوچ لینا تم
جسے اب تک محبت کہتے آئے ہو
محبت وہ نہیں ہوتی

زندگی خاک نہ تھی

شیریں حیدر

تیسرا حصہ



خالو کی اچانک وفات نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا، مما فون پر خبر سننے کے بعد سے مسلسل رو رہی تھیں، پاپا کو فون کیا اور انہیں اطلاع کی، انہوں نے مما سے پہلی پرواز سے ملتان کے لیے روانہ ہونے کو کہا تو مما کے ساتھ میں بھی روانہ ہوئی۔ پاپا اپنے کاروباری سلسلے میں پہلے ہی ملتان میں تھے۔ اسوو کو ابھی تک شام کو بخار ہو جاتا تھا اور اسے ایسے حالات اور گرمی کے موسم میں سفر پر لے جانا مشکل تھا، مما نے کہا بھی کہ میں نہ



جاؤں مگر میں مما کو تنہا نہیں جانے دینا چاہ رہی تھی سو اسود کی دوائیں لے لیں اور ہم روانہ ہوئے۔ نیلم کی سسرالی رشتے داروں میں کوئی ایسی مصروفیت تھی کہ وہ ہمارے ساتھ نہ جا سکی مگر ہمارے پہنچنے کے تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ بھی اپنے ڈرائیور کے ساتھ پہنچ گئی تھی۔

وہ امریکا سے اسی روز آنے والی نند کی مجبوری کے باعث تدفین کے بعد واپس چلی گئی۔ مجھے اور مما کو تین دن تک وہیں رکنا تھا، اگلے روز ہی صدف بھی لندن سے پہنچ رہی تھی مگر اسے وصول کرنے کو ہم میں سے کوئی ائر پورٹ پر نہ ہوتا، پھپھو کے گھر والوں کو اسے ائیر پورٹ سے لینا تھا۔ صدف کی طبیعت کی خرابی کا ہمیں علم ہوا تھا مگر مما کو ہم نے نہیں بتایا تھا کیونکہ مما، صدف سے مختلف انداز سے پیار کرتی ہیں، صدف خود ہی اتنا پیار کرنے والی ہے کہ اس نے مما کی ہم سب سے زیادہ محبتیں وصول کی ہیں۔

خالہ لوگوں کے سامنے دہاڑیں مار، مار کر رو رہی تھیں، ان کے ساس اور سسر کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا، اب وہ اپنی سلطنت میں تنہا تھیں، روتے میں ہی وہ بین کر رہی تھیں کہ جاوید خالو نے تو انہیں ملکہ بنا کر رکھا تھا، اب وہ کس کے سر پر حکمرانی کریں گی..... کیا وہ جو کچھ کہہ رہی تھیں وہ ہمیں سنانے کو کہہ رہی تھیں یا اپنے سسرالی رشتے داروں کو..... خالو کی محبتوں کو وہ بین کر کر کے یاد کر رہی تھیں، میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ پاپا نے اپنے حالیہ دورے میں جانے ان سے کتنی بار اور کتنے بہانوں سے ملاقاتیں کی ہوں گی، مجھے خالہ کے روتے ہوئے چہرے سے بھی کراہت آ رہی تھی اور میری معصوم مما..... اپنی بہن کو سینے سے لگا کر دلاسے دے رہی تھیں، ان کے بال سمیٹ رہی تھیں، ان کی کمر کو تھپک رہی تھیں، ان کے سر سے بار، بار اتر جانے والی چادر کو ٹھیک کر رہی تھیں، ان کے سر کے بوسے لے رہی تھیں۔

''میں اب کہاں جاؤں گی آپی؟'' وہ بین کر رہی تھیں۔

''میں ہوں ناں میری جان.....'' مما نے انہیں دلاسہ دیا گویا مما انہیں اپنے گھر میں رکھنے کو تیار تھیں۔

''مما.....'' میں نے مما کو مخاطب کیا۔ ''اندر چلیں، مجھے آپ سے کوئی بات کرنی ہے!''

''یہیں بتا دو بیٹا!'' مما نے اسی طرح خالہ کے سر کو گود میں لیے ہوئے کہا۔

''مما، آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے، اٹھ کر اندر چلیں اور کچھ کھا کر دوا لے لیں ورنہ آپ کا بلڈ پریشر بڑھ جائے گا۔'' میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنا منہ ان کے کان کے قریب ترین رکھ کر کہا۔

''اچھا نہیں لگتا بیٹا اس طرح.....'' انہوں نے بھی میرے کان میں سرگوشی کی۔ حالانکہ وہاں کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی مگر میں نے سن لیا۔

''پلیز مما..... چند منٹ کے لیے۔'' میرے اس طرح کہنے پر مما بہانہ کر کے وہاں سے اٹھیں، میں انہیں پکڑ کر اندر لائی، زبردستی دو تین بسکٹ کھلائے اور انہیں دوا کھلا دی، اسود رو رہا تھا، مجھ سے زیادہ وہ مما سے مانوس تھا اس لیے مما اسے لے کر ساتھ لیٹ گئیں تاکہ وہ سو جائے۔ گرمی کا موسم، مرگ والا گھر اور بجلی بار، بار بند ہو رہی تھی، ہم سب گھبرا گئے تھے مگر ہم تو مجبوری کو سمجھ رہے تھے..... بچے نہیں سمجھتے۔ اسود کے ننھے ننھے خراٹے سن کر میں مطمئن ہوئی، مما مروت میں بیٹھی ہوئی تھیں مگر جونہی انہیں کمر ٹکانے کو جگہ ملی، وہ سکون سے نیند میں چلی گئی تھیں۔ نماز کا وقت ہو رہا تھا، میں مما اور اسود کو لیٹا ہوا چھوڑ کر غسل خانے میں چلی گئی جو اس کمرے سے ملحق تھا، منہ ہاتھ دھو کر چہرے کو اپنے دوپٹے سے ہی تھپتھپا کر خشک کیا اور باہر نکلتے ہوئے میرے پیر کے نیچے کچھ آ گیا، میں نے جھک کر اسے اٹھایا، ایک کف لنک تھا جو پیر کے نیچے دب کر ٹیڑھا ہو گیا تھا، میں نے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی مگر نہ کر سکی، غور سے دیکھا، مجھے سو فیصد یقین تھا مگر پھر بھی میں نے تصدیق کے لیے اپنے پاس رکھ لیا۔

مما کو خالہ کے کمرے میں سوتا ہوا چھوڑ کر میں باہر نکلی..... خالہ کو میں نے بتایا کہ مما کی طبیعت بھی

ٹھیک نہ تھی اور وہ اسود کو لے کر ذرا کمر سیدھی کرنے کو لیٹی ہیں کیونکہ سفر کی تھکان اور پریشانی سے ان کا بلڈ پریشر زیادہ ہو سکتا تھا۔ خالہ نے کہا بھی کہ ان کے سسرالی رشتے دار اس بات پر اعتراض کریں گے کہ ایک ہی بہن ہے اور وہ بھی تدفین سے پہلے اندر جا کر سو گئی ہے مگر میں نے خالہ کی بات کو نظر انداز کیا۔ تھوڑی دیر میں سیپارے اور پنج سورے رکھ دیے گئے اور ہم پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

میں چشم تصور میں اس گھر میں اپنے بچپن میں پہنچ گئی، خالو جاوید کیسے کم گو اور بے ضرر سے انسان تھے، ان کی اور میرے پاپا کی شخصیات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ خالو، پاپا کے آنے پر بچھ، بچھ جاتے، اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو فخر سے بتاتے کہ اتنے بڑے کاروباری اور پڑھے لکھے دانیال صاحب ان کے ہم زلف تھے اور جب بھی کاروباری دوروں پر ملتان آتے تو ان کے ہاں ٹھہرتے تھے..... جاوید خالو کا سادہ سا انداز گفتگو...... خالہ بار، بار انہیں احساسِ کمتری میں مبتلا کرتیں کہ انہیں تو ڈھنگ سے بات بھی نہ کرنا آتی تھی، دانیال بھائی جیسا لباس تھا نہ رنگ ڈھنگ اور لوگوں کو فخر سے بتاتے پھرتے ہیں کہ دانیال صاحب ان کے رشتے دار ہیں......

''اچھا تو جاوید، لوگ یقین کر لیتے ہیں آپ کی بات کا کہ دانیال بھائی آپ جیسے آدمی کے ہم زلف ہیں؟'' وہ کھلکھلا کر ہنستیں اور جاوید خالو کھسیا جاتے۔ میں کئی بار سوچتی کہ خالہ کو اگر خالو اتنے ہی ناپسند تھے تو شادی ہی کیوں کی اور اگر شادی ان کی مرضی کے خلاف ہو گئی تھی تو بعد میں تو ان کے پاس حق تھا کہ ان کے ساتھ سے انکار کر دیتیں۔

مما جاگ کر آ گئیں...... مجھ پر خفا ہونے لگیں کہ میں نے کیوں انہیں سونے دیا تھا۔ کسی بچے کے ہاتھ پیغام بھیج کر انہوں نے خالو کے بڑے بھائی پرویز کو بلوایا، باورچی خانے میں کھڑے ہو کر انہوں نے بڑے نوٹوں کا ایک بھاری سا پیکٹ انہیں دیا، یہ رقم کھانے کے انتظامات کے لیے تھی، اصولاً تو یہ کھانا ماموں کو دینا تھا مگر ان کے مالی حالات مما جیسے نہ تھے تو غالباً مما نے خود ہی یہ فیصلہ کر لیا۔

''کھانا بہت اچھا ہونا چاہیے پرویز بھائی، آپ کا کوئی رشتے دار شکوہ شکایت نہ کرے اور نہ ہی مقدار کم ہو۔'' پرویز انکل نے شکریہ کہہ کر نوٹوں کا پیکٹ پکڑا۔

جنازہ مغرب کے ساتھ اٹھایا جانا تھا، دن خوب گرم تھا اور سانس لینی دوبھر ہو رہی تھی۔ پاپا جانے کہاں تھے، مما کے کہنے پر کئی بار کال کی تو فون بند ملا، بالآخر رابطہ ہوا اور انہیں جنازے کے وقت کا بتایا تو وہ جلد ہی پہنچ گئے۔ مما کے چہرے پر دکھ کا لیپ تھا، وہ اپنی چہیتی اور اکلوتی بہن کے غم میں نڈھال ہو رہی تھیں، تدفین کے بعد فوراً کھانے کا بندوبست تھا، ہم پنجابیوں میں ہر، ہر موقع پر کھانے پینے کا خاص اہتمام ہوتا ہے، کوئی جیے یا مرے، کھانا سب سے اہم ہوتا ہے۔ خالہ کے سسرال والے عام سادہ سے لوگ تھے، کھانے کا سارا بندوبست مما کے کہنے کے عین مطابق بہت اچھا تھا کہ مرنے والا تو چلا جاتا ہے مگر زندہ رہ جانے والوں کی ناک چھوٹی نہ ہو۔ ان کے گاؤں کے لوگ جس طرح بوٹیاں نوچ رہے تھے اسے دیکھ، دیکھ کر ان کی ذہنی پسماندگی اور ہوس کا اندازہ ہو رہا تھا۔

رات کو ہم سب صحن میں چارپائیوں پر بیٹھے تھے، میں نے پاپا سے پوچھا کہ وہ دن کو کہاں تھے اور لیٹ کیوں آئے...... اس دورۂ ملتان کے دوران کیا ان کی خالو سے ملاقات ہوئی تھی؟ پاپا نے بتایا کہ وہ اپنے کاموں میں اتنے مصروف تھے کہ بالکل چکر نہ لگا سکے۔

''آپ کہاں رہ رہے تھے پاپا......؟ خالو کو علم ہوتا کہ آپ ملتان میں ہیں تو وہ ضرور اصرار کر کے آپ کو اپنے گھر ٹھہرنے پر مجبور کرتے۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''اسی لیے میں زیادہ تر انہیں اپنے پروگرام سے بے خبر رکھتا تھا......'' پاپا نے مختصر جواب دیا۔

رات دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد محفل برخاست

ہوئی، پاپا اٹھ کر کپڑے بدلنے چلے گئے، وہ لوٹے تو میں غسل خانے میں گئی، جو قمیص وہ اتار کر گئے تھے وہ وہیں کھونٹی پر لٹکی تھی، اس کے بازو فولڈ کیے ہوئے تھے، پاپا تو عموماً قمیص کے بازو فولڈ نہیں کرتے تھے...... میری چھٹی حس نے مجھے کہا کہ کچھ درست نہ تھا، میں نے اس قمیص کے بازو کی فولڈ کھولی، ایک کف پر کف لنک لگا ہوا تھا اور دوسرا کف لنک میرے دوپٹے کے پلو سے بندھا ہوا تھا، یہ وہ کف لنک تھے جو مما نے خصوصاً پاپا کی سالگرہ پر نیلم کا پتھر لگوا کر بنوائے تھے...... میرا سارا جسم سن ہو گیا، میں مرے، مرے قدموں سے چلتی ہوئی غسل خانے سے نکلی۔

خالہ کے ساتھ ہی میرے لیے چارپائی بچھی تھی، اس پر اسود سکون سے سو رہا تھا، خالہ اس کو ہاتھ والا پنکھا جھل رہی تھیں، میں اپنی چارپائی پر تقریباً ڈھے گئی تھی...... ”خالہ جب سے پاپا ملتان آئے ہیں انہوں نے بالکل آپ کے گھر کا چکر نہیں لگایا؟“

”نہیں......“ خالہ کا جواب مختصر تھا۔

”آپ کو تو مما نے تین دن پہلے کال کر کے بتایا تھا کہ پاپا ملتان آئے ہوئے ہیں...... اگر خالو کی طبیعت خراب تھی تو آپ پاپا کو کال کر کے بلا لیتیں۔ میرے سامنے ہی دو روز پہلے مما نے کال کر کے خالہ سے پوچھا تھا کہ پاپا نے ان کی طرف چکر لگایا تھا کہ نہیں، جواب میں خالہ نے یہی کہا تھا کہ نہیں۔

”نہیں......تمہارے خالو کی طبیعت تو بالکل ٹھیک تھی، انہیں کوئی مسئلہ نہ تھا، بس وہی جو معمول میں بلڈ پریشر ہائی رہتا تھا، بس رات سوئے تو ٹھیک تھے، صبح جاگ کر کام پر بھی گئے، کوئی مسئلہ نہیں تھا ان کو۔“ کہہ کر خالہ پھر سسکیاں لینے لگیں، مجھے ان کی سسکیاں بھی نقلی لگ رہی تھیں، کچھ غلط تھا، کچھ تھا جو خالہ چھپا رہی تھیں۔ پاپا ان کے ہاں ضرور آئے تھے اور اس کا ثبوت میرے پاس تھا بلکہ خالو کی وفات سے قبل یا غالباً فوراً بعد آئے تھے کیونکہ وہ ابھی تک اسی لباس میں تھے جو انہوں نے اس وقت پہن رکھا ہوگا جب وہ آئے تھے، ممکن ہے کہ خالو کی وفات کا خالہ نے سب سے پہلے انہی کو بتایا ہو۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور سونے کی کوشش کرنے لگی، اگر ایسا تھا تو خالہ اس بات پر جھوٹ کیوں بول رہی ہیں؟

☆☆☆

صدف کا فون آیا تھا، وہ تو اڑ کر مما کے پاس پہنچنا چاہتی تھی مگر مما نے پھپو سے کہا تھا کہ اسے اتنی گرمی میں لے کر ملتان نہیں آئیں، اتنا سفر کر کے لندن سے آئی تھی اور اس کے بعد ملتان تک کا سفر اسے تھکا دیتا، انہیں تو علم ہی نہ تھا کہ وہ پہلے ہی اسپتال سے اٹھ کر آ رہی تھی۔ اگلے روز قل تھے اور ہمیں یہ دو دن مزید وہاں گزارنا تھے، مجھ سے وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا، مما کا تو حال اور بھی برا ہو رہا ہوگا، صدف تو ویسے بھی مما کی سب بیٹیوں میں سب سے زیادہ لاڈلی اور چہیتی بیٹی تھی۔ ویسے بھی مرگ کے گھر کا افسردہ اور گھٹا، گھٹا سا ماحول...... اسود بھی تنگ کر رہا تھا، پاپا سے کہہ کر قل کے دن کی فاتحہ اور ختم کے فوراً بعد کی ہی سیٹیں بک کروا لیں تاکہ واپسی پر بھی گاڑی کے تھکا دینے والے سفر کی کوفت اور وقت کے زیاں سے بچ جائیں۔

خالہ کی سسرال والے بہت اونچا، اونچا بولنے والے لوگ تھے۔ عام حالات میں بات کرتے تو بھی لگتا کہ آپس میں لڑ رہے ہوں، میں اور مما زیادہ تر ان کے بیچ بیٹھنے سے گریز ہی کرتے تھے۔ ان کا رویہ ہمارے ساتھ کافی اجنبیت کا تھا، کبھی ان سے اتنا ملنا جلنا ہی نہ تھا اس لیے وہ بھی لیے دیے رہتے تھے۔ خالو کی ایک بھتیجی جو نسبتاً بہتر لگتی تھی اور وہ خود بھی میرے ساتھ کوشش کر کے بات کر لیتی تھی۔ خالہ کے گھر کے نزدیک ہی ان کا گھر تھا، گلیوں میں سے دور پڑتا مگر چھت سے چھت ملی ہوئی تھی۔ موقع بے موقع وہ ہمارے پاس آ جاتی۔

”آنٹی کو چائے بنا دوں، آپی آپ کو کچھ چاہیے ہو تو بتائیں......“ اس کے ساتھ کچھ اچھا وقت گزر جاتا۔

”آپ سب لوگ اتنے اچھے ہیں...... خاص طور

پرحنا آنٹی تو مجھے بہت پیاری لگی ہیں۔'' وہ خواہ مخواہ چاپلوسی کررہی تھی۔

''شکریہ نادیہ پیاری، تم خود ہی اتنی پیاری ہو۔'' مما نے مسکرا کر کہا۔

''سچ کہوں تو تانیہ آنٹی آپ سے بالکل مختلف لگتی ہیں مجھے......'' اس نے کہا تو مما مسکرا دیں۔

''ہر شخص دوسرے سے مختلف ہوتا ہے بیٹا اور پھر ہر دیکھنے والے کی آنکھ بھی دوسروں کو مختلف انداز سے دیکھتی ہے......'' مما نے کہا۔

''نہیں آنٹی! آپ کے چہرے پر خلوص کی چمک ہے، حالانکہ آپ تانیہ آنٹی سے کافی بڑی ہیں مگر آپ ان سے کم عمر دکھتی ہیں کیونکہ آپ میں بناوٹ نہیں......'' وہ باتوں، باتوں میں مما کو شاید خوش کرنے کی کوشش کر رہی ہوگی مگر مجھے علم تھا کہ مما کو اپنی بہن کے خلاف ایک لفظ بھی سننا اچھا نہیں لگ رہا ہوگا مگر اس وقت مصلحتاً خاموش تھیں ورنہ وہ کوئی کڑوی بات کہتیں، بہن کا دفاع کرنے کو اس لڑکی کو وہ اس وقت ڈانٹ دیتیں تو خواہ مخواہ بات بڑھ جاتی۔

''ایک بات کی تو مجھے بالکل سمجھ نہیں آئی آپی!'' مما سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے مجھے مخاطب کیا، مما نے کروٹ بدل لی تھی اور اسود انہیں کوئی کہانی سنا رہا تھا۔

''کون سی بات......؟'' میں نے سوال کیا۔

''دانیال انکل اس وقت گھر پر تھے جب چچا کو دل کا دورہ پڑا تھا......'' میرے کان کھڑے ہوگئے۔

''تو بجائے چچا کو اسپتال لے کر جانے کے وہ یہاں سے چلے کیوں گئے......؟''

''میرے پاپا؟'' میں نے آہستگی سے پوچھا، شکر ہے کہ مما کا دھیان اس طرف نہ تھا۔

''ہاں...... دانیال انکل کی گاڑی میں نے خود دیکھی تھی صبح جب میں فجر کی نماز کے بعد چھت پر سیر کر رہی تھی...... اسی وقت وہ آئے تھے، میں سمجھی چچا آج کام پر نہیں گئے ہوں گے...... مگر بعد میں جب چچی نے کال کر کے ابا کو بتایا کہ چچا بے ہوش ہو کر صحن میں گر گئے تھے تو میں بھاگ کر چھت کے راستے آئی اور میں نے اسی وقت دانیال انکل کی گاڑی گلی میں سے جاتے ہوئے دیکھی تھی۔''

''جاوید خالو کام پر نہیں گئے تھے کیا؟'' میں نے ہولے سے پوچھا۔

''گئے تھے...... ابا نے بتایا کہ وہ کام پر سے جلدی واپس آگئے تھے اور پھر گھر آتے ہی وہ صحن میں بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے......'' وہ سادگی میں جو پول کھول رہی تھی اس نے میرے وجود میں ہلچل مچا دی تھی، میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، اسود، مما کو کہانی سناتے، سناتے سو گیا تھا تو مما نے کروٹ بدلی۔

''چلی گئی وہ یا تونی؟'' مما نے مجھ سے پوچھا۔ میں خاموش تھی۔ ''ارے تم رو کیوں رہی ہو؟''

''خالو یاد آرہے ہیں مما......'' اس میں ایک حرف بھی جھوٹ نہ تھا۔ جانے بیچارے، کس طرح صدمے سے دوچار ہوئے ہوں گے اور...... میں نے سینے کی گہرائی سے سانس کھینچی۔ خالہ اور پاپا کی حرکتوں نے مار ہی دیا ناں اس معصوم سے انسان کو، کتنے ہی ایسے واقعات ہوتے ہیں جن میں معصوم لوگ اپنوں کی بے وفائی کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں، میں نے دل کی گہرائیوں سے خالو کے لیے دعا کی۔

☆☆☆

صدف، مما سے لپٹ کر روئے جا رہی تھی، پھپھو اسے تسلیاں اور دلاسے دے رہی تھیں، سب اسے اس کی مما سے اداسی پر ہی محمول کر رہے تھے۔ ہمارے ملتان سے لوٹتے ہی نیلم بھی آگئی تھی، پھپھو کے سب گھر والے بھی...... عمر بھائی، نیلم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، شام کو عمر بھائی بھی آگئے، کھانا کھا کر رات دیر سے وہ لوگ واپس گئے۔

دو تین دن، خاندان کے جو لوگ ملتان نہ جا سکے تھے وہ پرسہ دینے مما کے پاس آتے رہے اور ہم اتنے مصروف رہے کہ ہمیں وقت ہی نہ مل سکا کہ تنہائی میں

بیٹھ سکتے۔ اس روز نسبتاً فرصت تھی، صدف اس روز دوپہر کو میرے کمرے میں ہی آ گئی اور اسود کے ساتھ کھیلتی رہی۔ گرمیوں کی چھٹیاں مجھے نعمت لگ رہی تھیں کہ صدف کے ساتھ وقت اچھا گزر جائے گا اور مما بھی بہل جائیں گی۔ میں صدف سے اس کی بیماری کی بابت پوچھ رہی تھی تو اس نے بتایا کہ مما کی پریشانی سے وہ ڈیپریشن میں چلی گئی تھی، مما کو تو علم بھی نہ تھا کہ اس نے اس بات کا اتنا صدمہ لیا تھا۔

☆☆☆

ناہید آپی کے آتے ہی ہم ایسے حالات میں پھنس گئے کہ خالو کی وفات کے باعث وہ بیچاری کسی موضوع پر کھل کر بات ہی نہ کر سکیں۔ مجھے اسی روز ملتان جانا پڑا مگر میں رات تک لوٹ آئی تھی، خالہ کے غم نے مجھے بھی غم زدہ کر دیا تھا، مما اور فاطش تو وہیں تھیں، مجھے اپنی مجبوری کے باعث لوٹنا تھا، واپس لوٹی تو اماں نے سرزنش کی کہ میں تھوڑا رک جاتی۔

''اماں، ناہید آپی آئی ہوئی ہیں، وہ کیا سوچتیں؟'' میں نے تاویل پیش کی۔

''ناہید سمجھ دار بھی ہے اور خود بھی رشتوں کی نزاکتوں کو سمجھتی ہے...... نہ میں جا سکی نہ عمر تو کم از کم تم تو دو دن رک جاتیں۔'' انہوں نے ناراضی سے کہا۔

''چلیں اماں...... پھر چلی جاؤں گی چند دن کے بعد!'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''اچھا بیٹھو......'' اماں نے تھوڑی جگہ بنائی۔

''کیا حال تھا تمہاری مما کا اور خالہ کیسی تھیں، ہوا کیا تھا تمہارے خالو کو؟'' انہوں نے سوالات کیے تو میں انہیں مختصراً بتانے لگی۔ ''اٹھو اب تم آرام کرو بیٹا، سفر کی تھکان بھی ہو گی اور غم کی بھی......'' میں اٹھنے لگی۔

''ہاں...... ذرا موقع دیکھ کر عمر سے بات جلد کر لینا، ناہید چھ، آٹھ ہفتے کے لیے ہی آئی ہے......''

''جی اماں......'' میں اثبات میں سر ہلاتی اٹھ گئی۔

''جب تمہاری مما لوٹیں تو ہم چلیں گے انہیں ملنے کے لیے...... پرسہ دینے۔''

''ٹھیک ہے اماں!'' میں اجازت لے کر ان کے کمرے سے نکل آئی۔ عمر سے بات کرنا کتنا دشوار کام تھا، اماں کو اس بات کا اندازہ نہ تھا۔ رات عمر سے دوبارہ بات کرنے کا مطلب تھا کہ ایک اور رات میں عمر کی ناراضی جھیلتی، یہی سوچا کہ ناہید آپی سے بات کر کے پوچھوں گی کہ کس طرح عمر سے بات کی جائے۔

''سوری نیل......'' کمرے میں آئی تو عمر میرے انتظار میں جاگ رہے تھے۔

''کس بات کے لیے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''میں جا نہیں سکا تمہارے ساتھ ملتان۔'' انہوں نے شرمندگی سے کہا۔

''ارے نہیں...... اتنی گرمی کا سفر اور پھر ناہید آپی آج ہی تو آئی ہیں، آپ کی اکلوتی بہن...... وہ شاید نہ کہتیں مگر دل میں محسوس تو کرتیں ناں اور میں جو چلی گئی تھی......''

''ایک انتہائی اہم میٹنگ کی وجہ سے جا نہ سکا حالانکہ مجھے جانا تھا۔'' وہ جواز دے رہے تھے، مجھے واقعی ان کے نہ جانے کا کوئی دکھ نہ تھا، نہ ہی میں ان کے جانے کی توقع کر رہی تھی۔ ملیحہ کے خاندانی بہو ہونے اور عمر سے طلاق ہونے کے باعث، خاندان میں جو ناراضیاں اور اختلاف ہوئے تھے، وہ بعد ازاں کسی حد تک کم تو ہوئے مگر میرا، عمر اور ملیحہ کے مشترکہ خاندان میں کسی گھر میں جانا نہ تھا، خواہ کوئی شادی ہو یا غمی۔

''ہاں، میں نے اس روز تمہیں خواہ مخواہ کچھ زیادہ ہی ڈانٹ دیا تھا......''

''کون سے روز؟'' میں نے کروٹ بدل کر پوچھا۔

''وہ جب تم نے ناہید آپی والی بات کی تھی۔''

''کوئی بات نہیں عمر...... میں آپ کو کسی بات پر مجبور بھی تو نہیں کر سکتی، جو آپ کو اپنی بیٹی کے لیے مناسب لگے۔''

''اصل میں، میں نے اس بات کا بہت دکھ محسوس کیا تھا کہ میری بیٹی کو کسی نے رد کر دیا تھا، وہ بھی میری

اکلوتی بیٹی!''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے عمر...... کہیں بیٹی والے کسی رشتے کو رد کرتے ہیں کہیں بیٹے والے...... جہاں بیٹیاں ہوتی ہیں وہاں رشتے تو آتے ہیں، کوئی بھی رشتہ ڈال سکتا ہے، آپ کی بیٹی کو آپ سے کوئی چھین تو نہیں سکتا ناں۔''

''ہوں......'' انہوں نے گہری سانس لی......

''مگر تم نے تو کہا تھا کہ بلی بھی......''

''سو جائیں آپ اس وقت...... میں بھی تھکی ہوئی ہوں۔'' میں واقعی بہت تھکی ہوئی تھی، کم از کم اس حالت میں اس اہم موضوع پر بات نہیں کر سکتی تھی۔

''ایک بار تم ذرا کھل کر بلی سے بات تو کرنا نیل......'' عمر نے ہولے سے کہا۔ ''میں خود پوچھنا چاہتا تھا مگر سوچا جانے وہ میرے سامنے جھجک نہ جائے...... تم تو ماں ہو، تمہارے ساتھ وہ کھل کر بات کر سکے گی۔'' میرے دل کی دھڑکنیں خوشی سے اچھل پتھل ہونے لگیں مگر میں نے گرم جوشی کا اظہار نہ کیا۔

''دیکھتی ہوں کسی وقت موقع ملا تو......'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ عمر کی پل میں تولہ پل میں ماشہ والی عادت کبھی کبھار غالب آ جاتی تھی، کبھی وہ مجھے اپنے بچوں کی ماں کہہ دیتے تھے تو کبھی پوچھ لیتے کہ میں ان بچوں کے بارے میں کیوں پریشان ہوتی تھی جبکہ وہ میرے اپنے بچے بھی نہ تھے۔

☆☆☆

میں تو گویا دو حصوں میں بٹ گئی تھی، سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ پاکستان جاؤں یا نہ جاؤں...... مصطفیٰ کے ساتھ اس گرمی کے موسم میں جانا بھی ایک مشکل مرحلہ تھا اور نہ جاتی تو سوچ، سوچ کر ختم ہو جاتی۔ عابد بار، بار اصرار کر رہے تھے کہ مجھے چلے جانا چاہیے...... صدف کی بیماری...... اور خالو کی وفات تو بڑی ٹھوس وجہ تھی کہ مجھے جانا چاہیے تھا۔ اپنے کام اور گھر کے کچھ مالی مسائل کے باعث میں سوچ میں تھی کہ عابد میری اور مصطفیٰ کی ٹکٹیں لے کر آ گئے، مجبوراً مجھے چھٹی کی درخواست دینا پڑی، بغیر تنخواہ کے چھ ہفتے کی چھٹی مل سکتی تھی مگر میں اس پریشانی میں تھی کہ گھر کی mortagage کی اگلی قسط کیسے جائے گی......

''اللہ کوئی نہ کوئی سبب پیدا کر دے گا جان...... تم ایسی چیزوں کے لیے پریشان مت ہو۔'' عابد نے تسلی دی...... میں نے بے دلی سے اپنی تیاری شروع کر دی، مما کو اچانک جا کر حیران کرنا تھا اس لیے کسی کو اپنا پروگرام نہیں بتایا، عابد نے اپنے چچا زاد سے کہہ دیا تھا کہ ہمیں ائرپورٹ سے لے کر مما کے ہاں پہنچا دے۔ ائرپورٹ کے روانگی کے لاؤنج میں بیٹھے ہوئے بھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں یوں اچانک اور واقعی پاکستان جا رہی تھی۔

''اپنا خیال رکھیے گا عابد...... کھانے پینے کا بھی۔'' انہوں نے ہنس کر میری پریشانیوں کو اڑا دیا۔

''فکر مت کرو میری جان...... تم بالکل میری طرف سے پریشان نہ ہونا، میں خود بھی کچھ نہ کچھ کر سکتا ہوں مگر مما کی طرف کھانا کھا لیا کروں گا تاکہ تمہاری تسلی رہے......'' عابد کو اللہ حافظ کہہ کر میں نے مصطفیٰ کو ان سے لے لیا اور روانگی کے لاؤنج کی طرف بڑھی، چند قدم چل کر مڑ کر دیکھا، میری آنکھوں میں آنسو آنے لگے، میں واپس مڑی اور بھاگ کر عابد کے پاس پہنچی......

''بہت شکریہ عابد......'' وہ ہنسے، میرے کندھے تھپتھپائے، مصطفیٰ کا ایک بار پھر بوسہ لیا۔

''اپنا اور مصطفیٰ کا خیال رکھنا پیاری!'' میں ان کے ہاتھ کو تھپتھپا کر روانہ ہوئی اور پھر مڑ کر نہ دیکھا۔

☆☆☆

''مما......'' میں مما سے لپٹ ہی تو گئی۔ ''کیوں اس طرح کی بات سوچی آپ نے، کیوں میرے اتنے پیارے سے پاپا کو چھوڑنے کا سوچا آپ نے، کوئی قصور تو بتائیں پاپا کا!'' میں مما سے لپٹ کر رو رہی تھی، مجھے آئے ہوئے تین دن ہو چکے تھے اور ایک لمحہ نہیں ملا تھا جب میں ان کے پاس تنہائی اور یکسوئی سے بیٹھ سکتی، کوئی بات کر سکتی۔

''کیا ہو گیا تھا تمہیں......'' مما نے الٹا مجھ سے سوال کیا۔ ''فاطش نے بتایا تھا مجھے کہ تمہیں نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا اور تم اسپتال میں داخل ہو گئی تھیں؟''

''آپ میری بات کو ٹال رہی ہیں مما......'' میں نے مصنوعی ناراضی سے کہا، میں چاہ رہی تھی کہ مما کہیں کہ انہوں نے مذاق کیا تھا مگر...... ''آپ مذاق میں کہہ رہی تھیں ناں؟''

''تم نے میری بات کا اتنا اثر لیا ہے صدف...... کیوں؟''

''بہت بڑی بات کی ہے آپ نے مما...... کم از کم مجھے وجہ تو بتائیں۔''

''دنیا میں ہر روز اتنی طلاقیں اور خلع ہوتی ہیں...... میں نے اگر تم سے بات کی ہے تو میرے پاس کچھ نہ کچھ وجہ تو ہو گی اس کے لیے...... اور کیا اس طرح کی بات مذاق میں کی جا سکتی ہے؟'' مما نے یہ کہہ کر میرا دل ہی توڑ دیا۔

''کیوں مما......؟'' میں بھل بھل رو دی۔ ''ایسا کیوں کر رہی ہیں آپ؟''

''میری جان......'' مما نے مجھے سینے سے لگا لیا۔ ''کبھی کبھار زہر کا پیالہ بھی پینا پڑتا ہے...... کبھی کوئی عضو خراب ہو جائے تو کاٹنا بھی پڑ جاتا ہے، میاں بیوی کا تعلق تو یوں بھی کچے دھاگے جیسا ہوتا ہے، یہاں تو خون کے رشتے بھی کسی نہ کسی جواز پر قطع کرنے پڑ جاتے ہیں۔'' مما نے کہا۔ ''میں نے بہت سوچا، بہت سالوں سے سوچ رہی ہوں، کبھی کسی فیصلے پر پہنچی تھی کبھی کسی پر، کوئی نہ کوئی مصلحت آڑے آ جاتی تھی، تم لوگوں کا سوچتی تھی مگر اب تم سب لوگ اپنے، اپنے گھر میں آباد ہو، اب مجھے یہاں رہنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔''

''ہم تو ہیں ناں ابھی مما...... اپنے اپنے گھروں میں ہی سہی مگر آپ کے ساتھ تعلق کی ڈور سے بندھے ہوئے مما!''

''مجھ سے تو تمہارا تعلق یوں ہی رہے گا بیٹا، ختم ہو گا تو فقط میرا اور تمہارے پاپا کا ناتا!'' مما نے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''نہیں مما...... میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ آپ اور پاپا کے بیچ میں کچھ غلط ہو۔'' میں رو دی۔ ''پلیز مما، مجھے بتائیں، آپ سے کوئی غلطی ہوئی ہے اور کیا پاپا چاہتے ہیں ایسا یا پاپا کی کوئی غلطی ایسی ہے جو آپ معاف نہیں کر سکتیں؟'' میں نے گڑگڑا کر پوچھا۔

''میری غلطی ہوتی تو تمہارے پاپا مجھے فارغ کرنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگاتے، عورت ہی ہے جو شوہر کی غلطیوں کو نظر انداز بھی کرتی ہے، ان سے چشم پوشی بھی کرتی ہے اور ان کی پردہ داری بھی......''

''کیا غلط ہوا ہے مما؟'' میں نے آنسو خشک کیے۔

''ہو تو کب سے رہا ہے......'' مما نے کہا۔ ''اب نیا یہ ہوا ہے کہ میری برداشت ختم ہو گئی ہے۔''

''کیا پاپا...... آپ پر ہاتھ اٹھاتے ہیں؟'' میرے خیال میں یہی ایک ٹھوس وجہ ہو سکتی ہے کہ عورت اس حد تک سوچ سکتی ہے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

''ہاتھ اٹھانا...... اتنی بڑی بات نہیں ہے جان......'' مما نے کہا۔ ''جس مرد کو ہاتھ اٹھانے کی عادت ہو اس کی بیمار رگ کو کسی نہ کسی طرح عورت جان جاتی ہے اور اگر وہ عقلمند ہو تو اس کی نوبت نہیں آنے دیتی، جہاں مرد بغیر کسی وجہ کے عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، ان کی بیماری کا کوئی علاج نہیں......'' مما نے کہا۔

''میں جانتی تھی مما کہ پاپا آپ پر ہاتھ نہیں اٹھاتے ہوں گے...... میرے نرم دل پاپا کسی پر بھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔'' میں نے پورے مان سے کہا تھا۔ ''مگر سمجھ میں نہیں آ رہا کہ انہوں نے کیا برا کیا ہے آپ کے ساتھ جو آپ نے اس حد تک سوچ لیا؟''

''تم سمجھ نہیں پاؤ گی کہ ایک وفادار بیوی کے ساتھ مرد کیا برا کر سکتا ہے؟''

''پاپا شک کرتے ہیں آپ پر مما؟'' میں چیخی، میں جانتی تھی کہ میری مما کتنے مضبوط کردار کی عورت تھیں اور ان پر پاپا تو کیا، کوئی بھی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔

''مجھ پر شک کر لیتے تو بھی اتنا برا نہ لگتا مجھے......''

ممانے ایک اور پہیلی نما جواب دیا۔

''تو پھر کیا آپ کو پاپا پر شک ہے؟'' میں نے پوری کوشش کی کہ میں چلاؤں نہیں۔

''پہلے شک بھی نہیں ہوتا تھا......'' مما نے گہری سانس لی۔ ''پر اب پورا یقین ہے۔'' مما نے چھوٹا سا پٹاخا چھوڑا مگر میں دہل گئی، ان کا چہرہ دیکھنے لگی جس پر کرب کے آثار تھے۔

''پاپا کے کسی اور عورت کے ساتھ تعلق کا شک ہے آپ کو؟'' میں نے سوال کیا اور دعا کی کہ مما کہیں نہیں۔

''تمہارے پاپا......'' وہ رکیں۔ ''تمہارے پاپا کو......'' ان کا فقرہ پھر ادھورا رہ گیا۔ ''تمہارے پاپا ایک مریض ہیں میری جان۔''

''کیا بیماری ہے پاپا کو؟'' میں نے سرگوشی میں سوال کیا، دل تیزی سے دھڑکنے لگا، کیا بیماری ہو سکتی ہے پاپا کو کہ مما ان سے خلع لینے کو تیار تھیں...... ٹی بی، کینسر...... ایڈز؟ میں نے خود ہی سب کچھ سوچ ڈالا۔

''وہ ذہنی مریض ہیں......''

''اوہو......'' میں نے تاسف سے کہا۔ ''ویسے لگتا تو نہیں مما...... اور پھر ذہنی امراض کا تو علاج ممکن ہے، اس کے لیے آپ ان کو چھوڑنے کو تیار ہیں؟'' مجھے دل میں مما پر دکھ ہوا کہ وہ ایسی وفادار بیوی اور ایسی حالت میں پاپا کو چھوڑنا چاہ رہی تھیں جب وہ کسی پریشانی کے باعث ذہنی مریض بن گئے تھے اور مما بجائے ان کا سہارا بننے کے، ان کا ساتھ دینے کے، گھبرا کر ساتھ چھوڑنے کو تیار تھیں۔ میرا سر دکھنے لگا، آنکھیں بوجھل سی ہونے لگیں، مما پر اتنا افسوس ہوا تھا کہ اس وقت ان سے کہیں دور چلے جانے کو دل چاہ رہا تھا، میرے منہ سے بے معانی سے الفاظ نکلنے لگے، مما گھبرا کر مجھے آوازیں دے رہی تھیں، انہوں نے میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا، میرے اندر سکون کے بجائے بے چینی دوڑنے لگی، میں کوشش کر رہی تھی کہنے کی کہ مجھے چھوڑ دیں مما...... مگر میرے منہ سے کچھ آواز نہیں نکل رہی تھی، غنودگی سی طاری ہو رہی تھی، مما چیخ، چیخ کر کسی کو بلا رہی تھیں اور میں سو رہی تھی......



''مجھ سے ناہید آپی نے بات کی ہے دوبارہ نبیل اور بلی کے رشتے کے لیے......'' عمر میری طرف ہی دیکھ رہے تھے اس لیے نظر نہیں چرائی جا سکتی تھی۔

''اچھا! کب؟'' میں نے سوال کیا۔

''آج جب میں ان کو ان کی سسرال چھوڑنے جا رہا تھا، نبیل بھی ساتھ ہی تھا......'' عمر نے جواب دیا۔ ''بلکہ نبیل انتہائی شرمندہ تھا اور معافی مانگ رہا تھا۔''

''آپ سوچ لیں، اماں سے مشورہ کر لیں...... جو آپ کو مناسب لگے!''

''اماں تو شروع دن سے اس رشتے کی خواہش مند ہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ ناہید آپی کے دل میں یہ خیال انہوں نے ہی ڈالا ہو۔''

''بلی کی ماں سے بھی بات کر لیں آپ!'' میں نے رائے دی، بلی کی زندگی کا اہم ترین فیصلہ تھا، اس کی پیدا کرنے والی ماں کا بھی تو کوئی حق بنتا تھا۔

''بلی کی ماں سے ہی بات کر رہا ہوں۔'' انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''تمہیں کوئی شک ہے اس کی ماں ہونے میں؟'' میرا سیروں خون بڑھ گیا، میں خاموش تھی۔ ''پوچھا ہے کچھ تم سے نیل پیاری!''

''مجھے تو کوئی شک نہیں عمر...... آپ ہی کبھی کبھار شک میں پڑ جاتے ہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''یوں بھی ملیحہ نے اسے جنم دیا ہے، اس سے پوچھنا آپ کا فرض ہے، آپ نہ سہی، اماں پوچھ لیں۔''

''اس نے صرف جنم ہی دیا ہے اپنے بچوں کو نیل، اس کی ان بچوں سے کوئی جذباتی وابستگی ہے نہ ذہنی ہم آہنگی، ان بچوں نے ہر خوشی اور تکلیف کو تمہارے ساتھ ہی شیئر کیا ہے، انہوں نے ہمیشہ تمہیں ہی اپنی ماں سمجھا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ملیحہ ہی ان کی حقیقی ماں ہے...... کیا تم نے ان میں سے کسی کو بھی ملیحہ کو یاد کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا کسی کو اس سے بات کرتے ہوئے سنا ہے، کیا انہوں نے کبھی ماں کی

کسی بات کا حوالہ دیا ہے؟''
''کیوں؟'' میں نے واقعی سوچا کہ ایسا ہی تھا۔
''کیا آپ نے ان کو منع کر رکھا ہے میرے سامنے ماں کی بات کرنے سے؟''
''ارے نہیں......'' وہ ہنسے۔ ''تم نے انہیں ان کی ماں کا بہترین نعم البدل دے دیا ہے نیل!'' میرے گال لال ہو گئے۔ ''تم ایک سمجھدار اور پڑھی لکھی عورت ہو، فراخ دل ہو، کھلا ذہن رکھتی ہو...... تم نے ان بچوں کی شخصیات کو مثبت بنایا ہے، وہ فقط تمہارے بارے میں ہی نہیں بلکہ ہر چیز کے بارے میں مثبت سوچتے ہیں۔''
''بس کریں عمر......'' میں شرما گئی، عمر نے اتنا کھلا اعتراف کب کیا تھا بھلا اس دن سے پہلے۔
''تو پھر کیا کہتی ہو تم میرے سوال کے جواب میں؟'' عمر نے پھر سوال کیا۔
''میرا دل تو کہتا ہے کہ نبیل، ببلی کو بہت خوش رکھے گا۔'' میں نے کہا۔
''صرف نبیل کا ببلی کو خوش رکھنا اہم نہیں...... ببلی کا بھی نبیل کو خوش رکھنا بھی اہم ہے نیل...... ورنہ میری کہانی دہرائی جائے گی ایک دفعہ پھر......''
''اللہ نہ کرے!'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آپس میں ہمیشہ خوش رکھے۔''
''اچھا میں سمجھا کہ تم کہنا چاہ رہی تھیں......'' عمر کے چہرے پر شرارت تھی۔ ''اللہ نہ کرے کہ ایک اور نیلم، عمر کے تیر نظر کا شکار ہو جائے۔'' ان کا قہقہہ سننے کے لائق تھا، میں فقط مسکرا دی، کئی زخموں کے ٹانکے کھلنے لگے تھے۔
''تو پھر کب ارادہ ہے ناہید آپی کا؟'' میں نے بات کا رخ بدلا۔
''ارے ہاں، کل تو وہ تمہاری مما کے پاس جانا چاہ رہی ہیں، خالو کی وفات کا افسوس کرنے کے لیے۔'' عمر کو یاد آیا...... ''ویسے ایک بات پوچھوں نیلم؟''
''جی فرمائیں؟'' میں نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

''میں دو ایک بار ہی ملا تھا تمہارے خالو سے، اور خالہ سے تو کئی بار ملا ہوں......'' وہ رکے۔
''اچھا تو؟'' میں نے پوچھا۔
''مجھے کہنا تو نہیں چاہیے مگر......'' وہ کچھ کہتے، کہتے رک گئے۔ ''اتنی بے جوڑ شادی میں نے آج تک نہیں دیکھی...... میری ملیحہ کے ساتھ بے جوڑ شادی سے بڑھ کر مجھے تمہارے خالہ اور خالو بے جوڑ لگے۔'' عجیب حیرت ناک سی بات کی تھی عمر نے۔
''کیوں؟ بے جوڑ کس طرح لگی آپ کو شادی؟'' میں نے سوال کیا۔
''بس تمہاری خالہ اور طرح کی ہیں اور خالو بالکل گائے جیسے تھے بیچارے......''
''خالہ کیا اور طرح کی ہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا، دل میں مجھے ان کا اس طرح کہنا برا بھی لگا۔
''بھئی ناراض نہ ہو، خالہ ہیں تمہاری...... معذرت کے ساتھ تبصرہ کر رہا ہوں...... مگر رشتے میں وہ میری خالہ ساس ہیں...... مگر...... مجھے ان کی نظر میں اس رشتے کی مناسبت سے کچھ بھی درست نہیں لگا۔''
''خالہ ساس تو ہیں رشتے میں مگر وہ ہم سے عمر میں چند سال ہی بڑی ہیں اور مما، پاپا انہیں بیٹی کی طرح سمجھتے ہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ ہماری بہنوں کی طرح ہی ہیں...... خالہ تو وہ بس نام ہی کی ہیں۔'' میں نے خالہ کے اس رویے کا دفاع کیا جو عمر نے محسوس کیا تھا۔
''اچھا چلو......'' عمر نے بات پلٹی۔ ''سو جاؤ اب اور صبح ناہید آپی سے بات کر کے پروگرام بنا لینا اپنی مما کی طرف جانے کا، اماں بھی غالباً جانا چاہتی ہیں۔'' وہ کروٹ لے کر سو گئے مگر مجھے ان کی خالہ کے بارے میں رائے اور ان کے بارے میں بات کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ مما سے کہوں گی کہ وہ خالہ کو سمجھائیں کہ کچھ رشتوں میں احترام اور فاصلے تقاضا ہوتے ہیں، سو وہ آئندہ عمر کے ساتھ محتاط رویہ اختیار رکھیں، جانے ان کی کس بات سے عمر نے ایسی رائے قائم کی تھی۔

☆☆☆

آئے تو وہ سب لوگ خالو کا افسوس کرنے کے لیے تھے مگر فاتحہ کے بعد سارا وقت موضوع میری ذات رہی، مجھے اچھا نہیں لگا، عمر بھائی کی ناہید آپی مجھ سے میری گزشتہ شادی، اسود، اس کے باپ اور میری ملازمت کے بارے میں باتیں کرتی رہیں، ان کی والدہ مما کے ساتھ بات کر رہی تھیں اور نیلم، صدف کے کمرے میں اس کے پاس تھی جو ایک بار پھر اسپتال سے لوٹی تھی، مما کے ساتھ بات کرتے کرتے اسے جانے کس نوعیت کا دورہ پڑا تھا کہ اسے فوری طور پر ایمبولینس منگوا کر اسپتال لے کر جانا پڑا، اسے ایک بار پھر ڈیپریشن کا دورہ پڑا تھا، وہ تین دن تک اسپتال میں رہی تھی، احمد بھی اس کی بیماری کا سن کر آن پہنچا تھا۔

''آگے کیا ارادہ ہے اب آپ کا فائقہ؟''

ناہید آپی نے مجھ سے پوچھا تھا۔

''ہمارے ارادوں کا کیا ہوتا ہے آپی، ساری بات تو اللہ کے فیصلوں کی ہوتی ہے...... میں نے ارادہ کرنا چھوڑ دیا ہے، سب کچھ اللہ پر ہے، میں اب کوئی منصوبہ بھی نہیں بناتی، اپنی زندگی کو اپنے بیٹے کے گرد گزارنے کا سوچتی ہوں، اسے معاشرے کا ایک مثبت فرد بنانا چاہتی ہوں، اپنے ماں، باپ کو اپنی سوچوں سے آزاد کرنا چاہتی ہوں، اسی لیے ملازمت کر کے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے کوشاں ہوں۔'' میں نے گہری سانس لی۔

''ماں باپ کی پریشانی یہ نہیں ہوتی کہ بیٹیاں اپنے پیروں پر کھڑی ہیں کہ نہیں...... ان کی پریشانی ہوتی ہے کہ ان کی بیٹیاں اپنے گھروں میں شاد اور آباد ہوں۔''

''بصد افسوس...... میں اپنے ماں باپ کو یہ خوشی نہیں دے سکی مگر کوشش کرتی ہوں کہ انہیں میری طرف سے ذرا سی تکلیف دہ سوچ نہ ملے...... درد بھی ہو تو نہیں بتاتی میں انہیں۔'' جانے کیوں میں ان سے یہ سب باتیں کر رہی تھی، شاید انہیں گُر آتا تھا گفتگو کا کہ ہمارے درمیان لگ بھگ ایک گھنٹے تک بات ہوتی رہی تھی اور وہ بھی میری ذاتی زندگی کی بابت۔

چاہتوں کا مکاں

ایک مدت سے تعمیر کر رہی ہوں میں
چاہتوں کا مکاں
جس میں کڑی سزائیں
بے التفاتی
نفرتوں کی ہر ایک گھڑی کو
دفن کر کے
میں نے خشتِ الفت سے
بنیاد رکھی ہے اس مکاں کی
سو جس کی بنیاد میں ہو شامل
پُرخلوص جذبے، ہزار چاہتیں
بھلا وہ مکیں اس کے اثر سے
کب تلک رہ سکتے ہیں دور اس سے
میں بھی اسی یقیں کے سہارے
گزار رہی ہوں یہ لمحے سارے
کبھی تو چھینٹیں پڑیں گی دل پر
نفرتوں کے موسم چھٹیں گے دل سے
تمہارے قلب تک میری رسائی ہوگی
تمہاری بے رحم طبیعت کو
میری محبتوں سے آشنائی ہوگی
زندہ ہوں میں اسی یقین کے سہارے
گزار رہی ہوں یہ لمحے سارے

شاعرہ: حمیرا نوشین، منڈی بہاؤ الدین

''آپ دوسری شادی کا سوچیں فاطش......''
انہوں نے ہولے سے کہا کہ کوئی اور سن نہ لے۔ ''ایک یہی چیز آپ کے والدین کو سکون دے گی۔'' وہ مفت مشورہ دے رہی تھیں، مجھے برا لگا۔ وہ کون تھیں مجھے ایسا مشورہ دینے والی؟ اس طرح کی بات تو اتنے سال گزر جانے پر بھی نہ میرے والدین نے کی تھی نہ کسی بہن نے۔ ''ایک بہن بن کر مشورہ دے رہی ہوں، مجھے یقین ہے کہ آپ کے ماں، باپ اور آپ کی بہنیں بھی یہی چاہتی ہوں گی۔''

عشا کے لیے وضو کرتے ہوئے اس رات پہلی بار...... میں نے غور سے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ اور خود سے پوچھا، کیا مجھے اشعر سے اتنی محبت تھی کہ میں نے اسے چھوڑنے کے بعد آج تک کسی اور کے بارے میں سوچا بھی نہیں؟ وہ تو اپنی دنیا بسا چکا، میں مشقت کی چکی میں تنہا ہوں، اسود ابھی اتنا چھوٹا ہے...... منزل تک کا طویل سفر کیا تنہا ہی گزرے گا؟ کسی سوال کا جواب نہیں پایا میں نے اس آئینے سے۔ نماز ختم کر کے جانماز تہ کی، اسود کو بازوؤں کے حلقے میں لے کر لیٹی، نیند کہیں روٹھ گئی تھی مجھ سے...... ''کیوں سوچ رہی ہوں ایسا میں، کیا اسود کو کوئی اور مرد قبول کر سکتا ہے جسے اس کے باپ نے بھی مجھ سے نہیں مانگا؟'' میں نے اسود کا ماتھا چوما، ایک سوچ نے ذہن کو مکڑی کے جالے کی طرح جکڑ لیا، مما اور پاپا کے درمیان جو کچھ چل رہا تھا اس کے بعد، میرا کسی اور نئی منزل کی طرف سفر کا سوچنا تو درکنار، مجھے تو اپنی باقی بہنوں کی شادیاں بھی خطرے میں نظر آ رہی تھیں۔

میرے فون پر پیغام کی ٹون بجی، میں نے فون اٹھایا، ثانیہ خالہ کا پیغام تھا۔ ''تم سے ملنا چاہتی ہوں، جلد از جلد......'' میرے دل سے نفرت کی ایک شدید لہر اٹھی تھی۔ مجھے پھر وہ مناظر یاد آنے لگے...... خالو کی بھیجی کی باتیں یاد آنے لگیں جس نے اس صبح پاپا کو ان کے گھر سے جاتے ہوئے دیکھا تھا...... پاپا کے الفاظ یاد آنے لگے کہ اس دورۂ ملتان کے دوران ان کا چکر ہی نہ لگا تھا خالہ کے ہاں اور خالہ کے بیڈروم سے ملحقہ باتھ روم میں پاپا کی اسی قمیص کا ایک کف لنک جو انہوں نے اس وقت بھی پہن رکھی تھی...... وہ کوئی اور ہی داستان کی کڑیاں تھیں...... جانے کب سوچتے، سوچتے میں نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

☆☆☆

چھوٹی سی تقریب تھی، صرف ہم گھر کے چند لوگ...... عمر نے ملیحہ کو بھی نہیں بلوایا تھا، ببلی پچھلے ہفتے ماں سے ملنے گئی تھی اور اسے عمر نے کہہ کر بھیجا تھا کہ وہ اپنی ماں کو اس رشتے کے طے ہونے کا بتا دے۔ ناہید آپی کی سسرال سے تقریباً تیس لوگ تھے، عمر نے ایک بہترین ہوٹل میں شایانِ شان بندوبست کیا تھا، نبیل نے ہلکے سے کام والے سنہری جوڑے میں ملبوس ببلی کو انگوٹھی پہنائی تو تالیاں گونج اٹھیں، ببلی ہلکے میک اپ میں شرما رہی تھی، اس کے چہرے کی مسکراہٹ...... اس کی دلی خوشی کی داستان کہہ رہی تھی، عمر میرے ساتھ کھڑے تھے، ان کی نظریں بھی ببلی کے چہرے پر مرکوز تھیں، میں نے آگے بڑھ کر انگوٹھی ببلی کو پکڑائی، اس نے شرماتے ہوئے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے نبیل کو انگوٹھی پہنائی اور ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔

ناہید آپی، عمر کو گلے لگا کر رو دیں، اس جذباتی منظر نے کئی آنکھوں کو بھگو دیا۔ اماں صوفے پر سے اٹھیں اور دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ دیر تک تصویریں کھینچی جاتی رہیں، ببلی اور نبیل اسٹیج پر ساتھ، ساتھ، ایک پیاری سی جوڑی، سب کی توجہ کا مرکز...... جب سب گروپوں کی تصاویر مکمل ہو گئیں تو کھانا کھایا گیا۔ میں اور عمر ہر طرف مہمانوں کو دیکھ رہے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ کھانا اچھے طریقے سے کھائیں، سکندر، حاشر اور خضر بھی سیاہ سوٹوں میں ملبوس اس روز ذمے داری کے ساتھ ہماری طرح مہمانوں کو وقت دے رہے تھے اور ان کا خیال رکھ رہے تھے۔ کھانے کے بعد باقی مہمان ایک، ایک کر کے رخصت ہوئے، ناہید آپی اس روز اپنی سسرال چلی گئیں کیونکہ وہ ان

لوگوں کے ساتھ ہی آ ئی تھیں۔

اگلے روز وہ صبح ہی واپس آ گئیں..... نبیل ان کے ساتھ نہیں آیا تھا، وہ اپنے چچا سجاد کے ساتھ گاؤں چلا گیا تھا جہاں ان دونوں نے زمینوں کے معاملات دیکھنا تھے۔ عمر دفتر چلے گئے تو لاؤنج میں، میں، اماں اور ناہید آپی بیٹھے تھے۔

''میں تمہاری بہت مشکور ہوں نیلم.....'' ناہید آپی نے کہا۔ ''اماں ہمیشہ تمہاری بہت تعریف کرتی ہیں اور عمر بھی تم سے بہت خوش ہے، اب میں بھی تمہارے قصیدہ گویوں میں شامل ہو گئی ہوں اس احسان کے بعد۔''

''کون سا احسان آپی؟'' میں نے کسرِ نفسی سے کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ عمر کتنا ہٹیلا ہے، ایک بار جس بات پر نہ کہہ دے تو اس پر ہاں نہیں کہتا اور ایک بار جس شے پر انگلی رکھ دے..... اسے لیے بغیر ہٹتا نہیں..... یہ اس کی بچپن کی عادت ہے اور نبیل کے رشتے کے معاملے میں جو کچھ ہوا، میں اس پر خود بھی شرمندہ ہوں۔ دوبارہ دستِ سوال دراز کیا تو پورا یقین تھا کہ عمر کبھی نہیں مانے گا، اماں کی وہ کوئی بات نہیں ٹالتا مگر اس نے اماں کو بھی انکار کر دیا، یہ بھی جانتی ہوں کہ اسے منانے میں تمہیں کن کٹھنوں سے گزرنا پڑا ہو گا، چاہے تم لاکھ اس کی من پسند بیوی ہی سہی!'' وہ اپنے بھائی کو خوب سمجھتی تھیں۔

''میں نے جو کچھ کیا وہ کسی پر احسان نہیں آپی! معاملہ نبیل اور بلبلی کی خوشی کا ہے تو مجھے عمر سے بات کرنا ہی تھی۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اماں کو عمر نے انکار نہیں کیا تھا بس یونہی دو چار جذباتی باتیں کہہ دی تھیں ورنہ اگر اماں کو انکار کر دیتے تو میری کیا تاب تھی اس کے بعد۔''

''میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں..... وہ بہت شدت پسند ہے اور یہ شدت اس کے رویوں میں بھی ہے..... جن سے پیار کرتا ہے ان کا دل بھی بہت بری طرح دکھاتا ہے اور کمال یہ ہے اس کا کہ اسے علم بھی نہیں ہوتا کہ اس کے الفاظ کس طرح کسی کے دل پر نشتر چلاتے ہیں۔''

''ارے نہیں آپی..... عمر تو بہت پیار کرنے والے، بہت خیال رکھنے والے بیٹے، بھائی، باپ اور شوہر ہیں۔'' میں نے عمر کا دفاع کیا۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں۔'' اماں نے کہا۔

''وہ اچھا ہے، اچھا بیٹا، بھائی اور باپ..... شوہر اچھا نہ بن سکا کہ اس کا دل مائل نہ تھا، اسی لیے تو چار بچے ملیحہ سے ہونے کے باوجود میں نے اسے اجازت دے دی کہ اسے چھوڑ کر اپنی مرضی کی لڑکی سے دوسرا بیاہ کر لے..... زندگی ایک بار ملتی ہے اور جو اسے گزار رہا ہوتا ہے وہی جانتا ہے، اسے ناخوش دیکھ کر میرا دل تڑپتا تھا، ان بچوں پر بھی ترس آتا تھا جو مجبوری کے رشتے میں بندھے اس دنیا میں آ گئے تھے..... جانتی تھی کہ دنیا میں کوئی ایسی لڑکی نہ ہو گی جو عمر کے معیارِ نظر پر پوری بھی اترے اور عمر کے بچوں کو بھی قبول کر لے..... مگر نیلم نے ثابت کر دیا ہے کہ میری سوچ غلط تھی۔'' اماں بھی کھلے دل سے میری تعریف کر رہی تھیں۔

''بہت پیاری ہے میری بھابی، اماں!'' ناہید آپی نے مجھے ساتھ لگا لیا۔ ''ابھی مجھے تم سے ایک اور اہم کام بھی ہے نیلم!''

''اچھا وہ کیا کام ہے؟'' میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنے اسی قیام کے دوران شادی کے لیے بھی کہیں گی۔ ''آپ حکم کریں!''

''وقت آئے گا تو بتاؤں گی۔'' ناہید آپی نے بات بدلی۔ ''ابھی وقت نہیں آیا۔''

''ویسے مجھے کچھ اندازہ ہے کہ آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''جو بات مجھے تم سے اب کہنی ہے، اس کا اندازہ کوئی بھی نہیں لگا سکتا..... تاہم ابھی میں اس سلسلے میں کوئی بات کہہ نہیں سکتی!'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا..... چلیں میں چائے بنوا کر لاتی ہوں۔'' میں اٹھ کر کچن کی طرف جانے لگی۔

"ویسے اماں نیلم جیسی سمجھدار لڑکی کے انتخاب پر عمر کو جتنی داد دی جائے کم ہے..... اچھی بیوی ہے، اچھی بہو اور بھابی ہے اور عمر کے بچوں کے لیے بہت اچھی ماں ثابت ہوئی ہے۔" کاریڈور میں مڑتے ہوئے مجھے ناہید آپی کی آواز سنائی دی۔

"کیونکہ اس کے پاس ان بچوں کی اچھی ماں بننے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے....." اماں کی آواز کافی دھیمی تھی، مجھے چلتے چلتے بریک لگ گئی۔

"نیلم کے اپنے بچے نہیں ہو سکے کیا؟" ناہید آپی نے پوچھا۔ "کسی ڈاکٹر وغیرہ کو دکھاتی۔"

"ٹھیک ہو گی وہ بالکل..... کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اسے ڈاکٹر کو دکھانے کی!" اماں نے بے پروائی سے کہا۔ "عمر خود احتیاط کرتا ہے۔"

"ملیحہ سے نہ چاہنے کے باوجود اس کے چار بچے ہو گئے اور اب کیوں احتیاط کرتا ہے..... وہ تو دس بچے بھی افورڈ کر سکتا ہے اماں، ایک بچہ نیلم سے بھی ہو جاتا، وہ بھی اپنے بچے کی ماں کی مامتا سے لطف اندوز ہوتی۔"

"جو اس کا اپنا ایک بھی بچہ ہو جاتا تو عمر کے بچے رُل رہے ہوتے پگلی!" اماں نے خفگی سے کہا۔ "اس کے اپنا بچہ نہیں ہوا تو ان بچوں کو توجہ مل رہی ہے، مامتا ملنا اتنا ضروری نہیں، اہم یہ تھا کہ ان بچوں کی تربیت اچھی ہو جاتی، کوئی شک نہیں کہ نیلم نے ان بچوں پر بھرپور توجہ دی ہے اور ان کی زندگیوں میں ماں کا خلا نہیں آنے دیا۔"

"آپ کو چاہیے تھا کہ آپ عمر سے کہتیں بلکہ اصرار کرتیں کہ ایک بچہ اور پیدا کر لیتا، ماں بننا ہر عورت کا فطری حق ہے، اس حق سے اسے اللہ کے سوا کوئی محروم نہیں کر سکتا۔"

"عمر کا کیا ہے....." اماں نے ان کی بات کاٹی۔ "اس کا تو ذہن ہی اس طرف نہ جاتا اور چار اور بچے پیدا کر لیتا..... وہ تو میں نے ہی اس کے سامنے نیلم کے ساتھ شادی کے لیے شرط رکھی کہ وہ ملیحہ کو بھی فارغ کر دے اور دوسرا یہ کہ نیلم سے کوئی اور بچہ بھی پیدا نہ کرے..... اس کے ذہن پر تو اس وقت نیلم کے عشق کا بھوت سوار تھا، اس کی عقل ہی کہاں ٹھکانے تھی۔"

چھت گری تھی شاید مجھ پر..... میں نے چلنے کی کوشش کی مگر غالباً میری ٹانگیں ملبے تلے دب گئی تھیں۔

"ملیحہ پڑی رہتی ایک طرف، اپنے بچے خود پالتی، اسے بھی طلاق دلوا دی آپ نے..... اس کے اور بچے ہو جاتے، کوئی کمی ہے کیا عمر کو؟ کیا اس بیچاری کا دل نہیں چاہتا ہو گا کہ اس کے بھی اپنے بچے ہوں؟"

"اسے ایک کونے میں پڑا رہنے دیتا، اس کے اور نیلم کے حقوق میں برابری نہ کرتا تو روزِ قیامت اللہ کو کیا منہ دکھاتا، میں اپنے بچے کو اللہ کے سامنے شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی..... اور یوں بھی ملیحہ سے جو بچے ہیں وہ ہمارا اپنا خون ہیں، اس خاندان کی خالص نسل ہے..... نیلم سے بچے پیدا کر کے کیا ہم اپنی نسل میں کھوٹ شامل کر لیتے؟" وہ تفاخر سے کہہ رہی تھیں۔

اپنے بیٹے کو دو بیویوں میں انصاف نہ کرنے پر اللہ کے سامنے روزِ قیامت شرمندہ نہ کرنے کی خواہش مند ماں..... اس کی بیوی کو اولاد پیدا کرنے کے حق سے محروم کرنے پر شرمندہ نہ تھی۔ مجھ سے ہلا تک نہیں جا رہا تھا، شاید کافی دیر ہو گئی تھی، میں ڈھے گئی تھی، اب کانوں میں آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں..... ناہید آپی کا ہیولہ نظر آیا، وہ شاید اسی طرف آ رہی تھیں..... میں نے اٹھنے کی ناکام کوشش کی، وہ گھٹنوں کے بل میرے پاس بیٹھ گئیں۔

"کیا ہوا نیلم؟" میرے کانوں نے سنا۔

"اماں....." وہ چیخ کر بولی تھیں۔ "گھنٹی بجا کر کسی کو بلائیں..... نیلم گر گئی ہے، پاؤں پھسل گیا ہے شاید یا پھر بلڈ پریشر کم ہو گیا ہے....." میرے اردگرد ہر طرف آوازیں ہی آوازیں تھیں، گھنٹیاں بج رہی تھیں، کوئی سائرن بجا تھا، گاڑیوں کے ہارن بھی تھے، بہت سے لوگ بھی تھے..... سفید لباسوں میں ملبوس، شاید فرشتے..... کیا میں مر رہی تھی؟ میں سو گئی تھی وہیں بیٹھے بیٹھے، آنکھ کھلی تو کوئی اور کمرا تھا مگر عمر میرے پاس تھے،

میرا ہاتھ پکڑ کر بیٹھے ہوئے، چہرے پر پریشانی کا لیپ!
''میں کہاں ہوں ؟'' میں نے خشک ہوتے ہوئے لبوں سے سوال کیا۔
''سو جاؤ میری جان......'' عمر نے میرے ماتھے پر بوسہ دیا ''تم اسپتال میں ہو، شاید چکر آیا تھا اور تم گر گئی تھیں۔''
''ہوں......'' میں سوچنے لگی کہ کیا ہوا تھا، سب کچھ یاد آ رہا تھا، اپنی نارسائی کا دکھ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بہنے لگا......
''رو کیوں رہی ہوں جان؟ کیا درد ہو رہا ہے؟'' عمر نے پوچھا تھا، ناہید آپی کمرے میں آ گئی تھیں۔
''ہوں......'' بہ مشکل میرے منہ سے نکلا تھا، درد ہی تو تھا جس نے پوری زندگی کو اپنے حصار میں لے لیا تھا، میں بے قصور تختۂ دار پر لٹکی ہوئی تھی، بیٹے شادیاں چاہے جہاں بھی کرنا چاہیں کر لیں، خاندانی یا غیر خاندانی عورتوں سے تو قبول کر لی جاتی ہیں مگر ان سے اولاد قبول نہیں ہوتی کہ خاندان میں کھوٹ شامل ہو جاتی ہے...... آنسو لڑی کی طرح میری آنکھوں سے رواں تھے...... ناہید آپی نے بیٹھ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔
''عمر ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے، کیوں چکر آیا ہے اسے؟''
''ڈاکٹر کا اندازہ ہے کہ اسے کوئی شاک پہنچا ہے، تاہم کچھ ٹیسٹ کیے ہیں انہوں نے جن کی رپورٹ آنے پر ہی اندازہ ہو گا کہ کیا ہوا ہے...... مگر مجھے حیرت ہے کہ اسے شاک کس بات سے پہنچا ہو گا۔''
میں نے آنکھ کھولی، ناہید آپی میرے چہرے کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں، شاید کچھ اندازہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں...

☆☆☆

''کیا بات کرنی ہے آپ کو مجھ سے اکیلے میں اور جلدی؟'' میں نے چوبیس گھنٹے گزر جانے کے بعد خالہ کے پیغام کا جواب دیا، انہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ ان کی کوئی اہمیت میری نظر میں نہ تھی۔ میرا رویہ ہمیشہ ہی ان کے ساتھ اکھڑا اکھڑا سا رہتا تھا اور بہت کھل کر میں نے انہیں اس کی وجہ بھی بتا دی تھی مگر وہ بھی کسی ڈھیٹ مٹی سے بنی تھیں اور مما کو تو اپنی معصوم بہن پر کبھی شک ہی نہ ہوتا تھا۔
''خدا کے لیے اس طرح بات نہ کرو...... میں بہت تکلیف میں ہوں۔'' ان کا جواب آیا، مجھے خوشی ہوئی کہ دوسروں کو تکلیف دینے والوں کو بھی کوئی تکلیف ہوئی۔
''چہلم پر ملتان آئیں گے تو بات ہو گی......'' میں نے لکھا۔
''ہاہ...... کون جانے!'' ان کا مبہم سا پیغام آیا۔
''کیا تم آ نہیں سکتیں؟''
''میں تو عدت کے باعث آ نہیں سکتی...... کاش تم سمجھ سکو کہ تم سے میرا ملنا کس قدر ضروری ہے۔'' ان کا پیغام آیا، میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دل میں بے چینی نے گھر کر لیا، جانے کیا کہنا چاہ رہی تھیں وہ...... مما سے پوچھا کہ خالہ کے پاس چلی جاؤں؟... تو انہوں نے اعتراض کیا کہ گرمی ہے اور اسود کے لیے جانا ٹھیک نہیں...... اکیلے جانا چاہوں تو چلی جاؤں۔ صدف بھی مما کے پاس تھی مگر اس کے پاس اسود کی ذمے داری چھوڑ کر جانا ممکن نہ تھا کہ وہ خود تندرست نہ تھی اور جب سے احمد آ گیا تھا اس کے بعد سے اس کا زیادہ وقت پھپھو کی طرف گزرتا تھا۔
''آپ اسود کو رکھ لیں، خالہ عدت میں ہیں اور تنہا بھی، ہم لوگ قل کے بعد سے گئے نہیں اور چہلم میں ابھی کافی دن ہیں......'' میں نے مما کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا، کوئی ان کی چہیتی بہن کا اتنا خیال رکھے تو مما تو خوش ہوں گی۔
''چلو انتظار کر لو، جب تمہارے پپا کا کوئی ملتان کا دورہ نکلا تو تم ان کے ساتھ چلی جانا......''
''مما میں فلائٹ پکڑ لیتی ہوں......'' میں نے آسان حل پیش کیا۔ اسود کی تو یوں بھی چھٹیاں تھیں اور اس کی وابستگی مما کے ساتھ زیادہ تھی۔
''جس طرح تم مناسب سمجھو......'' مما نے ہتھیار ڈال دیے، میں نے اپنی تیاری کی اور خالو کی بھتیجی نادیہ

کے لیے کڑھائی والے دو سوٹ بھی خرید لیے، وہ باتونی سی لڑکی...... بڑے کام کی باتیں جانتی تھی۔

☆☆☆

ناہید آپی نے خود ہی عمر سے بات کی تھی اور ان سے درخواست کی تھی کی ایک اور تقریب رکھ کر نبیل اور بیلی کا نکاح کر دیا جائے تاکہ نبیل اس کے ویزا کے لیے درخواست جمع کروا دے...... یہی ایک بات تھی جو میں سمجھ رہی تھی کہ ناہید آپی عمر سے منوانا چاہتی ہوں گی اور مجھ سے سفارش کروانا چاہتی ہوں گی۔ عمر سے خود بات کر کے انہوں نے میرے اس شبہے کی تردید کر دی تھی، اب مجھے تجسس تھا کہ انہیں اور کیا بات منوانا تھا، کسی اور بچے کا رشتہ تو ان کے کسی بچے کے ساتھ ہو نہیں سکتا تھا۔

اسپتال سے اگلے روز ہی مجھے فارغ کر دیا گیا تھا، چند سکون آور دواؤں کے ساتھ ڈاکٹر نے عمر سے کہا تھا کہ مریضہ کو خوش رکھیں، انہیں کسی بات سے فوری طور پر ایسا صدمہ پہنچا تھا جس کے باعث ایسی حالت ہوئی تھی۔ میں نے عمر کو منع کیا تھا کہ مما کی طرف یہ بات نہ پہنچے کہ میں اسپتال میں تھی، پہلے ہی صدف کی طرف سے پریشانیاں کیا کم تھیں کہ مما کو میرے بارے میں بھی اطلاع ملتی۔

''مگر مجھے بتاؤ تو سہی میری جان کہ تمہیں ہوا کیا تھا، کس بات پر اتنا صدمہ پہنچا کہ......'' عمر پوچھ رہے تھے اور میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

''مجھے یاد نہیں کہ مجھے کیا ہوا تھا......'' نقاہت کے علاوہ جھوٹ بولنے سے میری زبان سوکھنے لگی تھی۔

''بس تم خوش رہا کرو...... کوئی دکھ ہے تو وہ مجھے دے دو، کھل کر بات کرو...... کیا بات تمہیں پریشان کر رہی ہے......؟'' عمر مجھے بہلا رہے تھے اور میرے زخموں پر جیسے کوئی نمک چھڑک رہا تھا۔ ''اماں بھی تمہارے یوں بیمار پڑ جانے سے بہت پریشان ہیں۔'' دوسروں کی زندگیوں کو کٹھ پتلیوں کی طرح چلانے والی اماں بھی پریشان تھیں...... دل تو چاہ رہا تھا کہ ان کے سامنے جا کر ان سے کہوں کہ کیا دکھ ہے مجھے اور کس طرح میں عمر بھر ان کی منافقت اور ان کی سازش کا شکار ہوئی تھی مگر اس کے لیے شیر کا کلیجا چاہیے تھا۔

☆☆☆

''میں بولوں گی اور تم صرف سننا...... پھر فیصلہ کرنا!'' انہوں نے میرا ہاتھ تھام کر کہا، میرے اندر غصے کی ایک شدید لہر اٹھی، میں نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔

''بات کریں آپ......'' میں نے دانت بھینچ کر کہا۔

''میں پانچ برس کی تھی یا چھ کی...... حنا آپی کی شادی ہوئی، وہ میرے لیے ماں جیسی تھیں، اماں کے پاس کہاں وقت تھا کہ وہ مجھے سنبھالتیں، مجھ سے بڑے بہن بھائی جوان بھی تھے اور اماں ان کی ذمے داریوں میں مصروف تھیں، وہ میری پیدائش پر شرمندہ سی رہتیں...... میں تو کسی بے ضرورت سامان کی طرح اس دنیا میں آ گئی تھی۔ آپی کی شادی میرے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان جیسی تھی، میری زندگی میں ایک ایسا خلا آ گیا تھا جس کو کوئی اور پُر نہیں کر سکتا تھا، میں اپنی ذات میں تنہا ہو گئی، گھر میں کسی اور کے پاس بھی میرے لیے وقت نہ تھا۔

''آپی کی شادی کے دو سال کے بعد ابا کی اچانک ایک حادثے میں وفات نے اماں کو مجھ سے اور بھی غافل کر دیا، وہ اپنے دکھ کو سینے سے لگائے اپنے کمرے میں پڑی رہتیں اور میں اپنی ذات میں اور بھی تنہا ہوتی چلی گئی، ایسے میں آپی آتیں تو میرے لیے سانس لینا آسان ہو جاتی، آپی کی مجھ سے وابستگی کے باعث دانیال بھائی ... بھی مجھ پر بہت توجہ دیتے، میرے لیے ہر دفعہ چاکلیٹ، کھلونے اور آئس کریم وغیرہ لے کر آتے، آپی آتیں تو ان کی اور اماں کی بے شمار باتیں ہوتیں، وہ دونوں آپس میں مصروف ہوتیں اور دانیال بھائی میرے ساتھ رہتے، وہ میرے ساتھ کھیلتے، مجھے گود میں لیے بیٹھے رہتے، مجھے پڑھاتے اور جب میں تھک جاتی تو میرے ساتھ لیٹ کر مجھے سلا دیتے......

''آپی کے ہاں بیٹی کی ولادت ہوئی تو وہ مہینوں ہمارے ہاں رہنے کے لیے آ گئیں..... اس دوران بھی دانیال بھائی ہمارے ہاں آتے رہتے، ان کا آنا اب تواتر سے ہونے لگا، ساری توجہ حنا آپی اوران کی بیٹی پر مرکوز کیے ہوئے میری غافل ماں نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ کوئی ان کی معصوم بیٹی کی معصومیت سے کیسے کھیل رہا تھا، شوہر اور داماد پر اعتماد کی حد کر دی تھی میری بہن اور ماں نے.....'' وہ سسکیں۔ ''میں سات آٹھ سال کی عمر سے ان کے ہاتھوں پامال ہونے لگی..... اماں آپی کے پاس سوتیں اور مجھے مکمل طور پر دانیال بھائی کے حوالے کرتے ہوئے نہ میری ماں کے ذہن میں کوئی وسوسہ آیا نہ میری بہن کو کچھ خیال..... مجھے شروع میں سب کچھ بہت برا لگا مگر دانیال بھائی میرا اتنا خیال رکھتے تھے، میری ضروریات اور خواہشات بن پوچھے پوری کر دیتے..... اماں اور آپی ہر آئے گئے کو کہتیں کہ دانیال..... تانیہ کو بیٹی کی طرح چاہتا ہے، اس کا اپنا باپ بھی ہوتا تو اس کا اتنا خیال نہ کرتا۔

''میں نے اگر کبھی دانیال بھائی کے پاس جانے یا سونے سے انکار کیا تو اماں اور آپی سے ڈانٹ سننا پڑ جاتی کہ وہ میرا اس قدر خیال کرتا ہے، مجھ سے اتنا پیار کرتا ہے اور میں اس کے پاس جانے سے کتراتی ہوں' کاش میری ماں اور بہن اس وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھتیں، میرا سہا ہوا وجود اور خوفزدہ چہرہ دیکھ پاتیں جس پر دانیال بھائی کی دھمکیوں کے باعث ایک مستقل زردی چھا گئی تھی، میں اپنے ہی گھر میں جو ایک لڑکی کی پناہ گاہ ہوتا ہے..... اپنی ماں اور بہن کی موجودگی میں اپنی معصومیت کھو کر انتقام کی آگ میں جلنے لگی، دانیال بھائی پہلے مجھے اچھے لگتے تھے مگر اب برے لگتے تھے، بچپن کے لالچی دل میں انہوں نے اپنی نوازشوں سے گھر کر لیا تھا، وہ مجھے ایسے، ایسے خوب صورت تحائف دیتے تھے کہ میری عمر کی لڑکیاں خوابوں میں بھی نہیں دیکھ سکتیں۔

ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری، تیسری کے بعد چوتھی بیٹی کی ولادت آپی کے ہاں ہوتی رہی، اماں خود جوڑوں کی مریضہ تھیں تو مجھے ہی آپی کے پاس بھجوا دیتیں کہ جب آپی کو اسپتال جانا ہو تو باقی بچیاں گھر پر اکیلی نہ ہوں..... مجھے بچیوں سے زیادہ دانیال بھائی کی تنہائی کا علاج کرنا ہوتا تھا..... شعور کی منزل کو پہنچی تو احساس ہوا کہ میرے ساتھ بہت برا ہوا تھا اور ہو رہا تھا، میں اس میں اپنی اماں کو خاص طور پر قصور وار سمجھتی ہوں کہ ان کو کیوں علم نہیں ہوا، انہوں نے اپنے داماد پر شک کیوں نہیں کیا اور کیوں اپنی کم عمر بچی کو اپنی شادی شدہ بیٹی کے بستر پر دھکیل دیا تھا، مائیں تو اولاد کی نگہبان ہوتی ہیں، وہ تو زمانے کے اتار چڑھاؤ اور اونچ نیچ کو سمجھتی ہیں، میری ماں کی گھاگ نظروں نے کیوں اپنی بیٹی کو پامال ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور جانا۔

''میں اسی طرح اپنی عمر سے کئی سال پہلے..... اس قدر سمجھ دار ہو گئی کہ اس ساری اونچ نیچ کو سمجھنے لگی، میں نے اماں سے کھل کر بات کی..... اس وقت جب مجھے علم ہوا کہ دانیال بھائی کی ساری احتیاطیں بیکار گئیں اور میں بری طرح پھنس چکی تھی، اس وقت صدف، آپی کی گود میں تھی، اماں بجائے اس کے کہ آپی کو بتاتیں یا داماد کو لتاڑتیں تاکہ وہ آئندہ باز رہے..... انہوں نے الٹا مجھے لتاڑ دیا، بے حیا..... بدذات، کمینی، لالچی، بدکردار اور جانے کیا کیا کہا، میرے اندر انتقام کے شعلے اور بھی بھڑکنے لگے۔ مجھے وہ ایک گھٹیا سے کلینک پر لے گئیں اور مجھے اس ''مصیبت'' سے نجات دلا کر وہ اپنی دانست میں بری ہو گئیں، آپی سے بات نہ کرنے کو کہا کہ اس کا گھر اجڑ جائے گا، اس کی چار بیٹیاں ہیں، میاں بیوی کے درمیان تعلقات خراب ہو جائیں گے، دنیا کیا کہے گی..... میں اپنی زبان بند رکھوں تو سب کچھ ٹھیک رہے گا، اسی دوران اماں نے ایک بے جوڑ سا رشتہ قبول کر کے جاوید سے میری شادی کر دی۔

جاوید دور پار سے ابا کی طرف سے ہمارے

رشتے داروں میں سے تھا، وہ بچپن سے ہی ایک کمزور اور سست سا بچہ تھا، اس کی دادی کبھی کبھار اسے ہمارے ہاں لے کر آتیں جب تک ہماری دادی زندہ تھیں......

یہ بچہ گھر کے کونوں کھدروں میں چھپتا پھرتا، اس کی شخصیت میں اعتماد کا فقدان تھا، جسمانی طور پر کمزور ہونے کے علاوہ وہ ذہنی طور پر بھی کمزور تھا، پڑھائی میں بھی اپنی عمر کے لحاظ سے کئی سال پیچھے تھا، ہم اس بچے کے ساتھ کھیلنا بھی پسند نہ کرتے تھے، دادی کا اپنی کزن سے بہت پیار تھا جو وہ دادی کو ملنے ملتان سے آ جاتی تھیں ورنہ ہمارے ہاں سے کوئی بھی ان کے ہاں نہ جاتا تھا کہ ہمارے اور ان کے معیار اور طرزِ رہائش میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ فقط ایک بار اس کی دادی کی وفات پر، دادی کے بے پناہ اصرار پر ہم ان کے ہاں ملتان گئے، اس وقت جاوید جوان تھا اور اس کے بھائیوں نے اسے سبزی منڈی میں آڑھت کا کاروبار سیٹ کر دیا تھا جسے جاوید کے ماں باپ فخر سے ہم سب کو بتا رہے تھے، واپسی پر اماں کے ماتھے کے بل ہی نہ اتر رہے تھے کہ اتنے گھٹیا رشتے داروں کے ہاں انہیں دادی کے مجبور کرنے کے باعث جانا پڑا تھا۔

جب میرے ساتھ اتنا بڑا واقعہ ہوا تو اماں کو علم ہوا کہ میں اب اس قابل تھی کہ میری شادی کر دی جائے، میری جسمانی اور ذہنی حالت کے باعث اماں کو جاوید کا رشتہ واحد مناسب رشتہ لگا تھا کہ اسے کسی بات کا فہم ہی کہاں تھا...... میں نے صاف انکار کر دیا تو اماں نے پھر آپی کو میدان میں اتارا، آپی نے مجھ سے بات کی اور منہ کی کھائی، تب انہوں نے خود ہی دانیال بھائی سے بات کی اور انہیں ذمّے داری سونپ دی کہ مجھ سے بات کریں۔ میں ان سے سخت ناراض تھی، اماں جانتے بوجھتے ہوئے بھی انہیں منع نہ کر سکیں اور یوں میں ایک بار پھر ان کے ہاتھوں مجبور ہو گئی، انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ میرا خیال رکھیں گے، مجھ سے رابطہ رکھیں گے اور جاوید سے شادی یونہی وقتی ہو گی، بالآخر تو انہوں نے ہی مجھ سے شادی کر لینا تھی، میں ان کے ہاتھوں ایک بار پھر بے وقوف بن گئی، جانتے ہوئے بھی کہ وہ میری بہن کا شوہر ہے اور اسے چھوڑے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتا......

''مجھ پر اس وقت اس بات کا غصہ بھوت بن کر سوار تھا کہ اماں اور آپی نے مجھ پر ظلم کیا تھا، زیادتی کی تھی، میں نے ناچار اس ''عارضی'' شادی کے لیے ہاں کر دی...... جاوید سے شادی ہو کر میں ملتان چلی آئی، یہاں کچھ بھی میرے ذہنی معیار کے مطابق نہ تھا، نہ شوہر، نہ اس کا گھر، نہ خاندان اور نہ ماحول...... جبکہ ان کی تو گویا لاٹری نکل آئی تھی، ان لوگوں نے مجھے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا مگر میں اپنی مدھ میں تھی، جاوید کے ہاتھ لگانے سے مجھے گھن آتی تھی، کہاں خوشبوؤں میں بسے، صحت مند اور اسمارٹ دانیال بھائی اور کہاں سوکھا مریل اور احساسِ کمتری میں مبتلا جاوید...... میں بہ مشکل اسے برداشت کرتی، زیادہ تر میکے چلی جاتی تھی۔

''دانیال بھائی ہمارے ہاں آئے اور بتایا کہ انہوں نے ملتان میں اپنا نیا کاروبار سیٹ کیا تھا اور اب ان کا آنا جانا لگا رہے گا، جاوید نے اصرار کر کے انہیں اپنے گھر رہنے کو کہا، دانیال بھائی کو ایک چور دروازہ مل گیا تھا، ہم اپنے ہی گھر میں چوری چھپے کھیلنے لگے...... سب کے سامنے مجھے تانیہ بیٹی کہتے ہوئے دانیال بھائی اور ان کو بھائی جان کہتے ہوئے ہم اپنا مکروہ کھیل جاری رکھے ہوئے تھے۔ تمہیں بھی اکثر دانیال بھائی ساتھ لے کر آتے تھے، یہ وہی دور تھا جب تم نے اپنے بچپن میں ہماری چوری پکڑی تھی، تمہارے لیے تو اس چوری کی یاد ایک حادثے کی طرح ہے مگر میرا سوچو...... میں تو خود اس عمر میں پامال ہو گئی تھی......

''ملتان میں اپنے قیام کے دوران، جاوید کی موجودگی اور عدم موجودگی میں بھی دانیال بھائی ہمارے ہاں آتے رہتے، میرے ساس سسر سمجھدار تھے، ان کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ جاوید تو بہت سیدھے سادے تھے، کئی بار ملتان آتے ہی دانیال بھائی کسی ہوٹل میں بکنگ کروا لیتے تو ہم دونوں گھر سے

خریداری کا بہانہ کر کے وہاں چلے جاتے، کبھی میں کسی سہیلی سے ملنے کا بہانہ کر لیتی تھی، ہماری پینگیں اب آزادی سے ہوا میں اڑ رہی تھیں، میں ماں بھی نہیں بن سکتی تھی کہ جس مصیبت میں مجھے دانیال بھائی نے پھنسایا تھا اس مصیبت سے نجات کے دوران اس اناڑی ڈاکٹر نے مجھے ماں بننے کی صلاحیت سے ہی محروم کر دیا تھا۔

”ملتان میں چند دن رہ کر دانیال بھائی واپسی پر آپی اور بچیوں کی اداسی کا بہانہ کرتے اور مجھے ساتھ لے آتے، اپنے گھر میں بھی وہ کوئی نہ کوئی موقع تلاش کر ہی لیتے تھے، میں تو آنکھیں بند کیے، ان کی انگلی تھامے گمراہی کے راستے پر بگٹٹ دوڑ رہی تھی، حیرت ہوتی ہے کہ آپی کس مٹی کی بنی ہوئی ہیں کہ انہیں کبھی شک ہی نہیں ہوتا...... ان کے سامنے کئی بار دانیال بھائی مجھے غلط طریقے سے چھو بھی لیتے، کبھی ذومعنی بات بھی کہہ دیتے، کبھی ایسے طریقے سے میری تعریف کر دیتے.... جیسے کوئی باپ بیٹی کی کرتا ہے نہ بھائی بہن کی..... اگر کبھی میں کہوں بھی آپی سے کہ دانیال بھائی نے فلاں بات مجھ سے غلط کی ہے تو ہنس دیتیں اور کہتیں سالی اور بہنوئی میں ایسا چلتا ہے......

”دانیال بھائی نے مجھ سے شادی کا جو جھوٹا وعدہ کیا تھا اسے کبھی وفا نہ ہونا تھا مگر مجھے انہوں نے عمر بھر اپنی آدھی گھر والی بنا کر رکھا، دھڑلے سے..... اب سوچتی ہوں کہ میں نے بہت غلط کیا، اپنے ساتھ بھی، آپی کے ساتھ بھی، مجھے اس وقت آپی کو بتانا چاہیے تھا جب پہلی بار دانیال بھائی نے حد پار کی تھی مگر میں اس وقت شاید بہت ناسمجھ تھی، اس وقت بتا دیتی جب اماں کو بتایا تھا تو بھی حالات مختلف ہوتے...... اب صرف پچھتاوے رہ گئے ہیں، میرے ساس سسر بھی شک میں پڑ گئے تھے، جاوید کو بھی شاید کسی نے شک ڈال دیا تھا کہ اس روز گھر سے کام پر جانے کا کہہ کر نکلے تھے، میں نے دانیال بھائی کو مطلع صاف ہونے کا پیغام بھیج دیا اور وہ دس منٹ میں ہمارے گھر پہنچ گئے تھے، جانے جاوید کی طبیعت خراب تھی یا انہیں شک تھا، وہ لوٹ آئے، ان کے پاس باہر کے دروازے کی چابی تھی اور اندر سے دروازہ بند کرنے کی ہم نے ضرورت نہ سمجھی تھی......

”وہ ہمیں دیکھ کر چیخے اور دانیال بھائی بوکھلا کر غسل خانے کو بھاگے، جاوید نے دروازہ پیٹا تو دانیال بھائی نکل کر بھاگے، جاوید نے انہیں عقب سے پکڑا، دانیال بھائی نے ان سے اپنا آپ چھڑانے کو زور لگایا تو جاوید اپنی جھونک میں نیچے گر گئے، میں تب تک کمرے سے اپنا حلیہ درست کر کے نکلی اور جاوید کی حالت دیکھ کر چیخنے لگی...... فوراً قریبی گھروں سے سارے رشتے دار پہنچ گئے، جاوید کو اسپتال لے جایا گیا مگر وہ پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔

”دانیال بھائی نے مجھے کال کی کہ میں کسی کو نہ بتاؤں کہ وہ ملتان میں تھے، میں نہ بتاتی مگر جاوید کی بھتیجی نادیہ نے سب کے سامنے پوچھ لیا کہ دانیال انکل کیوں اتنی سویرے ہمارے ہاں آئے تھے اور وہ بھی جاوید انکل کی غیر موجودگی میں...... مجھ سے کچھ بہانہ نہ بن پڑا، میں نے کہا کہ وہ کچھ سامان دینے آئے تھے اور جلدی چلے گئے تھے کیونکہ انہیں واپس جانا تھا، اس نے کہا کہ اس نے اس وقت ان کی گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھا تھا جب جاوید انکل صحن میں گرے پڑے تھے اور ان کی گاڑی لگ بھگ آدھا گھنٹا وہاں کھڑی رہی تھی! اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اس کہانی کو نیا موڑ دیا جاتا، میں نے ایک نئی کہانی گھڑی اور بتایا کہ جاوید نے دانیال بھائی کو خود ہی آنے کو کہا تھا اور اس لیے دانیال بھائی کافی دیر سے آئے ان کا انتظار کر رہے تھے، ان کے آنے کے بعد دونوں کی آپس میں کوئی بات ہوئی اور دانیال بھائی کے جاتے ہی جاوید کھڑے، کھڑے صحن میں گر پڑے......“

”اب آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟“ میں نے سفا کی سے کہا۔ ”ہماری مما کی زندگی میں زہر گھولتے ہوئے آپ نے نہیں سوچا کہ

سے سنتا ہے، بیچ میں ٹوکتا نہیں..... ہمارے تصور کو بھوک نہیں لگتی..... ہمارا تصور گری سے بلبلا کر پارک میں کبھی سائے میں چلو..... کبھی پانی پی لو..... کبھی دھوپ سے بچو..... جیسی ضد نہیں کرتا..... ہم جہاں ہوں جیسے ہوں ہمارا تصور ہمیں سنتا چلا جاتا ہے.....

میں اسے تصور کر کے ہر روز کتنی ہی باتیں کرتی تھی اور آج..... آج مجھ سے کہا ہی نہیں جا رہا تھا کیونکہ آج وہ محض میرا تصور نہیں..... میرے سامنے حقیقتاً بیٹھا تھا.....اور میرے لیے بار، بار اپنی سوچ کا تانا بانا سمیٹنا..... سمیٹ کر اس کو سنانا مشکل ہو رہا تھا..... ایک دم میرا دل چاہا کہ میں اسے اپنی کلاس کے کسی سب سے شرارتی اور چھوٹے سے بچے کی طرح کان پکڑ کر سزا میں کھڑا کر دوں..... سزا تو میں اسے دے ہی چکی ہوں..... اب تو بس..... کیا کہوں میں نے دل میں سوچا اور پھر گویا ہوئی۔

''تمہیں یاد ہے وہ دوپہر.....؟'' میں نے اپنے لہجے میں تھوڑی سی خوشی گھولنے کی ناکام کوشش کی..... اس نے نفی میں سر ہلا دیا..... ''اُف..... واقعی نالائق ہے.....'' میں نے تاسف سے سوچا۔

''اس دوپہر یونیورسٹی سے واپسی پر میرے بیگ میں صرف پانچ روپے پڑے تھے جو میری واپسی کا کرایہ تھا..... اور ہمیشہ کی طرح میری قسمت سے بس کا ٹائر بیچ روڈ میں پنکچر ہو گیا تھا..... بس ڈرائیور نے کنڈیکٹر کو سب کے کرایے واپس کروینے کا حکم سنا دیا اور میری جان نکل گئی..... کیوں..... آخر کیوں.....؟'' بس میں ایکسٹرا وہیل میری ہی قسمت سے کیوں نہیں ہوتا؟ دوسری تمام خواتین جز بز ہوتی کرایہ واپس لیے بغیر چلتی بنیں..... میں واحد خاتون تھی جو تمام مردوں سے ذرا دور کھڑی کنڈیکٹر کے کرایہ واپس کرنے کے عمل کو دیکھ رہی تھی اور اپنی باری آنے کا انتظار کر رہی تھی کہ میری ہمت نہیں تھی اس لو چلتی دوپہر میں پیدل گھر جانے کی..... اور نہ ہی میرے پاس اضافی پیسے تھے کہ میں آناً فاناً دوسری بس میں بیٹھ جاتی..... ہم بس کے سائے میں تھے مگر تھے تو بیچ روڈ پر..... گاڑیاں زن سے..... زور شور سے ہم سے بچتی بچاتی نکلتی جا رہی تھیں کہ تمہاری چہکتی آواز فضا میں گونجتی آگے نکل گئی اور پھر میں نے دیکھا کہ ایک لمبی سی چم چماتی گاڑی تھوڑی دور جا کر روڈ کے کنارے سے جا لگی..... تم ڈرائیونگ سیٹ سے نکل کر میری طرف دوڑے چلے آئے..... اور پھر جب میں تمہاری ایئر کنڈیشنڈ گاڑی میں سوار ہوئی تو مجھے پہلی بار پتا چلا کہ یہ بڑی گاڑیوں میں بیٹھنے والوں کو شیشے بند کر کے سانس کے لیے ہوا کیسے ملتی ہے..... تم نے مجھے کنجوس کا خطاب دے دیا..... ''میں اپنی حلال کمائی کسی پر نہیں چھوڑتی.....'' تم نے میرا مذاق بنا لیا..... پوری کلاس تمہارے ساتھ ہنستی رہی، مجھے مذاق سے چھیڑتی رہی جو میری حیثیت کی لڑکیاں تھیں وہ سب سمجھ گئیں کہ میں بس کے کنارے لگی بھری دوپہر میں کیوں کرایہ لینے کے لیے کھڑی تھی جبکہ تم جیسے لوگ..... ہاں تم لوگوں کو کیا معلوم..... تم جیسے لوگ تو سمجھ ہی نہیں سکتے..... تمہارے لیے تو یہ لطیفہ ہی رہا..... لہٰذا بس پردہ رہنے دو.....''

''میں تم سے اس بارے میں کئی دفعہ معافی مانگ چکا ہوں..... آخر تم ایک یہ بات بھول کیوں نہیں جاتیں؟'' اس نے جیسے بہت محتاط لہجے میں کہا۔

''اور کیا، کیا بھول جانے کے لیے کہو گے؟ اچھا ہوا کہ میں نہیں بھولی..... میری حیثیت..... میری اوقات..... میرا خاندان..... میرے گھر والے..... کیا، کیا..... بھلاتی.....''

''کوئی ایسی قیامت بھی نہیں آجاتی اگر بھول جاتیں.....'' اس نے اب کی بار ہلکے سے کہا تھا جیسے وہ خود بھی سمجھ نہ پا رہا ہو کہ یہ بات کرنی چاہیے یا

نہیں...... وہ موضوع بدلنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے موقع نہیں دے رہی تھی۔ میں جانتی تھی کہ اس ایک موضوع کی وجہ سے ہی وہ آج اتنے دنوں کے بعد پھر مجھ سے ملنے آگیا تھا اور پچھلے کئی سالوں سے وہ یہی کرتا آرہا تھا...... مگر پتا نہیں اسے مجھ سے ملنے کے لیے یہ گری سے نڈھال ہوتی...... لو چلتی دوپہر ہی کیوں پسند آتی ہے...... خیر...... شاید اس کی تشفی کبھی نہیں ہوسکے گی، وہ ہمیشہ میرا پیچھا کرتا رہے گا...... اسے ماضی کے سچ کریدنے کا شوق تھا...... یہی اس کا کام بھی تو تھا...... آرکیالوجسٹ کہیں کا......

''میں تم سے بحث میں مقابلہ کرنے نہیں آیا ہوں...... جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو...... بس......'' اس نے تحکمانہ انداز میں پھر سے سوال کرڈالا۔

''کیا تم نے آپا کو کہا تھا کہ وہ اس رشتے سے انکار کردیں؟ کیا آپا نے تم لوگوں کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تھی...... نخوت سے بات وغیرہ...... کیا آپا نے تم کو ڈرایا تھا...... کچھ ایسا کیا، کیا تھا؟'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کرنے شروع کردیے...... اور میں نظریں چرانے لگی۔

''جو گزر گیا اس کو دُہرا کر کیا کرو گے...... اس کو بار، بار...... ہر بار سن کر دکھ اٹھا کر کیا کرو گے کیا پاؤ گے......؟ تمہارے لیے کیا اس وقت یہاں ہونا...... مجھ سے یوں استفسار کرنا...... کیا یہ سب پوچھنا ضروری ہے؟ سچ کچھ بھی ہو...... ماضی کا حصہ بن جانے والے سچ بجھی چنگاری ہوتے ہیں...... کریدو گے تو آگ بھڑک اٹھے گی...... تم کیوں جلانا چاہتے ہو...... خود کو...... اپنے وجود کو......''

''اتنے مہینوں بعد ملاقات پر بھی ویسی ہی کتابی باتیں؟'' وہ پھر سے جھنجلا گیا تھا...... میں مسکرا گئی۔

''دراصل میں بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم غریب لوگ اس طرح کی کتابی باتیں کرکے ہی خود کو بہلا سکتے ہیں اب سوچو ناں...... ہر کسی کے لیے یہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ اعلان کرنا بہت آسان ہے کہ وہ بہت امیر ہے...... اس کے پاس بہت پیسہ ہے...... مگر بیچارہ غریب...... کیا وہ ایسا کچھ کہہ سکتا ہے جیسے ......لوگوں میں بہت غریب ہوں...... میرے پاس پیسے نہیں ہیں...... میرا گھر ٹین کی چھت کا بنا ہوا ہے جو گرمیوں میں مکینوں کو جھلسانے کی حد تک بے حال کردیتا ہے۔ بس یہی منطق ہے جس نے ہم جیسوں کو بہت سی ایسی چھوٹی باتیں کرنے سے بچالیا...... اب میں کتابی باتیں کرکے اپنی غربت کا اظہار بھی کرسکتی ہوں اور...... اور یہ کہ ہمارے بڑے بوڑھے کہہ گئے ہیں کہ انسان کو اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں...... میں نے پہلی اور آخری دفعہ تمہاری خاطر یہ کام کر دکھایا تھا اور یوں چادر میرے سر سے سرک گئی۔''

اس کی نم ہوتی ہوئی آنکھوں کی قسم...... جب بھی میں ان میں جھانک لیتی تھی...... ڈوب، ڈوب جاتی تھی...... اس نے دکھ سے منہ موڑ لیا تھا......

''مطلب کہ بتانا ہی پڑے گا...... چلو یوں ہی سہی جیسے ہی تم نے ضد شروع کی تھی کہ تم اپنی بڑی بہن کو بھیجنے والے ہو میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی...... ہمارے ہاں اس طرح رشتے نہیں ہوتے...... پھر بھی ہماری امی نے ہمیشہ مجھے بات کرنے اور اپنی بات سنانے کی آزادی دی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے بات ان کے گوش گزار کردی...... پتا ہے انہوں نے کیا کہا مجھ سے...... بس اتنا ہی کہ انہیں بڑی خوشی ہوگی اگر ہم دونوں کی بات بن جائے مگر غریب ساس امیر داماد سے بیٹوں جیسا سلوک نہیں کرپاتی...... اس کے سامنے جھک، جھک جاتی ہے...... میرے دل پر ایک بوجھ سا آگیا......

میں غلط کر رہی ہوں...... غلط سمت جا رہی ہوں...... خطرے کی گھنٹیاں سی کانوں میں بجتی رہیں مگر پھر بھی...... پھر بھی تمہاری بڑی بہن کی خاطر میں نے اپنا ننھا سا گھر کافی سجایا...... تین دن تک لگ کر ایک، ایک کونا صاف کیا...... نئے پردے ڈالے...... کشن کور بدلے...... اچھے سے برانڈ کا ایک سوٹ بنوایا...... تمام گھر والوں کو سمجھایا کہ کس طرح سے پیش آنا ہے...... دادا جان کو خاص ہدایات دیں کیونکہ وہ بات کرتے ہوئے منہ سے تھوک اڑاتے تھے تو برائے مہربانی مہمان کے سامنے نہ آئیں...... چھوٹی پھوپی ای کی زبان کو قابو کرنے کے لیے ای نے انہیں ٹیپ ریکارڈر کا جھانسا دے دیا تھا...... میں پوری تیاری کر چکی تھی مگر پھر بھی مات کھا گئی...... ہم سب سے لڑ سکتے ہیں...... بس اپنی اوقات سے نہیں لڑ سکتے...... تمہاری بڑی بہن نے جیسے ہی اپنی لمبی سی گاڑی سے قدم باہر رکھے ان کا ٹکراؤ چھوٹے سے بچا سے ہو گیا جو جانے کب دروازے کے پاس ہی جا کھڑے ہوئے تھے اور کسی ایکٹر کی طرح سگریٹ پھونک رہے تھے اور کچھ اتنا دھواں دھار تھے کہ تمہاری بہن کو کھانسی لگ گئی...... بعد میں انہوں نے بتایا کہ وہ سگریٹ سے الرجک ہیں...... ہمارے پورے خاندان کے لیے یہ لفظ بڑا انوکھا تھا...... الرجک...... پتا تو تھا کہ الرجی کیا ہوتی ہے مگر آج تک کسی الرجک کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا بہر حال وہ کسی نہ کسی طرح کھانستی، کھانستی اندر آ گئیں......

وہ کمرا جسے رات میں بیڈ روم اور دن میں ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا وہاں پر تمام تر روک ٹوک کے باوجود میری پلی ہوئی مرغیاں عادتاً آرام فرمانے آ چکی تھیں...... ان کو بھگانے میں ایک ہنگامہ برپا ہوا...... جتنی دیر تمہاری بہن ایک طرف کھڑی رہیں...... اس وقت تک تو میں نے ہمت نہیں ہاری تھی...... میں اتنی آسانی سے ہار ماننا نہیں چاہتی تھی...... اور پھر تمہاری بہن کو ناشتا کرانے کی باری آ گئی...... گلاس...... چائے کے کپ...... یہاں تک کے چمچ تک ایک جیسے نہیں تھے...... الگ، الگ رنگ و نسل کے برتنوں میں ان کو ناشتا پیش کیا گیا تھا۔ان میں بھی اکثر برتن کے کنارے ٹوٹے ہوئے تھے...... جس کی وجہ سے ایک پلیٹ کا نوکیلا ٹوٹا ہوا کنارہ جس میں وہ سموسے کے لیے ٹماٹو کیچپ ڈال رہی تھیں ان کی انگلی کو ہلکا سا چیر گیا تھا...... انہوں نے جلدی سے ٹماٹو کیچپ کی بوتل واپس رکھ دی...... چائے پیتے ہوئے انہوں نے اپنے اردگرد نظر ڈالی جبکہ میں دعا کر رہی تھی کہ وہ نظر اٹھا کر کہیں چھت نہ دیکھ لیں مگر وہ تو ہونا ہی تھا...... انہوں نے اوپر دیکھا اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں...... میں بہت شرمندہ ہو گئی ہمارے گھر کی چھت ٹین کی چھت کی بنی ہوئی ....

.... زنگ آلود سی ہو کر ایک الگ ہی قسم کے رنگ میں تھی...... مگر ایک بات تھی کہ آفرین ہے تمہاری بہن پر کہ انہوں نے ایک دفعہ بھی مجھے یا ای کو اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ انہیں ہمارے گھر...... رہن، سہن اور شکلوں سے ٹپکتی غربت کا احساس ہو چکا ہے...... وہ ہر دم ایسے ہی بات کرتی رہیں جیسے وہ اور ہم ایک برابر ہوں...... مگر میں اندر ہی اندر مرتی جا رہی تھی...... مجھے اپنی غلطی کا احساس دیر سے سہی مگر ہو چکا تھا اور اب میں چاہ رہی تھی کہ یہ کھیل جلدی سے ختم ہو...... مگر وہ مزے سے بیٹھی ای سے گپیں لگاتی چلی جا رہی تھیں...... ای بھی نانا جان کی باتیں نکال کر بیٹھ گئی تھیں اور پھر پتا چلا کہ تمہارے والد، نانا جان سے پڑھ چکے تھے پھر کیا تھا تمہاری بہن اور ای ایسے باتیں کرنے لگیں جیسے کب سے بچھڑی دوست ہوں، مجھے اس وقت ای کا یوں تمہاری بہن سے فری ہونا ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ میں موقع کی تلاش کر رہی تھی...... مگر مجھے موقع نہیں ملا

جس کی وجہ سے جب بالآخر تمہاری بہن جانے کے لیے کھڑی ہوئیں تو میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے ایک جگہ جانا ہے تو وہ مجھے اپنی گاڑی میں چھوڑ دیں...... امی نے حیران ہو کر مجھے دیکھا...... مگر چپ رہیں...... تمہاری بہن بڑی خوشدلی سے امی سے گلے لگیں...... چھوٹے چچا جو ابھی تک دروازے پر کھڑے دھواں چھوڑ رہے تھے انہیں بھی سلام دعا کے بعد ہدایات دیں کہ سگریٹ مضر صحت ہے...... سچ پوچھو تو جب، جب تمہاری بہن ہمارے گھر میں کسی فرد سے بات کرتی تھیں میرا دل دھڑک، دھڑک جاتا تھا کہ اب پتا نہیں جواب کیا ملے گا...... خدا خدا کر کے ہم دونوں گاڑی میں سوار ہوئے......

''مجھے تم سے اور تمہارے گھر والوں سے مل کر بہت اچھا لگا...... مجھے سچی خوشی ملی......'' تمہاری بہن کچھ ایسی ہی باتوں میں لگی تھیں کہ میں نے انہیں ٹوک دیا۔

''آپا...... پلیز مجھے آپ سے ایک درخواست کرنی ہے......'' میری سنجیدگی کو محسوس کر کے تمہاری بہن ایک دم گم صم ہوگئی تھیں...... میں نے انہیں سمجھایا کہ میرا اور تمہارا کوئی جوڑ نہیں...... ہم دونوں کے طبقے اور رہن سہن میں زمین آسمان کا فرق ہے...... میرے گھر کے حالات بدلنے والے نہیں اور ایسے میں جب، جب تم مجھے لے کر میرے غریب خانے پر آؤ گے میرے لیے اذیت دُگنی ہوتی جائے گی...... ہمیں ہمیشہ ایسا وقت دیکھ کر آنا پڑے گا جب موسم ٹھنڈا ہو کیونکہ گرمیوں میں تو ٹین کی چھت مہمان اور میزبان میں فرق نہیں کرتی...... سب کو ایک سا جھلساتی ہے...... میری ماں گھبرا، گھبرا کر اپنی حیثیت سے بڑھ کر ناشتا کرائیں گی پھر بھی ہم آپ لوگوں کے برابر نہیں آسکیں گے...... اور پھر آپ لوگوں کے رشتے دار...... ہمارے رشتے دار...... یہ سب اتنا ہی انوکھا ہے جیسا سنڈریلا کی کہانی میں ہوتا ہے...... مگر ہم کسی کہانی میں نہیں...... حقیقت میں جی رہے ہیں...... میں اپنا پردہ رکھنا چاہتی ہوں آپا...... پلیز میری مدد کریں......'' میری التجا سن کر تمہاری بہن چند لمحے دم بخود ہوگئی تھیں...... ان کی آنکھوں میں نمی سی آگئی تھی...... جو خوشی وہ لے کر گاڑی میں بیٹھی تھیں، میں نے ان سے چند ایک بول میں ہی چھین لی تھی...... میں شرمندہ تھی انہوں نے مجھ سے صرف اتنا ہی پوچھا

کہ وہ تم کو کیا بتائیں گی اور میں نے پہلے سے جو پلان بنا کر رکھا تھا وہ ان کو بتا دیا..... وہ حیران ہو کر مجھے تکتی جا رہی تھیں..... میں ان سے تمام باتیں کر کے راستے میں اتر گئی اور بوجھل دل کے ساتھ واپس گھر آ گئی..... دیکھا کہ چھوٹے چچا ابھی تک دھواں اڑا رہے ہیں۔

''تو میرا شک ٹھیک تھا..... تمہیں مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے ایک عدد پلان بنانا پڑا..... ہونہہ اور یہ تمہارا پلان کہ بڑی بہن کو بھائی کی نظروں میں گرا دو..... مجھے بھروسا تھا آپا اتنی کڑوی نہیں ہو سکتیں ہاں..... کبھی نہیں..... یہ تم نے ہی ان میں زہر گھول کر واپس بھیجا تھا.....'' وہ زہر خند لہجے میں کہتا ہوا بھڑک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''ہاں واقعی غربت ایک ایسا زہر ہے جو جس کو بھی ڈس لے اسے پانی پینے کی بھی مہلت نہیں دیتی۔''

''زیادہ باتیں نہ بناؤ..... تمہیں مجھ سے کبھی محبت تھی ہی نہیں..... ورنہ اتنی آسانی سے تم مجھے آزمائے بغیر.....''

''بات تمہیں آزمانے کی ہوتی تو میں یہ بیڑا بخوشی اٹھا لیتی..... مگر بات یہاں میری آزمائش کی تھی..... ذرا سوچو..... کوئی چھوٹی سی ہی مثال..... امممم..... جیسے بارش ہوتی..... ہم دونوں ساتھ ہوتے..... تو کیا میں تمہارے ساتھ بارش کے مزے لے سکتی.....؟ ہرگز نہیں..... مجھے تو یہ خیال ستاتا رہتا ہے کہ میرے غریب ماں، باپ کا گھر ٹپکتا ہے..... سارا سامان اس وقت سمیٹ کر اندر کیا جا رہا ہوگا..... دادا ابا چیختے ہوں گے کہ پہلے ان کے سر چھپانے کی جگہ کا انتظام کیا جائے..... ایک غدر مچا ہوا ہوگا ایسے میں تم مجھ سے کہتے کہ کہیں گھومنے چلتے ہیں کسی لانگ ڈرائیو پر..... تو میں تمہارے ساتھ ہو کر بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی ہوتی اور اگر ہم کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے بیٹھ جاتے تو..... ایسی آزمائش..... ایسی آزمائش اُف..... اللہ بچائے۔''

میں نے اپنے دونوں کانوں پر شدتِ جذبات سے ہاتھ رکھ لیے تھے..... میں اپنی ہی آواز بند کرنا چاہتی ہوں..... خود کو ہی سننا نہیں چاہتی..... وہ اب مجھے ترحم آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا..... یقیناً وہ مجھے ایک نفسیاتی انسان سمجھ رہا ہے بھلا کون اس طرح ایسی باتیں کرتا ہے..... سنڈریلا نے تو نہیں کیں..... ہم دونوں اب آسمانوں میں کہیں کچھ تلاش کر رہے تھے..... ہماری نظریں بھٹک رہی تھیں..... اور وقت وہ تو گزر ہی جاتا ہے سو ہماری ملاقات بھی اختتام پزیر ہونے کو آئی..... کچھ آخری باتیں..... کچھ آخری کلمات جدا ہوتے ہوئے کلمات..... کچھ ایسی باتیں جن کو سن کر وہ اب کبھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرے..... کچھ ایسے حقائق جن سے پردہ اٹھانا بھی ضروری ہے..... میں نے الفاظ پھر سے سمیٹنے اور بکھیرنے شروع کیے۔

''خیر اپنے اس عمل پر مجھے کوئی دکھ نہیں ہے.....'' میں نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا..... وہ گڑبڑا گیا۔

''تو کیا اس تمام سلسلے میں کبھی کوئی دکھ نہیں ہوا.....؟''

اس نے بہت رنجیدہ لہجے میں پوچھا تھا..... اور ایک لمحے کو میرا دل ہوا..... میں اسے بتا دوں کہ دکھ کس کو کہتے ہیں مگر میں پھر سہم گئی..... اور کچھ دیر سوچ کر جواب دیا۔

''دکھ.....؟ ہاں ہوا تھا..... اس وقت جب میں چار مہینے کے بعد تمہاری بہن کے بہت زیادہ اصرار پر تمہارے گھر پہنچی تھی اس دن تمہاری بہن نے مجھے پہلے تو اپنے بڑے سے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور ایک، ایک کر کے تمام نوادرات

گنوائے..... کون کہاں سے لایا..... کب لایا..... کس کی تاریخ کس سے جاملتی ہے..... پھر انہوں نے ڈرائنگ روم سے جڑے اس گول کمرے کی راہ لی جہاں کی زمین سبز و بیز ایرانی قالین سے ڈھکی ہوئی ہے..... انہوں نے بتایا کہ اس کمرے کا مزاج ہی ایسا ہے کہ اسے قالین سے مزین کرنا ضروری ہے اور یہ قالین ہر چھ مہینے کے بعد بدل دیا جاتا ہے اور ساتھ میں یہ بھی بتایا کہ صرف چھ ماہ کا استعمال شدہ قالین وہ اپنے کام کرنے والوں کو بانٹ دیتی ہیں..... کمرے میں موجود تمہارے خاندان کے بڑے بوڑھوں کی ایک، ایک تصویر سے انہوں نے بڑے شاہانہ انداز میں میرا تعارف کروایا جیسے وہ واقعی وہاں موجود ہوں۔ جیسے میں زندہ ہو کر بھی ان امیر مردوں سے کمتر ہوں..... میں جھکتی چلی گئی..... دبتی چلی گئی..... مگر تمہاری بہن کو رحم نہیں آیا..... اس کے بعد ہمیں ناشتے کا عندیہ ملا..... انہوں نے صرف مجھے بلایا تھا مگر بڑی سی کھانے کی میز پر ناشتا شاید ہمارا پورا محلہ کھا سکتا تھا..... تمہاری بہن نے ایک، ایک ڈش سے کچھ نہ کچھ میری پلیٹ میں انڈیل دیا جب میں ہاتھ روکے بیٹھی رہتی تو وہ اس پلیٹ کو اٹھا کر دوسری طرف رکھ دیتیں اور نئی پلیٹ سامنے رکھ دیتیں..... انہوں نے میری توجہ اس جانب دلائی سارے برتن جو میز پر سجے ہیں اور جو ہم بے دھڑک استعمال کر رہے ہیں ان کے کنارے سونے کے ہیں..... میرے ہاتھ کانپ گئے تھے انہوں نے جھٹ سے اپنے ہاتھ میں پکڑا چمکتا ہوا سا چمچ میری آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے بتایا کہ یہ چمچ کا سیٹ تمہارے والد کو ملکۂ برطانیہ نے تحفے میں بھیجا تھا اس پر ملکہ برطانیہ کے گھریلو سامان کا نشان ثبت تھا..... میں سر ہلاتی جارہی تھی..... پڑھی لکھی امیر خاندان کی لڑکیوں کی تصویریں میرے آگے رکھ دیں..... اور بتایا کہ بس ان میں سے ہی کسی کے لیے رقعہ کھلنے والا ہے..... اس وقت ان کے چہرے پر بڑی بے رحمی تھی..... وہ مجھے تم کو چھوڑ دینے کی پوری، پوری سزا دینا چاہتی تھیں..... میرے خیال میں یہ ان کا حق تھا..... ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ میں تمہیں یوں ٹھکرا دوں گی..... وہ تو یہ سوچ بھی نہیں سکتی ہوں گی کہ میں..... میری جیسی معمولی غریب لڑکی ان کے لائے گئے رشتے کو یوں انکار کر سکتی ہے..... مطلب ایسا کہاں ہوا ہوگا..... یہ تو ایک آئیڈیل کہانی تھی جس کو میں نے مکمل نہ ہونے دیا.....''

''اب سمجھ آئی.....'' وہ میری بات کاٹ کر مجھے حیران نظروں سے دیکھ رہا تھا..... میں نے سوالیہ نظروں سے اس کا مطلب جاننے کی کوشش کی۔

''تمہیں بس یہی خوشی ہے..... اب تک بس ایک یہی اطمینان ہے..... تمہیں کوئی دکھ..... کوئی تکلیف کیوں نہیں ہوتی اب سمجھ آیا کہ تم نے مجھے استعمال کیا..... میری سادگی کو..... میری محبت کو..... صرف یہ احساسِ برتری حاصل کرنے کے لیے کہ میں اپنی بہن کو تمہارے گھٹیا گھر بھیجوں اور تم بڑے فخر سے اس رشتے کو ٹھوکر مار دو..... کیوں؟ یہی بات ہے ناں..... تمہیں تو کبھی کسی سے محبت ہو ہی نہیں سکتی..... تم جیسے لوگ صرف اپنی جھوٹی انا کی تسکین کرتے ہیں..... تم لوگ محبت کر ہی نہیں سکتے۔''

وہ ہاتھ ملتا..... ہذیانی سی کیفیت میں پیروں تلے سوکھے پتوں کو کچلتا..... مجھ سے دور ہوتا گیا میں بڑے اطمینان سے بیٹھی اس کو جاتے ہوئے آخری بار..... بچھڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی..... اچانک میں زیرِ لب بڑبڑا اٹھی۔

''تم جیسے لوگ نہیں جان سکتے..... بس پردہ رہنے دو.....''

اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

دُرِ ثمن بلال

وہ کمالِ ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
ذاتِ پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار ایک جذبے کے کتنے اظہار... یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصع ہو، زیرِ نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق سے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر





سیاہ چمکتی BMW پی سی ہوٹل کی ویلوٹ پارکنگ میں رک گئی تھی...... چند لمحوں کے بعد وہاں کھڑے باوردی ملازم نے آگے بڑھ کر BMW کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا...... اور گاڑی سے نکلنے والے پاکستان کی textile industry پر راج کرنے والے بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس زارون چوہدری کو ادب سے جھک کر سلام کیا تھا...... زارون نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا کر اس کے سلام کا جواب دیا اور خود گاڑی کی دوسری سائڈ پر آ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر مسکرایا۔

ایک مشہور ڈیزائنر کے قیمتی ڈیپ ریڈ سلیولیس ٹیل فراک میں ملبوس عنایہ چوہدری نے اسے اپنے لیے آنر سمجھتے ہوئے ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ زارون چوہدری کو دیکھا...... اس کی آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح عنایہ کے لیے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن تھا...... عنایہ نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا تھا جسے زارون نے بڑی محبت سے تھام کر اسے گاڑی سے نکلنے میں مدد دی تھی...... پھر وہ دونوں بڑی تمکنت سے چلتے ہوئے ہوٹل کے اندر آئے جہاں کھڑے ایک مستعد ویٹر نے بڑی خوش دلی سے دونوں کو ویلکم کرتے ہوئے سیکنڈ فلور کی جانب چلنے کا اشارہ کیا...... وہ دونوں ویٹر کی معیت میں لفٹ کے ذریعے سیکنڈ فلور پر آ گئے تھے...... اس دوران بہت سے لوگوں کی نظریں اس حسین اور پرفیکٹ کپل کی جانب اٹھی تھیں...... اور پھر جھکنا بھول گئیں۔ لفٹ سے نکل کر وہ سیکنڈ فلور پر موجود ایک ہال کے سامنے رک گئے تھے۔ ویٹر نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کے لیے ہال کا دروازہ کھولا۔

زارون، عنایہ کا ہاتھ تھام کر اندر آ گیا...... ہال کا دروازہ بند ہو چکا تھا...... زارون نے حیرت سے گنگ کھڑی عنایہ کو مخاطب کیا "enjoy this event. this event is your birthday surprize".

"wow! that is very pleasent surprize I feel like living in a dream کیا کوئی شخص دنیا میں کسی سے اتنی محبت کر سکتا ہے جتنی تم مجھ سے کرتے ہو؟'' اس کی خوشی دیدنی تھی...... ہال میں back street boys کا مشہور سونگ دھیمی آواز میں as long as you love me گونج رہا تھا...... یہ عنایہ کا فیورٹ سونگ تھا۔

زارون، عنایہ کے سوال پر مسکرا دیا...... اور اس کی کمر کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے قدرے شریر لہجے میں بولا۔

''آئی تھنک! میں اس دنیا کا آخری عاشق ہوں جسے اپنی محبت سے اتنی ''محبت'' ہے۔'' ڈم لائٹس اور مختلف ریکس پر رکھی روشن کینڈلز نے ماحول کو رومینٹک اور خوابناک بنا رکھا تھا...... پورے ہال کو جا بجا سرخ گلابوں کے گلدستوں اور باسکٹس سے سجایا گیا تھا...... ہال کے فرش پر دل کی شیپ میں پھولے غبارے بھی بکھرے ہوئے پڑے تھے...... ڈم لائٹس، تازہ پھولوں کی مہک اور رومینٹک سونگ نے جیسے دونوں کے دلوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

ہال کے درمیان میں ڈنر ٹیبل کو بھی بڑے خوب صورت انداز میں سجایا گیا تھا۔ اسی اثنا میں وہی ویٹر ایک خوب صورت اور وسیع گولڈن ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا...... ٹرالی پر رکھا پانچ پاؤنڈ کا...... بلند چاکلیٹ کیک عنایہ کا فیورٹ کیک تھا۔ عنایہ اب بھی ایک ٹرانس کی کیفیت میں تھی...... ویٹر ٹرالی وہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا...... زارون نے مسکراتی نظروں سے عنایہ کو دیکھا اور اس طرح وہ اس کی کمر میں بازو ڈالے اسے سنبھالے چلتا ہوا اسے ٹرالی کی جانب لے آیا۔ زارون نے چھری اٹھا کر عنایہ کے ہاتھ میں دی اور خود اس کے عقب میں اس کے بے حد قریب کھڑے ہو کر اپنے دونوں بازوؤں کا عنایہ کے گرد حصار بناتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اس کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے دھیرے سے اس کے کان کے قریب سرگوشی کے انداز میں گنگنایا۔

"happy birthday my sweetheart I promise...

I,ll never stop loving you.......

no way! the only reason I may not one day,is not sheating or going asteay but by passing away."

زارون کی بے پایاں محبت اور پھر اس کے محبت بھرے عہد اور وعدے پر خوشی و فخر سے عنایہ کی آنکھیں جھلملا گئیں...... کیک کٹ چکا تھا...... عنایہ نے کیک کا ٹکڑا زارون کو کھلانے کے بعد اپنے منہ میں ڈالا...... اور محبت آمیز لہجے میں بولی۔ "I am the most lucky and fortunate gril on this planet"

''اور انشاء اللہ تم ہمیشہ دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہی رہو گی۔'' زارون اس کا ہاتھ تھامے اب ڈنر ٹیبل کی طرف بڑھ گیا تھا...... عنایہ اس کی پہلی اور آخری محبت تھی اس کا عشق تھی...... زارون کی کزن ہونے کے ساتھ، ساتھ وہ اس کی منگیتر بھی تھی جسے چند مہینوں کے بعد اس کی بیوی بن کر زارون کی زندگی کو خوشیوں کے ایک نئے سفر پر گامزن کرنا تھا...... اس رات عنایہ کی زندگی کا وہ خوب صورت ترین سرپرائز تھا اور کینڈل لائٹ ڈنر عنایہ کی زندگی کے یادگار لمحات میں سے ایک تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم...... ! نانو کیسی ہیں آپ؟'' ڈاکٹر عمر موبائل کان سے لگائے اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف بڑھے۔

''وعلیکم السلام میرے بچے، جیتے رہو......'' نور بیگم اپنے کمرے میں بیڈ سے ٹیک لگائے نیم دراز تھیں...... اور انہوں نے موبائل کان سے لگا رکھا تھا گو کہ وہ موبائل کے استعمال سے قطعی ناواقف تھیں مگر یہ فریضہ یعنی کسی کو کال کرنا یا کسی کی کال ریسیو کرنا...... نور بیگم کی ذاتی ملازمہ پروین عرف پینو ہی سرانجام دیا کرتی تھی جسے خاص طور پر صرف نور بیگم کی دیکھ بھال کے لیے ہی رکھا گیا تھا۔

''بس میرے بچے اس نامراد بڑھاپے میں اب تو بیماریوں نے ہی گھیرنا ہے اور وہ گھیر رہی ہیں، بس ایک دن اسی طرح زندگی کے دن پورے ہو جائیں گے۔'' وہ افسردہ ہوئیں۔

''ارے نانو، یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ...... اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو...... مجھے بتائیں کیا پرابلم ہے، کیوں پریشان ہیں آپ؟'' ڈاکٹر عمر فکر مندی سے پوچھنے لگے۔

''بس میرے بچے! آج صبح سے ہی میری طبیعت بہت خراب ہے، آج تو فجر کی نماز بھی بڑی مشکل سے پڑھ سکی ہوں...... سر میں شدید درد ہے دماغ جیسے کسی نے جکڑ رکھا ہو...... ابھی ایشو نے میرا بلڈ پریشر چیک کیا تو کہنے لگی کہ لو ہے مگر عمر میرا بلڈ پریشر تو ہمیشہ ہائی ہوتا ہے۔ بہرحال اس نے مجھے دوا دی تھی کہہ رہی تھی دوا کھالیں۔''

''نانو آپ نے وہ دوا کھائی تو نہیں؟'' ڈاکٹر عمر نے عجلت میں پوچھا۔

''نہیں عمر، میں نے وہ دوا نہیں کھائی...... میں نے سوچا تم سے پوچھ کر ہی کھاؤں گی۔''

''اچھا کیا نانو...... آپ نے نہیں کھائی۔ میں ابھی آ کر آپ کا بی پی چیک کرتا ہوں۔''

''ہاں میرے بچے اسی بہانے مجھ سے آ کر مل جاؤ...... ہفتے بعد تو کہیں تم نظر آتے ہو، دو گھڑی کے لیے......'' نور بیگم کے لہجے میں شکوہ تھا۔

ڈاکٹر عمر مسکرا دیے۔

''نانو آپ کو تو پتا ہے میرا پورا ہفتہ کس قدر مصروفیت میں گزرتا ہے۔''

''ایک تو اسپتال والوں نے بھی پورے اسپتال کی ذمّے داری جیسے تم پر ہی ڈال رکھی ہے۔ اس شہر میں بھلا ڈاکٹرز ختم ہوگئے ہیں...... ہم تو تمہاری شکل دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔''
نور بیگم کی خفگی پر ڈاکٹر عمر ہنس دیے۔
''نانو، انسان کے پاس جتنا بڑا عہدہ ہو اس کو محنت بھی اتنی ہی زیادہ کرنی پڑتی ہے اور اس کی ذمّے داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں اور ویسے بھی ہم ڈاکٹرز کی زندگی بھی فوجیوں کی طرح ہی گزرتی ہے۔''
ڈاکٹر عمر کی وضاحت پر وہ مسکرا دیں۔
''جانتی ہوں میں کہ تم اس شہر کے سب سے بڑے اسپتال کے چلڈرن وارڈ اور پھر نومولود بچوں کی نرسری کے انچارج ہو۔ اللہ تجھے اور زیادہ ترقیاں عطا کرے میرے بچے...... یہ بتا میری ساجدہ کیسی ہے؟''
''الحمدللہ نانو...... مما بالکل ٹھیک ہیں، پچھلے دنوں ان کی شوگر تھوڑی ہائی ہوگئی تھی لیکن اب ان کی شوگر نارمل ہے......'' وہ ماں کی خیریت بتانے لگے۔
''اللہ میری ساجدہ کو اور میرے داؤد کو ہمیشہ صحت و تندرستی کے ساتھ لمبی زندگی دے...... میرے بچوں کو اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔''
''الٰہی آمین نانو...... یقیناً آج جو ہم سب ایک کامیاب اور خوش حال زندگی گزار رہے ہیں، وہ آپ کی دعاؤں کا ہی ثمر ہے۔'' وہ نہایت تابعداری سے بول رہے تھے۔
''جیتے رہو میرے بچو...... تم سب میری عزت اور احترام کرتے ہو تو مجھ بوڑھی جان کا دل بھی خوش رہتا ہے۔ ہاں بس ساجدہ سے کہنا آکر مجھے مل جائے کافی دن ہوگئے ہیں اس نے یہاں چکر نہیں لگایا۔'' نانو بھی وارفتگی کا اظہار کیے جا رہی تھیں۔
''جی نانو، میں مما کو آپ کا پیغام دے دوں گا۔''
''اور ہاں یہ تو بتا میری مناب کیسی ہے؟'' نور بیگم کو جیسے کچھ یاد آگیا تھا۔
''نانو، مناب بھی ٹھیک ہے، رات کو لندن سے اس کی کال آئی تھی۔ آپ سب کا بہت پوچھ رہی تھی۔''
''اچھا...... تو کب تک واپس آرہی ہے میری بچی......'' نور بیگم کے لہجے میں خوشی تھی مناب کے لیے پیار ہی پیار تھا۔
''انشاء اللہ نانو اگلے مہینے اس کا کورس ختم ہوجائے گا۔''
''چلو شکر ہے میری مناب واپس آجائے گی اگلے مہینے۔'' نور بیگم بچوں جیسے انداز میں بولیں تو ڈاکٹر عمر مسکرا دیے۔
''او کے نانو، میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں' چائے آپ کے ساتھ ہی پیوں گا، میں اب فون رکھتا ہوں۔ اللہ حافظ نانو!''
''اچھا میرے بچے...... اللہ کے حوالے......''
دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔
''لے پینو اسے بھی اب بند کردے۔'' نور بیگم نے موبائل پینو کی طرف بڑھایا۔
''وڈی اماں یہ خود ہی بند ہوجاتا ہے جب اگلا بندہ فون بند کرتا ہے تو۔'' پینو نے ان کے ہاتھ سے فون لے کر سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ان کی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی۔
''اچھا بھئی ہوجاتا ہوگا... تم ذرا میرے پاس بیٹھو اور میرا سر دبا دو صبح سے درد ہو رہا ہے۔'' نور بیگم بیڈ پر لیٹتے

ہوئے بولیں۔

''اچھا وڈی اماں میں دبا دیتی ہوں......'' پینو ان کے پاس بیٹھ کر ان کا سر دبانے لگی۔

''وڈی اماں آپ صبح سے سر کی پیڑ (درد) برداشت کر رہی ہیں، آپ اپنی بلڈ پریشر کی دوائی کیوں نہیں کھا لیتیں؟''

''دادی کیا کھاؤں پینو، مجھے تو یہ ہی نہیں پتا کہ میرا بلڈ پریشر اس وقت ہائی ہے یا لو...... ایشال کہہ رہی تھی کہ لو ہے مگر میرا ہائی ہوتا ہے ہمیشہ......''

''آپ عمر صاحب کو بلا لیں وڈی اماں......'' پینو نے ان کا سر دباتے ہوئے مشورہ دیا...... ''وہ زیادہ وڈے ڈاکٹر ہیں۔''

''آ رہا ہے عمر......'' نور بیگم نے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

نور منزل میں نہایت شفیق اور سادہ دل سی بیوہ بزرگ خاتون نور بیگم اپنے بڑے بیٹے داؤد چوہدری، بہو سمیرا اور اپنے پوتے، پوتیوں کے ساتھ خوشحال اور خوشگوار زندگی گزار رہی تھیں...... داؤد چوہدری کئی انڈسٹریز کے مالک تھے۔ ٹیکسٹائل کی دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا...... داؤد چوہدری کے دو ہی بیٹے تھے زارون اور اقصم۔ زارون نے داؤد چوہدری کے بزنس کو اپنی ذہانت، قابلیت اور محنت سے ایک اور ایک، دو کے بجائے گیارہ بنا دیا تھا...... یہی وجہ تھی کہ ان کی ٹیکسٹائل مل کا کپڑا نہ صرف پورے ملک میں بلکہ بیرون ملک بھی ایکسپورٹ کیا جاتا تھا۔ داؤد چوہدری کا چھوٹا بیٹا اقصم آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا تھا۔

نور بیگم کا چھوٹا بیٹا اور بہو دس سال قبل ایک روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئے تھے جبکہ ان کی دو بیٹیاں دادی کے پاس ہی رکنے کی وجہ سے بچ گئی تھیں۔ بڑی کا نام عنایہ تھا، عنایہ ایک نہایت خوب صورت اور ذہین لڑکی تھی۔ وہ ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ عنایہ کی منگنی نور منزل کے تمام بڑوں کی رضامندی سے زارون کے ساتھ طے ہو چکی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو بے پناہ چاہتے تھے۔ خاندان بھر میں ان دونوں کو لو برڈز اور چاند سورج کی جوڑی قرار دیا جاتا تھا۔ عنایہ سے چھوٹی ایشال تھی جو ایک غیر سنجیدہ...... شوخ و چنچل لڑکی تھی...... ایشال نے اپنے مرحوم والدین کی خواہش پوری کرتے ہوئے ایم بی بی ایس تو کر لیا تھا مگر میڈیکل میں اس کی دلچسپی اب بھی نہ ہونے کے برابر تھی کیونکہ فائن آرٹس میں ماسٹرز کرنا اس کا کریز تھا...... مگر اس کا یہ کریز...... اس کے مرحوم والدین کی خواہش کی بھینٹ چڑھ گیا...... نان سیریس اور نٹ کھٹ سی ایشال گھر بھر کی لاڈلی تھی...... عنایہ اور ایشال کو ان کے تایا داؤد چوہدری اور تائی سمیرا بیگم نے بڑی محبت اور چاہت سے پالا تھا۔ نور بیگم کی اکلوتی بیٹی ساجدہ بیگم وہیں ڈیفنس میں نور منزل کے قریب ہی رہائش پذیر تھیں۔ ان کے خاوند کا انتقال ہو چکا تھا جو پی ایف میں میڈیکل کور میں ونگ کمانڈر کے عہدے پر فائز تھے۔

ساجدہ بیگم کے دو ہی بچے تھے بڑا بیٹا عمر جو ایک قابل consultant paediatrician تھا۔ عمر سے چھوٹی مناب تھی جو انگریزی میں ماسٹرز کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے آکسفورڈ یونیورسٹی میں مقیم تھی۔

☆☆☆

''شدید گرمی، حبس اور اوپر سے لوڈ شیڈنگ نے تو برا حال کر رکھا ہے۔'' سیما بیگم ہاتھ میں کھجور کے پتوں کا پنکھا پکڑے...... صحن میں لگے سکھ چین کے درخت تلے چارپائی بچھاتے ہوئے بڑبڑائیں...... قریب ہی سارہ چوکی

پر بیٹھی تھی...... سارہ نے آسٹریلین طوطے پال رکھے تھے۔ وہ انہیں پنجرے میں باجرہ ڈال رہی تھی۔

''اماں باجرہ ختم ہوگیا ہے، کل گلو سے منگوا دینا۔''

سیما بیگم کو تو جیسے سارہ کی بات سنتے ہی پتنگے لگ گئے۔ جب ہی چارپائی پر بیٹھی خود کو پنکھا جھلتے ہوئے دہاڑیں۔

''تو میں کیا کروں......؟ کہاں سے منگوا کر دوں تجھے، تیرے طوطوں کے لیے باجرہ...... اندر تیرا باپ بیٹھا ہے اسے جا کر بتا...... میری یہاں کون سی ملیں چل رہی ہیں۔ اور ویسے بھی ہمیں یہاں بھوک کے لالے پڑے ہیں اور تجھے اپنے طوطوں کی پڑی ہے۔ آج میں نے احمر کو بلایا ہے شام کو وہ آئے گا اور ان تیرے طوطوں کو بیچ آئے گا...... تب ہی ہمیں رات کو کچھ کھانا نصیب ہوگا۔'' ان کی بے وقت کی تقریر سن کر سارہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

''مگر اماں میں نے تو انہیں بڑے شوق سے پالا ہے میں کیسے انہیں بیچ دوں؟''

''کتنی بار تجھے سمجھایا ہے یہ شوق صرف امیر اور پیسے والے لوگ ہی پال سکتے ہیں، ہم جیسے غریب لوگوں کا تو صرف پیٹ کا دوزخ بھر جائے وہی غنیمت ہے۔ تیرے باپ نے تو ہمارے لیے کچھ کیا نہیں اب زندگی کے دن تو گزارنے ہیں ناں ہمیں......'' ان کا غصہ برقرار تھا۔

''سیما، کیوں ہر وقت میرے بچوں کو غربت کے طعنے دیتی ہو...... کیوں انہیں ہر وقت احساس دلاتی ہو کہ میں ایک ناکارہ شخص ہوں، میں نے ان کے لیے کچھ نہیں کیا...... کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ میں نے انہیں رزقِ حلال کی کمائی سے پالا ہے۔ بس میرا دل مطمئن ہے اور بے شک دل کا سکون رزقِ حلال سے ہی ملتا ہے۔'' نحیف و کمزور سے شاکر حسین اپنے کمرے سے نکل کر صحن میں چلے آئے تھے ان کے لہجے میں شکوہ تھا...... افسوس تھا۔

''بس کردیں شاکر صاحب! پیٹ میں روٹی نہ ہو تو میں نے دل کے سکون کو کیا کرنا ہے...... اب میری زبان مت کھلوائیں...... یہ جو آج ہماری زندگی ''عذاب'' بنی ہوئی ہے ناں اس کے ذمے دار بھی آپ ہی ہیں...... ساری زندگی ایمانداری، شرافت اور رزقِ حلال کا درس دے کر آپ نے کون سا سکھ دے دیا ہمیں......؟ آج آپ کے ساتھ نوکری کرنے والے معمولی کلرک کہاں سے کہاں جا پہنچے...... اور میں چار بچوں کے ساتھ آپ کی ایمانداری کی بھینٹ چڑھ کر اس ڈھائی مرلے کے خستہ حال مکان میں غربت کی چکی میں پس رہی ہوں۔''

سیما بیگم ہمیشہ کی طرح بولنے پر آتیں تو سارے حساب کتاب برابر کر کے ہی چھوڑتیں۔ شاکر حسین شکست خوردہ سے چارپائی کے قریب رکھے موڑھے پر بیٹھ گئے تھے...... ان کے پاس بیگم کی باتوں کے جیسے جواب ہی ختم ہوگئے تھے۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتی تھیں، ان کی شرافت بھری زندگی نے انہیں دیا ہی کیا تھا؟ شاکر حسین نے خاموشی سے اپنی جیب سے تین سو روپے نکالے اور سیما بیگم کی طرف بڑھائے۔

''یہ تھوڑے سے پیسے میں نے اپنی دوا کے لیے رکھے تھے۔ انہیں رکھ لو اور رات کے لیے کچھ بنالو...... سارہ کے طوطے بیچنے کی ضرورت نہیں......'' سیما بیگم منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے شاکر حسین کے ہاتھ سے تین سو جھپٹ چکی تھیں...... اسی اثنا میں گھر کا دروازہ بجا تھا۔

سارہ نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم......'' زویا نے اندر آکر سب کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام......!'' سارہ اور شاکر حسین نے اس کے سلام کا ایک ساتھ جواب دیا جبکہ سیما بیگم کا موڈ ہنوز خراب ہی تھا۔

''سارہ، لائٹ نہیں ہے کیا.....؟'' زویا دوپٹے سے اپنا پسینہ خشک کرتی درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''لائٹ تو پچھلے تین گھنٹے سے نہیں ہے آپی۔'' سارہ نے بہن کو اطلاع دی۔

''اُف اس گرمی، لوڈ شیڈنگ اور مہنگائی نے تو ہم جیسے طبقے کی زندگی عذاب بنا رکھی ہے..... اس ملک کا کوئی ادارہ وقت کی پابندی کرے نہ کرے واپڈا والے لائٹ بند کرنے میں ایک لمحہ تاخیر نہیں کرتے۔'' زویا شدید گرمی میں تپ کر آئی تھی اسی لیے مزاج بھی تپا ہوا تھا۔

سارہ نے اسے کولر سے ٹھنڈا پانی لا کر دیا..... جسے زویا نے ایک ہی سانس میں پی لیا۔

''یہ عذاب صرف ہم جیسوں کے لیے ہیں..... محلوں جیسے گھروں میں ہر وقت اے سی میں ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے والوں کو کیا پتا کہ گرمی کیا ہوتی ہے..... لوڈ شیڈنگ کسے کہتے ہیں..... مہنگائی کا بھوت کتنا بدصورت اور خوفناک ہوتا ہے..... یہ حقیقتیں تو صرف ہمارے طبقے کے لیے ہیں..... کڑھ، کڑھ کر مرنے کے لیے تو صرف ہم لوگوں کو اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔'' سیما بیگم ایک بار پھر شروع ہو گئی تھیں۔

''اماں بس بھی کر دیں..... ہر وقت کی ناشکری کوئی اچھی بات تھوڑی ہے..... میں نے تو بس ایسے ہی ایک بات کہی تھی۔'' زویا نے خالی گلاس سارہ کی طرف بڑھایا۔

''ابا آپ بتائیں کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' زویا نے ٹاپک بدلتے ہوئے باپ سے حال پوچھا۔

انہوں نے ایک گہری سانس لی اور دھیرے سے بولے۔

''بس بیٹا، میرے ٹھیک ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اب تو زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں..... جوں، جوں موت کا وقت قریب آ رہا ہے یہ احساس روز بروز بڑھتا جا رہا ہے کہ میں اپنے بچوں کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔'' بیمار اور ضعیف باپ کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

''ارے ابا یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ آپ کی شرافت اور ایمانداری تو ہمارے لیے فخر ہے۔'' زویا نے باپ کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر زویا کی یہ کوشش سیما بیگم کو ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

''ہاں جی، کیا بات ہے ان کی..... بڑے مغر کے مارے ہیں تمہارے باپ نے..... زارا کو کس طرح چار جوڑوں میں بیاہا تھا میں نے، یہ صرف میں ہی جانتی ہوں..... اب تمہاری اور سارہ کی شادی کے لیے ایک پائی نہیں ہے تمہارے باپ کے پاس..... تم ایک معمولی انگلش میڈیم اسکول میں ٹیچر ہو..... تمہاری مہینے بھر کی تنخواہ بہ مشکل چار، پانچ ہزار ہے۔ سارہ بھی محلے کے بچوں کو ٹیوشنز پڑھا کر صرف تین چار ہزار ہی کما پاتی ہے..... تمہارے باپ کی معمولی پنشن اور تم دونوں بہنوں کی کمائی سے گھر نہیں چلتا..... رہی سہی کسر تمہارا وہ نکما اور نکھٹو بہنوئی ہر دوسرے، تیسرے مہینے تین بچیوں کے ساتھ تمہاری بہن کو یہاں بھیج کر پوری کر دیتا ہے کہ جا ماں، باپ کے گھر سے خرچہ پانی لے کر آ..... میرا کاروبار مندہ چل رہا ہے۔''

''سیما بیگم! اس سارے قصے میں اپنے قابل اور ذہین وفطین بیٹے کا بھی تو ذکر کرو ناں..... جسے تم نے اپنے بے جا لاڈ پیار کی بدولت بگاڑ کر نکما اور ناکارہ بنا رکھا ہے.....'' شاکر حسین کو بھی غصہ آ چکا تھا۔

''بس شاکر صاحب میرے گلو کا نام مت لینا..... میٹرک کے بعد آپ اسے اس کے پسندیدہ کالج میں داخلہ تک نہ دلوا سکے..... بات کرتے ہیں میرے گلو کی..... ہونہہ.....'' انہوں نے نہایت برا منہ بنا کر کہا۔

''ہاں، یہ بھی میرا ہی قصور ہے تمہارا الوکھا لاڈلا..... شہر کے جس کالج میں داخلے کی فرمائشیں کر رہا تھا وہاں کی

ایڈمیشن فیس پچاس ہزار تھی...... کہاں سے لے کر آتا میں اتنی بڑی رقم......؟ کتنی بار میں نے اسے سمجھایا تھا کہ گورنمنٹ کالج میں داخل ہو جائے...... مگر نہیں، وہ بھی تمہاری ہی کاپی ہے...... بجائے میری بات سمجھنے کے نواب صاحب نے تعلیم کو ہی خیر باد کہہ دیا۔'' وہ کافی غصے میں آچکے تھے۔'' سیما بیگم جو لوگ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں نہیں پھیلاتے وہ ہمیشہ پریشان ہی رہتے ہیں، بے سکون ہی رہتے ہیں، سمجھیں تم...... اور تمہیں معلوم ہے گلو محلے کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، سارا دن محلے کے بدنام آوی شیدے کی بیٹھک میں بیٹھ کر تاش کھیلتا ہے، اللہ نے جہاں مجھے تین بیٹیوں کے ساتھ یہ بیٹا دیا تھا، اس کے بجائے مجھے چوتھی بیٹی ہی دے دیتا تو آج یہ دکھ تو نہ ہوتا مجھے جو گلو کی حرکتوں سے روز ملتا ہے۔''

''بیٹیوں کا اچار ڈالنا تھا آپ نے......؟ تین کی ذمے داری اٹھائی نہیں جاتی اور چوتھی کے نہ ہونے پر افسوس کررہے ہیں؟'' سیما بیگم نے تڑخ کر جواب دیا۔

''اماں خدا کے لیے بس کردیں۔ ابا کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' سارہ نے ماں کے آگے ہاتھ جوڑے۔

''تم تینوں تو ہو ہی باپ کی چمچی...... میں اور میرا بیٹا تو تم باپ بہنوں کو زہر لگتے ہیں ناں......''

''اماں خدا کے لیے ایسا مت سوچا کریں، آپ ہمیشہ بات کو غلط رنگ دے دیتی ہیں۔'' زدیا کو بھی ان کی زبان درازی پسند نہیں تھی۔

''ہاں، میں ہی غلط ہوں، میرا بیٹا بھی غلط ہے۔ تم باپ بیٹیاں ہی قابل ہو ناں......'' سیما بیگم غصے میں بڑبڑاتے ہوئے چارپائی سے اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''یہ عورت ایک دن مجھے پاگل کردے گی۔'' شاکر حسین نے سر تھام لیا تھا...... ان کی شوگر ہائی ہو رہی تھی یا لو...... یہ بھی وہ نہیں جانتے تھے۔ لگ رہا تھا ان کے جسم سے جیسے کوئی جان نکالے دے رہا ہو۔ زدیا اور سارہ کے اندر ایک سناٹا سا چھا گیا تھا۔ ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ فکر کی بات یہ تھی کہ ایسا ہر روز ہوتا تھا۔

☆☆☆

لندن میں آج صبح سے ہی موسم کے تیور ٹھیک نہیں تھے۔ سیاہ بادلوں نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ گزشتہ کئی دنوں سے چمکتی صاف ستھری دھوپ کے بعد رات سے ہی موسم ابر آلود ہو گیا تھا۔ مناب کلاس لے کر باہر نکلی تو فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی، مناب نے اوور کوٹ کے بٹن بند کرنے کے بعد سر کو گرم ٹوپی سے ڈھانپ لیا تھا اس کے کندھے پر شولڈر بیگ تھا اور ہاتھوں میں ایک فائل پکڑ رکھی تھی' موسم کے تیور دیکھ کر وہ تیز، تیز چلتی ہوئی یونیورسٹی کے مین گیٹ سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگی تھی۔ آج اسے ٹیکسی لینی تھی جو جلد ہی مل گئی۔ ڈرائیور کو اپنا مطلوبہ ایڈریس سمجھانے کے بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھی' اندر بیٹھتے ہی اس نے اپنے کوٹ کی سائڈ پاکٹ سے اپنا موبائل اور ہینڈ فری نکالا۔ موبائل کو سائلنٹ سے ساؤنڈ پر لگانے کے بعد اس نے ہینڈ فری کانوں میں لگایا۔ کلاس کے دوران وہ اپنا موبائل سائلنٹ پر لگا دیا کرتی تھی۔ موبائل کی اسکرین پر ولی کی چار مسڈ کالز دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرا دی...... اس نے جلدی سے what,s app کھولا...... وہاں ولی کا voice message آیا ہوا تھا۔

مناب نے click کیا اور ولی کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

''hi sweet-heart تم جب بھی فارغ ہو مجھ سے رابطہ کرو...... ہو سکے تو اپنے فلیٹ پہنچتے ہی اسکائپ پر on line ہو جاؤ، آج تمہیں دیکھے ہوئے دو دن اور پانچ گھنٹے ہو چکے ہیں اور یہ میرے صبر کو آزمانے کے لیے بہت ہیں۔

because...

for every day i miss you
for every hour,i need you
for every minute ,i feel you
for every second I want you
forever i love you!"

ولی کے اظہار اور اس کی محبت پر مناب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ اس نے جواباً اسے میسج ٹائپ کرنے کے بعد سینڈ کیا اور موبائل واپس اپنے کوٹ کی پاکٹ میں ڈال لیا...... ٹیکسی ڈرائیور نے اس کی مطلوبہ بلڈنگ کے سامنے گاڑی روک دی تھی...... مناب نے اسے کرایہ دیا اور بلڈنگ کی جانب بڑھ گئی۔ اس کا فلیٹ سیکنڈ فلور پر تھا جو وہ عنایہ کی ایک پاکستانی فرینڈ فاریہ کے ساتھ مل کر شیئر کرتی تھی۔ فاریہ پاکستان سے لندن فیشن ڈیزائننگ کے کچھ کورسز کرنے آئی تھی۔

مناب نے کوٹ کی پاکٹ سے فلیٹ کی چابی نکالی اور لاک کھول کر اندر آ گئی۔ فاریہ کچن میں کافی بنا رہی تھی۔

"hi how are you" مناب نے اوورکوٹ اتار کر ہینگ ہک میں لٹکایا۔ اپنے لانگ شوز اتارتے ہوئے مسکرا کر فاریہ کی خیریت دریافت کرنے لگی تو فاریہ کافی کے دو مگ اٹھائے کچن سے روم میں ہی آ گئی۔

"fine sweetheart" فاریہ نے مگ ٹیبل پر رکھے اور خود کشن گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ مناب بھی اس کے پاس ہی دوسرا کشن گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

''تھینکس یار......'' مناب نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے فاریہ کو ممنون نگاہوں سے دیکھا۔

'' no thanks مجھے پتا تھا تمہیں آتے ہی کافی کی ضرورت ہوگی۔'' فاریہ نے کافی کے سپ لیتے ہوئے ٹی وی آن کیا...... اس دوران دونوں کافی پیتے ہوئے اور ٹی وی دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ میں مصروف رہیں...... جب کافی ختم ہوئی تو فاریہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو بھئی، میری تو کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے......'' فاریہ نے قریب ہی صوفے پر رکھی اپنی جیکٹ اٹھائی۔

''آج موسم ٹھیک نہیں ہے، یاد سے اپنے ساتھ چھتری لے جانا......'' مناب نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں لے جاؤں گی۔ اب تو لندن کے موسم کی عادی ہو گئی ہوں سب کچھ ہی ساتھ رکھنا پڑتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ واپسی پر کھانے کے لیے کچھ لے آؤں......؟'' فاریہ جیکٹ پہننے کے بعد جرابیں پہن رہی تھی جب اس نے مناب سے پوچھا تھا۔

''نہیں کچھ نہیں چاہیے...... کل جو پاستا اور گرین چکن میں نے بنایا تھا وہ ابھی رکھا ہے آج رات کو اسی سے گزارہ ہو جائے گا۔'' مناب نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کرتے ہوئے فاریہ کو بتایا۔

''او کے پھر میں براؤن بریڈ لے آؤں گی...... وہ ختم ہو گئی ہے۔'' فاریہ گلے میں مفلر لپیٹتے ہوئے...... مناب کو خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تھی۔ فاریہ اور مناب کے پاس کمرے کی الگ، الگ چابیاں تھیں کیونکہ ان کی کلاسز کی ٹائمنگ بھی الگ تھی اور جاب کی بھی...... دونوں پڑھائی کے ساتھ، ساتھ پارٹ ٹائم جاب بھی کر رہی تھیں اور اگرچہ allowed نہیں ہوتا مگر کچھ jobs وہ کر سکتی تھیں۔ فاریہ کے جانے کے بعد مناب نے اپنا لیپ ٹاپ نکالا اور اسکائپ پر on line ہوئی تو ولی پہلے سے on line شو نظر آیا مناب نے مسکراتے ہوئے ولی کو وڈیو کال کی...... دوسری طرف کال فوراً ایکسیپٹ کر لی گئی۔

''تھینکس گاڈ تمہاری شکل تو دیکھنا نصیب ہوئی مجھے...... ورنہ تم تو مجھے بھلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی ہو۔''

ولی نے اسے دیکھتے ہی شکوہ کیا۔
''تو یہ ہے ولی، تم بھی کبھی کبھی بالکل بچوں کی طرح بی ہیو کرتے ہو..... سلام نہ دعا نہ میرا حال پوچھا اور شروع ہوگئے شکوے کرنے.....'' مناب مسکرائی۔
''ہاں تو جب میری fiance مجھے اگنور کرے گی تو میں شکوے ہی کروں گا ناں.....''
''ولی میں نے تمہیں کبھی اگنور نہیں کیا اور نہ میں تمہیں کبھی اگنور کرسکتی ہوں اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ میری زندگی میں تمہاری کیا ویلیو ہے۔'' مناب کی بات پر اب وہ شریر انداز میں مسکرانے لگا۔
''آئی نو یار..... بس ایویں تمہیں چھیڑتا ہوں..... تمہیں تنگ کرنے میں مزہ جو آتا ہے۔'' ولی سر کھجاتے ہوئے ہنس دیا۔
''ولی تم بہت خراب ہو، ہمیشہ میری محبت کا فائدہ اٹھاتے ہو۔'' مناب نے مصنوعی خفگی دکھائی۔
''فائدہ.....؟'' اس نے زیرِ لب دُہرایا..... ''ہائے دادے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔ میں نے تمہاری محبت کا.....؟ اتنی دور ہو مجھ سے..... ہفتے میں صرف دو دن یوں اسکائپ پر دستیاب ہوتی ہو..... اب ایسے میں بھلا کیا فائدہ اٹھاؤں گا میں۔'' ولی اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔
''ولی تم امریکا جاکر کتنے بے شرم ہوگئے ہو۔'' مناب اس کے انداز پر، اس کی بات پر بلش ہوگئی تھی۔
''بے شرم..... ہاہاہا.....'' ولی نے قہقہہ لگایا۔
''ولی.....'' مناب نے غصے میں اسے آنکھیں دکھائیں..... مگر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچل رہی تھی۔
''تمہیں پتا ہے تمہارے منہ سے مجھے اپنا نام سننا بہت اچھا لگتا ہے۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔
"same to you wali" مناب نے دھیرے سے جواب دیا۔
''مناب تمہیں پتا ہے یہاں امریکا جیسے ملک میں اتنی فاسٹ لائف گزارتے ہوئے ایک لمحے کے لیے بھی تم میرے دل و دماغ سے نہیں ہٹتی ہو..... بس ہر وقت خود سے یہی سوال کرتا رہتا ہوں..... تم میرے پاس ہوتی تو کیسا ہوتا..... تم میرے ساتھ ہوتیں تو ایسا ہوتا.....''
''ولی قسم سے یار..... تم مجھے کہیں سے ڈاکٹر نہیں لگتے۔'' مناب نے اسے چھیڑا۔
''ڈاکٹر کیا انسان نہیں ہوتے؟ کیا ان کی فیلنگز نہیں ہوتیں؟''
''ہوتی ہوں گی مگر تم جیسا رومینٹک ڈاکٹر میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔'' مناب کی بات اور اس کے انداز پر ولی نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔
''اس میں بھی سارا قصور تمہارا ہے۔''
''میرا..... وہ کیسے؟'' وہ حیران ہوئی۔
''بھئی جس مرد کی فیانسی اتنی خوب صورت اتنی لونگ، کیئرنگ اور ٹیلنٹڈ ہوگی تو کون کافر رومانس جھاڑنے کا موقع ہاتھ سے جانے دے گا۔''
''مائے گاڈ اب اتنی بھی اسپیشل نہیں ہوں میں..... خواہ مخواہ میری تعریفیں کرتے رہتے ہو تم.....'' مناب نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔
''خواہ مخواہ.....؟ ویسے تم واقعی بڑی عجیب لڑکی ہو..... لڑکیاں اپنی تعریف پر خوش ہوتی ہیں اور تم خفا ہوتی ہو..... سلی گرل کبھی خود کو میری نظروں سے دیکھو تو تمہیں اندازہ ہو کہ تم کتنی اسپیشل ہو.....'' ولی کے آنچ دیتے لہجے پر وہ ایسے ہی بلش ہوجایا کرتی تھی..... اسی اثنا میں مناب کے موبائل کی بیپ سنائی دی..... اس نے قریب رکھا

موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا۔

''کس کی کال آ رہی ہے؟''

''پاکستان سے ہے سمیرا ممانی کی۔''

''اوکے، تم کال پک کرو...... میں اپنے لیے کافی بنا کر ابھی آیا۔'' مناب موبائل ہاتھ میں لیے کچن میں آ گئی۔

''جی السلام علیکم ممانی۔''

''وعلیکم السلام...... جیتی رہو بیٹا...... کیسی ہو؟''

''اللہ کا شکر ہے ممانی آئی ایم فائن...... پاکستان میں تو سب ٹھیک ہیں ناں......؟'' مناب کے لہجے میں فکر تھی۔

''ہاں بیٹا یہاں تو سب ٹھیک ہیں مگر وہاں اقصم...... وہ ٹھیک نہیں ہے۔'' سمیرا بیگم کے لہجے میں پریشانی اور تشویش تھی۔

''کیا ہوا چھوٹو کو......؟'' اب کے مناب کے لہجے میں بھی تشویش تھی۔

''اقصم کے دوست جنید کی کال آئی تھی۔ وہ بتا رہا تھا کہ اقصم شدید بخار میں مبتلا ہے۔ بخار کی شدت کی وجہ سے وہ بول تک نہیں پا رہا...... بیٹا اگر تمہارے لیے ممکن ہو تو پلیز تم جا کر اقصم کو دیکھ لو...... پتا نہیں وہ کتنا بیمار ہے...... چار دن سے میری اس سے بات بھی نہیں ہوئی...... جب سے جنید نے مجھے اقصم کی بیماری کا بتایا ہے میں پریشان ہو گئی ہوں...... مناب بیٹا پلیز اسے میری درخواست سمجھ لو اور اقصم کے پاس چلی جاؤ...... جا کر اسے دیکھو اگر وہ زیادہ بیمار ہوا تو میں فوری طور پر انگلینڈ آ جاؤں گی۔'' سمیرا بیگم کے لہجے میں تڑپ تھی، بے چینی تھی اور وہ مناب سے التجا کر رہی تھیں۔

''ارے ممانی، آپ مجھ سے ایسے کیوں کہہ رہی ہیں...... آپ مجھے حکم کریں...... میں آج شام کو ہی چھوٹو کے پاس چلی جاتی ہوں...... آپ پلیز فکر مت کریں، میں تھوڑی دیر تک یہاں سے oxford street کے لیے نکلتی ہوں...... انشاء اللہ اقصم بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

''جیتی رہو میری جان......! میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں......؟ میری پریشانی تم نے آدھی ختم کر دی ہے۔'' سمیرا بیگم، مناب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ممنون ہو رہی تھیں۔

''ارے نہیں ممانی...... شکریہ کہہ کر مجھے پرایا مت کریں۔ چھوٹو آخر میرا بھی تو کچھ لگتا ہے...... وہ مجھے بالکل چھوٹے بھائیوں جیسا عزیز ہے۔''

''جیتی رہو بیٹا، اللہ تمہیں خوش رکھے...... اقصم کے پاس پہنچ کر مجھے کال کر لینا۔''

''جی ممانی، آپ فکر نہیں کریں...... میں چھوٹو کے پاس دو دن رہوں گی تو وہ بالکل ٹھیک ہو جائے۔'' مناب نے انہیں تسلی دی۔

''اوکے بیٹا، اب کچھ...تسلی ہو گئی ہے اچھا میں فون رکھتی ہوں...... انشاء اللہ رات کو بات ہو گی۔'' سمیرا بیگم نے فون بند کیا تو مناب کمرے میں چلی آئی اور ایک بار پھر لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھ گئی۔

''بڑی لمبی کال تھی پاکستان سے...... خیریت تو تھی؟'' دوسری طرف ولی ہاتھ میں کافی کا مگ پکڑے کافی پی رہا تھا۔

''ہاں...... بس ایک پرابلم ہو گئی ہے۔''

''کیسی پرابلم......؟''

''ممانی بتارہی تھیں کہ اقصم بہت بیمار ہے..... چار پانچ دن سے میرا بھی اس سے کوئی رابطہ نہیں ہوا..... ممانی مجھ سے ریکویسٹ کررہی تھیں کہ میں جا کر چھوٹو کو دیکھوں اور یہ ویک اینڈ اسی کے پاس گزاروں..... چھوٹو ہم سب کا لاڈلا جو ٹھہرا.....''

''او کے..... پھر کب جاؤ گی؟'' ولی کا کھنکتا ہوا لہجہ ایک دم سنجیدگی میں بدل گیا تھا۔

''ظاہر ہے چھوٹو بیمار ہے تو ابھی ہی جاؤں گی ناں.....'' مناب نے بے پروائی سے جواب دیتے ہوئے قریب رکھا اپنا شولڈر بیگ اپنی جانب کھسکایا۔

''او کے پھر تم جاؤ..... مجھے بھی ایک دوست کی طرف جانا ہے۔'' ولی کا روکھا پھیکا سا لہجہ مناب کو چونکا گیا۔

''ولی کیا ہوا.....؟ تم خفا ہو کر کہہ رہے ہو مجھ سے؟''

''نہیں، میں کیوں خفا ہوں گا تم سے۔'' ولی نے کافی کا مگ ایک سائڈ پر رکھتے ہوئے عام سے لہجے میں جواب دیا تو مناب کا دل بے چین سا ہو گیا۔

''ولی جن سے محبت کی جائے ان سے جھوٹ نہیں بولا کرتے۔''

''نہیں، میں جھوٹ نہیں بول رہا.....'' ولی نظریں چرا گیا۔

''میرا یوں چھوٹو کے پاس جانا تمہیں اچھا نہیں لگا ناں.....؟''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے مناب..... تمہیں پتا ہے کہ میں ایک لبرل انسان ہوں مجھے ایسی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... دراصل میں اور زری آپا کل دوپہر کی فلائٹ سے لندن آرہے تھے۔ ہماری انگیجمنٹ پہ بھی زری آپا اپنی بیٹی سوہا کے اینول ایگزامز کی وجہ سے نہیں آسکی تھیں..... میں نے سوچا کہ اگلے مہینے تم واپس پاکستان چلی جاؤ گی..... سو آپا اور میں دو چار دن تمہارے ساتھ گزارنا چاہتے تھے.....'' ولی نے تفصیل سے اسے اپنا پلان بتایا تو مناب کا دل اداس ہو گیا۔

''oh I am sorry ولی اگر چھوٹو کی بیماری کا پرابلم نہیں ہوتا تو یقین کرو میں کبھی نہیں جاتی.....''

"its ok sweetheart" ولی مسکرا دیا۔

''تم ریلیکس ہو کر چھوٹو کے پاس جاؤ۔''

''تھینکس ولی، سچ میں، تم بہت اچھے ہو.....'' مناب نے تشکرانہ لہجے میں اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

''او کے، تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔'' ولی ہنس دیا۔

''تم میری طرف سے زری آپا کو سلام کہنا اور ان سے excuse کرنا واپس آکر میں خود انہیں کال کروں گی..... اور ہاں اپنا خیال رکھنا.....'' مناب نے مسکراتے ہوئے آخری جملہ ادا کیا۔

''جب تم میرے پاس میرے گھر آجاؤ گی تو خود ہی رکھنا میرا خیال..... مجھ سے اپنا خیال نہیں رکھا جاتا..... سمجھیں تم.....!''

ولی کی بات پہ مناب ہنس پڑی۔

''ولی تم کبھی کبھی بالکل بچے بن جاتے ہو۔''

''بہانے، بہانے سے تمہاری محبت حاصل کرنا اچھا لگتا ہے مجھے.....'' وہ والہانہ انداز میں بولا۔

''تم میری زندگی میں آنے والے پہلے اور آخری مرد ہو..... میری محبت پانے کے لیے تمہیں بہانے بنانے کی ضرورت نہیں.....''

مناب کے اظہار پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا..... پھر تھوڑی دیر کے بعد ولی سے اجازت لے کر اس نے

شٹ ڈاؤن کر دیا تھا۔ اور پھر لیپ ٹاپ کو اٹھا کر واٹر پروف بیگ میں رکھا اور اپنے ہینڈ کیری میں اپنی ضروری چیزیں رکھنے لگی۔

ولی اور مناب کی منگنی کو ایک سال ہی ہوا تھا..... ولی کے والدین حیات نہیں تھے۔ وہ مناب کے مرحوم والد کے دوست کا بیٹا تھا..... ولی کی پہلی ملاقات مناب سے کراچی میں ہی ایک آرٹ گیلری میں ہوئی تھی..... جہاں ولی اپنے کزن کی ایگزیبیشن کے سلسلے میں آیا تھا۔ پہلی ہی نظر میں اور پہلی ہی ملاقات میں سنجیدہ سی مناب اس کے دل میں اتر گئی تھی..... پھر مناب سے باقاعدہ منگنی کے بعد ولی اپنی بڑی بہن زری آپا کے پاس پچھلے ایک سال سے امریکا میں specialisation کے سلسلے میں مقیم تھا۔



ایشال رات نور بیگم کے کمرے میں سو گئی تھی، صبح جب وہ اٹھ کر اپنے اور عنایہ کے مشترکہ روم میں آئی تو باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی..... اس کا مطلب تھا کہ عنایہ شاور لے رہی تھی..... یک دم اس کی نظر عنایہ کے بیڈ کے سائڈ ٹیبل پر پڑی تھی جہاں بہت سے گفٹ بیگز رکھے تھے..... ایشال مسکراتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ کر گفٹ کھول کھول کر دیکھنے لگی..... قیمتی برانڈڈ واچ..... پرفیوم اور عنایہ کی فیورٹ امپورٹڈ چاکلیٹس دیکھ کر ایشال کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی تھی..... ایشال نے واچ اور پرفیوم واپس بیگ میں رکھا اور چاکلیٹس نکال کر کھانے لگی..... اسی دوران باتھ روم کا دروازہ کھلا اور عنایہ ٹاول گاؤن میں ملبوس باہر نکلی تو ایشال کو اطمینان سے بیڈ پر بیٹھے چاکلیٹس کھاتے ہوئے دیکھ کر اس کا پارہ ہائی ہو گیا..... اور وہ ایشال کی جانب لپکی۔

''ایشو یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''ارے بھئی یہ چاکلیٹس ہیں..... تمہیں نہیں پتا.....'' ایشال کے لہجے میں شرارت تھی اور وہ عنایہ کے حملے سے بچنے کے لیے بیڈ پر کھڑی ہو گئی تھی۔

''ایشو تمہیں اجازت کس نے دی میرے پرسنل گفٹس دیکھنے کی اور یہ چاکلیٹس کھانے کی.....'' عنایہ چلائی۔

''تو اس میں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم شروع سے ہر چیز ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرتے آئے ہیں سو.....'' ایشال بیڈ پر کھڑی تھی اور چاکلیٹس اس کے ہاتھ میں تھیں۔

''ایشو میری چاکلیٹس واپس کر دو.....'' عنایہ جارحانہ انداز میں اس پر جھپٹی..... ایشال دوسری طرف بیڈ سے چھلانگ لگا کر اتر چکی تھی۔

''ویسے بڑے افسوس کی بات ہے محض ان چاکلیٹس کی وجہ سے تم میرے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہو؟ تمہارا یہ... بی ہیو دیکھ یقیناً اوپر بیٹھے مما اور بابا کی روح بھی تڑپ رہی ہو گی۔'' ایشال نے مصنوعی افسوس سے کہا۔ وہ بھی جان بوجھ کر عنایہ کو تنگ کر رہی تھی۔

''بات چاکلیٹس کی نہیں ہے ایشو۔ میں تمہیں ابھی ایسی ہی اور امنگوا دوں گی..... جتنی تم کہو گی مگر یہ مجھے واپس کرو.....'' عنایہ بیڈ کی دوسری سائڈ سے آئی تو ایشال دوڑ کر کمرے سے باہر نکلنے لگی۔ آج ایشال اسے بھرپور انداز میں چڑا رہی تھی

''تو ان چاکلیٹس میں ایسی کیا خاص بات ہے؟'' ایشال نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

''ہے ان میں خاص بات..... کیونکہ یہ مجھے زارون نے دی ہیں۔'' عنایہ کا انداز جتانے والا تھا اسے ایشال پر سخت غصہ آ رہا تھا۔

ایشال اب کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔

''تو کیا ہوا زاردن بھائی، میرے بھی کزن ہیں اور میں ان کی اکلوتی سالی ہوں، سالی جو آدھی گھر والی ہوتی ہے...... سمجھ آئی۔''

''ایشو بہت ہوگئی بکواس...... جلدی سے میری چاکلیٹس واپس کردو۔ تمہیں اچھی طرح سے پتا ہے کہ میں زاردن کا دیا ہوا کوئی بھی گفٹ کبھی کسی تھرڈ پرسن سے شیئر نہیں کرتی ہوں۔''

''نہیں کرتی ہو تو آج کرلو...... میں تمہاری اکلوتی چھوٹی بہن ہوں۔'' ایشال تمام سیڑھیاں تیزی سے پھلانگتے ہوئے نیچے آگئی تھی۔ عنایہ جلدی سے کمرے میں واپس گئی اور کپڑے تبدیل کرکے ہلکے گیلے بال کمر پر پھیلائے اور نیچے چلی آئی۔ ایشال لاؤنج میں کھڑی چاکلیٹ کھا رہی تھی۔

عنایہ بھی تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے لاؤنج میں آگئی......

''اسٹاپ اٹ ایشو...... ورنہ بہت برا ہوگا...... بس رک جاؤ یہیں۔'' ایشال کو دادو کے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر عنایہ اب غصے کے ساتھ، ساتھ جھنجلاہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی زاردن کے ساتھ، ساتھ اس کی دی ہوئی چیزوں سے بھی عشق کیا کرتی...... عنایہ نے اگر کسی مرد سے اندھا عشق کیا تھا تو وہ زاردن چوہدری تھا جس کی ایک، ایک چیز کے لیے وہ حد سے زیادہ جنونی ہو جایا کرتی تھی۔

''ایشو میں تمہارا بہت برا حشر کردوں گی...... سمجھیں تم......'' وہ ایشال کے پیچھے دوڑی۔

''دادو پلیز ہیلپ ی...... عنایہ...... کو دیکھیں بس ان چاکلیٹس کی وجہ سے۔'' نور بیگم کے روم میں پھولی سانسوں کے ساتھ داخل ہونے کے بعد ایشال کا جملہ منہ میں ادھورا ہی رہ گیا تھا...... بے اختیار چاکلیٹس ایشال کے ہاتھ سے نیچے جا گری تھیں...... اگلے ہی لمحے عنایہ بھی ایشال کے پیچھے موجود تھی...... دونوں ہی ٹھٹک کر رک گئی تھیں۔

سامنے ڈاکٹر عمر بیٹھے تھے اور نور بیگم کا بی پی چیک کر رہے تھے۔

''السلام علیکم......!'' دونوں نے انہیں جھٹ سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام......!'' انہوں نے ان کی طرف دیکھے بغیر جواب سلام دیا۔

''تم دونوں کیوں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی ہو؟'' نور بیگم کے سوال پر عنایہ مسکرادی۔

''کچھ نہیں دادو...... یہ ایشو میری اجازت کے بغیر میری چاکلیٹس کھا رہی تھی۔''

''بھئی حد ہوگئی ہے، تم دونوں کے جھگڑے ہی ختم نہیں ہوتے' اپنے قد دیکھو اور اپنی حرکتیں دیکھو...... کیسی بچوں جیسی ہیں......'' نور بیگم نے مصنوعی غصے سے دونوں کو گھورا۔

''دادو قصور ایشو کا ہے......'' عنایہ بڑبڑائی...... ایشال نے اپنے ساتھ کھڑی عنایہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ ایشال کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی کیونکہ ڈاکٹر عمر کی موجودگی میں صحیح کام بھی اس سے ہمیشہ غلط ہو جایا کرتا تھا۔

ڈاکٹر عمر تمام کزنز میں سب سے بڑے تھے الگ تھلگ سے رہنے والے...... ٹو دی پوائنٹ بات کرنے والے خاموش طبع...... بے حد رعب دار شخصیت کے مالک...... ان کے سامنے سب ہی کزنز سوچ سمجھ کر بات کیا کرتے تھے۔

''ایشو نانو کا بی پی صبح تم نے چیک کیا تھا؟'' ڈاکٹر عمر کے سوال پر اس کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آگیا تھا۔

''جج جی عمر بھائی...... دادو کا بی پی لو تھا......'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''تمہارا بی پی آپریٹس کہاں ہے؟'' فوراً ہی اگلا سوال آیا۔

''جی دادو کی الماری میں......''

''لے کر آؤ.....'' اگلا حکم ملا۔
وہ مرے، مرے قدموں سے دادو کی الماری سے بی پی آپریٹس نکال کر لے آئی۔
''میرے سامنے ان کا بی پی چیک کرو.....'' ایک اور حکم آیا۔ عنایہ نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ گھبرائی ہوئی ایشال کو منہ چڑایا۔ نروس ہوتی ایشال، ڈاکٹر عمر کی موجودگی میں دادو کا بی پی چیک کرنے کی کوشش کرنے لگی۔
''دیکھ لیں دادو کا بی پی لو ہے۔''
''اوکے چلو اب اس بی پی آپریٹس سے نانو کا بی پی دوبارہ چیک کرو۔'' ڈاکٹر عمر نے اپنا آلہ ایشال کے آگے رکھا۔
اب ایشال نروس سے انداز میں ان کے بی پی آپریٹس سے دادو کا بی پی چیک کرنے لگی۔
''بی پی ہائی ہے۔'' اب کے وہ منمنائی۔
''اب اپنا بی پی آپریٹس اچھی طرح چیک کرو.....''
ایشال نے چیک کیا.....تو وہ مزید گڑبڑا گئی.....اس آلے میں کوئی گڑبڑ تھی.....صبح اس نے نور بیگم کا بی پی عجلت میں چیک کیا تھا۔ اور اب اسے افسوس ہو رہا تھا۔ اس کی عجلت اب اسے ڈاکٹر عمر کے سامنے شرمندہ کرنے والی تھی۔
''آئی تھنک یہ خراب ہے.....'' ایشال نے سر جھکا لیا.....''میں نے شاید صبح جلدی میں چیک کیا تھا۔'' ڈاکٹر عمر نے اب اسے غصیلے انداز میں دیکھا..... ایشال کے لہجے میں بھی شرمندگی تھی اور انداز میں بھی۔
''نانو مجھے تو آج تک یہ بات سمجھ نہیں آسکی کہ اس نالائق لڑکی نے ایم بی بی ایس کر کیسے لیا.....؟ محترمہ کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کا بی پی آپریٹس ٹھیک ہے یا خراب.....نانو ویسے آپ سب نے اسے ڈاکٹر بنا کر ان بیچارے مریضوں کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے جو مستقبل قریب میں اس کے ہتھے چڑھنے والے ہیں جو انسان اپنے پیشے سے مخلص نہ ہو وہ انسان کسی اور کے ساتھ کیا مخلص ہوگا۔''
''شکر ہے کہ میں نے وہ دوا نہیں کھائی جو ایشو نے بی پی لو ہونے کی صورت میں مجھے دی تھی۔'' نور بیگم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کے انداز میں شکر ادا کیا.....عنایہ نے بہ مشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔
''بدقسمتی سے اگر ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کر چکی ہو تو اس پیشے کو مخلصانہ طور پر قبول کرو.....انسانی جان بہت قیمتی ہوتی ہے جسے ایک ڈاکٹر اپنے تجربات کی نذر نہیں کر سکتا.....سمجھ لو اس بات کو شاید کہیں تمہارے کام آجائے۔ ویسے مجھے بھی دکھاؤ وہ دوا ہے کون سی؟''
ایشال سر جھکائے ڈاکٹر عمر کا لیکچر سن رہی تھی۔ دوا دکھانے کی بات پر اس کی سٹی گم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

مناب جب اپنے فلیٹ سے باہر نکلی تو آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے اور ہلکی، ہلکی بارش ہو رہی تھی.....اس کے ایک ہاتھ میں ہینڈ کیری تھا جس میں اس کی ضروری چیزیں موجود تھیں ایک کندھے پر اس نے لیپ ٹاپ والا بیگ لٹکا رکھا تھا اور اسی ہاتھ میں اس نے بارش سے بچنے کے لیے چھتری بھی پکڑ رکھی تھی۔
اسے piccadilly tube station جانا تھا۔ جب وہ اسٹیشن پر پہنچی تو بارش تیز ہو چکی تھی، فلیٹ سے نکلتے ہوئے مناب فاریہ کے موبائل پر وائس میسج چھوڑ آئی تھی کہ وہ آکسفورڈ اسٹریٹ اقصم کے پاس

جارہی ہے...... اور یہ کہ وہ یہ ویک اینڈ وہیں گزارے گی۔ بالآخر وہ اپنی مطلوبہ tube میں بیٹھ گئی۔ تقریباً 60 miles کا یہ سفر پونے گھنٹے میں طے ہو گیا تھا۔ مناب جب...... oxford circus underground station سے باہر نکلی تو سرد ہواؤں اور بارش کی ہلکی بوندا باندی نے اس کا استقبال کیا تھا وہاں سے ٹیکسی کے ذریعے جب وہ اقصم کے اپارٹمنٹ تک پہنچی تو رات کے ساڑھے سات بج چکے تھے۔

ابھی وہ اپارٹمنٹ کی چوتھی سیڑھی چڑھ کر دروازے کی طرف بڑھنے والی تھی کہ اپارٹمنٹ کا مین ڈور کھلا اور تقریباً چوبیس پچیس سال کا ایک نوجوان لڑکا باہر نکلا...... مناب کو دیکھتے ہی جیسے وہ اسے پہچان گیا تھا۔

''یقیناً آپ مناب ہیں؟'' وہ لڑکا پاکستانی تھا اسی لیے بڑے دوستانہ انداز میں اس نے اردو میں پوچھا تھا۔

''جی...... اور آپ یقیناً جنید ہیں؟''

''جی، آپ نے بالکل ٹھیک سمجھا...... لائیں میں آپ کا سامان اندر رکھ دوں۔'' جنید نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہینڈ کیری پکڑ لیا۔

''تھینکس......'' مناب اس کے پیچھے چلتی اپارٹمنٹ کے اندر آ گئی۔ بلاشبہ اقصم کا اپارٹمنٹ بہت شاندار اور لگژری تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا، وہ ایک ہائی فائی فیملی کا چشم و چراغ تھا...... جس چیز کی خواہش کرتا وہ پوری کی جاتی تھی جنید نے لاؤنج میں اس کا ہینڈ کیری رکھا اور اسے صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔

''آپ بیٹھیے، میں آپ کے لیے کافی بناتا ہوں۔''

''ارے نہیں جنید...... اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے جب پینی ہو گی میں خود بنا لوں گی۔'' وہ صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

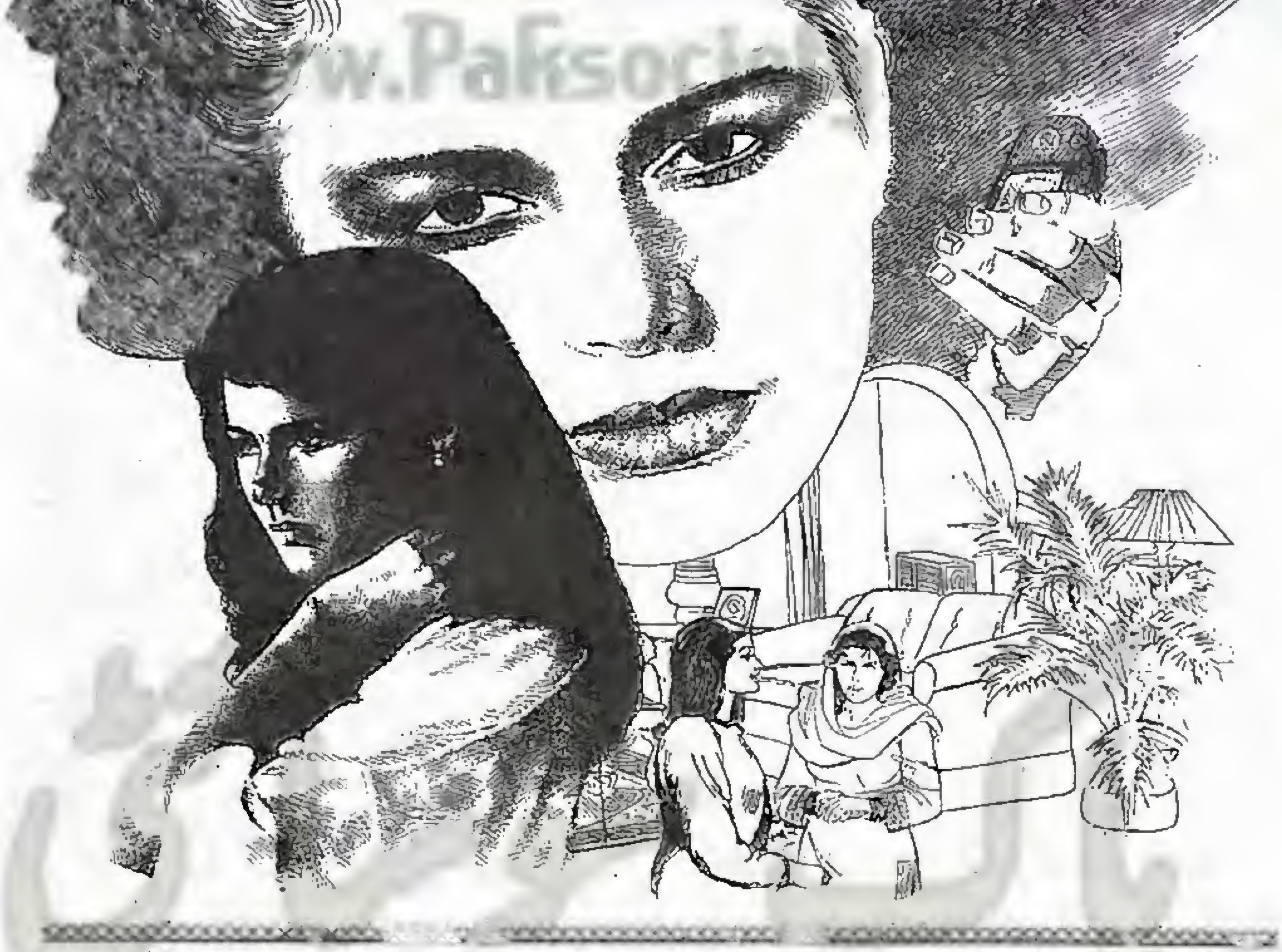
''ویسے آپ نے بہت اچھا کیا آپ یہاں آ گئیں، اقصم کو آپ کی ضرورت تھی فی الحال تو وہ اسٹوپڈ آدمی سو رہا ہے، میں نے اسے چھ بجے میڈیسن کھلا دی تھی اگر وہ اٹھ گیا تو گیارہ بجے اسے دوبارہ میڈیسن دے

دیجیے گا۔''
''او کے ڈونٹ وری..... ویسے یہ اچانک اسے اتنا ٹمپریچر کیسے ہو گیا؟'' مناب نے لاؤنج کے صوفے پر اقصم کے بکھرے ہوئے کپڑے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''دراصل پچھلے کئی دنوں سے یہاں موسم بہت سرد تھا، اسنو فالنگ بھی ہوئی اور یہ محترم ایسے موسم میں roller skating کرتے رہے جس کا نتیجہ اگلی صبح اسے شدید بخار کی صورت میں بھگتنا پڑا۔''
''یہ لڑکا بالکل پاگل ہے۔'' مناب نے جنید کی بات کا جواب دیا تو جنید مسکرایا۔
''نہ صرف پاگل ہے الو بھی ہے بلکہ ضدی بھی ہے اور میری بات تو بالکل نہیں مانتا۔'' جنید کی بات پر وہ بے ساختہ مسکرائی۔
جنید کا دل چاہا کہ وہ مناب کو بتائے کہ اقصم نے اس کی جتنی تعریفیں کر رکھی تھیں وہ ان تعریفوں سے کہیں زیادہ خوب صورت تھی۔
''او کے، اب مجھے اجازت دیں۔ میں اپنے پاگل دوست کو آپ کے حوالے کر رہا ہوں، امید ہے وہ ایک دو دن میں نارمل ہو جائے گا۔'' جنید مسکراتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
''او کے ایز یو وش.....'' مناب بھی دھیرے سے مسکرا دی۔ جنید اسے ایک دلچسپ اور رونقی سا لڑکا لگا۔
اس کے جانے کے بعد مناب نے اپارٹمنٹ کا دروازہ لاک کیا۔ اپنا کوٹ اور لانگ شوز اتار کر وہ اقصم کے روم میں آگئی۔ اقصم، مناب سے چار سال چھوٹا تھا اور مناب اسے بالکل اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ڈیل کرتی تھی۔ کبھی شفقت سے، کبھی لاڈ سے اور کبھی رعب سے..... بخار کی وجہ سے اقصم بیڈ پر بے سدھ پڑا سو رہا تھا اس کا چہرہ کملایا ہوا تھا۔
مناب پریشانی کے عالم میں بیڈ کے قریب آگئی تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ سے اقصم کے ماتھے پر رکھا..... اسے اب بھی تیز بخار تھا۔ مناب نے اس کے روم پر ایک نگاہ دوڑائی۔ روم کے صوفے پر ٹاول اور چند کپڑے بکھرے پڑے تھے۔ جا بجا کچھ برتن..... چائے، کافی کے مگ اِدھر اُدھر رکھے ہوئے تھے۔ مناب اس کی چیزیں سمیٹنے لگی۔ اقصم کے کپڑے اس کی الماری میں رکھنے کے بعد برتن اٹھا کر اس نے کچن کے سنک میں لا کر رکھے اور پھر اپنے لیے کافی بنانے لگی۔ اس دوران اس نے فریج کھول کر دیکھا۔ چند سبزیاں اور چکن کے پیکٹس نکال کر اس نے شیلف پر رکھے اور خود کچن میں دوسٹنری کی ڈائننگ ٹیبل کی چیئر پر بیٹھ کر کافی پینے لگی۔

☆☆☆

سارہ کالج کے گیٹ سے باہر نکلی تو پک کرنے آنے والوں کا جمِ غفیر سامنے موجود تھا۔ کئی موٹر سائیکل..... کئی گاڑیاں..... اور مختلف رکشے، ویز موجود تھیں۔ کئی لوگ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو لینے کالج کے گیٹ کے باہر کھڑے تھے اور کچھ لڑکے صرف لڑکیوں کو تاڑنے کے لیے وہاں کھڑے تھے۔ سارہ نے سکھ کی سانس لی۔ آج وہ بائیک والا لڑکا گیٹ کے پاس موجود نہیں تھا۔ وہ سر جھکائے پیدل چلنے والی لڑکیوں کے گروپ میں شامل ہو کر چلنے لگی تھی۔ راستے میں کہیں نہ کہیں..... کسی نہ کسی گلی، محلے میں لڑکیاں اپنے، اپنے گھروں کو روانہ ہوتی گئیں۔ اب سارہ اکیلی رہ گئی تھی ابھی گھر پہنچنے تک اسے تین گلیوں کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ شدید گرمی اور دھوپ کی وجہ سے سڑک قدرے سنسان تھی۔ وہ تیز، تیز قدموں سے گھر کی جانب بڑھ رہی تھی کہ اچانک اسے اپنے پیچھے آنے والی بائیک اور اس کے مخصوص ہارن نے چونکا دیا۔ سارہ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

(جاری ہے)



حسابِ دوستاں

ثمینہ عظمت علی

حنا کے ہر انداز سے خوشی، اشتیاق اور بے چینی ٹپک رہی تھی۔ اس نے چاول دم پر رکھتے ہوئے اپنے پاس رکھے موبائل پر ٹائم دیکھا اور اس کے ہونٹ مسکرا اٹھے۔

''اب ماہ نور پہنچنے والی ہوگی؟'' اس نے اطمینان سے ہر چیز پر نگاہ ڈالی اور دل ہی دل میں حساب لگانے لگی کہ کوئی چیز کم تو نہیں ...... اس کے لحاظ سے ہر چیز مکمل تھی۔ حالانکہ کراچی سے نکلتے

ہوئے ماہ نور نے اسے میسج کیا تھا۔

''زیادہ تکلف نہ کرنا بس کوئی ایک ڈش۔'' اور اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ہاں تمہاری پسند کی ایک ڈش......'' اسے آج تک یاد تھا کہ ماہ نور کو زیرے کے بگھار والے مٹر چاول بہت پسند تھے۔ اور آج اس نے خاص طور پر بنائے تھے۔ مٹر کا موسم نہیں تھا لیکن اس نے فروزن مٹر سے ہی کام چلایا تھا۔ یہ تو ہوئی ماہ نور کی پسند کی ایک ڈش...... باقی اس نے اپنی مرضی سے کافی چیزیں بنائی تھیں۔ وہ کھانا پکانے میں اچھی خاصی ماہر تھی اور بیس سال کی گھر داری کے بعد اسے کم بجٹ میں بھی اچھا کھانا بنانا آ گیا تھا۔

''امی......! آپ فریش ہو جائیں، اب باقی میں دیکھ لوں گی اور چپاتیاں اسی وقت گرم، گرم ڈال لوں گی۔'' اس کی بیٹی حرا نے اس سے کہا۔

اس نے بڑی محبت سے اپنی بیٹی کو دیکھا جو ابھی میٹرک میں تھی لیکن اچھا خاصا کام کر لیتی تھی۔ حنا نے بھی پڑھائی، پڑھائی کا شور ڈال کر اسے کام سے دور نہیں رکھا تھا بلکہ اس سے چھوٹے موٹے کام کرواتی رہتی تھی۔ اس کے ساتھ، ساتھ حرا پڑھائی میں بھی اچھی ہی تھی۔

''ارے بھئی روٹی تو میں دوڑ کر لے آؤں گا اب رہنے دیں اتنی گرمی میں......؟'' اس کے بیٹے ایشان نے کہا جو سیکنڈ ائیر میں پڑھتا تھا۔

''بھئی سب کچھ گھر پر بنا کر اب روٹی کیا بازار سے منگوانا......'' حنا نے کہا۔ ''چاول بھی ہیں بس دو چار ہی پکانی ہوں گی، کیا فرق پڑتا ہے۔'' یہ کہہ کر حنا نہانے چل دی اور حرا سے تاکید کی کہ ذرا موبائل پر نظر رکھے، کہیں ماہ نور کی کال یا میسج نہ آ جائے۔

☆☆☆

حنا اور ماہ نور بچپن سے ہی نہ صرف پڑوسی اور کلاس فیلوز بلکہ بہت اچھی سہیلیاں تھیں۔ دونوں کے والد سرکاری ملازم تھے اور دونوں ہی حیدر آباد کی ایک سرکاری کالونی میں رہائش پزیر تھے گو کہ ماہ نور کے والد گریڈ میں حنا کے والد سے بڑھ کر تھے لیکن یہ فرق کبھی ان کی دوستی پر اثر انداز نہ ہوا۔ حنا اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی جبکہ ماہ نور دو بھائی اور دو بہنیں...... اسی وجہ سے حنا کا لائف اسٹائل بھی ماہ نور سے کچھ بڑھ کر تھا...... ماہ نور پڑھائی میں بہت ذہین تھی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی شوقین بھی جبکہ حنا بس اوسط درجے کی طالبہ تھی جب تک یہ دونوں کالج تک پہنچیں اس وقت تک ماہ نور کے ایک بھائی کینیڈا چلے گئے تھے اور ایک نوکری کی غرض سے کراچی اور پھر شادی کے بعد وہیں رہائش پزیر تھے۔ اس کی بڑی بہن کی بھی شادی ہو گئی تھی گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے ... والدین کے ساتھ وہی رہتی تھی پھر ایک دن اچانک اس کے والد کی وفات ہو گئی۔ ان کی وفات کے بعد دونوں ماں، بیٹی کا اکیلے رہنا مشکل تھا اور گھر بھی سرکاری تھا لہٰذا اس کے کراچی والے بھائی ان دونوں کو کراچی لے گئے..... سیکنڈ ائیر کے پیپرز دینے کے لیے وہ کچھ دن کے لیے حیدر آباد آئی تو حنا کے گھر رہی پھر اس کے چلے جانے کے بعد کچھ عرصہ تو ان کا رابطہ رہا، فون، خط، عید کارڈز پھر آہستہ، آہستہ وہ بھی کم ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ جب بی اے کرنے کے فوراً بعد ہی حنا کی شادی ہو گئی تو ماہ نور کی طرف سے تحفتاً ایک پارسل، مبارک باد کا کارڈ اور شرکت نہ کرنے کا معذرت نامہ موصول ہوا۔

☆☆☆

''بیس سال گزر گئے......'' حنا نے بال بناتے ہوئے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھتے ہوئے سوچا...... کل کی کھلنڈری حنا کی جگہ آج دو جوان ہوتے بچوں کی ماں اس کے سامنے تھی گو کہ وہ اپنی عمر سے خاصی کم نظر آتی تھی۔

"نہ جانے ماہ نور کیسی ہوگی؟" گو کہ اس نے فیس بک پر اس کی تصویر دیکھی تھی لیکن وہ کافی کلوز اپ پوز تھا اور بس ایک ہی تصویر تھی جو بقول ماہ نوز میں نے اس لیے لگائی تھی تا کہ تم دیکھ لو بھی......"

☆☆☆

اوراب بیس سال بعد ماہ نور کے ملنے کا قصہ......

"امی، اتنا ذکر کرتی ہیں آپ اپنی دوست کا تو ان کو ڈھونڈتی کیوں نہیں؟" ایک دن حرا نے کہا۔

"کیسے ڈھونڈوں، کہاں ڈھونڈوں......؟ وہ کیوں نہیں مجھے ڈھونڈ لیتی......"

"امی! یہ فیس بک جو ہے، میں نے آپ کا اکاؤنٹ بھی بنا دیا ہے لیکن آپ استعمال ہی نہیں کرتیں......" ایشان نے کہا۔

"ارے بھئی مجھے ایسے شوق نہیں......"

"شوق کی کیا بات...... یہ تو اتنے مزے کی چیز ہے...... انسان سب سے رابطے میں رہتا ہے۔" ایشان بولا۔

"میں کس سے رابطہ رکھوں، نہ ماں، باپ، نہ بہن، بھائی......" وہ اداس ہوگئی۔

"تو امی! آپ نئے دوست بنائیں، آپ ویسے ہی کہتی رہتی ہیں کہ صبح کے وقت ہم سب چلے جاتے ہیں تو آپ کے پاس خاصا وقت ہوتا ہے۔"

"امی، ماہ نور آنٹی کا ضرور ایف بی اکاؤنٹ ہوگا۔ وہاں سارے بچھڑے مل جاتے ہیں۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کو ڈھونڈتی ہوں لیکن آپ کا اکاؤنٹ نہ ہونے کی وجہ سے آپ ان کو نہ ملتی ہوں۔" حرا نے کہا۔

"اور تم نے بنایا تو ہے اکاؤنٹ......" وہ بولی۔

"تو پیاری امی! آپ کبھی چیک بھی کرلیں ناں......" ایشان نے ہنس کر کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں بچے......" احمد نے بھی تائید کی۔

میرا اللہ

ایک بزرگ کی شیطان سے بحث ہوگئی۔ شیطان نے پوچھا۔ تیرا اللہ کہاں ہے۔ بولے اللہ میرے پاس ہے۔ شیطان بولا تیرے پاس تو میں بھی کھڑا ہوں پھر بولے اللہ زندگی دیتا ہے، شیطان نے کہا یہ جنازے؟ بولے اللہ صحت دیتا ہے۔ شیطان نے کہا پھر اسپتال کیوں بیماروں سے بھرے پڑے ہیں۔ غرض یہ کہ بزرگ نے جو کچھ کہا کہ اللہ کرتا ہے۔ شیطان نے ثابت کر دیا کہ اس کے برعکس بھی اللہ کرتا ہے بہت پریشانی کا عالم تھا۔ اب وہ کیسے ثابت کریں، لمبی چوڑی دلیلیں پیش کیں مگر سب کو شیطان نے توڑ کر رکھ دیا۔ ان بزرگ کے مرشد زندہ تھے، اس وقت وہ حاضر ہوئے انہوں نے کہا کہ شیطان سے کہو کہ میں نے اللہ کو دلیل کے بغیر جانا۔ شیطان نے کہا تیرا مرشدِ کامل تجھے بچا گیا ورنہ تو اللہ کو دلیل سے ڈھونڈتا ہے اور میں اس کو دلیل سے توڑتا ہوں۔

اس لیے آپ اللہ کو دلیل سے نہ ڈھونڈنا، آپ اس کو ایمان سے ڈھونڈنا۔

اقتباس، واصف علی واصف کی گفتگو

مرسلہ: دیا آفریں، شاہدرہ

گناہ

عذابِ الٰہی سے بے خوف ہوجانا اور رحمتِ الٰہی سے مایوس ہوجانا سب سے بڑا گناہ ہے۔

از: کنز العمال

انتخاب: بشریٰ رضوی، کراچی

اور یوں حنا نے فیس بک کا استعمال شروع کیا۔ اس نے ماہ نور نام لکھ کر سرچ کیا تو ہزاروں ماہ نور سامنے آ گئیں۔

''میرے خدا......'' اس کا سر چکرا گیا۔

''اب کس نام سے ڈھونڈوں، نہ جانے اس کے شوہر کا نام کیا ہوگا اور وہ مجھے کیسے ڈھونڈے؟ میرے نام کے ساتھ تو احمد کا نام لکھا ہے۔'' وہ ماہ نور کی تلاش فی الوقت ترک کر کے اِدھر اُدھر اور چیزیں دیکھنے لگی۔ ایشان نے چند بنیادی سوالات کے جوابات لکھ کر اس کا اکاؤنٹ تو بنا دیا تھا لیکن اس کا پروفائل کافی سے زیادہ خالی تھا۔ اسی وجہ سے مختلف سوالات بار، بار اس کے پیج پر آ رہے تھے۔

''آپ نے کون سے کالج سے تعلیم حاصل کی؟'' ایک سوال تھا۔ اس نے جواب میں اپنے کالج کا نام لکھا تو کھٹ سے سائڈ میں کچھ نام آ گئے کیونکہ وہ ایک گرلز کالج تھا۔ اس لیے فیس بک خدائی خدمت گار بنتے ہوئے ان چند خواتین کے نام دکھا رہا تھا جو اسی کالج میں زیرِ تعلیم رہ چکی تھیں اور فیس بک کو لگتا تھا کہ شاید حنا انہیں جانتی ہو اور اس کی خواہش بھی کہ حنا انہیں اپنا دوست بنا لے اور اس کی یہ خواہش اس دن پوری بھی ہوگئی۔ تیسرے نام اور تصویر پر نظر ڈالتے ہی حنا کی چیخ نکل گئی۔

''ماہ نور......'' یوں دو بچھڑی ہوئی دوستیں مل گئیں۔

''اُف خدا حنا! میں نے تمہیں اتنا ڈھونڈا اور ڈسپلے پر اپنی تصویر بھی اس لیے لگائی کہ تمہیں آسانی ہو۔''

''تم غائب بھی تو ایسی ہوئیں......'' حنا نے شکوہ کیا۔

''بس یار زندگی کی مصروفیات...... پڑھائی، جاب وغیرہ وغیرہ......'' ماہ نور نے اسے بتایا کہ وہ ایم بی اے کرنے کے بعد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں کئی سالوں سے جاب کر رہی ہے اور اب کافی بڑے عہدے پر تھی۔

''بھائی واہ......'' حنا نے سراہا۔ ''تم تو سدا کی پڑھائی اور کیریئر کی شوقین تھیں۔'' وہ دونوں ابھی مزید باتیں کرنا چاہتی تھیں...... لیکن ماہ نور کا بھی آفس ٹائم تھا اور حنا کو بھی گھر کا کام کرنا تھا...... انہوں نے موبائل نمبرز کا تبادلہ کر لیا...... اور رات کو ہی ماہ نور نے اسے فون پر خوش خبری سنائی کہ صرف دو دن بعد ہی وہ آفس کے ایک کام سے حیدر آباد آ رہی ہے سو ملاقات لازمی ٹھہری۔

☆☆☆

''امی...... امی......'' حرا آوازیں لگانے لگی تو وہ خیالوں سے واپس آئی۔

''آئی......'' اس نے جلدی، جلدی بالوں میں کیچر لگایا اور باہر نکل آئی۔

''امی......! آنٹی کا فون آیا تھا وہ وین اسٹاپ تک آ گئی ہیں...... ابو، ایشان کے ساتھ ان کو لینے گئے ہیں۔''

''اچھا......'' حنا کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

''امی...... آنٹی وین پر آئی ہیں کیا؟''

''ارے نہیں بھئی...... وہ تو بڑی افسر ہے۔ گاڑی اور ڈرائیور ہے، وہ تو میں نے اس کی آسانی کے لیے کہہ رہا تھا کہ وین اسٹاپ پر آ کر فون کر لے تو احمد وہاں تک چلے جائیں گے...... کہاں گھر ڈھونڈتی پھرتی بیچاری......''

اور اسی وقت احمد، ایشان اور ماہ نور چلے آئے۔

اور حنا تو اسے دیکھتی رہ گئی۔

اتنی خوب صورت، اتنی اسٹائلش، قیمتی سوٹ، شوز، ہینڈ بیگ، موبائل، گلاسز، جیولری ہر چیز سے اس قدر امارت ٹپک رہی تھی کہ حنا گنگ رہ گئی گو کہ عمر کے آثار اس پر بھی نمایاں ہو رہے تھے لیکن پھر بھی وہ ایک نہایت متمول خاتون لگ رہی تھی اور سخت متاثر کر رہی تھی۔

''کیا ہوا بھئی...... ملو گی نہیں......'' ماہ نور نے خوشی سے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا...... تو حنا بھی

کچھ ہوش میں آئی۔

''اس قدر خوشی ہو رہی ہے حنا کہ بتا نہیں سکتی......''

ماہ نور کی آنکھیں خوشی کے مارے نم ہو گئیں۔

''مجھے بھی......'' حنا نے بہ مشکل کہا۔

اسی وقت حرا کولڈ ڈرنک لے آئی۔

''بہت پیارے بچے ہیں......'' ماہ نور نے ایشان اور حرا کو نہایت محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور احمد بھائی تو اتنے شاندار ہیں...... بہت لکی ہو......'' ماہ نور گرم جوشی سے حنا کا ہاتھ دبا کر بولی اور حنا اس کے ہاتھ میں سجی قیمتی انگوٹھیاں دیکھ کر رہ گئی۔

''کون لکی ہے۔'' اس نے خود سے پوچھا۔ پھر احمد، ایشان اور حرا مختلف کاموں کے بہانے اِدھر اُدھر ہو گئے تاکہ دونوں دوستیں اچھی طرح سے ماضی کی یادیں منا سکیں۔ حنا بھی اب کافی سنبھل چکی تھی اور بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی۔

''بس یار...... پڑھائی کی مصروفیت رہی پھر جاب پھر امی کی بیماری، آخری کئی سال تو وہ بالکل وہیل چیئر پر رہیں۔''

''اور شادی......'' حنا پوچھتے ہوئے رک سی گئی...... درمیان میں بیس سال سے اوپر کا عرصہ تھا، وقت بدل چکا تھا اب کسی کی ذاتیات میں اس طرح دخل نہیں دیا جاتا تھا...... لیکن ماہ نور نے خود ہی بتا دیا۔

''شادی بیچ میں نہ جانے کہاں رہ گئی...... پہلے پڑھائی کے کریز میں، میں خود ہی انکار کرتی رہی پھر امی اتنی بیمار ہو گئیں۔ بہن، بھائی اپنی، اپنی زندگیوں، اپنے گھروں میں مصروف......

میں گھر میں سب سے چھوٹا تھا
میرے حصے میں ماں آئی

ان کو کیسے چھوڑ دیتی...... پچھلے سال ان کا بھی انتقال ہو گیا۔'' اس نے افسردگی سے بتایا۔

''لیکن ماہ نور...... اب بھی......'' حنا نے کچھ کہنا چاہا۔

''چھوڑو...... اب وقت گزر گیا۔'' اس نے سر جھٹکا اور یک دم بشاشت سے بولی۔ ''اب تو مجھے بھی آزادی اور غیر ذمے داری کی عادت ہو گئی ہے۔ اچھی جاب، گھومنا پھرنا وغیرہ......''

''کتنے مزے کا کھانا بنایا ہے تم نے......'' ماہ نور نے کھانا کھانے کے دوران کہا۔ ''اور میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ ایک ہی ڈش بنانا......'' ماہ نور نے خفگی سے کہا۔

''تمہاری پسند کی ایک ہی تو بنائی ہے۔'' حنا نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے تو بھئی، اپنی پسند ہی بھول گئی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ہر چیز میری پسندیدہ ہے۔ یقین کرو اتنی مدت بعد اتنا اچھا کھانا کھایا ہے۔ احمد بھائی آپ بہت خوش قسمت ہیں، اتنی پیاری بیوی اور اتنی اچھی کک......''

''اس میں کیا شک ہے۔'' احمد نے محبت سے حنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور یوں ماہ نور ان لوگوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزارنے کے بعد دوبارہ آنے کا وعدہ اور ان سے کراچی آنے کا وعدہ لے کر چلی گئی۔

☆☆☆

ماہ نور کے جانے کے بعد وہ لوگ کچھ دیر اس کی باتیں کرتے رہے۔ سب کو وہ بہت اچھی لگی پھر ایشان کرکٹ کھیلنے چلا گیا۔ احمد اپنے کمرے میں اور حنا اور حرا کچن سمیٹنے لگیں۔

بچا ہوا کھانا فریج میں رکھتے بلکہ کچھ چیزیں تو فریز کر دیں کہ آئندہ کام آئیں، کفایت شعاری کے باوجود اچھا خاصا بجٹ صرف ہو گیا تھا۔ برتن دھوتے، صاف کرتے حنا کا دل ماہ نور میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ بچپن کی برسوں سے بچھڑی دوست سے ملنے کی خوشی ایک طرف لیکن کچھ بات تھی جو اسے چبھ رہی تھی۔

کتنا فرق تھا اس میں اور ماہ نور میں...... ماہ نور تھی پڑھی لکھی، فیشن ایبل اور اتنی ڈیل آف...... اور وہ خود مڈل کلاس کی عام سی ہاؤس وائف۔

اس نے حرا کی طرف دیکھا جو اس کی مدد کر رہی تھی۔ صبح حرا اسے اس کرتی پاجامے میں اتنی پیاری لگ رہی تھی جو اس نے خود ہی سیا تھا اور خود اس نے بھی اپنا بہترین سوٹ پہنا ہوا تھا لیکن جو سوٹ ماہ نور ان دونوں کے لیے لائی تھی وہ ان کو خریدنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ احمد کے پاس موٹر سائیکل تھی اور... ماہ نور کی گاڑی...... اتنی شاندار...... وہ پہلی بار خود ترسی کا شکار ہوئی۔

''کیا تھا میں بھی پڑھ ہی لیتی...... امی، ابو کو بھی جلدی تھی میری شادی کروانے کی...... پہلے بوڑھے ساس، سسر کی خدمت کرتی رہی پھر بچے بڑے ہو گئے، ان کی پڑھائی، اخراجات، بس بچت کرتے رہو۔ کمیٹیاں ڈالتے رہو، بجٹ بناتے رہو...... اور جاوید بھائی (جیٹھ) کو تو کوئی ایک ٹھکانا نہیں، مانا کہ ہم سے مالی تعاون کرتے رہتے ہیں لیکن ان پر تکیہ تو نہیں کیا جا سکتا ناں...... مانگ تو نہیں سکتے، ان کی مرضی...... کبھی کوئی برانڈڈ ہینڈ بیگ نہیں لیا، موبائل بھی سادہ سا بس ضرورت میں کام آنے والا اور... ماہ نور کا آئی فون اور کیا زندگی ہے ماہ نور کی اتنی اعلیٰ ملازمت، گاڑی، ڈرائیور، نہ کوئی پوچھنے والا، نہ کوئی ذمے داری، نہ بچوں کی فیس جمع کروانے کی فکر، نہ یہ کہ شادی میں کیا پہننا ہے، آج کیا پکانا ہے۔ اتنی حسین ہو رہی تھی حالانکہ شکل میں مجھ سے دبتی تھی۔ پتا نہیں کون سے پارلر جاتی ہوگی...... یہاں تو بس وہی ڈائجسٹوں والے ٹوٹکے لیموں مل لو، کھیرا رکھ لو...... بہت ہوا تو کسی شادی یا عید کے موقع پر یہ محلے والا پارلر......'' اس نے ٹرے اٹھا کر پٹخی۔

''کیا ہوا امی......؟'' حرا نے چونک کر پوچھا۔

''کچھ نہیں......'' اس نے بے دلی سے جواب دیا۔

☆☆☆

گاڑی حیدر آباد کی حدود چھوڑ کر کراچی کی جانب رواں دواں تھی۔ ماہ نور پُرسکون انداز میں آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔

بچپن کی دوست سے برسوں بعد ملاقات کتنا خوش کن تصور تھا لیکن اس کے اندر ایک ہیجان برپا تھا۔ محرومیاں، جنہیں وہ قیمتی چیزوں کی مسکن دوائیں دے کر تھپک، تھپک کر سلا دیتی تھی اب شدت سے بیدار ہو گئی تھیں...... ایک چھوٹا سا گھر، پیار کرنے والا جیون ساتھی، پیارے، پیارے بچے...... کون سی عورت ہے جو ان کا خواب نہیں دیکھتی...... اس نے بھی دیکھا تھا لیکن......

بار، بار اس کی آنکھوں کے آگے حنا کا مطمئن، احمد کا خوب صورت چہرہ آ جاتا۔ ''ایشان کی ذہانت، شرارت، حرا کی معصومیت، اُف اتنی کیوٹ...... کتنا بھرپور ماحول تھا، اتنا اچھا کھانا۔'' برسوں سے اپنے شیف کے ہاتھ کے کھانے اور ہوٹلز کے کھانے کھا کر وہ گھر کے کھانے کا ذائقہ ہی بھول گئی تھی۔

''کتنا خوب صورت تھا سب...... کتنا ٹھیک کیا حنا نے...... بی اے کے بعد بیاہ...... اور میں نے پڑھائی کے پیچھے عمر کے قیمتی سال گنوا دیے...... پھر امی...... مانا کہ ماں تھیں...... ان کا حق تھا لیکن اور بہن، بھائی بھی تو تھے، بہویں تھیں۔ آج میں ٹاپ کرنے والی یوں اکیلی رہ گئی اور وہ درمیانے گریڈز لانے والی حنا اپنی سلطنت کی مالک......'' اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اسے آج کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

☆☆☆

رات کے کھانے کے بعد احمد آئس کریم لے آئے۔

''آج تم تھک بہت گئی ہوگی اور خوش بھی ہو اس خوشی میں۔'' احمد نے اس سے کہا۔ ماہ نور کے جانے کے بعد جو بیزاری اس پر چھائی تھی وہ ہنوز

برقرار تھی، وہ بس سستی سے لیٹی رہی تھی۔ رات کا کھانا بھی حرا نے گرم کر کے لگایا تھا لیکن اس کے باوجود احمد کی اس بات پر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

احمد کی یہی چھوٹی، چھوٹی باتیں تھیں جو اس کا دل موہ لیتی تھیں۔

ایشان میچ جیت کر آیا تھا اور اس نے پانچ وکٹیں لی تھیں اور بڑے جوش و خروش سے میچ کا احوال سنا رہا تھا۔

حرا بڑی محبت اور شوق سے سن رہی تھی۔ خوشی سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا گویا بھائی ورلڈ کپ جیت کر آیا ہو۔

حنا کے دل و دماغ سے پژمردگی دور ہونے لگی۔

اور رات کو جب وہ سونے لیٹی تو ایشان اور حرا کے چہروں کے تصور نے اسے شاد کر دیا۔ پیارے، ذہین، فرمانبردار بچے...... پھر اس نے سوئے ہوئے احمد کو دیکھا...... بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ وہ زیادہ پُرکشش ہوتے جا رہے تھے۔ خیال رکھنے والا ساتھی، پیار کرنے والا...... جان چھڑکنے والا، شریف، باکردار، ایماندار...... اسے ماہ نور یاد آئی۔ قیمتی کپڑوں میں ملبوس...... لیکن کیا اس کی محرومی حنا سے چھپ پائی؟ جب احمد اسے محبت سے دیکھ رہا تھا تو... ماہ نور کے چہرے پر کیسا رنگ آیا تھا...... ایشان اور حرا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں کیسی حسرت اتر آئی تھی۔ چاہے لاکھوں کماتی ہو، گھر آئے تو تنہا......

''مجھے ذرا سا سر درد ہو جائے تو احمد، ایشان، حرا کتنا پریشان ہو جاتے ہیں۔ کتنا خیال رکھتے ہیں اور جاوید بھائی بھی کتنے اچھے ہیں ماہ نور کے بہن، بھائیوں کی طرح خود غرض نہیں ہیں۔ خواہ مخواہ شام کو میں احساسِ کمتری کا شکار ہوئی۔'' وہ اب اس لمحے احساسِ برتری کا شکار تھی۔

''گھر، شوہر، بچے، پیار، محبت اور وہ... ماہ نور...... چچ چچ۔'' اس نے گویا اس کا مذاق اڑایا اور کروٹ بدل کر سونے لگی۔

☆☆☆

ماہ نور شاور لے کر اب صوفے پر بیٹھی چونسٹھ انچ اسکرین پر فلمی گانے دیکھ رہی تھی۔ اپنی میڈ سے اس نے کافی بنانے کو کہا تھا۔

کافی کے سپ لیتے ہوئے ٹانگیں جھلا، جھلا کر گانے کے بول دھیرے، دھیرے دُہراتے اس کے ذہن سے ساری کلفت دور ہونے لگی۔

اس نے اپنے کمرے پر نظر دوڑائی جو کسی فائیو اسٹار ہوٹل کا کمرا دکھتا تھا۔ اسے حنا کا گھر یاد آیا۔

چھوٹا سا، پرانے انداز کا گھر...... جس کے ایک ہی کمرے میں اے سی تھا۔ ''شاید گرمیوں میں وہ سب ایک ہی کمرے میں سوتے ہوں گے اور ٹائم ٹیبل کے ساتھ اے سی چلاتے ہوں گے۔'' اس نے تمسخر سے سوچا۔

''لو...... مجھے کیا ہوا تھا شام کو جو میں نے اتنا نیگیٹو سوچا۔ حنا مجھے دیکھ کر کیسی ہکا بکا رہ گئی۔'' اس نے سرشاری سے سوچا۔ ''اور اس کا بیٹا ایشان...... ''آنٹی یہ آئی فون ہے ناں......'' اور حرا...... ''آنٹی یہ عاصم جوفا کا سوٹ ہے ناں......'' خود حنا نے جو سوٹ پہنا ہوا تھا گو کہ بہت اچھا اور نیا دکھتا تھا لیکن چونکہ ماہ نور بے تحاشا کپڑے خریدتی تھی، اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہ کسی اچھے برانڈ کا لیکن پچھلے سال کا پرنٹ تھا یا تو بہت سنبھال کر رکھا ہوگا یا پھر آف سیزن میں سیل سے لیا ہوگا۔'' اس نے مغرور انداز میں اپنی وارڈ روب کی طرف دیکھا جو بند تھی لیکن پھر بھی اسے معلوم تھا کہ اس میں لاتعداد ایسے سوٹ ہیں جو ابھی پہنے جانے کے منتظر ہیں۔

''اچھا پہناوا اچھا کھانا، فارن ٹورز اتنی لگژری...... اتنے مردوں پر حکم چلاتی ہوں اور شادی......؟ ہونہہ بس ایک مرد کے احکامات سنتے رہو......

اور حنا کا شوہر احمد......؟ چلو ٹھیک ہے خوش شکل بندہ ہے لیکن ایسی شکل کا کیا کرنا...... معمولی جاب اور

ایک موٹر سائیکل...... جب بیچارہ اپنی پرانی موٹر سائیکل پر بچے کو پیچھے بٹھا کر مجھے لینے آیا تو میری گاڑی دیکھ کر کیسا کھسیا گیا تھا۔'' ماہ نور کو اب مزہ آنے لگا۔ اور میرے تحفے دیکھ کر تو سب کی آنکھیں پھٹ گئیں۔''

اس نے دیکھا کہ حنا نے بعد میں احمد سے کچھ کھسر پھسر کی اور کچھ دیر بعد اس نے احمد کو کچھ شاپرز حنا کو دیتے ہوئے دیکھا۔

یقیناً وہ جو اس نے ماہ نور کے لیے تحفہ لے کر رکھا تھا اس کے تحائف وصول کرنے کے بعد اسے کم لگ رہا ہوگا اور اس نے، اس میں اضافہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں منگوائی ہوں گی۔

''اف یہ اپنی خود ساختہ انا کا بھرم رکھتے ہوئے مڈل کلاس کے لوگ......'' ماہ نور نے نخوت سے سوچا۔

''دے دیتی جو دینا تھا...... آخر ہر کوئی اپنی حیثیت کے حساب سے دیتا ہے۔ میں نے کون سا استعمال کرنا ہے......'' اس نے حنا کے دیے ہوئے گفٹس اپنی میڈ کے حوالے کرنے کا سوچتے ہوئے خود سے کہا۔

''میں تو اتنی برانڈ کانشس ہوں......'' اس نے اپنی کافی کسٹم کو دیکھتے ہوئے سوچا جو کسی خاص برانڈ کی شاپنگ کرنے والوں کو ہی ملتا تھا۔

☆☆☆

موبائل ہلکے، ہلکے بج رہا تھا، حنا فوراً بیدار ہو گئی، اس کی نیند بہت کچی تھی، ذرا سی آواز پر اس کی آنکھ کھل جاتی۔ وہ موبائل کی رنگ بہت آہستہ کر کے سوتی تھی۔

''جاوید بھائی...... اس وقت......؟'' وہ پریشان ہوئی۔

''جی...... جاوید بھائی خیریت......؟'' اس نے ہولے سے پوچھا کہ کہیں احمد کی نیند خراب نہ ہو جائے۔

''دروازہ کھول دو بیٹا...... میں یہاں باہر کھڑا ہوں۔'' جاوید بھائی نے نہایت شرمسار لہجے میں کہا۔

''اچھا، اچھا......'' حنا جلدی سے کمرے سے باہر آئی اور جا کر بیرونی دروازہ کھولا۔

''معاف کرنا حنا...... بس اچانک ہی مجھے یہاں کی ایسی ہڑک اٹھی کہ میں رہ نہیں سکا۔'' وہ معذرت کر رہے تھے۔

''کوئی بات نہیں جاوید بھائی۔'' حنا نے خوش دلی سے کہا۔ ''میں ابھی پوری طرح نہیں سوئی تھی۔''

''بس کبھی، کبھی تنہائی میں دل بہت گھبرا جاتا ہے۔'' انہوں نے تھکے تھکے سے اداس لہجے میں کہا۔

''چائے بنا دوں......؟'' حنا نے پوچھا۔

''نہیں، بس تم جا کر سو جاؤ، میں بھی سوتا ہوں، صبح باتیں کریں گے۔ کل تو اتوار ہے...... اسی وجہ سے میں نے سوچا کہ تم لوگ جاگ رہے ہوگے۔''

''جی بس آج کچھ مہمان آئے تھے...... تو تھکن ہو گئی تھی......'' حنا نے جواب دیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ جاوید اور احمد بس دو ہی بھائی تھے۔ جاوید، احمد سے چھ سال بڑے تھے اور اب پچاس کے ہو گئے تھے۔ حنا نے انہیں شروع سے یوں ہی کھلنڈرا، من چلا اور بے پروا سا دیکھا تھا، دل چاہتا تو ایک مضمون پڑھتے پھر دوسرے پر دل آ جاتا، کبھی ناول لکھنے بیٹھ جاتے، کبھی بیرون ملک چلے جاتے، جب تک والدین زندہ رہے شادی کے لیے اصرار کرتے رہے لیکن جاوید بھائی ہمیشہ ٹال جاتے۔ وہ گھومنے پھرنے، مختلف علوم حاصل کرنے اور مختلف اوقات میں مختلف مشاغل اپنانے کے شوقین تھے۔ اپنی اس طبع کے باوجود بھی انہوں نے پی ایچ ڈی کر لی تھی، بے حد قابل انسان تھے اسی طرح احمد بھی...... دونوں بھائی بے حد ذہین تھے لیکن احمد پُرسکون طبیعت کے تھے۔ انہوں نے سیدھے، سیدھے انجینئرنگ کی ڈگری لی اور مستقل ایک ہی جاب کیے

جا رہے تھے۔ وقت پر شادی کی، ماں، باپ کو سنبھالا، بیوی، بچے، گھر...... مکمل طور پر ایک گھریلو انسان اور جاوید بھائی...... گو کہ اب تو کچھ سالوں سے وہ یونیورسٹی میں پڑھا رہے تھے اور وہاں ان کو گھر بھی ملا ہوا تھا...... اور یہ گھر...... اس پر انہوں نے کبھی حق نہیں جتایا تھا...... لیکن احمد اور حنا نے بھی ان کے مخصوص کمرے میں کبھی دخل اندازی نہیں کی تھی۔ نہ ہی اسے اپنے تصرف میں لینے کی کوشش کی۔ جاوید بھائی کا لائف اسٹائل ان سے الگ تھا۔ دوستوں کی محفلیں، ادبی اور علمی مباحثے، اس کے لیے وہ اس گھر کو ڈسٹرب نہیں کرتے تھے اور یہ سارے ہنگامے وہیں یونیورسٹی اور وہاں والے گھر میں کرتے...... ہاں جب کبھی اچانک اکتا جاتے یا کبھی بھائی اور بھابی یا ان سے زیادہ بچوں کی یاد ستاتی تو یوں ہی بے وقت آدھمکتے لیکن حنا نے کبھی برا نہیں مانا تھا۔ وہ ایک بے ضرر، بے غرض اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ کبھی احمد کی انا مجروح نہ کرتے لیکن بچوں کو عید، سالگرہ، امتحان پاس کرنے اور یوں مختلف مواقع ڈھونڈ کر تحفے دیتے یا یہ کہہ کر کیش دے دیتے کہ اپنی پسند سے لے لینا، حنا کے ساتھ بھی یہی کرتے اور وقتاً فوقتاً دی گئی ان کی رقوم حنا کے بہت کام آتیں۔ ایشان سیکنڈ ائیر کے بعد کراچی کی کسی اچھی یونیورسٹی میں پڑھنا چاہتا تھا جس کے اخراجات اٹھانے کے متحمل احمد تو شاید ہو نہیں سکتے تھے لیکن جاوید بھائی ہمیشہ بڑے استحقاق سے کہتے کہ ایشان اور حرا میرے بچے ہیں ان کی پڑھائی کی ذمے داری میری ہے۔

حنا نے چند بار ان سے شادی کی بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ دامن بچا جاتے تھے پھر احمد نے ایک بار حنا کو بتایا تھا کہ جاوید بھائی کو اپنی دشت نوردی کے دوران ایک لڑکی سے محبت ہوگئی تھی لیکن اس کا ملک، مذہب، معاشرہ سب الگ تھا اس لیے اپنی بے حد آزاد خیالی کے باوجود وہ اس کو اپنا نہ سکے اور اسی لیے شاید وہ اب شادی نہیں کرنا چاہتے...... حنا بہت حیران ہوئی کیونکہ وہ محبت کے ایسے کسی جذبے سے قطعی ناآشنا تھی۔ وہ صرف محبت کے اس روپ سے واقف تھی جو شادی کے بعد شوہر سے ہوتی ہے، اسے احمد سے بے حد محبت تھی لیکن اس نے شادی سے پہلے اسے دیکھا بھی نہیں تھا اور والدین چاہے جس سے بھی اس کی شادی کروا دیتے اس کو شاید اسی سے ویسی ہی محبت ہو جاتی۔

جاوید بھائی کے بارے میں سوچتے، سوچتے وہ سوگئی...... صبح سویرے جب وہ نماز کے لیے اٹھی تو جاوید بھائی کے کمرے کی لائٹ جلتی ہوئی نظر آئی۔

''کیا وہ ساری رات جاگتے رہے ہیں؟'' لیکن یہ بھی کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔ اکثر وہ پڑھتے، پڑھتے یا لکھتے لکھتے رات گزار دیتے تھے۔

اس نے آہستگی کے ساتھ ان کے کمرے کا دروازہ کھولا کہ شاید وہ چائے پینا چاہیں......

جاوید بھائی پڑھتے، پڑھتے راکنگ چیئر پر ہی سوگئے تھے۔ ایک کتاب اوندھی ان کی گود میں پڑی ہوئی تھی۔

ان کے سوئے چہرے پر کچھ ایسا تاثر تھا جس نے حنا کو چند لمحے کے لیے منجمد کر دیا۔

کیا تھا وہ......؟ بیچارگی، احساسِ تنہائی، معصومیت، نہ معلوم کیوں آج وہ حنا کو بے انتہا تنہا لگے اور پہلی بار اسے یہ بھی احساس ہوا کہ تنہائی کتنا بڑا عذاب ہے۔ وہ برآمدے سے اوپر جاتی سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ ''ہر طرف کتنی خاموشی، کتنی تنہائی ہے۔ ابھی بچے جاگ جائیں گے اور گویا سارا شہر جاگ جائے گا...... جیسے فلم دیکھتے ہوئے کسی منظر کو ساکت کر دیا جائے اور پھر اسے تیزی سے چلا دیا جائے۔ ایشان کی شرارتیں، حرا کی کھلکھلاہٹ، احمد کی مصنوعی ڈانٹ، ناشتے کی تیاری، برتنوں کی کھڑ پڑ...... پُرشور، پُررونق

نظم

کبھی دل چاہتا ہے ناں
کہ ہم دنیا سے چھپ جائیں
نہ آنکھوں میں کوئی منظر
نہ دل میں خواہشیں باقی
نہ دلکش خواب پلکوں پر
نہ امیدیں نگاہوں میں
نہ پاؤں میں سفر کوئی
نہ آسیں دل کو بہلائیں
رگوں میں دوڑتے آنسو
کہیں تو اب ٹھہر جائیں
گرے پتوں کے بستر پر
چلو اِک نیند سو جائیں

مرسلہ: صدف آصف، کراچی

گھر..... ایسا گھر، جس کی ہڑک، میں جاوید بھائی آدھی رات کو اٹھ اٹھ کر آتے ہیں۔ ایسا گھر..... جس کو ماہ نور نے رشک سے دیکھا تھا۔''

اچانک ہی حنا کی سوچ کا دھارا ماہ نور کی طرف چل پڑا اور گزشتہ دن اسے یاد آیا۔ کیسا خوشی کا دن تھا۔ اس کی برسوں کی بچھڑی ہوئی دوست اسے آملی۔

اس بے حد پُرسکون اور نکھری نکھری صبح جب وہ اپنے اللہ کی عبادت کر کے اٹھی تھی اور جاوید بھائی کے چہرے پر نظر ڈالتے ہی اسے تنہائی کے عذاب کا احساس ہوا تھا اس لمحے اسے اپنی رات والی سوچ پر شرم سی محسوس ہوئی۔

ماہ نور ان سب سے کتنی محبت سے ملی تھی۔ ان کے گھر میں داخل ہو جانے کے باوجود، ان کے اسٹیٹس کا اندازہ لگا لینے کے باوجود اس کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ کس قدر محبت سے وہ بچوں سے ملی تھی۔ کتنے قیمتی تحائف لائی تھی۔ اور میں نے اس کی زندگی کی محرومی کو اپنے لیے خوشی کا باعث جانا۔'' مان لو حنا کہ اسے اکیلا دیکھ کر تمہیں ایک کمینی سی خوشی ہوئی تھی کہ وہ تم سے کسی بات میں تو پیچھے ہے۔'' اس نے خود سے اعتراف کیا۔

''یہ کس قدر ظالم معاشرہ ہے کہ عورت کی عمر ذرا سی بڑھی اور اسے مسترد کر دیا۔''

کل جب ماہ نور سے کھل کر اس موضوع پر بات کی تو اس نے کہا تھا۔

''حنا یہاں روز کئی لڑکیاں سولہ سترہ سال کی ہوتی ہیں..... میرے جیسوں کو تو لوگ مالِ غنیمت سمجھتے ہیں..... ایک تو وہ بزنس ٹائیکون ہیں جن کی اپنی بیویاں، بچے پیدا کر کر کے موٹی بھدی اور اوور ایج ہو چکی ہوتی ہیں۔ ان کو بس پارٹیز پر لے جانے کے لیے ایک عورت چاہیے۔ یوں ہی بس رکھ لینا چاہتے ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو ناں.....'' اس نے حنا سے کہا تھا۔

''ہاں.....'' حنا نے سر ہلا دیا۔ وہ کوئی بچی تو نہیں تھی۔

''دوسرے وہ ہیں جن کی بیویاں اپنے آبائی گاؤں میں ہیں، ان پڑھ، خاندانی، ان مردوں کو بھی ایک شہری بیوی چاہیے جس کو کبھی خاندان کا گرین کارڈ نہیں ملے گا اور تیسرے وہ ہیں جن کو میرے عہدے اور پیسے کا لالچ .....'' اس سے تو انسان اکیلا ہی اچھا ہے۔ حنا نے سوچا..... ''ماہ نور چاہتی تو ان میں سے کوئی راستہ اپنا لیتی لیکن اس کا گریز..... اس کا اکیلا پن اس کے کردار کی گواہی دیتا ہے۔'' حنا کو یاد آیا کہ اس کے کپڑے مہنگے ضرور تھے لیکن نہایت سلیقے سے پہنے ہوئے تھے۔ بند گلا، فل آستین احمد سے بھی وہ نہایت وضعداری اور سلیقے سے مخاطب تھی۔ اس کی نظر میں ستائش ضرور تھی لیکن وہ ایک بہن کی نظر تھی۔

”کیا ہی اچھا ہو اگر وہ ماہ نور کو کوئی بہت اچھا انسان مل جائے......“ اچانک ایک خیال سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

☆☆☆

ماہ نور صبح جلدی بیدار ہونے کی عادی تھی۔ نماز کے بعد وہ یوگا کرتی، واک پر جاتی، خود کو فٹ اور اسمارٹ رکھتی۔

لیکن آج وہ ذرا تھکی، تھکی سی تھی۔

کل سے مختلف خیالات کی یلغار نے اسے تھکا دیا تھا۔ پہلے حیدر آباد کا سفر۔ پھر حنا سے ملاقات، خوشی پھر محرومی پھر پچھتاوا... پھر موازنہ، وہ مختلف کیفیات کا شکار رہی...... لیکن اب اسے کل کی ملاقات یاد کر کے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی بچپن کی دوست...... آج بھی اتنی ہی پُرخلوص تھی...... وہ اسے دیکھ کر متاثر ضرور ہوئی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں حسد نہیں اترا تھا...... اور احمد بھائی کتنے ذہین اور قابل انسان تھے، کتنے خوب صورت لہجے میں بات کر رہے تھے۔ آج کی دنیا کے لوگ دولت و آسائش کے لیے کسی بھی طریقے سے گریز نہیں کر رہے تو وہ ایمانداری سے اپنی لگی بندھی ملازمت کر رہے ہیں۔ بچے کتنے اچھے اور تمیزدار...... ایشان نے جب اس سے آئی فون کا پوچھا تو اس کے لہجے میں بس بچوں والا اشتیاق تھا جو نیا کھلونا دیکھ کر ہوتا ہے۔ کوئی لالچ یا طمع نہیں تھی...... اور حرا نے بھی اس سے سوٹ کا پوچھنے کے بعد بتایا تھا کہ وہ ٹیکسٹائل ڈیزائنر بننا چاہتی ہے اس لیے ابھی سے سب ڈیزائنرز پر نظر رکھتی ہے۔

صاف ستھرے، بے ریا، پُرخلوص لوگ خود اس کے بھتیجے، بھانجے...... جب آتے کچھ نہ کچھ اٹھا کر لے جاتے...... کوئی ٹیبلیٹ کی فرمائش کرتا کوئی لیپ ٹاپ کی...... جبکہ مائیں خود ان کو سکھاتیں کہ خالہ، پھپو سے یہ مانگو......

”تمہارے کون سے بچے ہیں......؟“ وہ مزید بے رحمی کا مظاہرہ کرتیں۔

اس کی بہن اس کے قیمتی سوٹ، جوتے، پرس واپسی کے وعدے پر لے جاتی جو کم ہی پورے ہوتے۔

اب ان کے ادارے میں ایک بہت اچھی پوسٹ تھی۔ انہیں حیدر آباد ریجن کے لیے ایک نئے منیجر کی ضرورت تھی اور اس کے بہنوئی، بہن کے ذریعے مسلسل اسے پریشرائز کر رہے تھے کہ وہ ان کی بہن کے بیٹے یعنی ماہ نور کی بہن کی نند کے بیٹے کو دی جائے...... ماہ نور جھلائی ہوئی تھی۔ وہ ہرگز اس سیٹ کے لیے مناسب نہیں تھا۔ تعلیم بھی زیادہ نہیں تھی اور سب سے اہم بات کہ جاب کی مطلوبہ ڈگری انجینئرنگ تھی یہ فیلڈ جاب تھی۔ ماہ نور اسے تھوڑا فیور دے بھی دیتی اگر وہ اسے اس سیٹ کا اہل سمجھتی۔

یکا یک اسے ایک خیال آیا۔

”انجینئر، حیدر آباد ریجن...... احمد بھائی......؟“

احمد بھائی یقیناً اس جاب کے لیے بالکل مناسب تھے۔ ان کا طور طریقہ وہ دیکھ چکی تھی۔ تعلیم، قابلیت، ایمانداری ہر لحاظ سے وہ اس کے لیے موزوں تھے۔

اعلیٰ جاب، گھر، گاڑی دیگر سہولیات یہ سب حنا اور اس کے بچوں کو مل جاتا...... ماہ نور کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔

☆☆☆

یہ ایک بھرپور صبح کا منظر تھا۔ احمد اور جاوید...... دونوں بھائی ایک دوسرے کو دیکھ کر کھل اٹھے تھے۔ ایشان اور حرا اپنے پیارے بابا کو دیکھ کر بے حد خوش تھے۔ وہ بچپن سے ہی احمد کو ابو اور جاوید کو بابا کہا کرتے تھے اور ایسا انہیں حنا نے سکھایا تھا۔ جاوید بھائی کی فرمائش پر حنا نے آلو بھرے پراٹھے بنائے تھے جو وہ گھر کے بنے اچار کے ساتھ بڑی رغبت سے کھا رہے تھے۔

”واہ بھئی...... حنا مزہ آ گیا...... تمہارے ہاتھ

میں تو بالکل اماں والا ذائقہ ہے۔''
''میں نے سب کچھ سیکھا بھی ان ہی سے تو ہے۔'' حنا نے خوش دلی سے اعتراف کیا۔''ورنہ شادی کے وقت مجھے اتنی کوکنگ نہیں آتی تھی۔''
''ہاں بھئی، آخر اکلوتی بہو تھیں اماں کی، انہوں نے بھی اپنا سارا ورثہ تم میں منتقل کیا، وہی محبت، وہی تحمل، وہی ذائقہ.....'' انہوں نے محبت سے اپنی چھوٹی بھابی کو دیکھا۔
''اور آپ کی مہربانی.....'' احمد نے ہنستے ہوئے کہا۔''کہ اسے اکلوتا ہی بنائے رکھا۔''
''ہاں تو اور کیا.....'' حنا نے مصنوعی خفگی سے کہا۔''اتنے قصے سنے ہیں، دیورانی، جیٹھانی کے جلاپے یا گٹھ جوڑ کے میری زندگی تو سیدھی گزر گئی۔کوئی ٹوئسٹ ہی نہیں آیا۔''
''یعنی کریڈٹ سارا مجھے جاتا ہے، میں نے شادی نہ کر کے اچھا کیا۔'' انہوں نے آہستہ سے کہا۔
''نہیں جاوید بھائی..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' حنا گھبرا گئی۔
''نہیں بیٹا، تمہیں میں جانتا ہوں میں تو ویسے ہی.....'' وہ ذرا چپ سے ہو گئے۔
''میرا تم لوگوں کے علاوہ ہے ہی کون..... اور میرے لیے تم لوگ ہی سب کچھ ہو لیکن سچ پوچھو تو کبھی، کبھی اکیلے پن کا احساس بہت ستاتا ہے۔ دل چاہتا ہے کوئی ساتھی ہوتا..... کوئی انتظار کرتا، کوئی دروازہ کھولتا، کوئی دیر سے گھر آنے پر ناراض ہوتا.....'' حنا کا خوشی سے برا حال ہو گیا۔
''ایسا تو اب بھی ہو سکتا ہے جاوید بھائی۔''
''نہیں، اب تو دیر ہو گئی۔''
''ارے بھائی جان.....'' احمد نے کہا۔''کیسی باتیں کرتے ہیں؟'' حرا جو ابھی چائے لائی تھی چونک اٹھی۔
''کیا ہوا بابا..... آپ لوگ کیا بات کر رہے تھے، کیا میں نے چائے لانے میں دیر کر دی؟'' حنا نے ایک لمحے کو اپنی بیٹی کو دیکھا اور پھر اسے شامل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے ہوئے کہا۔
''بھئی تمہارے بابا خود کو بہت بوڑھا سمجھ رہے ہیں جبکہ ہم کہہ رہے ہیں کہ ان کی شادی اب بھی ہو سکتی ہے۔'' ایشان بھی پیچھے سے آ گیا۔
جاوید بھائی نے ذرا رک کر دونوں کی طرف دیکھا۔ وہ شاید نئی نسل کا ردِعمل دیکھنا چاہتے تھے۔
''گریٹ.....!'' دونوں بہن، بھائی ایک ساتھ چلائے۔
''اتنے ہینڈسم ہیں میرے بابا جانی!'' حرا نے ان کی گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔
''اور بابا..... عمران خان نے بھی تو ابھی شادی کی ہے۔ سکسٹی ٹو کی ایج میں اور اس کی تو دوسری شادی ہے، آپ تو پہلی کر رہے ہیں..... انہیں بھی تو اتنی اچھی بیوی مل گئیں۔'' ایشان نے کہا۔
''اچھا تو کیا مجھے بھی.....؟'' انہوں نے سوال ادھورا چھوڑ دیا۔
''مل سکیں گی نہیں.....'' حنا نے کہا۔ سب ایک دم خاموش ہو گئے تب حنا نے کہا۔
''بلکہ مل گئی ہے جاوید بھائی..... بس دیر سے گھر آنے کے بہانے سوچنا شروع کر دیں..... بلکہ دیر سے گھر آئیں گے ہی کیوں.....'' وہ تینوں حیران و پریشان تھے۔
حنا نے احمد کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا.....
''ماہ نور.....'' احمد کا چہرہ جگمگا اٹھا۔
''ہرے.....'' ایشان اور حرا نے تالیاں بجائیں..... ''زبردست'' حنا نے اپنے کمرے میں آ کر ماہ نور کا نمبر ملایا لیکن اس کا نمبر بزی مل رہا تھا کیونکہ.....
وہ بھی تو حنا کو ہی کال ملا رہی تھی۔

دوسرا اور آخری حصہ

ناولٹ



نایاب جیلانی

''ڈیڈی، ممی سے کہیں وہ آجائیں۔'' حمنہ، ماہر کے کندھے سے لٹک رہی تھی...... اور وہ اسے سمجھا رہا تھا تسلی دے رہا تھا۔

''ممی آجائیں گی بیٹا! آپ فی الحال ماما سے کام چلالو......'' اس کا اشارہ عون کی شرٹ کے بٹن لگاتی فاطمہ کی طرف تھا۔ فاطمہ نے تیکھے انداز میں اسے گھورا۔ بچی کو تسلی دینے کا یہ کیسا انداز تھا؟ وہ اسے طریقے سے سمجھاتا...... حورعین واپس نہیں آسکتی وہ

مر چکی تھی تا کہ بچی کو اس حقیقت کا اندازہ ہو سکتا۔
فاطمہ نے سوچا...... وہ خود کسی دن ظریقے سے حورعین کے بارے میں حمنہ کو بتا دے گی۔ یوں تو حمنہ اسی انتظار میں رہے گی کہ اس کی ماں کسی دوسرے ملک گئی ہوئی ہے اور وہ جلد حمنہ کے پاس لوٹ آئے گی۔ کم از کم بچی کا مائنڈ سیٹ تو کرنا چاہیے تھا۔ یہ ماہر بھی ناں......
''تو آپ بتائیں ناں...... وہ کب آئیں گی۔ حورمی کب آئیں گی؟'' حمنہ کا انداز ٹھنکتا ہوا تھا۔ وہ اپنی ماں کو شاید بہت مس کر رہی تھی۔
''حورمی تو جنت میں چلی گئی واپس کہاں سے لوٹے گی۔'' فاطمہ کی بڑبڑاہٹ پر ماہر نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر دوبارہ حمنہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فاطمہ کو اس کے چہرے پر ایک عجیب تاثر دکھائی دیا تھا۔ یہ کس قسم کا تاثر تھا؟ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔
''میں ڈیڈی کو بھی مس کرتی ہوں...... ڈیڈی پاس ٹائم نہیں...... کبھی کبھی ڈزنی لینڈ کر جاتے ہیں۔'' اب حمنہ شاید ماہر سے شکوے کر رہی تھی۔ کیونکہ ماہر بچوں کو کم ہی وقت دے پاتا تھا۔
''تمہارا ڈیڈی الو کا......'' ماہر نے اونچی آواز میں کہا۔ حمنہ نے اثبات میں سر ہلا کر تائید کی تھی...... فاطمہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔
ماہر بھی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اسے فاطمہ کی ہنسی بہت بھلی لگی تھی۔
''انسان کو سالوں بعد نہیں، اکثر مسکرانا چاہیے۔'' ماہر کوئی تبصرہ نہ کرتا...... یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔
فاطمہ کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔ ماہر نے گہری سانس کھینچی۔ وہ فاطمہ کی الٹ کھوپڑی سے اچھی طرح واقف تھا۔

☆☆☆

نیویارک میں یہ صبح خاصی سرد اور برفیلی تھی۔
فاطمہ، عون اور محمد کو اسکول کے لیے جگا کر نیچے آئی تو ماہر، حمنہ کو ناشتا کروا چکا تھا۔ میز پر ناشتے کی باقیات موجود تھیں۔ کوکنگ رینج پر آئل اور انڈے کے چھلکے پڑے تھے۔
فاطمہ کو سخت تاؤ چڑھا۔
''حمنہ کے لیے ہر روز کیا تم ہی ناشتا بناتے ہو؟'' خالی برتن اٹھا کر اس نے ڈسٹر سے میز صاف کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔
''نہیں تم بناتی ہو۔'' اورنج جوس پیتا ماہر لمحے بھر کے لیے چونک گیا۔
''تو پھر آج یہ تردد کیوں کیا......؟'' اس کا غصہ کمال کا تھا۔ ماہر خواہ مخواہ ہی مسکرا دیا۔
''حمنہ جا رہی تھی۔ میں نے سوچا اسے ناشتا کروا دوں......'' ماہر کو بتانا پڑا تھا۔ فاطمہ نے عادتاً نہیں سوچا کہ حمنہ اتنی سویرے کہاں جا رہی تھی۔ اسے ماہر کی اتنی ایفی شینسی دکھانے پر غصہ آ رہا تھا۔
''آئندہ بھی حمنہ کا ناشتا خود ہی بنا لینا۔'' اس نے تاؤ کھا کر کہا۔ حمنہ کا ہاتھ پکڑ کر اوپر جاتا ماہر لمحے بھر کے لیے رک گیا تھا۔
''ایسی نوبت آئندہ نہیں آئے گی۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ فاطمہ بغیر بات کو سمجھے جلدی، جلدی بچوں کا ناشتا بنانے لگی تھی۔ ماہر، حمنہ کو لے کر اوپر چلا گیا تھا۔
معاً ڈور بیل کی آواز نے اسے متوجہ کیا۔ وہ جلدی سے ہاتھ صاف کر کے باہر آئی۔ آئی لینس میں دیکھا تو باہر ایک جانا پہچانا چہرہ دکھائی دیا تھا۔
فاطمہ نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے فریش سی آمنہ کھڑی تھی۔ امر کی بیوی...... اس دن دریائے ہڈسن کے کنارے بنے پارک کے ریسٹورنٹ میں آمنہ نے بھی اسے ویلکم کیا تھا۔
فاطمہ کو یاد آ گیا...... اس نے اخلاقاً آمنہ کو سٹنگ روم میں بٹھایا اور خود اس کی خاطر مدارات کے لیے کچن میں چلی آئی۔
بلیک کافی کے ساتھ اسنیکس لے کر جب وہ واپس آئی تو آمنہ نے بھی مروتاً انکار کیا۔
''تم نے یہ تکلف کیوں کیا......؟''

''ایسا کچھ نہیں...... تم پہلی مرتبہ آئی ہو۔'' فاطمہ کو بھی خالہ کے ہمراہ پاکستان میں رہ کر مہمان نوازی کے طریقے آ گئے تھے۔

''میں پہلے بھی آتی رہی ہوں...... فرسٹ ٹائم نہیں آئی۔'' آمنہ نے مسکرا کر بتایا۔

''میری موجودگی میں تو پہلی مرتبہ آئی ہو......'' وہ بھی دھیمے سے مسکرائی تھی۔ آمنہ کو تائید کرنی پڑی۔

''تم اتنا عرصہ پاکستان رہیں...... پاکستان کیسا لگا؟'' اس نے گفتگو کا آغاز ہلکے پھلکے کلام سے کیا۔

''بہت اچھا...... لیکن جگہ وہی بہتر ہوتی ہے جہاں آپ کے بچے ہوں......'' فاطمہ کی مسکان نم سی ہو گئی تھی۔

''یہ بات تو ٹھیک کہی......'' آمنہ نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا...... اچانک فاطمہ کو امر کا خیال آ گیا۔ ماضی میں امر کے ساتھ...... فاطمہ کے بہت اچھے تعلقات رہ چکے تھے۔ اس دن کے بعد امر دوبارہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ فاطمہ خود حیران تھی...... امر یہاں کم، کم آتا تھا۔

''امر کہاں غائب ہے؟'' اس نے اخلاقاً پوچھا۔

''وہ تو بہت مصروف ہوتے ہیں...... اتنا لمبا چوڑا تو بزنس ہے۔'' آمنہ تفصیل بتانے لگی تھی۔

''اسے میرا پیغام دینا...... بہن بنایا تو تھا مگر نبھایا نہیں۔'' فاطمہ کو کیا کچھ نہیں یاد آ گیا تھا۔ ویسے بھی اس کے پاس شکوؤں کے کئی دفتر ہوا کرتے تھے۔

''یہ کام تم خود کر لینا...... میں اتنی بے تکلف نہیں......'' آمنہ مسکرائی۔ اب چونکنے کی باری فاطمہ کی تھی۔ کیا وہ اپنے شوہر سے بے تکلف نہیں تھی؟ وہ کیسی بیوی تھی؟

''کیا مطلب؟'' فاطمہ عادتاً ہونق ہوئی تھی۔

''مطلب یہ کہ میں حمنہ کی گورنس ہوں اور امر کی ہاؤس کیپر...... آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔'' آمنہ کے تفصیل بتانے پر وہ واقعی گم صم ہو چکی تھی۔ اسے جیسے حیرت کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ اتنی منجمد ہوئی کہ ماہر کو حمنہ کا بیگ اٹھا کر باہر جاتے دیکھ کر بھی نہ ٹھٹکی، نہ چونکی۔ پھر جب وہ حمنہ کو چھوڑ کر واپس آیا تو ذرا دیر کے لیے رک گیا۔

وہ تو ابھی تک اسٹیچو بنی ہوئی تھی۔ حالانکہ حمنہ نے جاتے ہوئے کئی مرتبہ اس کے گال چومے تھے...... اور کئی مرتبہ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر یاد دہانی کروائی تھی۔

''ماما......! آپ نے ضرور آنا ہے، میں آپ کو اپنا باربی ہاؤس دکھاؤں گی۔'' اور حمنہ کی آواز ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہی تھی...... حمنہ کہاں گئی تھی؟ اور کیوں گئی تھی؟ اس کا دماغ بری طرح سے چکرا گیا تھا...... پھر ماہر کو جاتا دیکھ کر وہ چیخ پڑی تھی۔

''حمنہ کہاں گئی ہے؟'' اسے اپنی ہی بازگشت اجنبی محسوس ہوئی۔ ماہر رک گیا پھر ذرا سا پلٹا بھی۔

''حمنہ بورڈنگ چلی گئی......'' ماہر آج عام دنوں سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ اتنا سنجیدہ کہ فاطمہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ کیا وہ حمنہ کے چلے جانے پر اپ سیٹ تھا؟ لیکن حمنہ کو اس نے تو نہیں بھیجا تھا۔

''مگر کیوں؟'' فاطمہ کے منہ سے مری، مری آواز نکلی۔

''تم سے حمنہ کا وجود برداشت نہیں ہوتا تھا۔ خود پر جبر کرتی تھیں۔ میں نے تمہیں اس مشکل سے آزاد کر دیا۔'' ماہر کے جواب نے اسے سرتاپا ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''یہ تو سراسر الزام ہے۔ میں نے کب حمنہ کو جبراً برداشت کیا؟ میری اس بچی کے ساتھ کیا دشمنی......'' فاطمہ کو جیسے رونا ہی آ گیا۔ دل کو آناً فاناً کچھ ہو رہا تھا۔ کیا ماہر نے فاطمہ کی وجہ سے حمنہ کو بورڈنگ بھیجا......؟ اسے گھر سے دور کیا؟ اپنی محبت سے دور کیا؟ فاطمہ کو خود سے نفرت سی ہوئی۔

''حورعین سے تو تھی ناں......؟'' ماہر جتلا کر بولا۔

''وہ اور بات تھی۔'' وہ جزبز ہو کر رہ گئی۔ ''تم نے حمنہ کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ پلیز اسے واپس بلوالو......'' فاطمہ التجائیہ بولی تھی۔

''میں نہیں چاہتا تھا حمنہ کی وجہ سے گھر کا ماحول خراب ہو۔'' ماہر کچھ اور سنجیدہ ہو گیا۔

''حمنہ تو اتنی اچھی بچی تھی، اس کی وجہ سے گھر کا ماحول کیوں خراب ہوتا۔ میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ پلیز، حمنہ کو واپس بلوالو......'' فاطمہ سر تھام کر صوفے پر گر گئی تھی۔

''تم اپنے دل کو سنبھالو...... اس عمر میں دل کو کچھ ہو تو سیدھا اسپتال جانا پڑتا ہے۔'' وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ اتنا کٹھور تھا کہ آج بھی فاطمہ کے دل کی کیفیت نہیں سمجھ سکتا تھا۔

فاطمہ بھل بھل رونے لگی۔ اس نے کبھی نہیں چاہا تھا وہ اپنا غصہ یا انتقام معصوم حمنہ پر نکالتی...... گو کہ حورعین نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی...... اس کا گھر اجاڑا تھا...... دل ویران کیا تھا...... پھر بھی وہ حورعین کے گناہوں کا بدلہ حمنہ سے لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

بہت دیر رونے کے بعد اسے خیال آیا تھا کہ امر کی ملازمہ حمنہ کو لے کر گئی ہے۔ ماہر کہہ رہا تھا۔ حمنہ کو بورڈنگ بھیج دیا ہے...... بات کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

''حمنہ کو آمنہ کیوں لے گئی؟'' اس نے اتنی دیر بعد پہلا عقل مندانہ سوال کیا تھا...... ماہر جاتے، جاتے رک سا گیا۔

''مجھے ضروری کام تھا...... اسی لیے آمنہ کو بلوایا......'' اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

''اور اب تم صدمے کی کیفیت سے نکل آؤ...... حمنہ جہاں گئی ہے وہاں بہت خوش رہے گی۔ اس گھر میں وہ بہت بور ہوتی تھی۔''

''حورعین کی روح تڑپتی ہوگی۔'' بلا ارادہ ہی فاطمہ کے منہ سے پھسل گیا...... ماہر کو پھر سے رکنا پڑا...... پھر وہ سمجھانے والے انداز میں بولا تھا۔

''تم حورعین کی روح کے لیے غمزدہ نہ ہو...... اچھے لوگوں کی روحوں کو کوئی غم نہیں ہوتا۔'' اس کا انداز صاف جتانے والا تھا۔ فاطمہ روتے، روتے چونک گئی تھی۔

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں بہت بری ہوں......'' اس کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔

''میں نے یہ کب کہا......؟'' وہ فوراً معصوم بن گیا...... شاید سمجھ گیا تھا کہ فاطمہ انتہائی جذباتی ہو جائے گی تو پھر......'' حمنہ کو واپس لے آؤ۔'' اس کی تان وہیں ٹوٹ رہی تھی۔ ماہر نے گہری سانس کھینچ کر کہا۔

''تم اتنا گلٹی فیل مت کرو...... حمنہ کچھ دنوں کے لیے آئی تھی۔ وہ اپنے گھر گئی ہے، کسی بورڈنگ نہیں۔'' اسے فاطمہ کی حالت پر ترس آگیا تھا۔ فاطمہ جیسے پھر سے ہونق بن گئی تھی۔ اس کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔ وہ ہکا بکا ماہر کا منہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

''میں سمجھی نہیں......'' اس نے بہ مشکل زبان ہلائی تھی ورنہ اس کی حالت انتہائی متزلزل تھی......

''جلدی سمجھ جاؤ گی......'' ماہر نے مبہم سا جواب دیا پھر مسکراتا ہوا اوپر چلا گیا۔

''عون اور محمد کا ناشتا بنا دو...... ان کی اسکول بس آنے والی ہے۔'' بیڈروم میں پہنچ کر اس نے آواز لگائی تھی جبکہ فاطمہ پھر سے سر تھام کر بیٹھ گئی...... اس کا دماغ بالکل سن ہو گیا تھا۔

آخر یہ ماہر اس کے ساتھ کون سی گیم کھیل رہا تھا؟

☆☆☆

ٹی وی پر بش گارڈن کی ڈاکومنٹری چل رہی تھی۔ مای، عون اور محمد تینوں انتہائی دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ فاطمہ بھی آتے جاتے ٹی وی اسکرین پر نگاہ ڈال لیتی تھی۔

تین سو ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی یہ شاندار اور دلچسپ تفریح گاہ تھی۔ بڑے گیٹ سے داخل ہوتے ہی مراکش شہر کا نظارہ دکھتا تھا۔

مراکش کی موسیقی بھی سنائی دیتی تھی۔ بش گارڈن میں مختلف افریقی ممالک کی تہذیب و تمدن کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ مصنوعی سیٹ لگائے گئے تھے۔

فاطمہ بھی دلچسپی سے رک کر دیکھنے لگی۔

مراکو، نیروبی، کانگو اور ٹمبکٹو کی تہذیب دکھائی گئی تھی۔ افریقی مکانات، لباس، ڈانس، موسیقی اور جانور وغیرہ دکھائے جا رہے تھے۔

افریقہ کے جنگل کا مشہور کردار ٹارزن اور بہت سے ایڈونچرز، کشتی کا خطرناک سفر، ڈولفن مچھلی کے کرتب، برڈ شو میں طوطے کے شاندار کرتب...... چمپینزی جانور نے چائے تیار کر کے دکھائی تھی۔ ڈھول بجایا تھا اور انسانی حرکات سے محظوظ کیا تھا۔ بیلے ڈانس، کوبرا ڈانس اور جانے کیا کیا۔

بچے سانس روک کر ٹی وی اسکرین دیکھ رہے تھے۔ یہی حال مامی کا بھی تھا۔ وہ بھی یک ٹک اسکرین کی طرف متوجہ تھیں۔

فاطمہ اس فسوں خیز ڈاکومنٹری سے نگاہ چرا کر کچن کی طرف جا رہی تھی۔ جب اچانک ڈور بیل کی آواز آئی۔ اس نے کچن کی طرف جانے کا ارادہ بدل دیا کیونکہ مامی یا عون، محمد ہرگز نہیں ٹی وی کے سامنے سے اٹھنے والے تھے۔ ان کے انداز سے صاف ظاہر تھا۔ فاطمہ نے دو تین مرتبہ انہیں ہوم ورک کے لیے فورس کیا تھا مگر وہ بالکل بھی اس کی بات نہیں سن رہے تھے۔ ان کی آنکھیں اسکرین سے چپکی ہوئی تھیں۔

فاطمہ نے سر جھٹک کر جیسے ہی انٹرنس ڈور کھولا...... اس پر حیرتوں کے آسمان ٹوٹ پڑے تھے اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ اس کے سر پر پہاڑ آن گرا تھا۔

فاطمہ کو اس لمحے پتا چلا تھا کہ پیروں تلے سے زمین نکلنا کسے کہتے ہیں؟ سر پر آسمان کا گرنا کیا ہوتا ہے؟ قیامت کا ٹوٹ پڑنا کیا ہوتا ہے؟ اس لمحے فاطمہ کو پتا چلا تھا کہ زمین کا گول ہونا کیا ہوتا ہے؟ قبروں سے مردوں کا اٹھنا کیا ہوتا ہے؟ فاطمہ کو لگا اس کا دل بند ہو جائے گا، دھڑکنا بھول جائے گا...... رک، رک کر چلنا چھوڑ دے گا۔ وہ اس کے سامنے مجسم کھڑی تھی۔ وہی جو اس کی زندگی کا ناسور تھی، عذاب تھی...... وہی جو ایک مرتبہ پھر اس کی زندگی میں بھونچال لانے لوٹ آئی تھی۔

فاطمہ کو اتنی زور کا چکر آیا کہ وہ لہراتی ہوئی زمین پر جا گری۔

اس کے بچے جو ڈاکومنٹری میں گم تھے سانس تک نہیں لے رہے تھے، آنے والی شخصیت کو دیکھ کر اٹھے اور چلاتے ہوئے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔

جبکہ فاطمہ بے ہوش ہونے سے پہلے کسی کو اپنے اوپر جھکتا اور ایمبولینس کو فون کرتا سن چکی تھی۔ پھر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

ہر طرف دھند ہی دھند تھی۔ ہر منظر دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ کوئی بھی عکس واضح نہیں تھا۔ کوئی بھی منظر واضح نہیں تھا۔ ایک لمبی اور طویل سڑک تھی...... بہت لمبی اور بہت سنسان...... جانے یہ نیویارک کی سڑک تھی یا فلوریڈا کی۔ اس نے بہت غور کیا...... ذہن پر بہت زور دیا...... مگر اسے دھند کے پار کوئی منظر صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا اور نہ پتا چل رہا تھا کہ یہ سڑک کون سی ہے؟

وہ اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی۔ بھاگتی جا رہی تھی...... کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا پھر اچانک اسے کسی نے بتایا۔

یہ ریاست فلوریڈا تھی...... اس کا آبائی شہر، وہ فلوریڈا میں پیدا ہوئی تھی...... اس نے ملائکہ نامی مسلمان عورت کے بطن سے جنم لیا تھا...... اس کا باپ نسلی یہودی انگریز تھا۔ بہت بچپن میں اس نے ممی کی زبانی سنا تھا...... اس کا باپ شادی کے وقت ڈھکوسلے کے طور پر مسلمان ہوا تھا۔ اندر سے وہ کٹر یہودی تھا۔ اس نے ممی کو دھوکا دیا تھا۔ ممی سے شادی کے لیے مسلمان ہونے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ وہ مسلمان نہیں تھا۔ وہ مسلمان ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اندر باہر سے یہودی تھا...... انتہائی بے رحم، کینہ پرور اور خبیث صفت...... اس کی ممی نے پاپا کے ہمراہ بہت گندی زندگی گزاری تھی۔

بظاہر پاپا مسلمان تھے۔ ممی کو دکھانے کے لیے

نماز بھی پڑھتے یا پھر جانماز بچھا کر کھڑے ہو جاتے۔
بہت بچپن میں اس نے بہت دھندلے سے یہ منظر بھی دیکھے تھے۔
ممی اور پاپا کے درمیان بڑے سرد اور برفیلے تعلقات تھے...... وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ پھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر مجبور تھے۔
جب وہ کچھ بڑی ہوئی تو آس پڑوس کے لوگوں نے اسے بتایا۔
''ملائکہ نے اپنے ماں، باپ کی مرضی کے خلاف شادی کی تھی۔ یہ دونوں یونیورسٹی فیلو تھے، آج تک ملائکہ اس بھول کی سزا کاٹ رہی ہے۔''
ایسے ہی بے شمار واقعات اور کہانیاں اسے سنائی جاتی رہی تھیں۔ جب تک نانی زندہ رہیں...... وہ باقاعدگی سے آتی تھیں۔ ممی کو راشن کے لیے پیسے بھی دیتیں، کپڑے، جوتے بھی لاتیں، پھل، فروٹ بھی مل جاتا تھا۔ فاطمہ کچھ اور بڑی ہوئی تو اسے مزید پتا چلا کہ اس کے نانا چار نسلوں سے امریکا میں مقیم تھے۔ ان کا بڑا چلتا ہوا کاروبار تھا۔ نانا نے اپنے دو بچوں کی شادیاں پاکستان سے کی تھیں۔
اس کی مامی پاکستان سے بیاہ کر نیویارک آئی تھیں اور خالہ بیاہ کر پاکستان چلی گئیں۔ نانا کی خواہش تھی ممی کی شادی بھی پاکستان میں ہوتا کہ ان کا بھی فیوچر محفوظ ہو جائے لیکن ممی نے محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے پاپا سے کورٹ میرج کر لی یا پھر ممی کے نصیب میں ذلت بھری زندگی لکھی تھی۔ جو پاپا کے توسط سے ہی انہیں ملنی تھی۔
ممی کے اس انتہائی اقدام پر نانا ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ دوبارہ اٹھ ہی نہیں سکے۔ نانا کے بعد نانی نے ہمیشہ ممی کی خبر گیری کی تھی۔
جب بھی نانی، ممی کے پاس آتیں...... وہ روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کے فاطمہ کے بارے میں سوال کرتیں...... وہ فاطمہ کے لیے بہت پریشان تھیں...... اور اسے محفوظ ہاتھوں میں دینا چاہتی تھیں۔ ممی کی ہر التجا کے بدلے نانی کا ایک ہی جواب ہوتا۔
''اس کا تو نکاح ہو چکا ہے گو کہ بچپن کا...... نکاح ہے، رجسٹرڈ نہیں ہے پھر بھی نکاح تو بہر حال ہے ناں......'' نانی بہت پریشانی سے ممی کو بتاتی تھیں...... وہ کچھ سمجھدار ہوئی تو اسے پتا چلا...... نانی کس کے نکاح کی بات کرتی تھیں۔
فاطمہ نے ہمیشہ اپنی ممی کو روتے دیکھا...... یا پاپا کے ہاتھوں پٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ انہوں نے محبت کے بدلے میں ذلت خرید لی تھی۔ کیسا گھاٹے کا سودا کیا تھا انہوں نے بھرپور خسارہ...... نانی، ممی کے حالات پر بہت غمزدہ رہتی تھیں۔
پھر انہوں نے اس کا ایک حل نکال ہی لیا۔ وہ فاطمہ کو اپنے ساتھ نیویارک لانے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔ مگر ممی نے اس فیصلے میں کچھ ترمیم کروائی تھی۔ ممی نے اپنی خواہش کا برملا اظہار کر دیا تھا۔
''آپ فاطمہ کو نکاح کے بعد لے جائیں۔'' ممی کے انداز میں واضح جھجک تھی۔ نانی کچھ ٹھٹک گئیں۔
''کس کے ساتھ نکاح......؟'' نانی کی آنکھوں میں خدشات اتر آئے تھے۔
''ماہر کے ساتھ۔'' ممی نے سر جھکا کر کہہ دیا۔
''مگر ماہر کا تو بچپن میں ہی نکاح ہو چکا ہے...... سدرہ (مامی) کی بھتیجی سے۔'' نانی نے واضح طور پر مامی کی بھتیجی کہا تھا...... اپنی نواسی نہیں...... کیونکہ وہ ممی کو احساس دلانا چاہتی تھیں کہ وہ رشتہ کس قدر نازک اور حساس ہے...... مامی اور خالہ کی کراس میرج (وٹے سٹے کی شادی) تھی۔ خالہ بیاہ کر پاکستان گئی تھیں اور مامی بیاہ کر نیویارک آئیں...... اس طرح خالہ اور مامی کی دُہری رشتے داری تھی۔
ماہر کی منکوحہ نانی کی سگی نواسی تھی جیسے فاطمہ ان کی نواسی تھی۔ پھر بھی نانی کا جھکاؤ فاطمہ کی طرف ہی تھا۔ کچھ ممی کے آنسوؤں نے نانی کو زیر کر دیا تھا۔
ممی کا بڑھتا دباؤ...... تکلیف دہ زندگی پھر کینسر جیسی بیماری، ذلت بھری زندگی...... یہ سارے پوائنٹس

ملا کر فاطمہ کا فیوچر بے انتہا بھیانک دکھائی دیتا تھا۔

نانی کا آہستہ، آہستہ ہی سہی دل پسیجنے لگا...... پھر انہوں نے دل کو مضبوط کر کے دلائل سے قائل کر لیا...... لیکن وہ ممی کو خود غرض کہنے سے باز نہیں آتی تھیں۔

''فاطمہ کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی تمہاری بات نہیں مانتی......تم شروع سے ہی خود غرض ہو......'' نانی دل سے خوش نہیں تھیں مگر انہوں نے اپنی بارعب شخصیت اور ماموں کی فرمانبرداری کا فائدہ اٹھالیا تھا۔

نانی نے جیسے تیسے بالآخر ماموں اور مامی کو منالیا۔

اس بات پر کتنا ہنگامہ ہوا...... مامی نے گھر چھوڑ دینے کی دھمکیاں تک دیں...... ماہر نے لاکھ سر پٹخا...... ہزار دفعہ انکار کیا......مگر اس کی ایک نہیں سنی گئی۔

وہ آزاد معاشرے کا فرد ہو کر بھی مجبور ہو گیا...... اسے رشتوں، ناتوں کی کڑیاں پہنادی گئی تھیں اور اسے اتنا مجبور کر دیا گیا کہ وہ شادی کرنے فلوریڈا پہنچ گیا۔

فاطمہ نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے ماموں زاد کو دیکھا تھا......وہ اپنے تاثرات سے بہت اکھڑ لگ رہا تھا۔ یہ زبردستی کی شادی تھی۔ وہ خوش نہیں تھا۔ وہ سخت برہم تھا......اور غصے میں خود کو گالیاں دیتا وہ بالکل فاطمہ کو اپنے باپ کی طرح لگا تھا۔

فاطمہ کو کچھ ہی عرصے میں اندازہ ہو گیا تھا کہ ماہر اس کے باپ جیسا نہیں مگر اس کے باپ سے کم نہیں تھا۔ وہ انتہائی غصیلہ، بدمزاج اور جھگڑالو تھا...... یا پھر فاطمہ سے شادی کے بعد وہ اتنا بدمزاج ہو گیا تھا۔ اسے فاطمہ کے ہر کام میں کیڑے نظر آتے۔ اسے فاطمہ کی شکل بری لگتی تھی۔ وہ اسے ہر وقت اجڈ اور جاہل کہتا۔

وہ فاطمہ کو سخت ناپسند کرتا تھا......اسی طرح مامی کا رویہ بھی اس کے ساتھ انتہائی ہتک آمیز تھا۔ وہ بار، بار جتاتی رہتیں۔

''تم حورعین جیسی نہیں......تم اس جیسی بن بھی نہیں سکتا۔ تم حورعین کی جوتی جیسی بھی نہیں......'' اس نے حورعین کا نام اتنی مرتبہ اس گھر میں سنا تھا کہ اسے حورعین کے نام سے نفرت ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ اس کی سگی رشتے دار تھی۔

کسی کو اس کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں تھا۔ ماہر کا جب دل چاہتا، میز الٹ دیتا تھا۔ یہاں حورعین کے نام کا طوطی بولتا تھا۔ یہاں کسی فاطمہ کا سکہ نہیں چل سکتا تھا۔ پھر ایک مدت کے بعد اس نے حورعین کو بالآخر دیکھ ہی لیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ عون اور محمد کو گود میں اٹھا کر اسپتال سے گھر آئی تھی گو کہ اس نے ماہر کی زندگی میں معمولی سی جگہ پالی تھی۔ وہ اس کے بیٹوں کی ماں بن گئی تھی تاہم ماہر کے دل میں آج بھی حورعین بستی تھی......وہ اس کے عشق میں گرفتار تھا۔

مامی نے خود کئی مرتبہ فاطمہ کو بتایا تھا۔

''ماہر ہر سال حورعین کی سالگرہ پر پاکستان جاتا ہے۔'' مامی کسی حد تک فخریہ بتایا کرتی تھیں یا پھر اسے جلانے کی کوشش کرتی تھیں۔ فاطمہ کو اس وقت یقین ہو گیا تھا جب واقعی شادی کے دوسرے سال بھی اچانک ماہر پاکستان چلا گیا...... اس دفعہ ماہر کا جانا ایک نئی قیامت کو اٹھا لایا تھا......اس دفعہ حورعین، ماہر کے ساتھ آئی تھی......وہ ہائر اسٹڈیز کے لیے آئی تھی۔

وہ امریکا میں پڑھنے کے لیے آئی تھی مگر ماہر جانتا تھا اور فاطمہ بھی جانتی تھی کہ حورعین کس مقصد کے لیے آئی ہے۔ حورعین کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے فاطمہ کو بھی محسوس ہوا تھا کہ ماہر اگر اس کے عشق میں گرفتار ہے تو ٹھیک ہی گرفتار ہے۔

حورعین ایسی تھی کہ اسے چاہا جاتا...... حورعین ایسی تھی کہ اس سے محبت کی جاتی...... وہ سرتاپا عشق تھی۔ حورعین کے آتے ہی فاطمہ کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔ ماہر کی مصروفیات حورعین سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی تھیں۔ اسے یاد رہتا تو بس حورعین کو وقت دینا...... اسے تفریح کرانا...... اسے گھمانا، پھرانا اسے ہر حال میں خوش رکھنا...... فاطمہ کے دل میں ان دنوں ایک عجیب سی لہر اٹھا کرتی تھی بہت عرصے تک فاطمہ اس لہر کو کوئی نام دینے سے قاصر رہی تھی...... پھر بہت عرصے بعد فاطمہ کو اس لہر کی موجوں اور اتار چڑھاؤ

کی سمجھ آ گئی تھی۔ آخر یہ لہر تھی کیا......؟ عون اور محمد جب تین سال کے ہوئے تو فاطمہ کو پتا چلا...... وہ حورعین سے حسد کی آگ میں جل رہی تھی۔

☆☆☆

اس لہر کا نام حسد تھا۔ حسد کی آگ جو مسلسل جلاتی ہے جلا جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

فاطمہ بھی حسد کی اس آگ میں جل رہی تھی...... یہ آگ بڑھتی چلی جاتی تھی، کم نہیں ہوتی تھی۔ اس آگ کو بڑھنا ہی تھا...... جلانا تھا اور جلا کر راکھ کر دینا تھا پھر جب ممی کی ڈیتھ ہو گئی تو وہ مزید تنہا ہو گئی...... نانی بھی چلی گئیں تب اکیلے پن کی ڈسی فاطمہ نے ماہر کے اکلوتے دوست امر کا سہارا لے لیا۔

وہ امر تھا...... ماہر کا جگری دوست...... جس کا بسیرا اسی گھر میں تھا...... وہ ماہر کے ساتھ رہتا تھا اور وہ حورعین کے آس پاس بھی رہتا تھا۔

ایسے ہی وقت گزرتا گیا...... فاطمہ پر ایک، ایک دن بھاری تھا...... پُر اذیت تھا۔ وہ کانٹوں پر سفر کرتی تھی۔ جانے کیسے امر کو اس کے دل کی حالت اور اذیتوں کا پتا چل گیا...... شاید وہ خود چلتی پھرتی غم کی تصویر تھی۔

فاطمہ نے ذرا سی ہمدردی پا کر اپنا دل کھول کر دکھا دیا...... امر گو کہ بہت مخلص تھا، ہمدرد تھا پھر بھی وہ ماہر کو براہِ راست ٹوک نہیں سکتا تھا۔ وہ اسے احساس نہیں دلا سکتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے حال پر نظرِ کرم کرے۔

وہ ہمیشہ فاطمہ کو سمجھاتا کہ وہ خود بااعتماد ہو...... بہادر بنے اور اسٹینڈ لے...... اپنے حق کے لیے آواز اٹھائے...... ماہر کو بہادر اور بااعتماد لڑکیاں پسند تھیں۔

امر اسے سمجھاتا تھا کہ وہ خود میں تبدیلی لائے...... اپنی قابلیت اور ذہانت سے ماہر کا دل جیتے اور اسے اپنی طرف متوجہ کرے۔

اور فاطمہ کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ ساری خوبیاں اس کے اندر کیسے جمع ہو سکتی تھیں۔ وہ بس اپنا اور حورعین کا موازنہ کیا کرتی۔

اور حورعین کا پلڑا ہر لحاظ سے بھاری دکھائی دیتا...... وہ فاطمہ کی سگی خالہ زاد تھی...... مگر وہ فاطمہ سے بہت مختلف تھی۔ وہ حورعین تھی...... حوروں سی بہت شاندار، مکمل اور سحر طاری کر دینے والی شخصیت کی مالک اس کا سحر سر چڑھ کر بولتا تھا۔ یوں کے سدھ بدھ ہی بھلا ڈالتا۔

ماہر کے اس سے کس نوعیت کے تعلقات تھے یہ تو فاطمہ کو پتا نہیں تھا مگر وہ اس آزاد معاشرے کی شہری تھی۔ یہاں کی ہر گری ہوئی اخلاقی قدر کو جانتی تھی۔

اس کے اندر خدشے اور وسوسے پنپتے تھے...... شیطانی خیالات سر چڑھنے لگتے۔ وہ پہلے پہل تو ماہر سے بدگمان ہوئی پھر اس پر اور حورعین پر شک کرنے لگی۔ دراصل ان دنوں کچھ ہوا اس طرح سے تھا یا پھر ان دنوں اس کا نصیب ہی دائرے میں گردش کر رہا تھا اور وہ نحوسیت کا دائرہ تھا۔

وہ دن بھی شاید نحس تھے...... کاش کے فاطمہ کی زندگی میں آتے ہی نہیں...... مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے...... ان منحوس دنوں میں اس کا باپ فلوریڈا سے نیویارک آ گیا تھا۔ اس کی حالت بہت پتلی تھی۔ ممی کے بعد وہ سچ مچ بھکاری بن گیا تھا کیونکہ ممی تو بیماری کی حالت میں بھی کما کر لے آتی تھیں مگر اس کا باپ شراب کے نشے میں ممی کی کمائی کو دونوں ہاتھوں سے لٹا آتا تھا۔ ان دنوں فاطمہ کا ستارہ گردش میں تھا۔

ایک تو ماہر اور اس کی تکرار بہت ہونے لگی تھی۔ ماہر اگر غصے میں ایک برتن توڑتا، فاطمہ دس توڑنے سے گریز نہیں کرتی تھی۔

عون اور محمد کے بعد وہ کوئی پہلے سی دبو قسم کی فاطمہ نہیں رہی تھی۔ وہ ایک کی دس سناتی...... چیختی اور چلاتی تھی...... ماہر کو گالیاں تک دے لیتی اور مائی سے جھگڑا بھی کرتی تھی...... ماہر بھی جواباً کم نہیں تھا مگر اس نے فاطمہ کے باپ کی طرح کبھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔

ایک دن حورعین روز، روز کے ہنگاموں سے تنگ آ کر ہاسٹل چلی گئی تھی اور پھر حورعین کا ہاسٹل جانا قیامت ہو گیا۔

حورعین شاید کبھی بھی ہاسٹل جانے کا فیصلہ نہ کرتی لیکن اس صبح فاطمہ نے ماہر اور مامی کی غیر موجودگی میں حورعین کو اتنا ذلیل کیا...... اتنا خوار کیا...... اتنی باتیں سنائی کہ وہ دوسرے ہی لمحے یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلی گئی تھی۔

فاطمہ نے حورعین کے جیسے کان کھول دیے تھے۔

''کال گرلز اور طوائفوں کی یہاں کمی نہیں تھی جو تم ایک اور اٹھ کر آ گئی ہو...... تمہیں ماہر کے علاوہ کوئی گھاس نہیں ڈالتا...... کوئی منہ نہیں لگاتا...... یہاں سے دفعان ہو جاؤ...... میرا گھر مت اجاڑو...... مجھے بے گھر مت کرو...... دفع ہو جاؤ...... ورنہ میں تم پر تیزاب پھینک دوں گی۔'' وہ چلاتی رہی تھی۔ گالیاں دیتی رہی تھی۔ غصہ کرتی رہی تھی۔ آگ اگلتی رہی تھی اور پھر حورعین اس کی ایک، ایک بکواس کو خاموشی سے سن کر ہمیشہ کے لیے اپنے ماموں کا گھر چھوڑ گئی...... شاید فاطمہ کی بھبوڑی ہوئی بار بار ٹھکرائی روح کو چین آ جاتا۔ شاید حورعین کے چلے جانے کے بعد اس کی زندگی میں ٹھہراؤ آ جاتا، سکون آ جاتا...... لیکن فاطمہ کی زندگی میں سکون کہیں نہیں تھا...... اس کا باپ بدقسمتی کا طوفان بن کر اچانک چلا آیا۔ وہ جو حورعین کے دفعان ہو جانے کے بعد بہت چین سے تھی۔ اس کا سارا چین و سکون غارت ہو گیا تھا۔

وہ کرسمس کی رات تھی۔ سارا نیویارک بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ ہر گام جگنوؤں کی طرح چمک رہا تھا لیکن فاطمہ کی زندگی میں اس رات تاریکیاں اتر آئی تھیں۔ اندھیرے بھر گئے تھے۔ سیاہی جم گئی تھی۔ کاش کہ وہ رات آتی ہی نہیں...... یا اس کی زندگی کے صفحے سے وہ رات ہمیشہ کے لیے مٹ جاتی۔

☆☆☆

فاطمہ بچوں کو سلا کر نیچے آئی تو ماہر کرسمس کی رونقیں دیکھنے چلا گیا تھا۔ اس رات مامی بھی نہیں تھیں۔ فاطمہ اکیلی تھی لیکن یہ اکیلا پن کچھ ہی دیر میں ختم ہو گیا تھا۔ اس رات بہت عرصے بعد اس کا باپ ملنے چلا آیا تھا۔ فاطمہ بہت عرصے بعد اپنے باپ کو دیکھ کر جذبات پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ وہ اپنے خساروں پر ایسا روئی کہ روتی ہی چلی گئی تھی۔

جانے کون، کون سے دکھ یاد آ گئے تھے۔ جانے کون، کون سی محرومیاں یاد آ گئی تھیں۔

اس کا باپ بھی بڑا خود کو ہمدرد اور محبت کرنے والا باپ ثابت کر رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک فاطمہ کے پاس بیٹھا رہا...... پھر وہ ماہر کے بارے میں پوچھتا رہا۔ اچانک اس کے باپ نے اپنا موبائل نکالا اور کچھ تصویریں دکھائیں۔ یہ کسی ریسٹورنٹ کی تصویریں تھیں، کہیں پکنک پوائنٹ نظر آ رہے تھے، کہیں پارک اور کہیں بیچ کی تصویریں تھیں ہر جگہ ماہر اور حورعین ساتھ، ساتھ تھے۔

ان کی قربت بتاتی تھی کہ ان کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہے...... فاطمہ جیسے سرتاپا بل کر رہ گئی تھی۔

اس کے علاوہ پاپا نے مزید بھی بہت کچھ بتایا تھا۔

''تم آنکھیں کھلی رکھو...... بہت جلد اس ڈریم لینڈ سے نکل جاؤ گی...... اپنے شوہر کو قابو کرو...... وہ اس لڑکی کے ساتھ آوارگیاں کرتا پھرتا ہے۔'' پاپا کے الفاظ اس کے اندر حسد اور شک کا ایک اور بیج بو گئے تھے۔ وہ جیسے سن ہو گئی تھی۔ پھر بات یہاں تک ہی محدود نہیں تھی۔ پاپا اس تک ایک، ایک بات کی رپورٹ پہنچاتے اسے ماہر اور حورعین کے بارے میں لمحہ بہ لمحہ باخبر کرتے...... اور فاطمہ جیسے جل، جل کر راکھ ہو رہی تھی۔ فاطمہ اور ماہر کے تعلقات سرد ہو چکے تھے۔ گھر میں ایک جنگ اور دنگل کا ماحول تھا۔ ماہر سیر تھا تو فاطمہ سوا سیر...... دونوں میں لمبی تکراریں ہوتیں، جھگڑا بڑھتا، ماہر گالیاں دیتا...... اپنے اوپر لگائے الزامات کی تردید کرتا اور چلاتا ہوا گھر سے نکل جاتا۔

فاطمہ کو ان دنوں سمجھ نہیں آتی تھی وہ کیسے حورعین کو ماہر سے دور رکھے...... اپنا گھر بچائے، اپنی زندگی بچائے پھر امر سے دل کا حال کہا تو اس نے بڑا آسان

مشورہ دیا تھا۔

''حورعین اور ماہر کا آپس میں نکاح ہے..... اگر یہ مناسب طریقے سے ختم ہو تو بہتر ہے تمہارے لیے بھی اور حورعین کے لیے بھی......'' فاطمہ اس کی بات پر لمحے بھر کے لیے چپ ہوگئی تھی پھر اس نے اسی پہلو پہ سوچنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے امر کی بات کا غلط مفہوم لیا...... اور اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ ان دنوں پاپا بھی فاطمہ سے مسلسل رابطے میں تھے۔

یہاں پر فاطمہ نے اپنی زندگی کی ایک اور بڑی نادانی کرلی تھی۔ اس نے پاپا کو راز میں شریک کرلیا..... اور ماہر کے حورعین سے نکاح کی خبر دے ڈالی۔ پاپا کے لیے یہ شاکنگ نیوز تھی۔ وہ جہاں کے تہاں رہ گئے تھے پھر انہوں نے اسے تسلی دی اور اس معاملے کو اپنے تئیں خود ہینڈل کرنے کا فیصلہ کرلیا...... پاپا نے کیسا منصوبہ بنایا تھا اور کیا شاطرانہ چال چلی تھی۔

فاطمہ کو جلد پتا چل گیا تھا۔ فاطمہ نے بھی تمام اختیارات اپنے اس لالچی باپ کو سونپ دیے تھے جس نے ایک دن بھی اس کی ماں کو سکھ کی سانس لینے نہیں دی تھی۔ پہلے تو پاپا نے ماہر پر نظر رکھی...... اس کے پل، پل کی رپورٹ لی پھر ایک جامع منصوبہ بنالیا۔ فاطمہ اس منصوبے سے کچھ بے خبر تھی۔ اسے پتا نہیں تھا کہ پاپا کیا کرنے والے تھے پھر وہ اسی بے خبری میں ایسی ماری گئی کہ عمر بھر خود سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہ سکی۔ فاطمہ کی زندگی میں وہ زلزلہ بھلا کس طرح سے آیا تھا..... جس نے اسے گھر سے بے گھر کر دیا تھا بلکہ وطن سے بے وطن کر دیا تھا۔

یہ ایک پری پلاننگ تھی..... گو کہ بہت خاص قسم کی نہیں تھی پھر بھی ان کی زندگیوں میں بھونچال ضرور لے آئی تھی۔ پاپا نے فیصلہ کیا..... کیسے ماہر اور حورعین کو دور کرنا ہے؟ یہاں تک تو بات ٹھیک تھی۔ فاطمہ بھی مان گئی کیونکہ وہ بھی یہی چاہتی تھی۔ لیکن اس دوری کے پیچھے کیسی شاطرانہ چال ہوگی یہ فاطمہ کو نہیں پتا تھا۔

کرسمس نائٹ سے اگلے دن جب وہ لوگ فلوریڈا (سنگتروں کے ملک) روانہ ہوئے اور مالٹوں کے باغات میں بنے ریسٹورنٹ میں قیام کیا...... دراصل فاطمہ کو یہ بات بھی بعد میں پتا چلی تھی کہ ماہر نے حورعین کے لیے یہ پروگرام بنایا تھا کیونکہ حورعین کی ان دنوں چھٹیاں چل رہی تھیں۔ وہ رات حورعین کی اور فاطمہ کی زندگی میں آنے والی بھیانک ترین رات تھی۔

اس رات حورعین کو اغوا کرلیا گیا تھا...... اغوا کرنے والے کون لوگ تھے؟ وہ حورعین کو کہاں لے گئے تھے۔ انہوں نے حورعین کے ساتھ کیا، کیا تھا...... یہ سب کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ ایک قیامت خیز واقعہ تھا۔ حورعین کو نشے کے انجکشنز لگائے گئے تھے اسے زیورات اور روپے پیسے سے لے کر ہر لحاظ سے لوٹا گیا تھا۔ علاوہ ازیں حورعین پر جسمانی اور جنسی تشدد بھی کیا گیا تھا۔ اس کا بازو فریکچر ہوگیا...... اس کا سر پھٹ گیا اور وہ موت وحیات کی کشمکش میں بے سروسامانی کی حالت میں فلوریڈا ہائی وے کے کنارے سے اٹھائی گئی تھی۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ ماہر اسے دیکھ کر پاگل ہوگیا تھا۔ حورعین کی شکستہ حالت کو دیکھ کر لاکھ عداوت کے باوجود بھی فاطمہ تک لرز اٹھی تھی۔ اس دوران امر اور ماہر کی انتھک کوششوں سے حورعین زندگی اور صحت کی طرف لوٹ آئی تھی مگر اس نے نہ جانے کتنی ہی مرتبہ خودکشی کی ناکام کوشش کر کے امر اور ماہر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ دونوں اس کی پٹی سے لگ گئے تھے۔

فاطمہ کے لیے یہ صورتِ حال بھی بہت اذیت ناک تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کیسے اور کس طرح ماہر کو حورعین کی زندگی سے کھینچ لائے۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا۔ حورعین کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بعد ماہر گو کہ پہلے جیسا جھگڑالو نہیں رہا تھا پر وہ گھر میں کم، کم نظر آتا تھا۔ یقیناً وہ حورعین کے ساتھ ہی زیادہ رہتا تھا۔

☆☆☆

قریب دو ماہ بعد اچانک ماہر پر ایک ایسا جنون

سوار ہوا کہ اس نے فاطمہ کی ہستی کو بھنبوڑ کر رکھ دیا جانے ماہر پر کیسا جن سوار ہوگیا تھا یا اس کے دماغ کو کچھ ہوگیا تھا۔ اس پر وحشت سوار ہوگئی تھی۔ تب اس نے فاطمہ کے ساتھ بہت برا کیا۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ مارا، ذلیل کیا، کتوں کی طرح دھتکارا، گالیاں تک دیں، حتیٰ کہ طلاق تک دینی چاہی تھی۔ یہ امر تھا جو رحمت کا فرشتہ بن کر آ گیا تھا اور اس نے فاطمہ کو ماہر کے عتاب سے اور جنون سے بچالیا تھا۔

ہاں تب ماہر ایسا ہی پاگل اور جنونی ہوگیا تھا۔ اس نے اسے نیویارک کی سڑکوں پر کتوں کی طرح گھسیٹا تھا، اسے خوار کیا تھا، ذلیل کیا تھا، رسوا کیا تھا...... بے جرم گھر سے نکالا اور اپنی زندگی سے نکالا...... حتیٰ کہ ملک سے بھی نکال دیا۔

فاطمہ تب کتنی تنہا اور اکیلی ہوگئی تھی۔ پورا شہر اس کے لیے اجنبی ہوگیا۔ سڑکوں پر دھکے کھاتی اور اپنا قصور اور جرم تلاش کرتی...... تب امر ہی تھا جو اس کا سہارا بنا...... وہ امر ہی تھا جو اسے زندگی کی طرف دوبارہ لایا...... لیکن فاطمہ کے اندر سے زندگی ختم ہوچکی تھی۔ اس کے اندر سے امنگ ختم ہوچکی تھی۔ امید ختم ہوچکی تھی۔ امر کے شورے پر وہ پاکستان اپنی خالہ کے پاس چلی آئی تھی۔ جو حورعین کی ماں تھیں۔ جنہیں فاطمہ نے اپنے اوپر بیتی ایک، ایک اذیت ناک پُر درد کیفیت کا بتایا تھا۔ درد ناک داستان سنائی تھی۔ دل پھاڑ دینے والے لمحوں کا احوال سنایا تھا۔

پھر کتنے سال ہی خالہ حورعین سے ناراض رہیں...... انہوں نے حورعین سے تمام تعلق توڑ لیے تھے اسے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔

پھر کئی سال گزر گئے تھے۔ اس دوران امریکا سے ماموں، مامی کے کئی فون آئے...... ماموں اسے لینے بھی آئے، ماہر سے صلح کی ہر ممکن کوشش میں لگے رہے۔

پھر ایک دن امر کی کال بھی آئی تھی...... اس نے خالہ سے کہا تھا۔

''حورعین اپنی نئی زندگی کی شروعات کرنے لگی

ہے۔'' امریکی اس کال کے بعد خالہ گم صم ہوگئی تھیں۔ وہ حورعین کو یاد کرکے رات، رات بھر روتی تھیں۔
ماموں اور مامی فاطمہ کو منانے کی ہر ممکن کوشش کے بعد خاموش ہوگئے تھے۔ پھر کئی سال بیتتے چلے گئے۔ فاطمہ نے اپنا دل پتھر کرلیا تھا۔ وہ واپسی کے ہر رستے کو بھول گئی تھی۔ واپس جاتی بھی تو کیوں......؟ اور کس لیے......؟ حورعین اور ماہر شادی کر چکے تھے۔ وہ اپنی زندگی سکون سے گزار رہے تھے۔ فاطمہ کیوں وہاں جاتی؟ محض کڑھنے کے لیے؟ جلنے اور حسد کرنے کے لیے......؟ پھر وقت کچھ اور آگے بڑھا، خالہ دو ماہ کے کہیں چلی گئی تھیں وہ اور پرانی ملازمہ اسی گھر میں تھے۔ ان دنوں وہ بیمار بھی تھیں۔ فاطمہ کو تو پتا نہیں چلا سکا تھا۔ وہ دراصل حورعین سے ملنے جاتی تھیں۔ تو کیا خالہ نے حورعین کو معاف کردیا تھا؟ فاطمہ کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا حورعین کی وجہ سے ہوا تھا۔ فاطمہ اسے کبھی معاف نہیں کرسکتی تھی۔
پھر یوں ہوا کہ جان سے پیاری خالہ کی بیماری بڑھ گئی۔ وہ فاطمہ کو سمجھاتی تھیں۔ ہر وہ بات جو فاطمہ سمجھنے والی نہیں تھی۔ خالہ کی انتھک کوششوں کے بعد بالآخر فاطمہ کا دل کچھ نرم پڑا۔ اسے زمانے کے اتار چڑھاؤ کی سمجھ آگئی تھی پھر یہ کہ اگر خالہ کو کچھ ہوجاتا تو وہ کہاں جاتی......؟ سو ایک مرتبہ پھر اس نے دل پر پتھر رکھ کر واپسی کا سفر طے کرنا شروع کیا تھا...... اس دوران خالہ بھی چلی گئیں۔ فاطمہ کے پاپا بھی مرکھپ چکے تھے۔ اب اس کا کوئی اور رشتہ تو رہا نہیں تھا...... بس ایک اولاد کا تعلق تھا۔ دنیا میں اس کا واحد رشتہ اور سہارا...... ممتا کی ہڑک نے جب اسے پاگل کردیا تو وہ واپس نیویارک چلی آئی تھی کیونکہ اسے نیویارک آنا ہی تھا۔

☆☆☆

نیویارک پہنچ کر اس نے بہت ساری چیزوں میں تبدیلی دیکھی تھی۔ ماہر بھی بدل گیا تھا، وہ پہلے جیسا نہیں تھا۔ مامی بھی ویسی نہیں تھیں۔
حالات اب واقعی وہ نہیں تھے جو فاطمہ سوچ کر آئی تھی۔ یہاں پر تیزی سے تبدیلی کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ ماہر کے مزاج میں بھی ٹھہراؤ آچکا تھا۔ وہ بدل گیا تھا یا پھر اسے وقت نے بدل دیا تھا۔ اس کا فاطمہ کے ساتھ پہلے جیسے رویہ نہیں تھا۔ اور واقعی ماہر بدل گیا تھا۔
لیکن ایک پھانس تو تھی ناں جو فاطمہ کے دل سے کبھی نہیں نکل سکتی تھی۔ ایک حرفِ معذرت بھی نہیں...... اپنے کیے پر ذرا سی شرمساری بھی نہیں...... الٹا وہ چاہتا تھا فاطمہ خود معذرت میں پہل کرے...... پھر حمنہ کا وجود تھا جو نہ چاہتے ہوئے بھی فاطمہ کو کھٹکتا تھا۔ جانے ماہر کو کیسے خبر ہوگئی تھی۔ وہ حمنہ کو بورڈنگ چھوڑ آیا۔ حمنہ کے چلے جانے پر پہلی مرتبہ فاطمہ کو شرمندگی اور ندامت ہوئی تھی۔ وہ ایک معصوم اور بن ماں کی بچی کے ساتھ عداوت نہیں رکھ سکتی تھی۔
لیکن وہ بچی بن ماں کی کہاں تھی......؟ اس انکشاف نے تو فاطمہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا...... اس انکشاف نے تو فاطمہ کو اسپتال کے بستر پر پہنچا دیا تھا۔

☆☆☆

فاطمہ نے بش گارڈن کی ڈاکومنٹری دیکھتے ہوئے جیسے ہی ڈور بیل کی آواز سنی تو دروازے پر دھیان گیا تھا۔ مامی اور بچوں سے تو امید نہیں تھی وہ اٹھ کر دروازہ کھولیں گے۔ فاطمہ کو خود ہی دروازہ کھولنا پڑا تھا اور جیسے ہی فاطمہ نے دروازہ کھولا سامنے کھڑی حورعین کو دیکھ کر اس کے سر پر آسمان آگرا تھا۔ وہ واقعی حورعین تھی، ویسی ہی حسین، دلکش، دلفریب...... اُف فاطمہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ آنکھیں مسل مسل کر دیکھتی رہی۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔ گول گول گھوم رہا تھا۔ چکر کھا رہا تھا۔ پھر وہ لہرا کر زمین پر ایسی گری تھی کہ اسپتال جا کر ہی اس کی آنکھ کھلی۔
اور آج اسے اسپتال میں بھی دوسرا ہی دن تھا۔ اور دل چاہتا تھا کہ کبھی اس کی آنکھ کھلے ہی نہ آنکھیں بند ہی رہیں۔ پلکیں پپوٹوں سے جڑی ہی رہیں۔
بارِ ندامت نے اس کی آنکھوں کو جھکا کر اتنا شرمسار کردیا تھا کہ وہ کبھی ماہر اور حورعین کے سامنے سر

اٹھا کر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کبھی حورعین کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔

وہ حورعین تھی جس کی ماں نے اسے پھولوں کی طرح رکھا تھا۔ جب ہر رشتے نے اسے دھتکار دیا تھا تو خالہ نے ہی اسے سینے سے لگایا، اس کا غم دور کیا، سہارا دیا، محبت دی، اعتماد بحال کیا...... اور حتیٰ کہ ماہر کے دل کو اتنے سال بعد فاطمہ کے لیے موم کر دینے والی بھی خالہ ہی تھیں۔

بہت ساری ایسی حقیقتیں تھیں جن سے حورعین نے پردہ اٹھایا تھا۔ کاش کہ وہ پردہ پڑا ہی رہتا۔ فاطمہ کو کچھ پتا نہ چلتا، اپنا حسد، بغض، کینہ اور اپنے باپ کا دیا گیا گھاؤ اور گھناؤنا کردار کبھی دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن آج انکشافات کا دن تھا۔ فاطمہ کو آئینہ دکھانے کا دن تھا۔ حورعین آج بھی بلندی پر کھڑی تھی۔ فاطمہ آج بھی پستی میں دھنسی تھی۔

پھر اسپتال کی خاموش فضاؤں نے حورعین کا درد ناک نغمہ بھی سنا تھا۔ فاطمہ کا جھکا سر پھر کبھی اٹھ نہیں سکا تھا۔ وہ حورعین تھی جو بول رہی تھی اور یہ فاطمہ تھی جو سن رہی تھی۔

''وقت انسان کو کبھی کبھار ایسے دوراہے پر لے آتا ہے جس سے نہ آگے رستہ نظر آتا ہے نہ پیچھے ہٹا جاسکتا ہے اور سمجھ بھی نہیں آتی کہ صحیح رستہ کون سا ہے......؟ انسان بھاگنے کی کوشش کرتا ہے مگر بھاگ نہیں سکتا۔ چلتا ہے تو چل نہیں سکتا اور کبھی، کبھی وقت ہمیں بند گلی میں لا کھڑا کرتا ہے۔ ایسی بند گلی جس کا کوئی روزن کوئی دریچہ نہیں ہوتا۔ وہاں سانس گھٹنے لگتی ہے۔ حبس بڑھنے لگتا ہے۔ جان نکلنے لگتی ہے اور روح چلانے لگتا ہے۔ میں بھی اس وقت ایک بند گلی میں کھڑی ہوئی تھی۔ جب مجھے خبر ملی کہ ملائکہ خالہ کی فاطمہ سے ماہر کی زبردستی شادی کروادی گئی ہے، کیا یہ خبر سچ تھی؟ یا کسی نے بھیانک مذاق کیا تھا؟ کیا کوئی اتنا بھیانک اور سفاک مذاق بھی کر سکتا ہے؟ مجھے لگا، میں نے کھڑے، کھڑے، موت کا ذائقہ چکھ لیا ہے۔ کیا ماہر کی محبت مجھ سے جدا ہو چکی تھی...... کیا مجھ پر عمر بھر کے لیے وہ ماہر...... جس کی محبت میرے ساتھ سانس لیتی پروان چڑھی تھی، وہ محبت جو میری زندگی کو ایک، ایک قدم توانائی بخش کر آگے بڑھا رہی تھی۔ وہ محبت مجھ سے اچانک چھن گئی تھی۔ معلوم نہیں آخر کیوں...... میرے ساتھ ہی کیوں؟ کیا ملائکہ خالہ کو کوئی اور نہیں ملا تھا؟ کیا ماہر کے علاوہ پورے امریکا میں کوئی اور نہیں تھا؟ صرف ماہر ہی کیوں؟ اور یہ ماہر ایسا ہرجائی تھا جو ذرا بھی بغاوت نہ کر سکا؟ ان دنوں مجھ پر جنونی دورے سوار ہو گئے تھے۔ مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ مجھے دن کو چین نہیں ملتا تھا۔ میں رات بھر روتی تھی۔ دن بھر کمرے میں قید رہتی۔ ہاں تب مجھ سے میرا سکون چھن چکا تھا...... شاید میری یہ کیفیت برسوں تک قائم رہتی لیکن مجھے جلد ہی پتا چلا کہ جس خزاں کے دور سے میں گزر رہی ہوں۔ ماہر بھی اس پت جھڑ کے موسموں کا شکار ہے۔ میں بہت لمبی بات نہیں کروں گی فاطمہ...... میری ایک گھنٹے بعد واپسی کی فلائٹ ہے، مجھے چلے جانا ہے...... میں جاتے، جاتے تمہارے دل سے آخری پھانس نکال کر جاؤں گی۔'' نہ جانے وہ کیا کہنے والی تھی۔

''بھلے سے تم مجھے کچھ بھی نہ سمجھو...... لیکن میں تمہیں اپنی خالہ زاد کزن نہیں بہن سمجھتی اور مانتی ہوں۔ بہت مختصر لفظوں میں تمہیں اپنی زندگی کی حکایت بتاؤں گی جس طرح سانس اور روح کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہے۔ اسی طرح ماہر اور میری محبت ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھی۔

'' شاید یہ بچپن کی محبت تھی۔ جب وہ ماموں کے ہمراہ میرے گھر آتا تھا یا پھر میں امی کے ساتھ یہاں چلی آتی۔ ملائکہ خالہ کے ساتھ ہمارے تعلقات کبھی اچھے نہیں رہے تھے۔ وجہ تو تم بھی جانتی ہو، اس کی گہرائی میں میں نہیں جاؤں گی۔ گو کہ ہم لوگ ملائکہ خالہ سے ملتے نہیں تھے مگر ان کے حالات سے بے خبر بھی نہیں تھے، میں نہیں چاہتی تم اپنے مرے ہوئے باپ

سے متنفر ہو مگر اس وقت جب تمہارا باپ تمہیں ایک مصری کے ہاتھوں بیچ رہا تھا اور تمہیں مصر اسمگل کر دیا جانا تھا تب خالہ نے ماموں کے پیر پکڑ کر منت کی تھی کہ تمہیں تمہارے باپ کی رذالت اور ظلم سے بچالیں۔ یہ ماموں ہی تھے جنہوں نے خالہ پر احسان کیا...... ماہر کو جیسے تیسے قسمیں دے کر منایا اور تم بیاہ کر محفوظ ہاتھوں میں چلی آئیں۔ میں کبھی اس عظیم بے وفائی پر ماہر کو معاف نہ کرتی...... مگر جب مجھے پتا چلا کہ فاطمہ کی زندگی اور عزت کا سودا کیا جا رہا ہے، تب میں نے خود ماہر کو اپنی محبت اور نکاح کی زنجیر سے آزاد کر دیا تھا۔ گو کہ ماہر کو تمہارا ساتھ قبول کرنے میں بہت وقت درکار تھا پھر بھی میں جانتی تھی کہ تم دونوں کے درمیان جو فاصلے ہیں وہ کبھی نہ کبھی مٹ جائیں گے۔''

وہ یہ کیسا انکشاف کر رہی تھی۔

''تم شاید سمجھتی تھیں کہ میں تمہیں جلانے اور تمہارا گھر اجاڑنے کے لیے نیویارک آئی تھی۔ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ میں نے اسٹڈی کے لیے یہاں سے اپلائی کر رکھا تھا، ہاں ماہر نے کوششیں ضرور کی تھیں۔ مجھے لگ رہا تھا کہ تم کو میرا آنا پسند نہیں آیا۔ تم مجھے ناپسند کرتی تھیں اور پھر اس کا واضح اظہار بھی کرنے لگی تھیں۔ مجھے باتیں بھی سنانے لگی تھیں پھر میں نے خود ہی یہاں سے چلے جانے کا سوچ لیا تھا حالانکہ میرے اس فیصلے پر ماہر مجھ سے کئی مہینے تک ناراض رہا تھا مگر میں ماہر کی زندگی کو بے سکون کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''ان ہی دنوں ماہر نے مجھے فورس کرنا شروع کیا کہ میں اپنی زندگی کے لیے کوئی مناسب فیصلہ کروں...... امر کا پروپوزل بھی موجود تھا اور ماہر مجبور بھی بہت کر رہا تھا۔ میں خود بھی یہی چاہتی تھی کہ تمہاری زندگی سے بہت دور چلی جاؤں...... فلوریڈا ہم اسی وجہ سے گئے تھے، چھٹیوں کا تو بہانہ تھا۔

''وہاں فلوریڈا میں میرے ساتھ جو حادثہ پیش آیا تھا وہ اس قدر بھیانک اور ظالمانہ تھا کہ آج دس سال بعد بھی اذیت اور درد، خوف مجھے راتوں کو چلانے اور رونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ دہشت وہ وحشت آج بھی میری روح کو جھنجھوڑ ڈالتی ہے۔ ایک طویل مدت لگی تھی مجھے اس عذاب اور خوف سے نجات حاصل کرنے میں...... اگر امر اور ماہر نہ ہوتے تو شاید میں مر جاتی، مٹ جاتی ختم ہو جاتی۔

''اپنی عزت، وقار اور ذات کے غرور کو کھو دینے کا دکھ الگ تھا اور یاں کی بدگمانی کا غم الگ...... انہیں جو تم نے کہانی سنائی تھی وہ اسی پر ایمان لے آئی تھیں۔ ایک لمبا عرصہ وہ مجھ سے نفرت میں مبتلا رہی تھیں۔ پھر وقت نے مجھے ہر اس گناہ اور الزام سے بری کر دیا تھا۔ ای کا دل صاف ہو گیا...... وہ مجھ سے راضی ہو گئیں...... اور اس سب میں امر اور ماہر کی انتھک کوششوں کا دخل تھا۔''

فاطمہ بت بنی اس کی داستان سنتی رہی۔

''فلوریڈا میں جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا...... تم تو سمجھتی ہو گی، بہت اچھا ہوا...... میں تمہارا گھر خراب کر رہی تھی سو مجھے اسی بات کی سزا ملی...... یقیناً تب تم یہی سوچتی ہو گی ناں......؟'' حورعین لمحے بھر کے لیے رکی تھی۔ ایسے جیسے میلوں کی مسافت کے بعد کچھ دیر کے لیے سانس لینا چاہتی ہو اور فاطمہ کے دل کی دھڑکنیں جیسے تھم گئی تھیں۔ ایسے لگ رہا تھا حورعین کوئی نہ کوئی انکشاف کرنے والی تھی۔ ایسا کوئی انکشاف جو اس کی ہستی کو ہلا دیتا اور واقعی حورعین نے فاطمہ کے سر پر آسمان گرا ڈالا تھا۔ اس نے اسے آسمان سے پاتال میں لا پٹخا تھا۔ وہ حق دق رہ گئی...... جیسے منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

''جانتی ہو فلوریڈا میں مجھے کس نے اغوا کروایا تھا؟'' حورعین کی آواز غم اور صدمے کی شدت سے پھٹ پڑی تھی۔ فاطمہ کی آنکھوں میں سفیدی اتر آئی۔ اس کا دل رک، رک کر چلنے لگا تھا۔ اس کا دل دھڑکنا بھول رہا تھا۔

''میں شاید تمہیں کبھی نہ بتاتی۔ لیکن اس لیے بتا رہی ہوں کہ جو دس سال تم نے کانٹوں پر چل کے گزارے ہیں یہ مت سمجھنا کہ ہم ان دس سالوں میں

بڑے خوشحال اور خوش و خرم رہے تھے۔ جو عذاب تم نے بھگتے ہیں وہ ہم نے بھی بھگتے تھے۔ جانتی ہو تمہارے باپ نے مجھے اغوا کروایا تھا۔ میری عزت کو پامال کیا...... مجھ سے میرا وقار اور زندگی چھین لی...... مجھے موت کے منہ میں پہنچا دیا...... میں اسپتال میں آخری سانسیں گن رہی تھی۔ شاید مجھے اپنے ناکام قاتل کا کبھی پتا نہیں چلتا، ماہر اور امر بھی بے خبر رہتے مگر تمہارے باپ نے خود آ کر اس بات کا انکشاف کیا تھا۔ اس نے آ کر کہا جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا وہ سب کچھ فاطمہ کے کہنے پر ہوا، یہ انکشاف ماہر کو پاگل کر گیا تھا۔ وہ تمہیں شاید قتل کر دیتا...... یا طلاق تو ضرور ہی دے دیتا۔ تمہاری قسمت اچھی تھی...... تمہیں امر نے بچا لیا تھا یوں تمہیں پاکستان بھجوا دیا تھا ورنہ ماہر تمہیں قبر کے اندر سے بھی نکال کر سزا دے دیتا...... وہ تمہیں کبھی معاف نہ کرتا...... تمہیں دنیا میں ذلیل و خوار کر دیتا...... مگر ماموں کے بندھے ہاتھوں اور میری منتوں کی لاج اس نے رکھ لی تھی لیکن اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ عمر بھر تمہیں واپس نہیں لائے گا اور نہ کبھی تمہارے ساتھ تعلق بحال کرے گا...... وہ اپنی بات پر قائم تھا اور اسے قائم رہنا آتا تھا۔ پھر وقت گزرتا گیا۔ میرے رستے زخموں پر بھی کھرنڈ جمنے لگی تھی۔

''ماہر مجھے دل و جان سے اپنانا چاہتا تھا۔ اس نے زمین آسمان کا زور لگا ڈالا تھا۔ ہر طرح کی کوشش کی تھی مگر میں نے کبھی اسے مثبت جواب نہیں دیا۔ تنگ آ کر اس نے مجھے امر کے ساتھ شادی کرنے پر فورس کرنا شروع کر دیا تھا۔ بس وہ مجھے آباد دیکھنا چاہتا تھا اور میں بھی اسے آباد دیکھنا چاہتی تھی۔

''جیسے تیسے صعوبتیں جھیل کر بالآخر ماہر نے مجھے امر کے ساتھ آباد کر ہی دیا تھا پھر میں کیسے ایسی ظالم، سنگ دل یا کٹھور ہوتی کہ ماہر کو سنسان اور ویران ہی رہنے دیتی۔ گو کہ ماہر کو رام کرنے، سمجھانے اور تم تک واپس لانے میں دس سال لگے تھے لیکن بالآخر ایک دن ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے...... اس دوران امی بھی راضی ہو گئیں۔ انہیں بھی حقیقت کا پتا چل گیا تھا۔ امی نے بھی نیویارک آ کر ماہر کو منایا...... اسے راضی کیا...... پرانی باتیں بھلا دینے پر مجبور کیا...... اور ماہر سے عہد لیا کہ ہم کبھی اپنے تکلیف دہ ماضی کو یاد نہیں کریں گے اور وہ تمہیں کبھی میرے حوالے سے طعنے نہیں دے گا، نہ اپنے انتقام کو تازہ کرے گا...... سو ماہر تم تک پچھلی ہر بات اور ہر حوالے کو بھلا کر آیا تھا۔

''پھر جلد یا بدیر ہر کوئی اپنے انجام کو پہنچ ہی جاتا ہے۔ برے کو اس کی برائی کا بدلہ ضرور ملتا ہے، تمہارے واپس آنے سے پہلے خود تمہارا باپ ماہر سے معافی مانگنے آیا تھا لیکن ماہر نے اسے دھتکار دیا۔ میں جانتی ہوں، اس سب میں تمہارا اتنا قصور نہیں ہوگا...... تم تو فطری حسد کا شکار تھیں مگر تمہارے خود غرض باپ نے تمہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا تھا۔

''جب تم نیویارک پہنچیں تب تک میں پاکستان چلی گئی تھی امی کا آخری دیدار کرنے...... میرا قیام وہاں کچھ طویل ہو گیا تھا۔ حمنہ کو ماہر کے پاس چھوڑنا پڑا کیونکہ امر یا میرے بغیر تیسرا فرد ماہر ہے جس کے پاس حمنہ بخوشی رہ لیتی تھی۔ امر کو بزنس کے لیے بیرون ملک جانا تھا۔

''میں جانتی ہوں تمہیں حمنہ کی موجودگی میں تکلیف ہوئی ہوگی اور کچھ امر اور ماہر نے بھی تمہیں حقیقت نہیں بتائی ہوگی۔ وہ تمہیں جان بوجھ کر ستا رہے تھے۔''

وہ انکشاف کیے جا رہی تھی۔

''نہ تو میں دنیا سے گئی تھی اور نہ ہی حمنہ ماہر کی اولاد ہے...... یہ میری اور امر کی اکلوتی، لاڈلی اولاد ہے...... جو کچھ امر نے منصوبہ سازی بنا کر تمہیں کلسایا ہے۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں...... اس کے لیے تم امر اور ماہر کی کلاس لے سکتی ہو۔'' ایک لمبی اور طویل کہانی کے ہر کرب بھرے باب کو ہمیشہ کے لیے بند کر کے حورعین نے آخر میں ذرا ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا۔ یوں کہ فاطمہ پتھر

کی مورت سے جاندار چیز میں ڈھل کر دہاڑیں مار، مار کر رونے لگی تھی۔ اس پر شرمندگی، ندامت اور اذیت کی کنکریاں برس رہی تھیں۔

یہ اس نے حورعین کے ساتھ کیا کر ڈالا تھا...... اس کے باپ نے حورعین کے ساتھ کیا کر ڈالا تھا؟ فاطمہ ندامت اور شرمندگی کے اندھے کنویں میں جا گری تھی۔ وہ چیخ، چیخ کر رو رہی تھی۔ اسے حورعین کے اعلیٰ ظرف کے سامنے اپنا آپ انتہائی بونا اور چھوٹا لگ رہا تھا۔ وہ اتنی نیچ ہو گئی تھی۔ آخر اس نے حورعین کے ساتھ یہ کیسا ظلم کیا تھا؟ گو کہ وہ ایسی قصوروار نہیں تھی۔ اتنا سب کچھ کرنے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ تو ہر بات سے بے خبر تھی لیکن جو دکھ حورعین کو ملے تھے وہ سب اسی کی وجہ سے ملے تھے۔ اس نے تو حورعین کو مفلس اور کنگال کر ڈالا تھا۔ اس کی عزت تک چھن گئی۔ اس کی ہر خوشی چھن گئی پھر بھی اللہ تعالیٰ نے حورعین کو مالا مال کر دیا تھا۔ اسے ہر اس چیز سے نوازا تھا جو حورعین سے چھن گئی تھی اور بے شک اللہ بڑا رحیم اور کارساز ہے۔ بے خطا کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑتا۔

بارِ ندامت نے فاطمہ کو سراپا آنسو بنا دیا تھا۔ وہ حورعین کی ممنون تھی، اس کی احسان مند بھی تھی...... حورعین نے اس پر اتنے احسانات کیے تھے کہ وہ ایک بھی احسان اتار نہیں سکتی تھی۔

ہاں وہ حورعین سے معافی تو مانگ سکتی تھی ناں...... سو وہ ہاتھ جوڑے حورعین کے قدموں میں گر پڑی تھی۔ اسے عمر بھر حورعین کے سامنے جھکنا ہی تھا۔

''مجھے اپنی اس محبت کے بدلے میں معاف کر دو جو تمہیں ماہر سے تھی۔ اور مجھے اپنی اس زندگی کے بدلے معاف کر دو جو اللہ نے تمہیں تحفے میں دی۔'' حورعین نے اس کے پگھلتے آنسوؤں کو دونوں ہاتھوں میں سمیٹا تھا اور اسے تمام درد، دکھ اور اذیتیں بھلا کر سینے سے لگا لیا...... کیونکہ حورعین کم ظرف نہیں تھی۔ اور جن کے ظرف بلند ہوتے ہیں وہ حورعین کی طرح ہی بلند ہوتے ہیں...... وہ پاتال میں گر کر بھی عروج پا لیتے ہیں۔ وہ زمین پر گر کر بھی آسمان کو پا لیتے ہیں۔

☆☆☆

زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا مقام ضرور آتا ہے جو انسان کو اپنی غلطیوں کا ادراک ہو جاتا ہے۔ فاطمہ کو اتنا وقت گزار کر اپنی ان غلطیوں کا پتا چل گیا تھا جو اس سے سرزد ہوئی تھیں گو کہ وقت بہت گزر چکا تھا لیکن ازالے کے لیے وہ مزید انتظار نہیں کر سکتی تھی...... اب ازالے اور کفارے کا وقت تھا۔ خسارے اٹھا، اٹھا کر انعام پانے کا وقت تھا۔

ماہر نے ٹھیک کہا تھا...... اس نے اپنے باپ پر بھروسا کر کے غلط کیا تھا...... فاطمہ کو اپنے باپ پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جب وہ اس کی ماں کے ساتھ مخلص نہیں تھا تو بیٹی کے ساتھ کس طرح مخلص ہوتا؟ فاطمہ نے جو وقت بدگمانی، غصے اور اکڑ میں ضائع کر دیا تھا...... اب اس وقت کو واپس لوٹانا تھا۔ وہ حورعین سے معافی تو مانگ چکی تھی پھر اس نے ماہر سے بھی معافی مانگ لی تھی۔ ان دو لفظوں نے ماہر کے دل سے تمام میل اتار دیے تھے لیکن اس نے اتنا ضرور کہا تھا۔ اور یہ ''اتنا'' فاطمہ کی پوری زندگی پر بھاری تھا۔

''میں تمہیں اگر معاف نہ کرتا تو واپس بھی کبھی نہیں بلاتا...... اور اگر حورعین کی زندگی میں کوئی خوشی نہ آتی تو اللہ کی قسم نہ میں خوش رہتا اور نہ تمہیں خوشحال رہنے دیتا...... یہ سب کچھ جو تمہیں دوبارہ ملا ہے...... حورعین کی محبتوں، وسیع القلبی اور اعلیٰ ظرفی کے وسیلے سے ملا ہے۔'' ماہر کے ان الفاظ نے پھر کبھی فاطمہ کو حسد سے دوچار نہیں کیا تھا۔ نہ اس نے حورعین سے خار کھانے کی کبھی دوبارہ کوشش کی تھی۔ نہ اس نے کبھی دوبارہ حورعین کے لیے برا سوچا تھا کیونکہ ماہر کے ساتھ خوشحال زندگی گزارتے ہوئے فاطمہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ اسے جو کچھ بھی ملا ہے حورعین کی محبت کے ''صدقے'' میں ہی ملا ہے۔



خاموش محبت

اُمِّ ثمامہ

”نہیں......“ اِک دلخراش چیخ نے پوری سوئی ہوئی خاموش وادی کے سینے میں اِک خنجر پیوست کر دیا تھا مگر پہاڑ، جھرنے اور وادی کے لوگ اس طرح کی چیخوں کے عادی تھے اس لیے سوائے نورنامہ کے کسی کی نیند نہیں ٹوٹی تھی۔

”مورے کیا ہوا مورے......؟“ وہ پسینے میں تربتر ماں کی چارپائی پر آ کر بیٹھ گئی جو کھڑکی کے پار پھیلے اندھیرے میں پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ خلا میں جانے کیا، کیا دیکھ رہی تھی۔

نورنامہ نے جلدی سے گھڑے میں سے پانی کا پیالہ بھرا اور ماں کے منہ سے لگا دیا۔ وہ گٹ، گٹ کر کے پورا پیالہ پی گئی جیسے جانے کب کی پیاسی ہو، پانی باچھوں سے بہہ، بہہ کر قمیص کے پھولوں میں مدغم ہو رہا تھا اور پھر تھوڑی دیر میں بھربھری مٹی کی طرح کانپتا، سسکتا وجود چارپائی پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

نورنامہ نے جب سے ہوش سنبھالا تھا رات کی

تاریکی، مورے کی چیخ اور پھر بگڑتی سلجھتی حالت اس کی زندگی کا ایک حصہ تھے...... وہ کس سے پوچھتی مورے کے علاوہ اس نے کوئی اور رشتہ نہیں دیکھا تھا اور جب مورے ٹھیک ہوتی لاکھ اس کے پوچھنے کے باوجود وہ باتوں میں ٹال دیتی تھی۔

پہاڑی کے نیچے اِک چھوٹی سی جھیل کے کنارے جنگلی پھولوں کے رنگ برنگ قطعے تھے۔ آڑو، آلو بخارے اور خوبانیوں کے سفید پھولوں سے لدے درخت تھے، تھوڑی دور اِک شفاف چشمہ تھا، جس کے اطراف ایک چھوٹی سی وادی تھی...... اور پھر ذرا آگے گھنا جنگل شروع ہو جاتا۔ پہاڑی کے اوپر محکمۂ جنگلات کی طرف سے ایک گیسٹ ہاؤس بنا ہوا تھا جہاں کبھی، کبھی کوئی آفیسر آکر رکتا تھا مگر ایسا شاذو نادر ہی ہوتا تھا...... کیونکہ سردی اور گرمی کا سخت موسم اس وادی میں صرف وادی کے لوگ ہی برداشت کر سکتے تھے باہر کا کوئی بندہ اس حسین و جمیل وادی میں درپیش آنے والی مشکلات کے سبب کم ہی نکلتا تھا۔

☆☆☆

نورنامہ دھیرے، دھیرے قدم اٹھاتی سوچوں میں گم ڈاک بنگلے کی طرف جانے والی پہاڑی کی پگڈنڈی پر چڑھ رہی تھی، ابھی سورج کی کرنیں پوری طرح بیدار نہیں ہوئی تھیں۔ پگڈنڈی کے دونوں اطراف کیکر ...... کی جھاڑیاں تھیں جس میں بنے گھونسلوں میں سے چڑیا کے بچوں کی چی، چی صاف سنائی دے رہی تھی۔

''سلام خان چاچا......'' اس نے ڈاک بنگلے کے باہر کھڑے چوکیدار کو سلام کیا۔

''ارے نورنامہ، بچی آج تم کام پر آیا اے بختاور بہن کی طبیعت خراب ہے کیا......؟''

''ہاں خان چاچا، تمہیں تو پتا ہے جب مورے کو نیند میں وہ دورہ سا پڑتا ہے، وہ ایک دو دن کے لیے چارپائی سے لگ جاتی ہے۔ جانے کیسا خواب ہے جو اماری مورے کا جان نچوڑ لیتا ہے۔'' وہ سخت افسردہ تھی۔

''خان چاچا تم ام کو بتاؤ مورے کب سے ڈاک بنگلے پر کام کر رہا اے ہمارا کوئی اور رشتے دار ہے کیا تمہیں کچھ تو پتا ہوگا......؟''

''نہیں بیٹی تیرا ماں باپ جب تو چھوٹا سا تھا تیرے کو لے کر جانے کدھر سے آیا تھا۔ پھر وہ یہیں آباد ہو گیا، ام نے تمہارے گھر کبھی کوئی رشتے دار نہیں دیکھا...... اللہ زندگی دے تیری ماں کو بڑا بھلا عورت ہے، اس نے بڑی محنت مزدوری کر کے تمہارے کو پالا اے، اللہ بخشے تیرا باپ تو نشہ کرتا تھا بختاور بہن کو بہت مارتا تھا اکثر گھر میں بند کر دیتا تھا۔ پھر ایک دن جانے کیا ہوا وہ گھر کے باہر مردہ حالت میں پڑا ملا جانے نشہ زیادہ کر لیا تھا، ہم سب وادی والوں نے ہی مل کر اسے دفن کر دیا اس موقع پر بھی دونوں کا کوئی رشتے دار نہیں آیا تھا۔ اب سب ٹھیک اے مگر جانے کیوں کبھی، کبھی اس کا حالت ایسا ہو جاتا اے اللہ کے اسرار اللہ ہی جانے ام کیا بولے بیٹی......'' خان چاچا نے پھر سے وہی کہانی دُہرا دی تھی۔

اس نے صنوبر کے درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھی اداس نورنامہ کو دیکھ کر مزید کہا۔

''ارے باتوں، باتوں میں ام بتانا بھول گیا، آج ایک نیا ڈاک بابو آنے والا ہے کل ہی شہر سے پیغام آیا تھا۔ چل جلدی سے صفائی کر لے اور کچھ پکا کر بھی رکھ دینا تو سامان بتا دے میں لا دیتا ہوں۔''

(گیسٹ ہاؤس کو یہاں سب ڈاک بنگلا کہتے تھے اور یہاں کے مکین کو ڈاک بابو)

نورنامہ تھکے، تھکے قدموں سے ڈاک بنگلے کے اندر چل دی پر اس کا سارا دھیان اب بھی مورے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے پاس یہی واحد رشتہ تھا اور وہ اسے کھونے سے بہت ڈرتی تھی۔

☆☆☆

جیسے، جیسے گاڑی کا سفر گلگت سے آگے کی طرف

بڑھ رہا تھا ارسلان کو اپنے فیصلے پر خوشی محسوس ہو رہی تھی..... تاحدِ نگاہ تک سبزہ ہی سبزہ تھا، ہوا میں جنگلی پھولوں کی مہک رچی ہوئی تھی جس میں تازہ پھولوں کی خوشبو بھی گھلی ہوئی تھی..... شفاف دل اور اجلے چہروں والے بے ضرر سے لوگ اردگرد کے بھاگتے دوڑتے منظر کا ایک حصہ معلوم ہو رہے تھے، وہ یہاں رہ کر اپنا کام بہت دل جمعی اور یک سوئی سے کر سکتا تھا۔

شام کے دھند لکے ہاتھوں نے تاروں سے سجا گھونگٹ رات کے چہرے پر ڈالا تو ڈرائیور نے اسے منزلِ مقصود پر پہنچ جانے کا سندیسہ دے ڈالا، سڑک پہاڑی کے ایک طرف آ کر ختم ہو گئی تھی۔ وہ گاڑی سے نیچے اترا گیسٹ ہاؤس پہاڑی کے اوپر واقع تھا رات، اندھیرا اور اونچی نیچی جگہ..... اسے چڑھنے میں دشواری پیش آ رہی تھی مگر آہستہ، آہستہ قدم اٹھاتا گیسٹ ہاؤس تک آ ہی گیا، کسی بھی وجہ سے رکنا، حوصلہ ہار جانا یا تھک جانا ارسلان کی سرشت میں لکھا ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

''اے نور نامہ تو نے نیا شہری بابو دیکھا ہے.....'' وہ ابھی ابھی مورے کو دوائی دے کر ہٹی تھی وہ نڈھال سی بستر پر پڑی تھیں یا شاید آنکھ لگ گئی تھی، اس نے انگلی کے اشارے سے پلوشہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور مورے پر موٹی سی رضائی ڈال کر کمرے سے باہر نکل آئی میدانی علاقوں میں جب گرمی اثر دکھانا شروع ہو جاتی ہے تب بھی اونچائی پر واقع پہاڑی علاقوں میں شدید سردی کا ہی راج ہوتا ہے۔

''ہاں اب بتا بول کیا کہہ رہی تھی تو.....''

''ام پوچھ رہا تھا کہ تم نے نیا ڈاک بابو دیکھا اے کل تو، تو کام کرنے گئی تھی ناں۔''

''نہیں بابو کے آنے سے پہلے ام سارا کام بنٹا کر جلدی واپس آ گیا تھا، رات پھر مورے کی طبیعت خراب ہو گئی تھی مگر ایسا کیا ہے ڈاک بابو میں جو تم یوں بھاگا آیا ہے، کیا نئے بابو کے سر پر سینگ اگا اے.....'' اپنی ہی بات پر نور نامہ خود ہی ہنسنے لگی، ہنستے ہوئے اس کے گلابی گال اور بھی شہابی ہو گئے تھے۔

''ام بنگلے کے پچھواڑے لکڑیاں کاٹ رہا تھا جب اماری نظر پڑی، وہ پہاڑی کے کنارے کھڑا ساری وادی کا نظارہ کر رہا تھا..... سچی ایسا ہیرو لگتا ہے جب میں لالہ کے ساتھ شہر گئی تھی وہاں ڈبے میں فلم دیکھا تھا اس میں ایسا تھا ہیرو، ام تو لکڑیاں بھول بھال اسے دیکھے چلا گیا۔'' پلوشہ اپنی عادت کے مطابق بولتی چلی جا رہی تھی۔

''اچھا بابا ام کو کیا لینا دینا وہ کیسا بھی ہو کوئی بھی ہو ..... ویسے بھی چند دن کا مہمان ہو گا تیرا شہری بابو..... یہ لوگ یہاں اس جنت نظیر وادی میں چند دن گھومنے تو آ سکتے ہیں مگر اماری طرح رہ نہیں سکتے۔'' نور نامہ نے بے نیازی سے لکڑیاں سلگا کر آگ جلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں نور نامہ لالہ بتا رہے تھے بابو جنگل میں صاحب بن کر آیا ہے، جنگل میں بہت الٹا کام ہو رہا اے ہماری قیمتی لکڑیاں، جڑی بوٹیاں اور پرندے، غیروں کو بیچے جا رہے ہیں اور ام ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے بھی سسک رہے ہیں۔'' وہ اپنی معلومات اسے دے رہی تھی۔

''لالہ کے دوست گل شیر لالہ بتا رہے تھے کہ وہ اپنے ساتھ بہت ساری دوائیاں اور گرم کپڑے بھی لایا ہے..... اچھا اے ناں نور نامہ کتنے مریض جو شہر نہیں جا سکتے یا جاتے، جاتے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں، وہ بچ جائیں گے۔'' ہنسی بولتی پلوشہ کے لہجے میں اپنی ماں کا دکھ ہلکورے لینے لگا وہ گردوں کے مرض میں مبتلا تھی اور یہاں وادی میں علاج کی کوئی سہولت نہیں تھی، اس کے بوڑھے باپ کے ہاتھوں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ ڈھیروں روپیہ کما کر اسے شہر لے جاتا اور یوں وہ زندگی سے لڑتے، لڑتے زندگی کی بازی ہار گئی۔

"چل اٹھ جھیل کی طرف چلتے ہیں مورے کی وجہ سے میری سونو بھی اداس ہے۔" نورنامہ نے پلوشہ کا کندھا ہلایا اور اپنے بکری کے بچے کو گود میں اٹھا کر پلوشہ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

☆☆☆

میدان میں تاحد نگاہ سبزہ ہی سبزہ تھا، شبنم کی اوس میں بھیگی فضا ماحول کو اور حسین بنا رہی تھی، اِدھر اُدھر پھولوں سے شرارتیں کرتی تتلیاں، دھیرے دھیرے سرسراتی ہوا اور برف پوش پہاڑوں سے ٹکراتی نرم گرم دھوپ ...... سامنے پانی کا ایک شفاف چشمہ بہہ رہا تھا جس کا سفید جھاگ کالے پتھروں پر گرتا تو اِک الگ سا رنگ ابھرتا چشمے کا پانی اس قدر شفاف تھا کہ اندر پڑے پتھر اور رنگ برنگ مچھلیاں بھی آسانی سے دیکھی جاسکتی تھیں۔

جانے وادی اتنی حسین تھی یا ارسلان اسے ایک آرٹسٹ کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا اس نے ایزل کو وہیں رکھ لیا اور قدرت کی اس صناعی سے لطف اندوز ہونے لگا، شہر کی بھاگتی دوڑتی زندگی میں اب اس کا دم گھٹنے لگا تھا، وہاں اب سب کچھ مصنوعی اور میکانکی سا تھا شاید انسان اور جذبے بھی ...... پھر اس نے یہاں آنے کا ارادہ کیا اسے لگا وہ ان لوگوں کے کچھ دکھ بانٹ سکے گا تاکہ اس کے دل کا اپنا درد کم ہو سکے، ارسلان اپنے ساتھ بہت ساری دوائیاں، کپڑے اور سامان لایا تھا، اس کا تھا بھی کون جس کے لیے وہ پیسے جمع کرکے رکھتا۔

یہاں آنے کی ایک بڑی وجہ تھی اور وہ تھی اس کی آنے والی آرٹ ایگزیبیشن۔ وہ ایک قدرتی فنکار تھا، اسے بچپن سے ہی پینٹنگز بنانے کا بہت شوق تھا۔ آرٹ کے حلقوں میں اس کے اسٹروکس کی کافی تعریف کی جاتی تھی، اس کا پسندیدہ فارم آف پینٹنگ نیچرل لینڈ اسکیپ ہی تھا، اس لیے وہ سکون سے کام کرنا چاہتا تھا اور اس بار بھی ایگزیبیشن کی ملنے والی ساری رقم وہ "آشیانہ" کو ہی ڈونیٹ کرنے والا تھا۔

دور افق پر سورج پہاڑ کی فلک بوس چوٹیوں پر دھیرے، دھیرے ابھر رہا تھا پہاڑوں پر ایک مضمحل اور اداس سی خاموشی طاری تھی یا پھر ایسا نورنامہ کو لگ رہا تھا، پلوشہ جا چکی تھی مگر وہ وہیں بیٹھی تھی جب اسے اپنے کسی سوال کا جواب نہیں ملتا تو وہ یونہی کھوئی، کھوئی سی جھیل کنارے آکر بیٹھ جاتی تھی پھر وہ جھیل کی سرد لہروں سے دل کی باتیں کرتی اور اسے اپنے دل کا بوجھ کچھ کم ہوتا محسوس ہوتا تھا۔

اچانک نورنامہ کو محسوس ہوا کوئی اسے دیکھ رہا ہے اس نے دائیں طرف دیکھا تو قریب ہی شہری بابو کھڑا تھا اور اس کی گود میں سونو تھا، وہ گھبرا کر اٹھی ...... اسے ڈھیر ساری شرم نے آن گھیرا پھر نورنامہ لمبے، لمبے ڈگ بھرتی اپنے گھر کی طرف چل دی سونو خود ہی چھلانگیں لگاتا اس سے آن ملا۔

ارسلان نے پینٹ کرنے کے لیے لینڈ اسکیپ چوز کرنے کے لیے جھیل کی طرف نظریں گھمائیں تو وہ یک دم مبہوت ہو کر رہ گیا وہ جو کوئی بھی تھی اس پل پھولوں کے قطعے کے پاس بیٹھی اس لینڈ اسکیپ کا حصہ لگ رہی تھی۔

مخمل کی میرون فراک، مینڈیوں میں گوندھے ہوئے سیاہ ریشمی بال، نیلی آنکھیں تھوڑی کے بیچ میں ایک کالا تل وہ مجسم جنگلی گلاب معلوم ہو رہی تھی ...... ارسلان نے جلدی، جلدی رنگ گھولے اور اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے ابھی وہ اس کی نیلی آنکھوں کی نیلاہٹ ہی پینٹ کر رہا تھا کہ ایک بکری کا سفید بچہ اس کے قدموں کے پاس آیا اس کا سارا ارتکاز ٹوٹ گیا اور اچانک وہ اٹھی اور گھبراتی، شرماتی جھیل پار بنے مکانوں کی طرف چل دی، پینٹنگ ادھوری رہ گئی تھی ارسلان کا موڈ یک دم خراب ہو گیا تھا۔ اس نے برش اور رنگ سمیٹے اور ایزل اٹھا کر پہاڑی پگڈنڈی کی چڑھائی چڑھنے لگا۔

محبت دھیرے، دھیرے چپکے سے لگن کی پائل پہنے، سج، سج کر جب دل کی بستی میں اترتی ہے تو ہر طرف پھول ہی پھول نظر آتے ہیں ...... شفاف اجلے من میں کوئی پہلا عکس بن کر اترتا ہے تو ہر طرف روشنی سی بکھر جاتی ہے اور نورنامہ کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا۔

ڈاک بابو اپنے کام میں بہت ایماندار تھا، وہ سارا ہفتہ جنگلوں میں گھومتا پھرتا، پیڑ پودوں کے مسئلے حل کرتا مگر چھٹی والے دن وہ بستی میں اتر آتا تھا۔

نورنامہ کبھی اسے گل شیر چاچا کے گھر کے باہر دیکھتی، وہ چاچی کو دوائی دے رہا ہوتا، کبھی وہ بچوں میں گھرا ان میں کچھ بانٹ رہا ہوتا۔ کبھی وہ کسی غریب بوڑھے اور دکھتے کندھوں پر گرم شال ڈالتا نظر آتا۔

نورنامہ سب کچھ دور، دور سے دیکھتی تھی پاس جانے یا بات کرنے کی ہمت تو اس میں تھی نہیں مگر روز بہ روز اس خاموش محبت کا نقش اس کے دل پر گہرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ کبھی، کبھی وہ جھیل کنارے ایزل کے ساتھ اسے پینٹ کرتے دیکھتی، وہ کسی درخت کی اوٹ میں چپکے، چپکے ڈاک بابو کو دیکھے جاتی اور اپنے دل کے خالی کینوس پر بنی اس کی تصویر میں محبت کے رنگ بھرتی رہتی۔

☆☆☆

مورے کی طبیعت کچھ دنوں سے زیادہ خراب تھی، ایک سردی تو تھی ہی دوسرے گھر میں ہی مورے کا پاؤں مڑ گیا تھا اور موچ کی وجہ سے وہ بنگلے پر کام کرنے بھی نہیں جا رہی تھی اور نورنامہ بھی مورے کی وجہ سے نہیں جا سکتی تھی اس لیے خان بابا کی بیوی ہی آج کل وہاں کام کر رہی تھی اور اسی نے بتایا تھا کہ بابو اپنے زیادہ تر کام خود کرتا ہے اور اپنے کمرے میں رہتا ہے کسی سے بات نہیں کرتا یا رنگوں والا سامان لے کر میدان میں چلا جاتا ہے۔

آج چھٹی کا دن تھا مورے کے پاؤں پر مالش کرنے کے بعد نورنامہ اسے گرم اینٹ سے ٹکور کر رہی تھی کہ پلوشہ چلی آئی۔

''نورنامہ جلدی سے باہر آ تجھ سے اک ضروری بات کرنی ہے۔'' اس نے مورے کے پاؤں پر گرم کپڑا باندھا اور باہر نکل آئی۔

''کیا بات ہے آج تو بڑی خوش لگ رہی ہے، تیرے ابا نے شادی کی تاریخ دے دی کیا......؟''

(پلوشہ کی اپنے چاچا زاد سے بات طے تھی اور کچھ دنوں میں وہ شادی کی تاریخ لینے آرہے تھے)

''ام اپنے لیے نہیں تمہارے لیے خوش اے پگلی......'' اس نے اپنی پیاری سہیلی کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے کہا۔

''تم کو پتا ہے جب شہری بابو آیا تھا تو اسے دیکھ، دیکھ کر ام کتنا خوش ہوتا تھا اور تم بڑے غصے سے کہتی تھیں۔ ''ام کو کیا وہ کوئی بھی ہو کیسا بھی ہو۔''

پلوشہ نے نورنامہ کے سرخ ہوتے گالوں پر چٹکی بھرتے ہوئے یاد دلایا...... نورنامہ کی اکلوتی سہیلی ہی اس محبت بھرے راز سے واقف تھی جو یک طرفہ ہی تھی۔

''نورنامہ جب آج ام میدان کی طرح بکریاں چرانے گیا تو وہاں بابو کوئی تصویر بنا رہا تھا ام یونہی پہاڑی جھرنے کی اوٹ میں ذرا قریب چلا گیا کہ دیکھوں وہ کیا بناتا ہے......تم کو پتا ہے ام نے اس لکڑی کے تختے پر کیا دیکھا......؟'' وہ پُرجوش انداز میں دھیرے سے بولی۔

''ام کو کیا معلوم، دیکھا تم نے اور ام سے پوچھتا اے......'' نورنامہ نے تیز ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے ذرا چڑ کر کہا۔

''نورنامہ لکڑی کے اس تختے پر تمہارا تصویر بنا ہوا تھا۔''

''تو سچ کہہ رہی ہے؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا، دل تھا کہ دھڑک کر باہر آنے کو تیار تھا۔

''اچھا اب ام اپنی پیاری سہیلی کی شکل نہیں

پہچان سکتا' وہ سچ مچ تیرا تصویر تھا مگر آدھا بنا ہوا تھا'' پلوشہ نے ہنستے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

نورنامہ کو یاد آیا کہ وہ ایک دن جھیل کنارے بیٹھی تھی کہ بابو اسے غور، غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب بھی اس کے پاس رنگوں والا سامان تھا اور اس کے بعد شرم اور گھبراہٹ اور دل میں بننے والے اِک نئے رشتے کے تحت وہ کبھی شہری بابو کے سامنے ہی نہیں گئی...... پلوشہ کے بتانے کے بعد تو نورنامہ کی دنیا ہی بدل گئی۔ چاہنے میں چاہے جانے کا احساس بھی شامل ہوگیا تھا اسے لگتا جیسے دل کی وادی کے وہ خواب جنہیں دیکھتے ہوئے وہ ڈرتی اور اداس ہوجاتی تھی وہ سب انگڑائی لے کر جاگ اٹھے ہوں۔

دیودار اور صنوبر کے جنگل میں کوئی چرواہا بانسری کی مدھر دھن چھیڑتا تو دل کے تار اسی لے پر تھرکنے لگتے تھے۔

☆☆☆

اونچے، اونچے پہاڑ سر سے پیر تک برف سے ڈھکے ہوئے تھے، تاحدِ نگاہ نظر جاتی اِک ہی اجلا سا رنگ نظر آتا تھا۔ برف کا سفید رنگ...... مگر اب برف پگھلنے لگی تھی۔ موسمِ گرما اپنے تھیلے میں سردی ملی گرمی دھوپ' خزاں سمیٹے رخصت کی تیاری میں تھا اونچے پہاڑی علاقوں میں سردی تو اول جاتی ہی نہیں پھر بھی جون' جولائی میں دھوپ کی تیزی شامل ہو جاتی ہے مگر اونچے پہاڑ سفید ہی رہتے ہیں۔ ارسلان کو یہاں آئے ایک مہینہ ہوچکا تھا وہ یہاں آکر بہت مطمئن تھا اور بڑی لگن سے اپنی ایگزیبیشن کی تیاریاں کررہا تھا وادی والوں کی خبر گیری کرتا رہتا اور خان چاچا کے ہاتھ کچھ نہ کچھ کسی ضرورت مند کو بھیجتا رہتا تھا یہاں آکر اور ان لوگوں کے درمیان رہ کر اسے ان لوگوں کے مسائل کا بخوبی اندازہ ہوا تھا لوگ گرمیوں سے تنگ آکر ایسے علاقوں میں اچھے موسم کا لطف اٹھانے چلے آتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ سردیوں کے مہینوں میں یہ جنت ان لوگوں کے لیے سرد جہنم بن جاتی ہے۔

تین چار دن سے وہ نیچے وادی میں نہیں گیا تھا تو دل کو اِک بے چینی سی تھی کچھ تھا وہاں جو اس کے قدم اس طرف اٹھتے ہوئے خوشی محسوس کرتے تھے...... اِک چہرہ بار، بار اس کی نگاہوں کے پردے میں اپنی چھب دکھاتا اور غائب ہوجاتا...... انگور کی بیلوں سے ڈھکا اِک مکان جسے وہ صرف دور سے ہی تکتا تھا اور جنگلی گلاب سی حسین' اس مکان کی مکین...... اک انجانا سا تعلق تھا ان سب کے درمیان جسے چاہ کر بھی ارسلان کوئی نام نہیں دے پارہا تھا یا دینا نہیں چاہتا تھا۔ یہاں کے مسائل اور غربت کو دیکھ کر اسے اپنا بچپن اور آشیانہ میں گزرے شب و روز یاد آجاتے تھے۔

ارسلان نے شعور کی آنکھ آشیانہ میں کھولی تھی، وہ کون تھا، یہاں کیوں تھا وہ اور اس کے اردگرد رہنے والے لوگ اس بات سے ناآشنا تھے...... یہی شیلٹر ہوم اس کا گھر تھا اور یہاں رہنے والے بچے اس کا گھرانا...... اسے بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ آشیانہ کے مالک نے اس کی تعلیم پر بہت توجہ دی بڑے ہوکر وہ اسکالرشپ لینے لگا اور پھر اپنے جنون اور آشیانہ کی خصوصی محنت سے اس نے شہر کی سب سے اچھی اور بڑی یونیورسٹی سے ماسٹرز کرلیا۔ اس نے جاب کے لیے اپلائی کیا اور پھر وہ آشیانہ سے اپنے گھر شفٹ ہوگیا مگر...... پھر بھی وہ ہر چھٹی والے دن آشیانہ جاتا ان سے ملتا، ان کی مدد کرتا وہ سب آج بھی اس کی زندگی کا ایک حصہ تھے۔

پھر ارسلان کو اپنی تنہائی کا احساس ستانے لگا اس نے گھر بسانے کا سوچا...... وہ نئے رشتوں کی بنیاد رکھنا چاہتا تھا اس نے زندگی میں اب تک کوئی رشتہ نہیں برتا تھا۔ وہ خوش شکل، قابل اور اچھی پوسٹ پر تھا۔ اس کی نظرِ انتخاب اس کی اِک کلاس فیلو پر آکر

ٹھہری جسے وہ شروع سے ہی پسند کرتا تھا......

ارسلان نے اسے پروپوز کر ڈالا...... مگر پھر جو کچھ ہوا وہ اسے یہ باور کروانے کے لیے کافی تھا کہ وہ کتنا ہی قابل اور خود اعتماد کیوں نہ ہو جائے اس کی کتاب زندگی میں اِک ایسا باب بھی ہے جسے وہ نظر انداز کرنا چاہے بھی تو لوگ اتنے ظرف والے نہیں ہوتے...... پھر شہر کے لوگوں سے اس کا دل یک دم اچاٹ ہو گیا۔ اِک گھر اور گھر والی کا خواب اس نے آنکھوں سے نوچ پھینکا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں وادی میں اپنا ٹرانسفر کروالیا یہاں کے لوگ اس کی طرح سچے تھے جو اُن کے اندر تھا وہی ان کے چہروں پر بھی نظر آتا تھا۔

☆☆☆

''مورے...... کافی دن ہوا تم ڈاک بنگلے پر کام کرنے نہیں گیا، آج تمہارے پاؤں کی حالت کافی اچھا ہے، تم بولے تو ام وہاں جا کر تمہارا کام کر آیا کروں......'' تین دن ہو گئے تھے نور نامہ نے ڈاک بابو کو نہیں دیکھا اور چھٹی میں بھی تین دن باقی تھے۔ دل ہی نہیں مان رہا تھا اس لیے اس نے مورے سے وہاں جا کر کام کرنے کو کہا۔

''نور نامہ تم ڈاک بنگلے پر نہیں جائے گا۔'' مورے نے سوچتی نظروں سے نور نامہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

اس نے گڑبڑا کر اٹھنا چاہا تو مورے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اِدھر آؤ ام کو تم سے ضروری بات کرنا اے......'' وہ پلنگ پر مورے کے پاس ہی بیٹھ گئی...... آج مورے کے چہرے پر کچھ عجیب سی کیفیت تھی یا نور نامہ کو اپنے دل کا چور پکڑے جانے کا ڈر تھا۔

''امارا بیٹی بہت اچھا بیٹی اے، ام کو کبھی وادی میں تمہارا شکایت نہیں ملا...... مگر تھوڑے دنوں سے ام تمہارے ہونٹوں پر جو ہنسی دیکھا، تمہاری آنکھوں میں جو چمک دیکھا وہ کوئی اور ہی کہانی سنا رہا ہے۔''

''مورے ایسی تو کوئی بات نہیں اے تم یونہی خیال کرتا......''

''ام تمہارا ماں اے نور نامہ، ام جانتا اے کے اس کہانی کے تانے بانے ڈاک بنگلے سے ملتا اے...... اور پھر ہم نے اس دن پلوشہ کی ساری بات سن لی تھی......'' نور نامہ نے سر جھکا لیا تھا اسے ڈھیر ساری شرم اور ڈر نے آن گھیرا تھا، اللہ جانے مورے اس کے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔ حالانکہ وہ تو ڈاک بابو سے کبھی ملی بھی نہیں تھی۔

''نور نامہ بہت بولنے والا مرد جھوٹا ہوتا اے مگر ضرورت کے وقت خاموش رہنے والا مرد بھی جھوٹا اور منافق ہوتا اے...... محبت بہت خوب صورت ہوتا اے مگر زندگی گزارنے کے لیے مرد کے کردار کی مضبوطی بہت بڑی چیز ہوتی اے......''

مورے بولتی چلی جا رہی تھیں نگاہیں کھڑکی کے پار آسمان کی طرف تھیں نور نامہ نے مورے کو اتنا اچھا بولتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا...... بلکہ وہ بولتی ہی کب تھی۔

''بیٹی جنگلی گلاب کو دیکھ کر یہ شہری بابو خوش تو ہو سکتا ہے، اسے توڑ بھی سکتا اے مگر یہ چاہ کر بھی اسے اپنے شہری گھروں میں ساتھ نہیں لے جا سکتا......'' نور نامہ نے تڑپ کر ماں کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں نمکین پانی کی اِک واضح لکیر دیکھی جا سکتی تھی۔

محبت میں بدگمانی سے خوش گمانی کا جو سفر اس نے لمحہ لمحہ طے کیا تھا وہ واپس اِک لمحے میں ہی آ رکی تھی۔

''بیٹی یک طرفہ اور خاموش محبتیں بڑا دکھ دیتی ہیں کبھی، کبھی تو ساری زندگی دکھتے اور زخمی کندھوں کا بوجھ اتارتے، اتارتے گزر جاتی اے......''

نور نامہ کو لگا ساری زندگی وہ جس راز کو جاننے کے لیے بے چین رہی آج مورے اسے وہی بتانے جا رہی تھیں...... رات کا سکوت، اِک چیخ اور پھر بھربھری مٹی کی طرح ڈھے جانے والی اِک عورت......

ہر راز سے پردہ اٹھنے والا تھا۔

☆☆☆

''داد خان کچھ تو بولو..... محبت یک طرفہ جرم تو نہیں تھی..... بولو داد خان وعدہ تو تم نے بھی کیا تھا.....'' بختاور رو، رو کر اسے آوازیں دے رہی تھی اور وہ پتھر کے بت کی طرح نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

بختاور قبیلے کے سردار کی اکلوتی بیٹی تھی، تین بھائیوں کی لاڈلی بہن..... بڑی بخت آور تھی وہ اس علاقے کی قدیم روایات کے برعکس اسے کافی چھوٹ حاصل تھی وہ آزادانہ ہر جگہ آجا سکتی تھی، خوب صورت بھی اتنی کہ پورے قبیلے میں اس کے جوڑ کا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اِک دن وہ جھرنے پر پانی بھرنے اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھرنے کی طرف گئی اور وہاں اس کی نظر داد خان سے ملی..... وہ اس کے باپ کے پاس کام کرنے والے منشی کا بیٹا تھا۔ لمبا چوڑا داد خان، بختاور کے دل میں سما گیا۔ بختاور کے بخت خراب تھے یا محبت نے اس کی سمجھ بوجھ ختم کر دی تھی وہ ہر خطرے سے بے خبر ہو کر چپکے، چپکے داد خان سے گھڑی دو گھڑی کے لیے سہی ملنے لگی۔ وہ عہد و پیمان کرتے اور یوں خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتے دن گزرتے گئے۔

''داد خان کل امارہ رشتہ آیا اے اور داجی کو لڑکا اور اس کا گھرانا بہت پسند آیا اے، وہ امارے لیے ہاں کر دے گا تم کچھ کرو ناں.....'' حویلی کے پیچھے آج وہ اس سے بڑے دنوں بعد ملنے آئی تھی۔

''ام کیا کر سکتا اے بختاور..... تم تو سب جانتا اے..... سردار کے غصے سے سارا قبیلہ کانپتا اے۔''

''کیا مطلب تمہارا؟ تم داجی کے پاس اپنے بابا کو بھیجو کہ وہ امارے رشتے کی بات کرے.....''

''یہ کیسے ممکن ہے بخت، تم جانتا اے ام تمہارا برادری کا نہیں اے اور تم لوگ باہر رشتہ کب کرتا اے.....'' وہ بے بس ہو کر بولا۔

''یہ سب باتیں محبت کرنے سے پہلے نہیں سوچا تم نے.....؟'' بختاور نے بے یقینی سے روتے ہوئے داد خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تمہارا داجی مجھے جان سے مروا دے گا اور میں بے موت مرنا نہیں چاہتا..... بہتر ہوگا کہ تم گھر لوٹ جاؤ اور بھول جاؤ کہ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی داد خان نام کا آدمی آیا تھا۔''

''نہیں داد خان، پہاڑی لوگ بہت کھرا ہوتا اے اندر باہر سے ایک جیسا جب کوئی فیصلہ کرلے تو کبھی پیچھے نہیں ہٹتا ام مر تو سکتا ہے مگر کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔''

بختاور نے رشتے سے انکار کر دیا تھا..... داد خان کے باپ نے جرگہ بلوا لیا تھا کہ وہ اپنے جوان بیٹے کی گمنام موت نہیں چاہتا تھا..... اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ پہاڑی لوگ کبھی اپنے فیصلوں کے آگے رشتوں کو نہیں دیکھتے۔

بختاور کا باپ سردار دورام آفریدی سر جھکائے کسی گہری سوچ میں گم تھا، بھائی پاس ہی بیٹھے تھے بختاور رو، رو کر مسلسل داد خان کو پکار رہی تھی۔

''سردار تمہارا بیٹی بڑا بے حیا اے، وہ جرگے کے سامنے بھی بے حیائی سے باز نہیں آتا۔ ہمارے شریف بیٹے کو پھنسانے کے لیے مکاری کرتا اے۔'' داد خان کا باپ بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا سارا مجمع ساکت و جامد سردار کے فیصلے کا منتظر تھا۔

''جرگہ فیصلہ دیتا اے کہ بختاور کا جرم ثابت ہو چکا ہے (محبت جرم ہی تو تھی) اور امارے قانون کے مطابق اب بختاور کا اس برادری اور اس قبیلے سے کوئی تعلق نہیں، وہ امارے لیے مر چکا اے اگر تین دن کے اندر، اندر وہ یہاں سے نئ گیا تو اسے سنگسار کر دیا جائے گا..... اور اگر کوئی اس بے غیرت سے رشتہ جوڑنا چاہتا ہے تو اسے بھی بے دخل ہو کر یہاں سے جانا ہوگا ورنہ دوسری صورت صرف موت ہے موت.....'' پتھروں میں رہتے، رہتے پہاڑی لوگ

بھی پتھر ہو جاتے ہیں، اس کے سگے باپ بھائیوں کا فیصلہ تھا...... اس کے ماں جائے بھی وہاں موجود تھے...... داد خان بھی وہیں کھڑا تھا مگر کوئی نہیں تھا جو اس کی بے گناہی ثابت کرسکتا (بقولِ قبیلے کے دورام آفریدی نے بیٹی کی جان بخش دی تھی اور اسے ہرناتا توڑ کر صرف چلے جانے کو کہا تھا)

''سردار میں بختاور سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' حیات خان نے آگے بڑھ کر کہا...... اس نے روتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا......اس کی باپ کی عمر کا آدمی جوان کے باغوں میں کام کرتا تھا اور نشے کا بھی عادی تھا۔

''ٹھیک ہے، تم نکاح کے بعد اس بدبخت کو یہاں سے لے جاسکتے ہو......'' اس سے کہیں بہتر تھا کہ اسے سنگسار کر دیا جاتا...... سب ایک، ایک کر کے رخصت ہونے لگے اس کی چیخوں سے سارا میدان گونجنے لگا۔ اس کا باپ اس کے ماں جائے اور اس کی محبت کسی نے پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

بس پھر وہ حیات خان کے ساتھ وہاں سے چلی آئی اور نورنامہ کی پیدائش پر وہ اس وادی میں چلے آئے۔ یہاں حیات خان کی زندگی نے جواب دے دیا اور محنت مزدوری کر کے وہ نورنامہ کو پالنے لگی۔

مگر اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی جب بختاور کو اپنے ماں، باپ بھائی' قبیلہ' گھر یاد آتا وہ خواب میں داد خان کو دیکھتی...... حیات خان کے اس پر کیے گئے مظالم یاد آتے' وہ ٹوٹ جاتی، بکھر جاتی...... مگر پھر نورنامہ کی طرف دیکھ کر اپنی ہمت جمع کرتی اور واپس زندگی کا بوجھ اتارنے کے لیے سانسوں کی گنتی شروع کر دیتی......

''بیٹی تم کو پتا اے وہ بختاور تمہارا ماں اے جسے محبت نے بدبخت کر دیا......'' مورے بولتے، بولتے تھک گئی تھی...... نورنامہ نے جلدی سے پانی کا پیالہ بھر کر دیا جو اس نے گٹ، گٹ پی لیا جیسے صدیوں کی

پتھر

کر رہا ہوں خطاب پتھر سے
ٹوٹ جائیں نہ خواب پتھر سے
مسکرانے لگا ہے اِک چہرہ
ہٹ گیا ہے عذاب پتھر سے
ہے پسینے میں اس کی پیشانی
یا ٹپکتی شراب پتھر سے
کیوں میرے دل کو ٹھیس پہنچائی
چاہتا ہوں جواب پتھر سے
ہنستے دیکھا نہ بولتے دیکھا
آپ بھی ہیں جناب پتھر سے
خوف کھاتا ہوں آئینہ ہو کر
ہے مجھے اجتناب پتھر سے

مرسلہ: بتول امتیاز، لیہ شہر

پیاسی ہو...... ماں بیٹی دونوں کے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ نورنامہ نے ماں کے جھریوں سے بھرے ہاتھ اپنے نرم ہاتھوں میں لیے اور ہچکیوں سے رونے لگی۔ اس کی ماں نے محبت کی کتنی بڑی اور اذیت ناک سزا کاٹی تھی اور کبھی کسی کو احساس ہی نہیں ہونے دیا تھا۔

''بیٹی پرسوں علی شیر کی ماں میرے پاس تیرے رشتے کے لیے آئی تھی۔ بڑا پیار اور مان تھا اس کے لہجے میں۔ علی شیر اچھا بچہ اے اور پھر پکی نوکری اے، پڑھا لکھا اے شہر آتا جاتا رہے تمہارے کو خوش رکھے گا۔ تو کسی سراب کے پیچھے مت بھاگ محبت جکڑ لیتا ہے اور اس کے پیچھے بھاگتے، بھاگتے روح زخمی ہوتا اے اور ہاتھ خالی رہ جاتا اے تیرا اور شہری بابو کا کوئی جوڑ نہیں اے اور اگر پھر بھی شہری بابو کے دل میں ایسا بات ہوتا تو وہ خان چاچا کے ہاتھ کہلوا سکتا تھا۔''

مورے چپ چاپ بیٹھی نورنامہ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلی آئی۔ اسے لکڑی جلانی تھی اور وہ

چاہتی تھی کہ نورنامہ خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے۔

''نورنامہ بابو واپس جارہا اے۔'' پلوشہ پریشانی سے دوڑتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی اور اسے اطلاع دی۔ مورے ڈاک بنگلے گئی ہوئی تھی۔

''ایسے واپس ہی جانا تھا۔ آنے والے کب تک رک سکتے ہیں اور پھر ہمیں کیا کوئی آئے یا جائے۔'' نورنامہ کھوئے، کھوئے انداز میں بول رہی تھی، آنسو لڑیوں کی صورت اس کے شہابی گالوں پر پھسل رہے تھے۔

''نورنامہ یہ تو کیا کہہ رہی ہے۔ تو میرے ساتھ چل، ہم بابو سے بات کریں گے وہ ایسے کیسے جاسکتا ہے۔'' پلوشہ نے حیران ہو کر اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ وہ شہر اپنی خالہ کی فوتگی پر چند دن کے لیے گئی ہوئی تھی اور اب اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ایسا کیا ہوا ہے۔

''نہیں پلو محبت ہاتھ پھیلا کر تھوڑا ہی مانگا جاتا اے، اگر ایسا بات ہوتا تو وہ ایک بار تو کہتا۔ یہ تو میں ہی پاگل تھی کہ بنا سوچے سمجھے محبت کے جنگل میں سرپٹ دوڑ رہی تھی مگر شکر ہے کہ مورے کی باتوں نے میرے قدم جکڑ لیے ورنہ تیری نورنامہ بھی بختاور کی طرح ہو جاتی۔''

''مگر وہ تیرا تصویر...... ام نے خود دیکھا ہے۔''

''ہاں وہ شہر میں اچھے داموں بک جائے گی اور پھر ایک ادھوری تصویر کا کیا حقیقت۔'' پلوشہ نے تڑپ کر اپنی سہیلی کو دیکھا جس کی نیلی آنکھوں میں رت جگوں کے گلابی ڈورے تھے۔

پھر نورنامہ نے مورے کی ساری کہانی اسے سنا ڈالی۔

''پلوشہ ام نے علی شیر کے لیے ہاں کر دی ہے، ام ایک اور بختاور نہیں بننا چاہتا۔'' اتنا کہہ کر اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا وہ پلوشہ کے گلے لگ کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔ نورنامہ نے بروقت اور بہتر فیصلہ کر لیا تھا مگر اندر ہی اندر اس کی خاموشی اور پہلی محبت بین کر رہی تھی۔ شفاف اجلے من میں بسنے والا پہلا عکس دھندلا گیا تھا۔

شام کے سائے ساری وادی کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ آسمان پر بادلوں کی ٹکن مٹی کل سے ہی جاری تھی۔ شام کی ہلکی روشنی میں نیچے وادی کا ہلکا، ہلکا عکس روشن تھا۔ پہاڑی پر بنے ڈاک بنگلے کے اندرونی دروازے سے وہ باہر نکلا اس کا رخ پہاڑی کے کنارے کی طرف تھا جہاں سے ساری وادی بخوبی دیکھی جاتی تھی اور نیچے ایک گہری کھائی تھی۔

وہ دھیرے، دھیرے قدموں سے چلتا کنارے پر جا کھڑا ہوا۔ نیچے دور تک کچے پکے مکان نظر آرہے تھے۔

مگر ان سب میں انگور کی بیلوں سے ڈھکا ایک مکان سب سے نمایاں تھا جس پر رنگ برنگ جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔

کل ہی اس نے چوکیدار اور بختاور بی بی کی باتیں سنی تھیں انہوں نے اس کی شادی علی شیر سے طے کر دی تھی اور وہ اس کی دعوت دینے آئی تھی۔

''ناٹ ایٹ آل ارسلان، تم نے یہ سوچا بھی کیسے۔ یار وی آر جسٹ گڈ فرینڈز۔''

''مگر دوستی رشتے میں بھی تو بدل سکتی ہے۔'' اس نے بجھے، بجھے انداز میں سوچا۔

''اف یو ڈونٹ مائنڈ ارسلان تم سے دوستی تو کی جاسکتی ہے ہمدردی بھی کی جاسکتی ہے مگر زندگی بھر کا ساتھ...... امپاسبل......''

اس کی کلاس فیلو کی آواز گونجی۔ جو ساری یونیورسٹی لائف میں اسے بے تحاشا پسند کرتی تھی ہر لمحہ اس کے ساتھ رہتی اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی تھی۔

''پلیز آئندہ مجھ سے اس طرح کی بات مت کرنا آئی ایم رئیلی ویری سوری۔'' لفظ گڈ مڈ ہونے لگے۔ اس کی محبت کی تصویر دوسری بار بھی ادھوری رہ گئی تھی۔ بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ نورنامہ سے کچھ نہیں کہہ پایا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کہہ نہیں سکتا

تھا اور کہتا بھی کیسے۔

وہ انہی سوچوں میں گم دور سجے مکان کو دیکھ رہا تھا جہاں وہ جنگلی گلاب سی لڑکی دو دن کی مہمان تھی کہ اچانک اسے لگا اس کے پیروں تلے سے چند پتھر کھسک گئے ہوں اور پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا زمین اس کے پیروں تلے سے نکل چکی تھی۔

☆☆☆

رات کا آخری پہر تھا۔ سجے ہوئے کمرے میں نورنامہ دلہن بنی بیٹھی تھی۔ لال جوڑے میں جو اسے دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا۔ مگر جس کے لیے یہ سارا سنگھار کیا گیا تھا وہ آدھی رات بیت جانے کے بعد بھی نہیں آیا تھا۔ کمرے سے باہر علی شیر کے ماں باپ بھی پریشان بیٹھے تھے (فون تو وادی میں تھا نہیں) اس کے دوست سے بس اتنا پتا چلا تھا کہ وہ اچانک شہر گیا ہے۔

رات قطرہ، قطرہ جانے کتنی بیت چکی تھی۔ نورنامہ پلنگ سے ٹیک لگائے سوچوں میں گم تھی کہ دروازہ کھلا اور پھر بند ہونے کی آہٹ پیدا ہوئی۔ وہ یک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی دل زور، زور سے دھڑکنے لگا۔

''معاف کرنا نورنامہ آج کی رات میں وقت پر نہ آسکا جس کے لیے بہت شرمندہ ہوں''۔ اس شہری لہجے نے اسے یک دم چونکایا۔ ''مگر وعدہ کرتا ہوں اب ساری زندگی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔'' علی شیر نے واسکٹ اتاری اور پلنگ پر اس کے پاس آ گیا۔ سر جھکائے بیٹھی نورنامہ کو اس کے پیر دکھ رہے تھے جن سے وہ پشاوری چپل اتار رہا تھا اور ساتھ، ساتھ بولتا بھی جا رہا تھا۔

''وہ ڈاک بنگلے کے ارسلان بابو ہیں ناں، انہوں نے کل مجھے شہر چھوڑ کر آنے کو کہا تھا پھر انہیں تمہاری میری شادی کا پتا چلا تو انہوں نے خان چاچا سے کہلوایا کہ دو دن بعد چلیں گے۔ مگر قسمت میں ان کا آج ہی جانا لکھا تھا۔ وہ پہاڑی کے سرے پر کھڑے نیچے وادی کو دیکھ رہے تھے جانے کن خیالوں میں گم تھے کہ پاؤں پھسل گیا اچھی خاصی چوٹیں آئی ہیں۔ بس انہیں ہی اسپتال لے کر گیا تھا اب بھی وہ ہوش میں نہیں آئے ہیں۔ نورنامہ دعا کرنا، وہ ٹھیک ہو جائیں، بڑے اچھے انسان ہیں خان چاچا بتا رہے تھے کہ وہ ان کے ذریعے وادی والوں کی بڑی مدد کرتے تھے جنگل کے حالات بھی ٹھیک ہو گئے تھے۔ میری تو دو بار ہی ملاقات ہوئی تھی ایک جب انہیں میں یہاں لایا تھا اور آج جب چھوڑ کر آیا ہوں۔'' (علی شیر ڈاک بنگلے پر ڈرائیور تھا)

نورنامہ حیران پریشان علی شیر کے منہ سے پتھر کا بت بنی شہری بابو کی باتیں سن رہی تھی۔

علی شیر اب اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تھا اس نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالا اور ایک مخملی ڈبیا نکال لی۔ ڈبیا کھولتے ہوئے وہ بولا۔ ''اور ہاں ایک بات جو مجھے آج ہی پتا چلی شاید وادی میں کسی کو بھی نہ پتا ہو کیونکہ مجھے خان چاچا نے کہا تھا کہ ڈاک بابو نے انہیں بھی کسی کو بتانے سے منع کیا تھا انہیں ہمدردی سے چڑ تھی...

''پتا ہے ارسلان بابو پیدائشی گونگے اور بہرے ہیں۔''

''ارے میں بھی کتنا پاگل ہوں، آج کی رات کیا قصے سنانے لگ گیا۔ تجھے پتا ہے نور میں تجھے بہت پہلے سے پسند کرتا ہوں اور ماں کو بھی میں نے ہی تیری مورے کے پاس بھیجا تھا۔ یہ دیکھ میں نے تیرے لیے شہر سے کتنی اچھی انگوٹھی بنوائی ہے۔''

نورنامہ کو انگوٹھی پہناتے ہوئے علی شیر جانے کیا، کیا بول رہا تھا۔ مگر نورنامہ کے کانوں میں اپنے ہی کہے ہوئے الفاظ گونج رہے تھے۔

''بلوشہ اگر اس کے دل میں کچھ ہوتا تو وہ ایک بار تو کہتا۔'' لال جوڑے میں سجی بنی نورنامہ کا دل اپنی خاموش محبت کے لیے کرلا رہا تھا اور مہندی لگے ہاتھ اس کی زندگی کی دعا کے لیے خاموشی سے اٹھے ہوئے تھے۔



ناولٹ

دُلہن میں بیاہ کے لے جاؤں گا

اقبال بانو

موجو اپنی موج مستی میں لاؤنج میں ڈسٹنگ کرتے ہوئے حسبِ معمول اپنی اونچی بے سُری آواز میں گا رہا تھا۔

''آج کالا جوڑا پا ساڈی فرمائش تے......''

تبھی فون کی گھنٹی بجی......اور وہ بجتے فون کو گھورنے لگا۔

''ایک تو یہ کم بخت، بے سُرا وقت بے وقت بجنا شروع کر دیتا ہے اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس کر دیا......''



''ہاں جی، موجو بول رہا ہوں۔'' صافی کندھے پر ڈال کر اس نے ریسیور اٹھایا۔

''اچھا جی کہہ دوں گا..... چھوٹے صاحب کو۔ ہاں جی بڑے صاحب کو بھی بتا دوں گا' خدا حافظ۔'' ریسیور کریڈل پر پٹخ کر صافی سے فون کی گرد جھاڑتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔

''آجائیں گی بڑی بیگم صاحبہ..... نرا عذاب ہر وقت روک ٹوک.....'' تبھی ملیحہ آتی دکھائی دیں۔

''کس کا فون تھا موجو.....'' ملیحہ نے آکر پوچھا۔

''فیصل آباد سے فون تھا، بڑی بیگم صاحبہ کل آرہی ہیں۔ انہیں ائرپورٹ سے لے لیا جائے۔''

''اچھا میں عثمان سے کہہ دوں گی تم یہاں سے فارغ ہو جاؤ تو ایک نظر ڈرائنگ روم پر بھی ڈال لینا شام کو مہمان آنے ہیں۔''

''کل تو صفائی کی تھی..... سچ بیگم صاحبہ کمر دُہری ہوگئی..... بھابی جی نے سیٹنگ بدلوائی ہے صوفے کھینچ، کھینچ کر میں تو مر گیا.....'' وہ دکھی لہجے میں بولا۔

''اب زیادہ بک، بک نہ کرو اور کام کرو.....''

''کوئی کام شہناز کو بھی کہا کریں.....'' وہ بڑبڑایا۔

''وہ کچن میں مصروف ہوتی ہے؟ تجھ سے یہ صفائی ستھرائی نہیں ہوتی۔ نخرے نہ دکھا زیادہ.....'' ملیحہ ڈانٹ ڈپٹ کر وہاں سے چلی گئیں۔

''ہائے اماں کہاں مجھے پھنسا گئیں..... کام کر کر کے میں تو ادھ موا ہو جاتا ہوں.....'' موجو میز کا شیشہ رگڑتے ہوئے بھی گا رہا تھا۔

☆☆☆

عائزہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی اور ملیحہ بھی وہیں کچن ٹیبل پر سبزی کی ٹوکری رکھے سلاد کے لیے کھیرے چھیل رہی تھیں۔

''عائزہ بیٹا! آج مسز بخاری آرہی ہیں مشعل کے لیے تو تم اسے کہہ دو کہ اچھی طرح تیار ہو کر شام کو ان کے سامنے آئے۔''

''مشعل کا رشتہ ہے ممی.....؟'' خوشی سے عائزہ نے پوچھا۔

''ہاں بیٹا..... مسز بخاری کا بیٹا عزیر امریکا میں ہوتا ہے آج کل آیا ہوا ہے بہت ویل ایجوکیٹڈ اور بہت ڈیسنٹ لڑکا ہے احمد کو بھی بہت پسند ہے۔ اب مشعل اوکے کر دے تو.....''

''جی ہاں، بات تو مشعل پر ختم ہوتی ہے۔'' عائزہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''تم اسے سمجھانا..... اچھے رشتے بار، بار نہیں آتے اور ایک وقت ہوتا ہے جب پروپوزل آتے ہیں۔'' ملیحہ نے بہو سے رسانیت سے کہا۔

''جی ممی.....'' عائزہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''اور کتنے اچھے، اچھے پروپوزل ریجیکٹ کر چکی ہے اور تم کہہ دینا کہ اب میں اس کی کوئی بات نہیں سنوں گی۔'' ملیحہ کی آواز تیز ہوگئی۔ غضب خدا کا 25 برس کی ہوگئی ہے۔''

''آپ کی نرمی کا فائدہ اٹھاتی ہے۔'' عائزہ مسکرا کر ساس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''میری نرمی سے زیادہ بڑی اماں کی نرمی..... انہی کے لاڈ پیار نے بگاڑا ہے اسے، اکلوتے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہر مرتبہ اپنی منوائی جائے اس بار تو دیکھ لینا انکار بھی کرے گی تو مجھے نہیں سننا.....'' ملیحہ مضبوط لہجے میں بولیں۔

''ٹھیک ہے..... میں سمجھاؤں گی.....'' عائزہ مسکراتی رہی اور ہانڈی میں چمچ ہلاتی رہی اور ملیحہ بڑبڑا رہی تھیں۔

''غضب خدا کا ماسٹر کر کے دو سال سے گھر بیٹھی ہے اور میری نیندیں حرام ہو رہی ہیں اور اس کے دماغ نہیں ملتے۔''

عائزہ کچھ نہیں بولی بس مسکراتی رہی۔

☆☆☆

''واٹ..... نان سینس، یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے ممی اور پپا میری شادی کا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کر دیں۔

امپاسبل......'' مشعل کو تو پتنگے لگ گئے۔

''بھئی مجھے تو ممی نے جو کچھ کہا وہ تمہیں کہہ دیا......'' عائزہ اس کے بیڈ ... پر بیٹھی اور اسے غور سے دیکھتی رہی۔

''اور ممی یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ انکار کی گنجائش نہیں ہے، تمہارے پاس۔''

''مگر کیوں......میں کوئی گائے بکری ہوں؟'' وہ تڑخ کر بولی۔

''کیونکہ بندا امریکا سے آیا ہے......'' عائزہ شرارت سے بولی۔

''بھابی......میں نے کسی امریکا پلٹ سے شادی نہیں کرنی کہہ دیں ممی کو......''

''کیوں، لڑکیاں تو امریکا، انگلینڈ کے خواب دیکھتی ہیں۔'' عائزہ حیرت سے کہنے لگی۔

''میں نے کبھی ان ملکوں کے خواب کیا، کبھی ان میں بسنے کے بارے میں سوچا تک نہیں اور یوں بھی مجھے اپنے ملک سے محبت ہے میرا جینا، مرنا اسی جگہ ہے۔''

''ارے، یہ تو تم سیاسی بیان دے رہی ہو۔'' عائزہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''بس کہہ دیا ناں ممی سے کہہ دیں آپ......''

''مشی کیا مسئلہ ہے؟'' عائزہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' مشعل جلدی سے بولی۔

''آخر تم شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟''

''کس نے کہا کہ مجھے شادی نہیں کرنی، بس جس روز میری پسند کا بندہ مل گیا اس روز ممی کو کہوں گی مجھے اس کے سنگ ٹور دیں......'' مشعل نہایت اطمینان سے بولی۔

''وہ کہاں ہے؟'' عائزہ آنکھیں نچاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کہیں تو ہوگا اور جو میرا نصیب ہوگا وہ ایک روز ضرور آئے گا۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''چاہے تم بوڑھی ہو جاؤ۔''

''وہ جلدی آئے گا......'' مشعل پُریقین لہجے میں بولی۔

''مگر میں تمہیں بتا دوں کہ ممی، عزیر کا پروپوزل ایکسپٹ کرنے کا تہیہ کیے بیٹھی ہیں۔'' عائزہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ایسا نہیں ہوسکتا......'' اب مشعل بے ساختہ کہنے لگی۔

''مشی کیوں تنگ کرتی ہو سب کو......اگر کوئی تمہیں پسند ہے تو بتا دو، مجھے یقین ہے ممی، پپا کبھی انکار نہیں کریں گے۔''

''بھابی...... مجھے آپ کی سپورٹ لینے کی ضرورت نہیں...... مجھ میں اتنی جرأت ہے کہ میں ممی کو بتا دیتی کہ مجھے فلاں پسند ہے مگر ابھی میرے دل کے کاغذ پر کسی کا نام نہیں لکھا۔'' مشعل آہستہ سے کہنے لگی۔

''یعنی دل کا کاغذ کورا ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

''آف کورس......''

''مگر عزیر بخاری تو شام کو اپنی ماں کے ساتھ آرہا ہے، دیکھ لو شاید تمہیں پسند ہی آجائے۔'' عائزہ کی بات کو فوراً کاٹ کر وہ جتاتے ہوئے انداز میں بولی۔

''میں نے کہا ناں کہ مجھے باہر کے بندے سے شادی کرنی ہی نہیں بتا دیں ممی کو......''

''مگر ممی تو تمام پروگرام سیٹ کیے بیٹھی ہیں اور یقیناً پپا اور بلال بھی جلد آفس سے آجائیں گے......اور مجھے یقین ہے یہ پروپوزل اوکے ہو جائے گا۔''

''اوہ مائی گاڈ......'' مشعل ماتھے پر ہاتھ مار کر رہ گئی ''بھابی آپ ممی کو کہہ دیں کہ وہ مسز بخاری کو منع کر دیں وہ نہ آئیں۔''

''اب تو پروگرام طے ہے۔'' عائزہ بولی۔ ''اب کوئی گنجائش نہیں......''

''فار گاڈ سیک میں انکار کردوں گی ان کے سامنے ہی......'' مشعل نے دھمکی دی۔

''اچھا تم فکر نہ کرو، میں بلال سے کہہ دوں گی وہ ممی کو سمجھا دیں کہ آج حامی نہ بھریں۔ ذرا چھان بین کر لی جائے۔'' عائزہ نے اس کا کندھا تھپکا۔

''ایک تو دادو بھی فیصل آباد جا کر بیٹھ گئی ہیں......'' مشعل پریشانی سے بولی۔

''don't wory......تم ریلیکس ہو جاؤ...... جو تم چاہو گی وہی ہوگا......''

''میں پریشان نہیں ہوں بھابی...... اور مجھے معلوم ہے جو میں چاہوں گی وہی ہوگا مگر یہ جو نمائش ہے، زبردستی کی لبوں پر مسکراہٹ سجانی، یہ مجھے پسند نہیں۔''

''ایسا تو ہوتا ہے...... میں نے بھی یہ بھگتان بھگتے تھے۔''

''مگر میں نہیں بھگت سکتی...... اجنبی لوگوں کے سامنے ہونٹ نہیں پھیلا سکتی...... کہہ دیں ممی کو...... شادی نہ ہوئی عذاب ہو گیا۔'' وہ غصے سے کشن بیڈ پر پٹخ کر بولی۔

''کہا ناں تم پریشان نہ ہو کوئی حل نکل آئے گا۔'' عائزہ دلاسہ دینے لگی۔

''حل نکلے یا نہ نکلے مسز بخاری کو منع کر دیں۔''

''اب منع کرنا اچھا نہیں لگتا، آنے دو...... اب وہ تمہیں زبردستی تو لے جانے سے رہے۔'' عائزہ اسے سمجھا رہی تھی۔ ''میں ابھی ممی سے بات کرتی ہوں۔'' مگر وہ غصے سے دانت کچلتے ہوئے تلملائے جا رہی تھی۔

☆☆☆

''ممی مشعل نہیں مان رہی۔'' ملیحہ الماری سے کچھ نکال رہی تھیں کہ عائزہ کمرے میں آ گئی۔

''اس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے دیکھتی ہوں کیسے انکار کرتی ہے۔'' ملیحہ غصے سے بولیں۔ ''بھلا اتنے اچھے رشتے بار، بار ملتے ہیں...... کتنا بڑا بزنس ہے عزیر کا...... شکاگو میں، میں آج ہی حامی بھر لوں گی یونہی اپنے بخت کو جوتے مار رہی ہے یہ لڑکی......''

''ممی آپ سوچ لیں، آج حامی نہ بھریں...... سوچنے کے لیے کچھ وقت لے لیں۔''

''بیٹا کیسی باتیں کرتی ہو پورے 32 سال پرانا تعلق ہے ہمارا...... اور عزیر کے والد آصف صاحب اس دوستی کو رشتے داری میں بدلنا چاہتے ہیں۔''

''آپ کی بات بھی سچ ہے مگر مشعل......''

''خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔'' وہ بے پروائی سے بولیں۔

''مجھے تو نہیں لگتا وہ ٹھیک ہوگی......'' عائزہ بڑبڑائی۔

☆☆☆

عثمان احمد بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ ملیحہ ان کے لیے چائے لے کر آئیں اور مگ ان کے ہاتھ میں تھما کر ایک دم کہنے لگیں۔

''عثمان اس لڑکی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''کیا ہوا......؟'' عثمان بیوی کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''کہتی ہے عزیر بخاری کو منع کر دیں کہ نہ آئیں......'' ملیحہ ان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

''مگر وجہ......؟''

''یہی کہ وہ پاکستان سے باہر نہیں جانا چاہتی......''

عثمان احمد پریشان نظروں سے بیوی کو دیکھنے لگے۔

''تمہیں پہلے ہی مشعل سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔ اب دیکھو شام کو وہ لوگ آ رہے ہیں اور...... آخر یہ لڑکی چاہتی کیا ہے؟'' چائے کا ایک گھونٹ لے کر وہ پوچھنے لگے۔

''یہی تو سمجھ نہیں آ رہی......'' ملیحہ پریشانی سے بولیں۔

''ہمیں ثانیہ اور رابعہ نے تو اتنا تنگ نہیں کیا تھا، پہلا رشتہ آیا اور انہوں نے سر جھکا لیا اور مشعل......'' عثمان احمد نے گہری سانس لے کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اسے اماں کے لاڈ پیار نے برباد کر دیا ہے۔'' ملیحہ جلدی سے بولیں۔

''ایسی بات نہیں ہے، تم الزام مت دھرو اماں پر...... ترا اماں کا بھی دوش نہیں ہے کچھ ہم بھی برابر کے قصوروار ہیں۔''

''بس بہت ہو چکا اب میں، آج حامی بھرلوں گی۔'' ملیحہ غصے سے بولیں۔

''ابھی رہنے دو، کل اماں آرہی ہیں ان سے بھی تو مشورہ کرلیں۔'' عثمان احمد برجستہ بولے۔

''رہنے دیں، وہ تو مشعل کا ہی ساتھ دیں گی۔ ہماری کس نے سننی ہے۔'' ملیحہ منہ بنا کر بولیں۔

''ایسا نہیں ہوگا، تم جو چاہو گی وہی ہوگا۔'' عثمان احمد محبت بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

''عثمان آپ کو پتا تو ہے عزیر اتنا پڑھا لکھا ہے، شکاگو میں بزنس، اپنا ذاتی گھر اور کیا چاہیے مشعل کو عیش کرے گی۔'' ملیحہ کہہ رہی تھیں...... تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

''آجاؤ......''

''بیگم صاحبہ مہمان آگئے ہیں میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔'' موجو نے آکر بتایا۔

''اچھا ہم آتے ہیں۔'' پھر عثمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔ ''دیکھ لیں مسز بخاری کو کتنی جلدی ہے، دیے گئے وقت سے گھنٹا پہلے ہی آگئیں۔ اب آپ بھی آجائیں...... اور اپنی لاڈلی کو بھی سمجھا دیں زیادہ تماشا نہ کرے......'' ملیحہ کمرے سے نکل گئیں اور عثمان گہری سانس بھر کر دروازے کی طرف دیکھتے رہے۔

☆☆☆

ڈرائنگ روم میں سب ہی موجود تھے۔ عزیر تو بلال اور عثمان احمد سے باتیں کررہا تھا۔ عائزہ چائے کے لوازمات سرو کررہی تھی۔ ملیحہ اور مسز بخاری باتوں میں مصروف تھیں۔

''مسز بخاری یہ رول بھی تو لیں ناں......''

''بس ملیحہ بہت کھالیا ہے ویسے بھی میں آج کل ڈائٹ پر ہوں۔''

''آپ ڈائٹ کرتی ہیں آنٹی......'' عائزہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا، خود کو فٹ رکھنے کے لیے میں تو جم بھی جاتی ہوں۔ فورٹی پلس کے بعد تو اپنی مینٹنس بہت ضروری ہے۔''

''بہت ماڈرن ساس ہوں گی یہ تو......'' عائزہ نے سرہلا کر سوچا۔

''ارے بھئی مشعل کو تو بلاؤ...... جس کے لیے میں آئی ہوں اور عزیر کو بھی ساتھ لائی ہوں تاکہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لیں۔'' مسز بخاری مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔

''ہاں...... ہاں عائزہ جاؤ بیٹا بلاؤ مشعل کو......'' ملیحہ جلدی سے بولیں۔ عائزہ جی اچھا کہتی باہر چلی گئی۔

☆☆☆

مشعل اپنے کمرے میں کھڑکی میں کھڑی دانتوں سے اپنے ناخن کاٹ رہی تھی۔ وہ جب بہت پریشان ہوتی تو یونہی دانت سے ناخن کترنے لگتی ہے۔

''چلو بنو تمہارا بلاوا آگیا ہے۔'' عائزہ آکر بولی۔

''بھابی آپ جائیں، میں اپنی نمائش نہیں کراؤں گی۔'' مشعل نے تلملا کر کہا۔

''مشعل کہنا مانو...... عزیز تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔'' عائزہ نے بتایا۔

''کیوں، میں کوئی گائے بکری ہوں جو وہ مجھے دیکھنا چاہتا ہے...... میں جیتی جاگتی لڑکی ہوں مجھے تماشا نہیں بننا......'' وہ تڑخ کر بولی۔

''تم نہ جا کر تماشا بنو گی...... پتا ہے مسز بخاری سو، سو باتیں کریں گی۔''

''کیا باتیں کریں گی؟'' مشعل غصے سے کہہ رہی تھی۔

''کچھ بھی وہ کہہ سکتی ہیں اور پتا ہے تم نہیں جاؤ گی تو تمہارے کریکٹر پر باتیں کی جائیں گی۔ تب کیا کرو گی......'' عائزہ نے ڈرانا چاہا۔

''مائی فٹ...... مجھے پروا نہیں......''
''مگر ہمیں پروا ہے...... کیا تم میرا کہا بھی نہیں مانو گی......'' عائزہ ملتجی لہجے میں بولی۔
''بھابی آپ......؟'' مشعل کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔
''پلیز مشعل چلو تم...... وہ لوگ انتظار کررہے ہیں۔''
''اچھی مصیبت ہے بندہ اپنی مرضی سے جی بھی نہیں سکتا......'' جھنجلا کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔
''مشعل......'' عائزہ اسے گھورتی ہوئی بولی تو وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
''مشعل منہ پر تو کچھ لگالو...... مانا کہ تم بہت خوب صورت ہو......''
''میں جیسی ہوں ویسی ہی نظر آنا چاہتی ہوں اور میں آپ کو بتارہی ہوں مسز عائزہ بلال کہ مجھے امریکا نہیں جانا اور نہ ہی ایسے بندے سے شادی کرنی ہے جو ملک سے باہر رہتا ہو۔'' مشعل نے مڑکر اسے دیکھا اور بولی۔
''تم چلو تو......'' عائزہ اسے کندھوں سے تھام کر باہر دھکیلتی چلی گئی۔

☆☆☆

مشعل عائزہ کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں آئی تو پہلے عزیر کی نظر اس پر پڑی...... پنک ٹراؤزر اور پرنٹڈ لانگ شرٹ میں گلے میں دوپٹا ڈالے اپنے بالوں کی اونچی سی پونی بنائے بغیر میک اپ کے بھی وہ عزیر بخاری کے دل میں اتر گئی۔ عزیر بخاری ایک دم ہی اٹھ کھڑا ہوا۔
''تشریف رکھیے...... مسٹر عزیر......'' مشعل نے سپاٹ لہجے میں کہا اور عزیر کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ عزیر بھی اپنی جگہ بیٹھ چکا تھا۔ ملیحہ نے پہلو بدلا...... اور خشمگیں نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔
''چائے لوگی مشعل......؟'' عائزہ نے پوچھا۔
''نو تھینکس......'' نروٹھے لہجے میں مشعل نے کہا۔
''مشعل! بیٹا آپ نے ماسٹر کرلیا ہے؟'' مسز بخاری محبت سے پوچھ رہی تھیں۔
''جی آنٹی پچھلے سال......'' مشعل آہستگی سے بولی۔
''اب کیا کررہی ہو؟''
''کچھ بھی نہیں......'' سپاٹ لہجے میں جواب دینے لگی۔
''کوکنگ کا شوق نہیں ہے کیا......؟'' عائشہ بخاری نے پوچھا۔
''ممی اور بھابی ہیں ناں کچن سنبھالنے کے لیے......'' وہ روڈ لہجے میں بولی۔
''ہاں بھئی، یہ تو ہے مگر تم بھی تو کچھ سیکھو......'' مسز بخاری ہنستے ہوئے بولیں تو مشعل مسکرادی۔
''میں نے جب تمہیں دیکھا تھا تو میرا خیال ہے تم دس گیارہ برس کی تھیں۔''
''اب تو میں بہت بڑی ہوگئی ہوں۔'' مشعل نے مسکرا کر کہا۔
''اور بہت پیاری بھی...... دیکھ لو ملیحہ ہم نے مشعل کے بغیر دیکھے پسند کرلیا...... یہ تو آج ایک فارملیٹی ہی تھی۔'' وہ ملیحہ سے کہنے لگیں۔
''اب میں جاؤں آنٹی...... آپ نے فارملیٹی پوری کرلی......؟'' مشعل کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔
''ہاں، ہاں جاؤ......'' مسکرا کر مسز بخاری نے کہا۔ مشعل جھٹ سے باہر نکل گئی۔
''لگتا ہے مشعل اس پروپوزل سے خوش نہیں، کیا تم نے بتایا تھا اسے ملیحہ......؟'' مسز بخاری نے اپنی تشویش کو الفاظ دے ڈالے۔
''ایسی بات نہیں ہے عائشہ بھابی...... ہماری مشی ذرا اوور کانفیڈنٹ ہے۔''
''خیر مجھے تو بہت پسند ہے۔ آگے اس.کی اور آپ کی مرضی......'' مسز بخاری نے کندھے پر ساڑی کا پلو درست کرتے ہوئے کہا۔
''بھابی کل میری والدہ بھی آجائیں گی تو ان سے مشورہ کرکے آپ کو بتائیں گے۔'' عثمان احمد جلدی سے بولے کہ کہیں ملیحہ فوراً حامی نہ بھرلیں۔

''ہاں عائشہ بھابی! ہمارے لیے تو یہ آنر ہوگا کہ عزیر ہمارا داماد بنے...... ''ملیحہ نے محبت بھری نظروں سے عزیر کو دیکھا۔

''میں جلد جواب چاہوں گی۔ اصل میں میرا ارادہ ہے کہ عزیر کی جلد شادی کر دی جائے۔ آپ یہ بات ذہن میں رکھیے گا عزیر صرف دو ماہ یہاں ہے۔'' نخوت سے عائشہ بخاری نے کہا تھا۔

''جی...... جی......'' ملیحہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

''اور مجھے یقین ہے تمہارا جواب ہاں میں ہی ہوگا ملیحہ......'' پھر ایک دم وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''اب ہمیں اجازت دو، میں تمہارے جواب کی منتظر رہوں گی۔''

''آپ پریشان نہ ہوں جواب ہاں میں ہی ہوگا...... بس اماں سے مشورہ کرنے دیں۔'' ملیحہ بھی صوفے سے اٹھیں۔

''ضرور مشورہ کریں۔''

''آپ لوگ ڈنر ہمارے ساتھ کریں۔'' بلال نے کہا۔

''نہیں پھر کبھی سہی...... ابھی ہم نے عزیر کی پھوپی کے ہاں جانا ہے اور ڈنر وہیں ہے ہمارا......'' عائشہ بخاری نہایت ادا سے کہتی ہوئے دروازے کی طرف بڑھیں اور پھر عائزہ کے قریب رک کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کھنکھناتے لہجے میں کہنے لگیں۔

''بھئی ہماری ہونے والی بہو کو بھی کوکنگ سکھاؤ کہ عزیر اچھے کھانوں کا بہت شوقین ہے۔''

عائزہ کچھ نہیں بولی، بس سر ہلا کر رہ گئی۔ سب انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئے تھے عزیر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ عائشہ بخاری، ملیحہ اور عائزہ سے گلے مل کر کار میں بیٹھ گئیں۔ طویل ڈرائیو وے سے کار آہستہ، آہستہ سرکتی چلی گئی۔

☆☆☆

عثمان اندر آئے تو لاؤنج میں مشعل بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھے اور اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔

''ٹی وی دیکھا جا رہا ہے۔''

''جی پاپا......'' مشعل کی نظریں اسکرین پر جمی تھیں۔

''تم نے دیکھ لیا عزیر کو؟'' تبھی ملیحہ بھی آ کر ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔

''جی دیکھ لیا...... بہت اچھی طرح۔'' مشعل تڑخ کر بولی۔

''ہم بات پکی کر دیں؟'' ملیحہ نے پوچھا۔

''کیوں......؟'' مشعل بھویں چڑھا کر پوچھنے لگی۔

''بیٹا میرا خیال ہے عزیر اچھا لڑکا ہے، میں بخاری صاحب کو تیس بتیس برس سے جانتا ہوں۔'' عثمان احمد، ملیحہ کو چپ رہنے کا اشارہ کر کے...... مشعل سے کہنے لگے۔

''پپا میں نے عزیز سے شادی نہیں کرنی......'' وہ صاف انکار کر رہی تھی۔

''پھر کس سے کرنی ہے، وہ بتا دو......'' ملیحہ غصے سے کہہ رہی تھیں۔

''میں بات کر رہا ہوں ناں......؟ ہاں بیٹا وجہ......؟'' عثمان، بیوی کو ڈپٹ کر بیٹی سے پوچھنے لگے۔

''پپا میں آپ لوگوں سے دور نہیں جا سکتی...... میں تو دوسرے شہر جانے کا کبھی نہیں سوچ سکتی...... چہ جائیکہ دوسرے ملک **تو نیور**'' مشعل سر کو نفی میں ہلاتی رہی۔

''مشعل میری جان......'' عثمان احمد نے اسے لپٹا لیا...... ''بیٹا ہمیں بھی تم سے بہت محبت ہے اور بے تحاشا ہے مگر میری جان ہم چاہتے ہیں تم خوش رہو تمہیں کسی چیز کی کمی نہ ہو...... عزیر اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے، اس کا بہت بڑا بزنس ہے، ہم تمہارا بھلا چاہتے ہیں......''

''پپا میرے نصیب میں جو ہوگا وہ یہاں بھی مل جائے گا۔''

''سچ کہا تم نے...... مگر بیٹا بہتر سے بہترین کی تلاش تو ہوتی ہے ناں......'' ایک دم ملیحہ بولیں۔

''اور سچ پوچھو تو ہم ان کے برابر کے نہیں پھر بھی......''

''ہاں، انہوں نے احسان کیا ہے مجھ پر......'' تلملا کر مشعل نے کہا...... ''مجھے پسند کر کے......''

''احسان ہی سمجھو انہیں لڑکیوں کی کیا کمی ہے۔''

''تو پھر میرا اب بھی جواب نہ ہے ...... یہ دیکھیں کہ کتنے عرصے سے وہ باہر ہے، کیا پتا وہاں شادی کر چکا ہو بچے ہوں؟''

''ایسی بات نہیں......'' عثمان جلدی سے بولے۔

''اکثر ایسا ہوتا ہے...... آپ مانیں اس بات کو......'' اپنے لہجے میں مضبوطی پیدا کر کے مشعل بولی۔

''میں معلومات کرواؤں گا میرے وہاں اور دوست ہیں۔''

''کسے فرصت ہے کہ ہمارے لیے معلومات کرتا پھرے وہاں کی لائف بہت فاسٹ ہے، بس پپا آپ انکار کر دیں۔'' مشعل مصر تھی۔

''تم سوچ لو اچھی طرح پھر بتانا......'' عثمان احمد اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میرا جواب مہینے بعد بھی یہی ہوگا۔''

''ایموشنل نہیں ہوتے میری جان......'' عثمان احمد نے اس کا گال تھپتھپایا۔

''بس میں ہاں کر دوں گی تم مانو یا نہ مانو...... چلیں عثمان کمرے میں...... اب میں دیکھتی ہوں کیسے نہیں مانے گی یہ۔'' غصے سے ملیحہ کہتی عثمان احمد کے ساتھ وہاں سے چلی گئیں...... مشعل مٹھیاں بھینچ کر غرائی اور پھر کشن اٹھا، اٹھا کر پھینکنے لگی۔

''اللہ کرے تم مر جاؤ عزیر بخاری......'' وہ زور سے چلائی۔

''ہائیں...... ہائیں کیا ہوا......؟'' کچن سے ہاتھ پونچھتی عائزہ فوراً باہر آئی۔

''کچھ نہیں ہوا، دماغ خراب ہے میرا۔''

''اس میں تو کوئی شک نہیں۔'' عائزہ نے ہنس کر کہا۔

''بھابی آپ بلال بھائی سے کہہ دیں کہ وہ می کو سمجھائیں ورنہ میں عین نکاح کے وقت انکار کر دوں گی۔'' غصے سے کہتی ہوئی مشعل وہاں سے چلی گئی۔

''یا خدا کیا ہوگا اس کا۔'' عائزہ نے سر تھام لیا۔

''اچھی مصیبت ہے جب میں شادی نہیں کرنا چاہتی تو گھر والوں کو کیا پڑی ہے۔ کیسے کہوں کہ مجھ سے گھر نہیں سنبھلتا......'' اپنے کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتی وہ سوچے جا رہی تھی۔

''مرد جو شوہر بن جاتا ہے اس کے ناز نخرے نہیں اٹھائے جاتے جیسے میری بہنیں، ثانیہ اور رابعہ کرتی ہیں۔ میکے بھی آتی ہیں تو وہ دم چھلوں کی صورت ساتھ، ساتھ ہی ہیں۔ بندے کی پرائیوی ہی نہیں رہتی۔ یہ شادی ہے کہ مرد کی خدمت جو مجھ سے نہیں ہوگی۔ جوتے پالش کرو، اس کا لباس پریس کرو، آفس جاتے ہوئے تیاری کراؤ، لیٹ آئے تو نیند برباد کرو، صبح جلدی اٹھو، میں بھلا یہ سب کر سکتی ہوں؟ کبھی نہیں اور اسی وجہ سے مجھے شادی سے چڑ ہے۔'' اس نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر اپنا ہی مکا مارا۔

☆☆☆

''موجو، موجو پتا نہیں کم بخت کہاں مر گیا......'' مشعل، موجو کو آوازیں دیتے ہوئے سیڑھیاں اترتی آ رہی تھی۔

''کم بخت ذرا، ذرا سی دیر میں بوتل کے جن کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ ممی، عائزہ بھابی کہاں ہیں آپ سب؟'' تبھی انٹرنس کا دروازہ کھلا اور عشرت جہاں سفید دودھ جیسا لباس پہنے سفید غرارہ، چکن کا کرتہ اور سفید ملتانی کڑھائی کا دوپٹا اوڑھے ہاتھ میں شیشوں کے کام کا بٹوا لیے آنکھوں پر نظر کا موٹا چشمہ لگائے اندر چلی آئیں۔ مشعل کی ان پر نظر پڑی تو خوشی سے

تقریباً چلاتے ہوئے بولی۔
''ارے دادو آپ؟'' وہ بھاگ کر ان سے دونوں بازو پھیلائے جا لپٹی۔ ''آپ آگئیں اور آنے کی اطلاع ہی نہیں دی دادو......''
''میں صدقے میری جان......'' عشرت جہاں اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔ ''ارے میرے سامنے ہی تو فریدہ نے فون کیا تھا۔ تمہیں پتا نہیں ائر پورٹ لینے مجھے بلو (بلال) ہی آیا تھا۔''
''اچھا مجھے تو کسی نے نہیں بتایا......چلیں آپ اِدھر بیٹھیں۔'' مشعل نے انہیں صوفے پر بٹھایا اور بلال بھائی کا پوچھنے لگی۔
تبھی موجو عشرت جہاں کا اٹیچی اور بیگ لیے اندر آیا۔
''یہ کہاں رکھوں......چھوٹے صاحب تو واپس آفس چلے گئے۔''
''یہیں پر رکھ دے، کیا چھت پر رکھے گا۔'' عشرت جہاں تیز لہجے میں بولیں۔
''اچھا اور سنائیں دادو سفر کیسا کٹا......؟'' مشعل نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔
''اے لو سفر کا کیا ہے بھلا......'' عشرت جہاں دونوں پاؤں صوفے پر رکھتے ہوئے بولیں۔
''بیٹا ڈیڑھ دو گھنٹے کی تو بات ہے، بیٹھو اور پہنچ جاؤ۔''
''سچ دادو، میں آپ کے لیے بہت اداس تھی۔''
''میں بھی تمہارے لیے بہت اداس تھی۔ فریدہ تو بہت روک رہی تھی مگر میں نے کہہ دیا کہ بس میں نے جانا ہے، تم بہت یاد آرہی تھیں ناں......''
''بہت اچھا کیا جو آپ آگئیں۔'' تبھی موجو ٹرے میں شربت کا جگ اور مشعل کے لیے پائن ایپل جوس لے آیا جو اس نے منگوایا تھا۔ اور سامنے میز پر رکھ دیا۔
''یہ ملیحہ اور عائزہ کہاں ہیں؟'' عشرت جہاں کے پوچھنے پر موجو جلدی سے بتانے لگا۔
''دادو......وہ بھابی کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی ہیں۔''
''کب گئی ہیں؟'' مشعل نے حیرت سے پوچھا۔
''ابھی تھوڑی دیر پہلے!'' موجو بولا۔
''کیا ہوگیا بہو کو......؟'' عشرت جہاں نے تشویش سے پوچھا۔
''مجھے پتا نہیں، آپ یہ شربت پئیں......'' مشعل نے شربت سے بھرا گلاس انہیں تھمایا۔

☆☆☆

''ارے اماں آپ کب آگئیں؟'' ملیحہ گھر میں داخل ہوتے ہی ساس کو دیکھ کر آگے بڑھیں۔
''کیا نہ آتی' میرا گھر ہے یہ......'' عشرت جہاں بیٹھے بیٹھے ہی ان سے گلے ملنے لگیں۔
''جی، آپ ہی کا گھر ہے، خوشی ہے کہ آپ آگئیں۔'' ملیحہ ان کا تلخ لہجہ برداشت کرکے بولیں۔
''کیسی ہو دلہن اور تمہاری ساس تمہیں ڈاکٹر کنئے کیوں لے گئی تھیں؟''
''وہ دادو......'' عائزہ گھبرا کر ملیحہ کو دیکھنے لگی۔
''اماں بس طبیعت خراب تھی۔'' ملیحہ نے آہستہ سے کہا۔
''ارے دلہن مجھ سے کیا چھپانا کوئی خوشخبری ہوگی؟'' وہ چشمہ درست کرتے ہوئے بولیں۔
''ہاں یہی بات ہے......'' ملیحہ مسکرا کر بولیں۔
''لو میں تو اڑتی چڑیا کے پر گن لوں۔ مجھے تو دلہن کی اتری شکل دیکھ کر ہی اندازہ ہوگیا کہ یہ دو جی سے ہے۔'' عشرت جہاں ہنستے ہوئے کہنے لگیں۔ عائزہ ان کی بات پر شرمار ہی تھی اور مشعل منہ پھیر کر مسکرانے لگی۔
''جاؤ بیٹا تم ریسٹ کرو......مشعل، موجو سے کہو عائزہ کو دودھ میں اوولٹین ملا کر دے۔'' ملیحہ نے مشعل سے کہا......
''ممی میں خود کچن میں جا کر پی لوں گی، کیا آپ کے لیے اسکوائش لاؤں؟'' وہ جلدی سے ساس سے پوچھنے لگی۔

''ہاں لے آؤ بلکہ رہنے دو، مشعل لے آئے گی، تم آرام کرو...... اب مشعل بھی کام کرے......'' ملیحہ جلدی سے بولیں تو وہ ناگواری سے ماں کو دیکھنے لگی۔
دادو نے اس کے ناگوار موڈ کا اندازہ لگا لیا تھا۔ انہوں نے جلدی سے اسے ساتھ لانے والے لان کے سوٹ کے تحفوں میں لگا لیا۔ اب وہ اٹیچی کھولے کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

ناشتے کی میز پر سب ہی موجود تھے۔ بلال پراٹھا اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولا۔
''شکر ہے دادو کے آنے سے پراٹھا تو ملا ورنہ سچ میں تو بریڈ کھا کھا کر تنگ آ گیا تھا۔''
''تمہیں کون کہتا تھا بریڈ لو...... خود ہی کہتے ہو لائٹ ناشتا ہو۔'' ملیحہ، بلال کو ڈانٹ کر بولیں۔
''ارے تو دلہن سے کہا کرو بنا کر دے پراٹھے...... عورت کا کام کیا ہوتا ہے مرد کے کھانے پینے کا خیال رکھنا۔'' انہوں نے عائزہ کی طرف دیکھا۔
''اماں بس یہ یونہی عائزہ کو چھیڑ رہا ہے۔'' ملیحہ نے کہا۔
''آخاہ آج تو کھیر بھی ہے زبردست...... ذیشان نے ڈونگے کا ڈھکن اٹھایا اور چاندی کے ورق سے سجی کھیر دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھا۔
''اس کا کریڈٹ بھی دادو کو جاتا ہے۔'' بلال بولا۔
''دادو نہ ہوتیں تو اتنا زبردست بریک فاسٹ نہیں ملتا......'' بلال نے مسکراتی نظروں سے عائزہ کو دیکھا جو شوہر کی بات پر مسکرا رہی تھی۔
''ارے میری مشعل کہاں ہے، اس نے ناشتا نہیں کرنا کیا؟''
''اماں وہ چائے لا رہی ہے، آپ نے خود ہی تو اسے کہا ہے۔''
''اوہ، میری تو مت ماری گئی ہے۔'' عشرت جہاں نے ہنس کر ماتھے پر ہاتھ مارا۔
ملیحہ اور عثمان احمد نے ایک دوسرے کو کچھ اشارہ کیا۔ عثمان احمد گلا کھنکھار کر عشرت جہاں سے مخاطب ہوئے۔
''اماں ایک بات کہنی ہے آپ سے۔''
''ہاں...... ہاں ضرور کہو......'' وہ کھیر نکالتے ہوئے بولیں۔
''اماں وہ مشعل کا پروپوزل آیا ہے، لڑکا بہت پڑھا لکھا ہے اور اس کا امریکا میں بزنس ہے، بہت اچھے لوگ ہیں اور اب یہ......''
''تم صاف انکار کر دو......'' عشرت جہاں، عثمان احمد کی بات کاٹ کر بولیں۔
''انکار...... مگر کیوں......؟'' بے ساختہ ملیحہ کے لبوں سے نکلا......
''بس میں نے کہہ دیا ہے......'' جملہ اطمینان سے کہا گیا۔
''انکار کی کوئی وجہ تو ہو اماں......؟'' عثمان بھی حیران و پریشان ماں کو دیکھنے لگے۔ بلال اور عائزہ بھی ناشتے سے ہاتھ کھینچ بیٹھے۔
مشعل ٹرے اٹھائے دروازے کے قریب تھی۔ عشرت جہاں کا جملہ اس کے کانوں میں پڑا۔ اس کے لب مسکرائے۔''اب ہو گا انکار......''
''میں نے مشعل کا رشتہ اللہ دتہ سے طے کر دیا ہے۔'' اگلے لمحے دادو نے بم پھوڑا تھا۔ مشعل کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹ گئی۔ زوردار قسم کا چھناکا ہوا۔
''کیا ہوا مشی......؟'' بلال جلدی سے کرسی دھکیل کر مشی کی طرف بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام کر بولا...... مشی کا چہرہ زرد تھا۔
''ارے کیا ہوا چوٹ تو نہیں لگی بیٹی......'' ملیحہ نے بھی اٹھ کر پوچھا۔
''شکر ہے چائے کپوں میں نہیں تھی۔'' بلال نے ٹوٹے کپ دیکھتے ہوئے کہا۔
''وہ فلاسک میں ڈال کر موجو لا رہا ہے۔'' مشعل کی گھٹی گھٹی آواز نکلی تھی۔
''چوٹ تو نہیں لگی ناں......؟'' عشرت جہاں

محبت سے پوچھ رہی تھیں۔
''کبھی ہاتھ پاؤں چلائے ہوں تو ناں...... ڈھنگ سے کام نہیں کیا جاتا...... اتنا قیمتی سیٹ توڑ دیا۔'' ملیحہ غصے سے چلانے لگیں۔
''اے، ہے شکر کرو بہو، بچی بچ گئی، کیوں میں چائے نہ تھی ورنہ جل جلا جاتی تو......'' ملیحہ کو گھورتے ہوئے عشرت جہاں بولیں۔
''دل تو جل گیا ناں دادو......'' مشعل نے دل ہی دل میں سوچا۔
''چلو پریشان نہ ہو ٹوٹنے والی چیز تھی ٹوٹ گئی تم میرے پاس بیٹھو......'' عشرت جہاں بولیں۔ ''اور آرام سے ناشتا کرو۔'' وہ اسے پچکارنے لگیں۔
''اماں آپ مشعل کے لیے رشتہ بتا رہی تھیں؟'' عثمان احمد پوچھ رہے تھے۔
''ہاں بھئی، مجھے تو اللہ دتہ بہت پسند ہے پھر اپنی مشعل کا جوڑ بھی ہے۔''
''کیا فریدہ آنٹی کا ملازم ہے؟'' ذیشان نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔
''اے لو ملازم کیوں ہونے لگا، پہلوٹی کا بیٹا ہے فریدہ کا......'' عشرت جہاں تنک کر بولیں۔
''مگر ان کے تو دو ہی بیٹے ہیں آفتاب اور آصف...... یہ اللہ دتہ کہاں سے آگیا۔'' ذیشان حیرت سے پوچھ رہا تھا۔ ''اور یہ نام بھلا...... کیسا نام ہے؟''
''شادی کے پورے سات برس بعد ہوا تھا تو اس کا نام میں نے رکھا تھا اللہ دتہ......'' عشرت جہاں جوش و خروش سے بتانے لگیں۔
''آپ نے ایسا نام کیوں رکھا، آکورڈ سا......؟'' ذیشان نے پوچھا۔
''اے لو، اللہ نے دیا تھا تو میں نے نام اللہ دتہ دکھ دیا منتوں مرادوں والے بچوں کے نام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ رکھا، اللہ بخش، خدا بخش وغیرہ......''
''تو کیا اور لوگوں کو بچے اللہ نہیں دیتا...... ڈاکٹر دیتا ہے شاید......'' ذیشان بولا۔

''بکومت......'' ملیحہ نے ذیشان کو جھڑکا۔
''اماں وہ تو شاید نصرت خالہ کے پاس رہتا تھا چھوٹا سا تھا تو وہ لے گئی تھیں۔ جب آفتاب اور آصف جڑواں پیدا ہوئے تھے۔''
''ہاں...... ہاں...... وہی ...... وہی......'' عشرت جہاں جلدی سے بولیں۔
''مگر اماں مجھے یاد پڑتا ہے ایک بار میں قصور گیا تھا تو وہ بستی کے بچوں کے ساتھ میلے کچیلے کپڑوں میں گلی میں گلی ڈنڈا کھیل رہا تھا...... کالا سا بچہ......''
''تو کیا ہوا...... اب تو نہیں کھیلتا...... اب بڑا ہو گیا ہے، اب اس کا اپنا بزنس ہے اور وہ واپس فریدہ کے پاس آگیا ہے۔ اور اب کالا بھی نہیں ہے۔'' دادو ہنس دیں۔
''کب سے فریدہ کے پاس آیا ہے؟'' عثمان شاک کی کیفیت میں پوچھ رہے تھے۔
''دو سال ہو گئے غالباً۔''
''بزنس کیا کرتا ہے؟'' بلال نے پوچھا۔
''اخلاق نے اسے اپنے فارم ہاؤس پہ ڈیری فارم بنا کر دیا ہے۔''
''کیا...... کیا......؟'' بلال نے کرسی پر پہلو بدلا۔
''ہاں تقریباً ڈھائی تین سو بھینسیں ہیں۔'' وہ بولیں۔
''بھینسیں...... تو ان کا کیا کرتے ہیں مسٹر اے ڈی......'' ذیشان حیرت سے بولا۔
''دیکھ بھال کرتا ہے اور ان کا دودھ بیچتا ہے۔'' عشرت جہاں بولیں۔
''یعنی گوالا ہے......؟'' ذیشان نے جلدی سے پوچھا۔
''دادو...... کیا ہماری بہن کے لیے گوالا رہ گیا ہے؟'' بلال میز پر مکا مار کر غصے سے بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''نہیں کرنا ہم نے یہ رشتہ......''
''مگر میں طے کر آئی ہوں، یہ رشتہ ضرور ہوگا۔'' وہ تنک کر بولیں۔
''دادو آپ زیادتی کر رہی ہیں، مشی نے کتنے

اچھے، اچھے رشتے ریجیکٹ کردیے اور اب ہم اسے ایک گوالے سے بیاہ دیں...... ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔''

''تم اسے دیکھو تو بلو...... لاکھوں میں ایک ہے...... اتنا لمبا، اونچا، چوڑی چھاتی، گول چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں......'' عشرت، اللہ دتہ کے قصیدے پڑھ رہی تھیں۔

''کیا پہلوان ہیں؟'' ذیشان ہولے سے بولا مگر عشرت جہاں نے سن لیا تنک کر بولیں۔

''چل بے ادب، بڑا بھائی ہے تمہارا بلکہ ہونے والا بہنوئی۔''

''آپ نقشہ ایسا ہی تو کھینچ رہی ہیں میں سمجھا......'' ذیشان سر کھجانے لگا۔

''عثمان دیکھ رہے ہو تم اپنے لڑکوں......'' وہ بیٹے سے مخاطب تھیں جو خود بھی ششدر بیٹھے تھے۔ ملیحہ بھی پریشان تھیں۔

''اماں آپ نے مجھ سے مشورہ تو کرنا تھا۔'' وہ گھٹے، گھٹے لہجے میں بولے۔

''کیا مشورہ کرتی...... مشی پر میرا حق نہیں......؟'' عشرت جہاں غصے سے بولیں۔

''کیوں نہیں حق مگر......''

''کیا میں اس کا برا چاہوں گی؟ ہاں بولو......''

''یہ بات نہیں مگر اماں۔ آپ دیکھیں تو ......لوگ کیا کہیں گے کہ میں نے اپنی بیٹی ایک گوالے کو دے دی۔''

''اے لو وہ کہاں سے گوالا ہوگیا، ایک کاروبار ہے اس کا...... پتا ہے منوں کے حساب سے دودھ جاتا ہے، ڈیری ملک کمپنی کی چمچماتی گاڑیاں آرہی ہیں جارہی ہیں۔ اتنا دودھ ہے بلکہ اخلاق تو کہہ رہا تھا کہ خالہ یہ اللہ دتہ ہم سے زیادہ کمارہا ہے۔'' عشرت جہاں ہنستے ہوئے بولیں۔

مشعل عجیب نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو ''مجھے بچالیں۔''

''اماں وہ تو ٹھیک ہے مگر ہم نے اللہ دتہ کو دیکھا بھی نہیں۔'' ملیحہ کی بات کاٹ کر وہ تنک کر بولیں۔

''میں تو دیکھ آئی ہوں اور اس کا فوٹو بھی ساتھ لائی ہوں دیکھ لو بس رشتہ طے ہے پھر اپنے، اپنے ہوتے ہیں۔''

''پھر بھی اماں بہت باتیں دیکھی جاتی ہیں۔''

''کیا دیکھا جاتا ہے، وہ غیر تو نہیں بس آئندہ ماہ فریدہ اور اخلاق آئیں گے منگنی کرنے...... گرمیاں نکلتے ہی شادی کردیں گے میں کہہ آئی ہوں۔'' وہ حتمی انداز میں بولیں۔

''اتنی جلدی......'' گڑبڑا کر ملیحہ، عثمان احمد کو دیکھنے لگیں۔

''کوئی جلدی نہیں ہے یا پھر میرے فیصلے کی کوئی وقعت ہی نہیں۔''

''یہ بات نہیں اماں...... مشعل سے تو پوچھ لیں۔'' انہوں نے گیند مشعل کے کورٹ میں پھینکی۔

''مشعل کبھی انکار نہیں کرے گی۔ وہ میری پوتی ہے کیوں بیٹا......؟'' عشرت جہاں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ہونٹ کچل رہی تھی کچھ بولے بغیر کرسی کھسکا کر ڈائننگ روم سے نکل گئی۔

''آپ کو پتا ہے دو سال میں کتنے رشتے آئے اور وہ نہیں مانی۔'' ملیحہ بتانے لگیں۔

''اب ضرور مانے گی کہ اللہ دتہ میری پسند ہے۔''

''آپ خود پوچھ لیں۔'' ملیحہ نے کہا۔

''پوچھنا کیا، مجھے پتا ہے دیکھو تو اب کیسے اٹھ کر چلی گئی ہے شرما کر...... اگر رشتہ پسند نہ ہوتا تو ضرور بولتی...... وہ بھلا چپ رہ سکتی ہے۔''

''مگر دادو مجھے یہ رشتہ پسند نہیں ہے۔'' بلال غصے سے کہہ کر اٹھنے لگا۔

''چائے تو پی لیں۔'' عائزہ نے کہا۔

''میرے کمرے میں لے آؤ......'' بلال ڈائننگ روم سے تیزی سے نکل گیا۔

''کہہ دیا ہے میں نے مشی کا رشتہ ہوگا تو اللہ دتہ سے ورنہ تم مجھ مری کا منہ دیکھو گے۔'' عشرت جہاں

عثمان احمد کی طرف دیکھ کر بولیں۔
''اتنی سخت کنڈیشن نہ لگائیں اماں......'' عثمان احمد منمنائے۔
''بس بات فائنل کرو تاکہ میں فریدہ کو فون کردوں...... بلکہ چھوڑو تمہارے کان میں بات ڈال دی ہے، میں خود ہی فون کروں گی کہ آجائیں......'' عشرت جہاں اطمینان سے کہتی رہیں۔ ملیحہ اور عثمان ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

مشعل اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی رو رہی تھی۔ کمرے کی ہر چیز الٹ پلٹ تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کی ساری چیزیں الٹی پڑی تھیں۔
''یہ کیا کر رکھا ہے تم نے؟'' ملیحہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔ مشعل نے روتے، روتے ماں کو دیکھا اور پھر بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔
''ممی، ممی میں نے اس اللہ دتہ سے شادی نہیں کرنی۔''
''تبھی تو کہتی تھی اتنے اچھے پروپوزل مت ٹھکراؤ، اب ناک پہ چھٹی ہے ناں......''
''آپ مسز بخاری سے حامی بھرلیں میں، میں عزیر سے شادی کرلوں گی مگر اس گوالے سے شادی نہیں کروں گی۔'' مشعل کے آنسو بہے جارہے تھے۔
''اب ممکن نہیں ہے یہ......'' ملیحہ نے ٹکا سا جواب دیا۔
''کیوں......؟'' مشعل تلملا گئی۔
''پہلے تم اپنی دادو کو سمجھاؤ، انکار کرو پھر میں مسز بخاری سے حامی بھروں گی۔''
''دادو نے آخر کیا سوچ کر یہ رشتہ طے کیا ہے۔'' وہ سسکتے ہوئے بولی۔
''بس ایسی ہی ہیں، وہ اپنی من مانی کرنے والی۔'' ملیحہ منہ بنا کر بولیں۔
''میں آپ کی بیٹی ہوں، آپ میرے بارے میں فیصلہ کریں۔''
''تم نے کب اختیار دیا ہے مجھے فیصلہ کرنے کا۔'' ملیحہ نے شکوہ کیا۔
''پلیز ممی، طعنے نہ دیں۔'' وہ ٹشو سے اپنی ناک پونچھتے ہوئے منمنائی۔
''پھر تم بھی تو چپ رہیں بات شروع ہوئی تھی تو انکار کردیتیں۔''
''میں تو شاکڈ تھی آپ یقین کریں...... پلیز آپ کچھ کریں ناں......''
''اچھا تم فکر نہ کرو، میں فریدہ سے بات کرتی ہوں۔ وہ خود ہی انکار کردے یا پھر وہ اللہ دتہ سے کہے وہ انکار کردے۔'' ملیحہ نے دلاسا دیا۔
''یہ ٹھیک ہے۔'' مشعل نے اپنے آنسو پونچھے۔
''لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر سب کی باہمی رضامندی سے اماں بات کر آئی ہیں تو کیا ہوگا۔''
''آپ پہلے بات تو کریں فریدہ آنٹی سے۔''
''دیکھتی ہوں۔'' ملیحہ نے کہا۔
''آپ صرف دیکھیں مت...... کریں بات میں دادو سے انکار کرنے جارہی ہوں۔'' مشعل، ملیحہ کے روکنے کے باوجود کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

عشرت جہاں اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں کہ مشعل کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائیں اور اشارے سے بیڈ پر بیٹھنے کو کہا۔ چند لمحے وہ تسبیح پڑھتی رہیں پھر ختم کرکے مشعل کے چہرے پر پھونک ماری اور اس کا ماتھا چوما۔
''ہاں بیٹا خیریت ہے ناں......؟''
''جی نہیں ہے خیریت......'' مشعل نے کہا تو عشرت جہاں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔
''اللہ خیر کرے، کیا ہوا؟''
''دادو مجھے اللہ دتہ سے شادی نہیں کرنی......'' مشعل نے ایک دم کہہ دیا۔
''تمہاری ماں نے کہا ہوگا کہ تم انکار کردو......'' وہ وثوق سے بولیں۔

''ممی نے مجھے کچھ نہیں کہا۔''
''پھر انکار کی وجہ.....'' وہ غرا کر پوچھنے لگیں۔
''دادو میں کیسے اس شخص سے شادی کرلوں جسے میں نے دیکھا بھی نہیں۔''
''پر میں نے تو دیکھا ہے۔'' عشرت جہاں جھٹ سے بولیں۔
''میں نے تو نہیں دیکھا ناں.....''
''میں فریدہ کو فون کرتی ہوں وہ اسے بھیج دے اور ہاں اللہ دتہ کی فوٹو میں ساتھ لائی ہوں تم دیکھ لو۔''
''نہیں دیکھنی میں نے اس کی فوٹو۔آپ نے اس کا نام دیکھا ہے جیسے پینڈوؤں کے نام ہوں۔'' وہ جھنجلا کر بولی۔
''میں نے رکھا تھا یہ نام۔'' عشرت جہاں سینے پر ہاتھ رکھ کر فخر سے بولیں۔
''دادو آپ سمجھتی کیوں نہیں.....سب میرا مذاق اڑائیں گے میری دوستیں ہنسیں گی۔''
''لو کیوں ہنسیں گی بھلا.....؟'' وہ حیرت سے بولیں۔
''نام کا انسان کی شخصیت پر بہت اثر ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بونگا سا ہوگا۔''
''چلو ہم نام بدل دیں گے۔'' عشرت جہاں کے پاس ہر مسئلے کا حل تھا۔
''دادو میں نے کہہ دیا ناں کہ مجھے اللہ دتہ سے شادی نہیں کرنی تو نہیں کرنی، آپ فریدہ آنٹی سے صاف، صاف کہہ دیں۔'' مشعل غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''میں تو نہیں کہوں گی۔''
''نہ کہیں.....مگر یہ بھی سن لیں میں مر جاؤں گی مگر آپ کے اس مسٹر A.D سے شادی نہیں کروں گی۔'' مشعل چلا کر کہتی تیزی سے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے بند کرتی چلی گئی۔عشرت جہاں حق دق بیٹھی رہ گئیں۔

☆☆☆

عثمان احمد پریشان سے ہوئے ٹہل رہے تھے۔

ھوا

ہوا تم جانتی ہو سب کہ
میں نے رات کے پچھلے پہر چپکے سے
ساری داستاں تم کو سنائی تھی
تمہیں تو یاد ہی ہوگا
تبھی جب اشک میری بات کے
رستے میں حائل تھے
تبھی جب لفظ میرے درد کی
شدت سے گھائل تھے
میری سوچیں
جب اس کی چاپ کے پیچھے گئی تھیں تو
ہوا تم نے ہی میرا بھیگتا پلو سکھایا تھا
ہوا تم سن رہی تھی ناں
کہ جب اس نے کہا تھا
منتظر رہنا میں آؤں گا
ہوا.....تم تو گواہ ہی ہو کہ تب سے اب تک
ان راستوں سے
میری آنکھوں کے دیئے بجھنے نہیں پائے
ہوا تم تو اسی کے راستوں سے ہو کے آئی ہو
ہوا.....وہ آ رہا تھا ناں!

شاعرہ، عائشہ غازی
مرسلہ، امینہ عندلیب، سلانوالی

تقاضا

تم سے اِک بار ملاقات کا وعدہ تھا میرا
پھر تم سے بچھڑنے کا ارادہ تھا میرا
چاہو تو صرف اِک میری ذات کو چاہو
یہی اِک معصوم تقاضا تھا میرا

شاعرہ: ستارہ آمین کومل، پنجاب

''آپ نے آج آفس نہیں جانا۔ میں نے آپ کے کپڑے نکال دیے ہیں۔'' ملیحہ انہیں یوں ٹہلتا دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

''جانا تو تھا مگر اب دل نہیں چاہ رہا۔''

''چلیں پھر آرام کرلیں۔''

''ذہن پریشان ہو تو آرام کیسا......؟''

''آپ ذہن پر زور نہ دیں' اماں کو مشی سنبھال لے گی...... اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ خود کہہ رہی ہے کہ مسز بخاری سے حامی بھرلیں۔''

''اچھا بھئی واہ......'' عثمان خوشدلی سے بولے۔

''اماں خفا تو ہوں گی عثمان......'' ملیحہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''ہونے دو، میں اپنی بیٹی کو اس پینڈو کے حوالے کردوں ایسا نہیں ہوگا۔ تمہیں پتا نہیں کہ نصرت خالہ بہت ہی پسماندہ علاقے میں رہتی تھیں جہاں صرف پرائمری تک اسکول تھا۔''

''اچھا پھر اخلاق بھائی کہاں پڑھے؟'' ملیحہ نے پوچھا۔

''وہ تو ان کے والد نے لاہور اپنے ایک دوست کے پاس بھیج دیا تھا، وہ وہیں ہاسٹل میں رہے...... اور تعلیم مکمل کرکے زمین بیچ کر فیصل آباد میں دو فیکٹریاں لگالیں۔ اللہ نے ہاتھ تھاما تو زرعی زمین بھی خریدلی۔''

''پھر ایسی جگہ انہوں نے اللہ دتہ کو کیوں بھیجا......؟''

''بھیجا تو چند ماہ کے لیے تھا کہ فریدہ بھابی کے دونوں جڑواں بچے بیمار ہوگئے تھے تب یہ اللہ دتہ ڈیڑھ برس کا تھا۔ تو نصرت خالہ لے گئیں اور پھر خود ہی بعد میں کہنے لگیں کہ تمہارے ہاں تو دو بچے ہیں، یہ میرے پاس ہی رہے...... بس اپنے آرام کی خاطر اللہ دتہ کا فیوچر تباہ کردیا فریدہ بھابی نے۔''

''اب تو ضرور پچھتاتی ہوں گی۔'' ملیحہ افسردہ لہجے میں بولیں۔

''یقیناً......'' عثمان بولے۔

''اور دیکھیں ناں...... آفتاب اور آصف کتنے فرمانبردار ہیں، باپ کا بزنس اور فیکٹریاں سنبھالی ہیں...... اگر ان دونوں میں سے کسی کے لیے مشی کو مانگتیں تو میں کبھی انکار نہیں کرتا...... مگر اللہ دتہ...... نو نیور...... میں تو اسے دیکھے بغیر ہی رشتے کے لیے راضی نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے اس پسماندہ گاؤں میں کیسی تربیت ہوئی ہوگی اللہ دتہ کی...... نصرت خالہ کا بہت لاڈلا تھا، ایک نمبر کا شرارتی، ضدی اور بدتمیز بھی۔'' اب کے وہ غصے سے بول رہے تھے۔

''آپ فریدہ بھابی سے یا اخلاق بھائی سے بات تو کرکے دیکھیں۔'' ملیحہ نے مشورہ دیا۔

''اماں...... اخلاق کی بڑی خالہ ہیں وہ کبھی اماں کے فیصلے سے انحراف نہیں کرنے کا۔''

''اب مشعل انکار کرے گی اور اماں کھٹ سے مجھ پر الزام دھریں گی کہ میں نے اسے سکھایا ہے۔''

''یہ تو ہوگا تم برداشت کرو......'' بیوی کی بات پر عثمان احمد مسکرا کر بولے۔

''سب برداشت کرلوں گی اپنی بچی کی خاطر......'' ملیحہ بولیں۔ ''آپ کو کیا پتا رو، رو کر اس نے اپنی حالت بگاڑلی ہے۔''

''تم اسے سمجھاؤ کہ کچھ نہیں ہوگا، وہی ہوگا جو وہ چاہے گی۔'' عثمان احمد راکنگ چیئر پر بیٹھ کر زور، زور سے جھولنے لگے جیسے اندر کا اضطراب باہر نکال رہے ہوں۔

☆☆☆

''عثمان بیٹا' دیکھو میں یہ تصویر لائی تھی اللہ دتہ کی تم بھی دیکھ لو...... کتنا خوب صورت ہے اللہ دتہ، مشی کا جوڑ ہے۔'' عشرت جہاں نے عثمان احمد کو تصویر تھمائی اور پاس ہی بیٹھ گئیں۔ تصویر دیکھ کر ہی انہیں ایک جھٹکا لگا۔

''یہ...... یہ اللہ دتہ ہے اماں؟'' بے یقینی بھی تھی اور حیرت بھی۔

''ہاں تو کیا اچھا نہیں ہے۔ بالکل ہیرو لگ رہا

ہے ناں.....''

ملیحہ نے بھی تصویر دیکھی مگر کوئی کمنٹس نہیں دیئے..... تصویر اب بلال کے ہاتھ میں تھی۔

''دادو نام سن کر جو امیج بنا تھا یہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔'' بلال تصویر دیکھ کر غصے سے بولا۔

''ہے ناں.....؟'' عشرت جہاں خوش ہو کر بولیں۔

''میں ابھی فریدہ آنٹی کو فون کر کے کہتا ہوں ہمیں یہ رشتہ قطعاً منظور نہیں.....''

''ہاں..... ہاں کرو فون، غضب خدا کا اماں کو مشی کے لیے یہی بر ملا تھا۔'' ملیحہ بھی تلملا کر بولیں۔

''دیکھ لو بہو تم پچھتاؤ گی۔'' عشرت جہاں وارننگ کے انداز میں بولیں۔

''میں نہیں پچھتاتی، ایک گوالے سے بیٹی بیاہ دوں اور ساری زندگی میری بچی مجھے بددعائیں دیتی رہے ہونہہ.....''

''سوچ لو ایسا رشتہ نہیں ملنے کا۔''

''آخر اللہ دتہ میں ہے کیا جو آپ اتنی حمایتی ہیں۔'' بلال غصے سے بولا۔

''اپنا خون ہے، میرے سگے بھانجے کی اولاد ہے اور یوں بھی آج کل کا دور بہت خراب ہے، لوگ ہوتے کچھ ہیں بتاتے کچھ ہیں ...... اللہ دتہ تو اپنا ہے۔ کیا ہوا جو زیادہ پڑھا لکھا نہیں ...... دسویں فیل ہے تو.....''

''میٹرک فیل.....؟'' بلال کا جی چاہا اپنے بال نوچ لے۔ بلال کو لگا جیسے اس پر چھت آگری ہو۔

''آپ کو پتا ہے دادو، مشی ایم اے پاس ہے۔'' بلال نے یاد دلایا۔

''تو کیا ہوا...... مردوں کی جیب دیکھی جاتی ہے ڈگریاں نہیں.....'' وہ بے نیازی سے بولیں۔

''مگر ہم مشی کو ایسے شخص سے بیاہیں گے جو ڈگریاں بھی رکھتا ہو۔'' پھر وہ ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔

''ممی آپ مسز بخاری کو کہہ دیں کہ ہمیں عزیر کا پروپوزل منظور ہے۔''

''بلو تم اچھا نہیں کر رہے..... تم فیصل آباد جاؤ اور اللہ دتہ کا بزنس دیکھو کتنا بڑا فارم ہاؤس ہے۔ سچ دل خوش ہو گیا وہاں جا کر۔ اللہ دتہ کہہ رہا تھا کہ بڑی اماں میں تو شادی کے بعد یہیں رہوں گا۔''

''بھینسوں کے باڑے میں؟'' عثمان احمد بہت بے ساختہ بولے۔

''لو کیوں بھلا...... وہاں تو وہ شاندار کوٹھی بنوائے گا مشی کی پسند سے۔''

''کچھ بھی ہوا، ماں میں اپنی مشی ایک گوالے کو نہیں دے سکتا۔''

''اے لو وہ خود تو کام نہیں کرتا تقریباً سو سے اوپر تو ملازم ہیں...... اور روز کی آمدنی کم از کم لاکھ سے اوپر ہے۔''

''دادو چاہے اس کی آمدنی روزانہ کی ایک کروڑ ہو، مجھے یہ رشتہ قبول نہیں۔'' بلال مضبوط لہجے میں بولا۔

''تمہیں تمہاری ماں نے پٹی پڑھائی ہو گی۔'' وہ وثوق سے بولیں۔

''اماں بلو غلط نہیں کہہ رہا، میں جان بوجھ کر تو بیٹی کو آگ میں نہیں جھونک سکتا۔'' عثمان احمد کے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا آخر وہ بول ہی پڑے۔

''ٹھیک ہے بیٹا، ماں کی یہی حیثیت ہے سب کے سامنے میرا فیصلہ رد کر رہے ہو۔'' عشرت جہاں کی آواز بھرا گئی۔

''اماں، پلیز آپ سمجھیں آپ کا کہا سر آنکھوں پر مگر یہ میری بیٹی کے مستقبل کا معاملہ ہے۔''

''تو ٹھیک ہے، تم یوں کرو میرا ٹکٹ کٹاؤ اور مجھے زمان کے پاس بھجوا دو آج ہی.....'' وہ بولیں۔

''اماں آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں۔'' عثمان احمد گڑبڑا گئے۔

''بس عثمان اب بات ختم ...... بہت رہ لی میں تمہارے پاس، تم مجھے زمان کے پاس لاہور بھیجو اب میں آنے کی نہیں.....''

''اچھا اماں ایک بات تو سنیں۔'' عثمان' ماں کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''مجھے کچھ نہیں سننا تم ابھی زمان کو فون کر دو...... وہ آ کر لے جائے یا پھر تم مجھے جہاز میں بٹھا دو۔'' عشرت جہاں ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولیں۔

''اماں آرام سے، اتنا غصہ اچھا نہیں ہے، وہ اپنی مشعل......''

''مشعل تمہاری بیٹی ہے میری تو کچھ بھی نہیں لگتی ناں۔ وہ بھاڑ میں جائے اور تم بھی جو کرنا ہے وہ کرو...... مجھے نہ تم سے غرض ہے نہ تمہاری آل اولاد سے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ارے اماں خفا نہ ہوں، میری بات سنیں تو سہی......'' عثمان ماں کو بٹھاتے ہوئے بولے۔

''کیا سنوں......؟'' وہ دوبارہ بیٹھ گئیں۔

''مجھے ایک بار اللہ دتہ سے ملنے دیں، میں اسے دیکھ تو آؤں......''

''پھر کیا ہوگا...... وہ بدل جائے گا۔ ڈیری فارم کی جگہ بل اوونر بن جائے گا۔''

''پلیز اماں...... مجھے دیکھنے دیں کہ وہ میری مشعل کو خوش رکھ سکے گا۔''

''تو کیا اس کے ماتھے پہ لکھا ہوگا یہ جملہ کہ میں مشعل کو خوش رکھوں گا۔''

''پلیز آپ مجھے ایک موقع تو دیں ناں......'' عثمان زچ ہو کر بولے۔

''اگر پھر بھی تمہیں پسند نہیں آیا تو......؟''

''تو پھر بات کریں گے ناں......''

''نہیں...... کوئی بات نہیں ہوگی، تمہیں یہ رشتہ کرنا ہوگا......'' وہ ضدی لہجے میں بولیں۔

''ٹھیک ہے۔'' عثمان احمد گہری سانس لے کر بولے۔ ''مگر مشی نے انکار کر دیا تو پھر نہیں ہوگا یہ رشتہ۔''

''وہ میری پوتی ہے کبھی انکار نہیں کرے گی۔ میں سمجھاؤں گی اسے۔'' وہ بولیں۔

''پپا! اگر اللہ دتہ کو دیکھنے کے بعد بھی رشتہ منظور کرنا ہے تو پھر بن دیکھے ہی مشی کو کنویں میں دھکیل دیں۔'' بلال تلملا کر بولا۔

''دیکھیں گے بیٹا......'' عثمان احمد پُرسوچ لہجے میں بولے۔

''دیکھنا تم باچھیں کھل جائیں گی تمہاری۔'' عشرت جہاں نہایت وثوق سے بولیں۔ اور عثمان احمد ماں کو دیکھ کر رہ گئے۔ ملیحہ نے بھی پہلو بدلا مگر بولیں کچھ نہیں۔

☆☆☆

گھر کے سب افراد ہی اللہ دتہ کے رشتے سے پریشان تھے۔ خوش تھیں تو صرف عشرت جہاں...... عثمان اور ملیحہ ایک دوسرے سے نگاہ نہیں ملا پا رہے تھے۔ بار، بار اللہ دتہ کی تصویر ان دونوں کی آنکھوں میں گھوم رہی تھی۔

بڑا سا گول چہرہ، بڑی، بڑی مونچھیں، آنکھوں میں بھر بھر سلائیاں سرمہ ڈالا گیا کہ آنکھیں اور بڑی لگیں۔ تیل میں چپڑے گھنگرالے بال اور پیشانی پر پڑی ایک لٹ...... بلکہ بالوں کا گچھا ماتھے پر رکھا ہوا...... ایک کان میں بالی...... مسکراتے لب اور کالا کُرتہ زیب تن کیے ہوئے جس کے گلے پر سلور تلے کی کڑھائی۔ یہ حلیہ عثمان احمد کی آنکھوں میں لہراتا تو ان کی سانسیں رکنے لگتیں۔

''اُف اماں، آپ نے میری لاڈلی ماڈرن بیٹی کے لیے یہ رشتہ پسند کیا...... میں کیسے اس ہونق کو بیٹی کا ہاتھ تھماؤں......'' عثمان احمد دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام کر بیڈ پر بیٹھ گئے۔

''اب کیا ہوگا عثمان؟'' ملیحہ پریشان لہجے میں پوچھنے لگیں۔

''میں فیصل آباد جاؤں گا اور......'' ملیحہ ان کی بات کاٹ کر بولیں۔

''عثمان آپ کو جانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی انکار کریں فی الحال......''

''کیوں......؟'' ایک دم وہ سر اٹھا کر پوچھنے لگتے۔
''بلال کو بھیج دیں یا پھر اللہ دتہ کو یہاں بلالیں، آپ کا جانا مناسب نہیں ہے۔ اخلاق بھائی یہ نہ سوچیں کہ گھر آ کر انکار کر دیا۔ قریبی رشتہ ہے ہمارا......''
''تمہاری بات تو درست ہے، ٹھیک ہے بلو کو بھیجتے ہیں...... وہ کسی طرح اللہ دتہ کو انکار کے لیے مجبور کر دے۔''
''ہاں یہ صحیح ہے تاکہ ہم پہ بھی بات نہ آئے۔'' عثمان احمد بولے۔'' ذرا بلال کو بلاؤ تو......'' عثمان احمد کہنے لگے تو ملیحہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئیں۔
''یا اللہ میری سن...... اللہ دتہ خود انکار کر دے۔'' عثمان نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

''آپ نے بلوایا ابو......؟'' بلال کمرے میں آ کر بولا۔
''ہاں بیٹھو......'' عثمان احمد نے کہا تو وہ ان کے سامنے ہی چیئر پر بیٹھ گیا۔
''میں چاہتا ہوں تم فیصل آباد جاؤ اور اللہ دتہ کا کاروبار اور اسے دیکھ آؤ۔''
''گستاخی معاف، میں نہیں جاؤں گا۔''
''بیٹا آخر اماں کو ہم نے جواب دینا ہے تو کوئی معقول وجہ تو ہو۔''
''یہ وجہ کم ہے کہ وہ میٹرک فیل ہے۔'' بلال نے کہا۔
''تمہیں پتا ہے کہ اگر ہم نے اماں کی بات نہ مانی تو وہ زمان کے ہاں چلی جائیں گی اور کتنی بدنامی ہوگی میری۔''
''تو پھر دادو کی بات کو اوکے کر دیں، مشی کو کنویں میں ڈال دیں۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔ تبھی عشرت جہاں چلی آئیں۔
''اے عثمان، یہ صبح سے تمہارے کمرے میں کیا گٹ پٹ ہو رہی ہے۔'' وہ بڑے کروفر سے پوچھ رہی تھیں۔
''ایسی کوئی بات نہیں......'' عثمان احمد جلدی سے بولے۔'' آپ آئیں بیٹھیں اماں۔''
''ارے کوئی سازش بُن رہے ہو تم اور تمہاری بیوی، بچے۔''
''آپ کو وہم رہتا ہے۔ میں تو بلال سے کہہ رہا تھا کہ اللہ دتہ کو دیکھ آئے۔''
''کیا وہ بیمار ہے؟'' عشرت جہاں حیرت سے کہنے لگیں۔
''یہ بات نہیں اماں...... فریدہ بھابی کیا سوچیں گی کہ ہم نے اللہ دتہ کو دیکھے بھالے بغیر ہی حامی بھری کیا لڑکی ہم پر اتنی ہی بھاری تھی؟'' وہ بات بنانے لگے۔
''وہ کبھی نہیں کہے گی، وہ تو بہت خوش ہے۔''
''پھر بھی اماں...... میں بلال کو سمجھا رہا تھا کہ یہ چلا جائے ایک فارمیلٹی ہی تو پوری کرنی ہے ناں......''
''تو پھر......؟'' دادو نے چشمے کی اوٹ سے بلال کو دیکھا۔
''یہ مان ہی نہیں رہا۔''
''دیکھو میاں اول تو میں دیکھ آئی ہوں، مجھے وہ ہر طرح سے پسند ہے اگر تم لوگوں نے ضروری دیکھنا ہے تو فریدہ سے بات کرواؤ میری اس سے کہتی ہوں اللہ دتہ کو بھیج دے تم سب ہی دیکھ لینا۔''
''جی یہ بہتر ہے دادو...... وہ ایسی چیز ہے جسے ہر کوئی دیکھنا پسند کرے گا۔'' بلال تلملا کر بولا اور کمرے سے چلا گیا۔
''تم فریدہ کا نمبر ملاؤ میں بات کروں گی۔'' عثمان احمد بیوی کی طرف دیکھنے لگے۔ عشرت جہاں ان کی حرکت دیکھ کر تنک کر بولیں۔
''بیوی کو پھر دیکھ لینا، بھاگی نہیں جا رہی، مجھے فریدہ کا نمبر ملا کر دو۔'' عثمان احمد جلدی سے نمبر ملانے لگے اور پھر فون ماں کو تھما دیا۔
''بیل جا رہی ہے اماں۔''

''ارے ہیلو کون......؟''

''ارے اللہ دتہ میری جان، میں صدقے تیرے...... میں کہہ رہی ہوں تم کراچی آسکتے ہو، ہاں، ہاں'' وہ ہنس کر بولیں...... ''وہی بردکھوے کے لیے...... ہاں بھئی سب تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں، چلو پھر تم کل ہی آجاؤ...... مجھے تو انتظار ہے کہ کب تم دولہا بن کر آؤ اور میری مشی کو بیاہ کر لے جاؤ...... چلو تم دو چار دن میں آجانا۔''

عثمان اور ملیحہ ان کی بات پر پہلو بدلنے لگے۔

''اچھا بھئی اپنی ماں کو سلام کہنا...... بس تم آؤ، انتظار ہے تمہارا...... سب کو۔ اللہ حافظ......'' عشرت جہاں فون عثمان کے حوالے کرتے ہوئے بولیں۔

''بس ایک دو روز میں آرہا ہے دیکھ لینا۔ داد دوگے میری پسند کی اتنا زیادہ سیدھا سا ہے۔ عیش کرے گی میری مشی۔'' عشرت جہاں کرسی سے اٹھیں اور آہستہ آہستہ باہر نکل گئیں۔ کمرے میں موجود ملیحہ اور عثمان ایک دوسرے سے نظریں نہیں ملا پائے۔

☆☆☆

فون کی گھنٹی بج رہی تھی، ملیحہ لاؤنج میں آئیں تو وہاں مشعل بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

''فون ہی اٹھا لو کم از کم......''

''مجھے اب فون کی بیل سے ڈر لگتا ہے ممی......'' مشعل آہ بھر کر بولی۔

''کیوں بیٹا......؟''

''پتا نہیں کیوں لگتا ہے دوسری طرف اللہ دتہ یعنی مسٹر اے ڈی نہ ہو۔'' ملیحہ نے گہری سانس لے کر فون اٹھایا۔

''ارے آپ! السلام علیکم...... عائشہ بھابی۔''

''میرے خیال میں ابھی تک آپ رشتے کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔'' عائشہ بخاری بولیں۔

''جی، جی ہاں...... وہ میری ساس آگئی ہیں تو ان سے مشورہ بھی تو کرنا ہے۔'' ملیحہ ملتجی لہجے میں بولیں۔

''تو پھر آپ سوچتی رہیں مگر میں نے بھی سوچ لیا ہے۔''

''کیا......؟'' ملیحہ نے حیرت سے کہا۔

''اصل میں آپ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، دوسرے مجھے پتا ہے آپ کی بیٹی کی بھی مرضی نہیں ہے۔'' وہ اطمینان سے بولیں۔

''ایسی بات نہیں مسز بخاری......'' ملیحہ جلدی سے بولیں۔ مسز بخاری ٹھٹھا لگا کر بولیں۔

''ارے ملیحہ، دنیا دیکھی ہے چہرے پڑھنے کا فن آتا ہے مجھے۔''

''آپ تو خفا ہی ہوگئیں۔''

''اچھا چھوڑو...... یہ سب نصیب کی باتیں ہیں، اگلے سنڈے کو عزیر کی منگنی ہے اس کی پھوپی کے ہاں، اسی دن شادی کی تاریخ بھی طے ہوجائے گی۔''

''اچھا، بہت مبارک ہو۔'' ملیحہ دھیمے لہجے میں بولیں۔

''تھینکس، میں تمہیں ابھی تو منگنی کے لیے انوائٹ کررہی ہوں شادی کا کارڈ تو میں خود لے کر آؤں گی۔''

''بہت شکریہ......'' ان کا لہجہ جتانے والا تھا۔

''ضرور آنا......'' عائشہ بخاری بولیں۔

''انشاء اللہ ہم لوگ آئیں گے، اللہ حافظ......'' ملیحہ نے فون رکھ دیا اور گھور کر مشعل کو دیکھا۔

''عزیر کی منگنی ہورہی ہے۔''

''کیا اتنی جلدی......؟'' ماں کی بات پر مشعل حیرت سے پوچھ بیٹھی۔

''ہاں تو کیا وہ تمہارے انتظار میں بیٹھا رہتا...... اب بھگتو...... اور کرو دادی کی پسند کی شادی۔'' ملیحہ تلخی سے کہتے ہوئے وہاں چلی گئیں۔ مشعل اپنے ہونٹ دانتوں تلے کچلنے لگی۔

☆☆☆

ذیشان ریکٹ گھماتا ہوا باہر جارہا تھا کہ لاؤنج

میں مشعل کو بیٹھا دیکھ کر اسی کی طرف آ گیا۔
''کیا ہو رہا ہے پارٹنر......؟''
''دیکھ نہیں رہے ٹی وی دیکھ رہی ہوں۔'' مشعل منہ بنا کر بولی۔
''ویسے مشی بجو، آپ کی قسمت بہت خراب ہے۔''
''مجھے پتا ہے۔''
''اللہ دتہ وہ مسٹر اے ڈی یہاں آ رہے ہیں۔''
''واٹ......؟''
''ہاں، ممی بتا رہی تھیں کہ دادو نے اسے کہا ہے آ جائے بروکھوے کے لیے۔''
''میں اسے گولی مار دوں گی......'' مشعل مٹھیاں بھینچ کر بولی۔
''کسے...... اللہ دتہ کو......؟''
''ہاں اور خود کو بھی......'' مشعل غصے سے کہتی تنتناتی ہوئی عشرت جہاں کے کمرے کی طرف چل دی۔
''دادو اپنے اس چہیتے کو روک لیں، وہ یہاں نہ آئے۔''
''اسے کون......؟'' عشرت جہاں حیران تھیں۔
''وہ مسٹر اے ڈی۔''
''اے ہے تمیز سے نام لے، وہ تیرا منگیتر ہے۔'' وہ ڈانٹنے لگیں۔
''بھاڑ میں گیا منگیتر...... مجھے نہیں کرنی شادی...... کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں اور اب پھر کہہ رہی ہوں۔'' مشعل بہت غصے میں تھی۔
''باؤلی ہوئی ہے، اتنا اچھا رشتہ تو قسمت والوں کو ملتا ہے اور بی بی اکڑ کس بات کی...... اللہ دتہ کو رشتوں کی کمی نہیں......''

''تو پھر میرے سر کیوں منڈھ رہی ہیں۔''
''لو بھلا، میں تو چاہتی ہوں تو سدا سکھی رہے۔''
''خیر میں اس گوالے کے ساتھ تو خوش رہنے سے رہی۔ بس آپ اسے منع کر دیں کہ نہ آئے ورنہ......''
''ورنہ کیا کر لو گی؟ ہاں۔''

ذہانت ہو تو ایسی ہو

ٹیچر: ''دو میں سے دو نکالو تو کیا بچا؟''
کند ذہن بچہ: ''سمجھ نہیں آیا۔''
ٹیچر: ''تمہارے پاس مالٹے تھے تم نے دونوں کھا لیے اب تمہارے پاس کیا بچا؟''
بچہ خوش ہو کر: ''چھلکے بچے۔''
ٹیچر: ''اوہو تمہیں میں کیسے سمجھاؤں۔ فرض کرو تمہارے پاس دو نئے سوٹ ہیں تم نے وہ دونوں اپنے بھائی کو دے دیے۔ اب تمہارے پاس کیا بچا؟''
بچہ کچھ سوچ کر: ''کپڑوں کا خالی شاپر۔''
ٹیچر دل میں خوب غصہ ہو کر۔
''نالائق شکل، میری بات غور سے سنو۔ تمہارے پاس دو روٹیاں تھیں، تم نے دونوں کھا لیں۔ تمہارے پاس کیا بچا؟''
بچہ: ''سالن......''

لطیفہ

فوجی ٹریننگ کے دوران آفیسر نے فوجی سے پوچھا۔ ''تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟''
جوان بولا۔ ''سر یہ بندوق ہے۔''
آفیسر...... ''یہ بندوق نہیں ہے، تمہاری عزت اور شان ہے، تمہاری ماں ہے، ماں۔''
آفیسر...... دوسرے سپاہی سے۔
''تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟''
دوسرا سپاہی گھبرا کر...... ''سر جی یہ رب نواز (پہلے سپاہی) کی ماں اور ہماری خالہ ہے۔''

مرسلہ: اُمِ ایمان قاضی، کوٹ چھٹہ

''میں...... میں چھت سے کود جاؤں گی اور ...... اور...... اور میری موت کی ذمے دار آپ اور وہ مسٹر اے ڈی ہوں گے۔'' مشعل چلا کر بولی۔

''اوئی بھلا ہم کیوں ذمے دار ہوں گے۔''

''میں نے کہہ دیا ناں......''

''ٹھیک ہے بی بی! اپنے بخت کو خوب جوتے مارو، پچھتاؤ گی، میں عثمان سے کہہ دوں گی فون کر کے فریدہ کو منع کر دے کہ وہ نہ آئے ...... میرا معصوم اور سیدھا بچہ...... بردکھوے کو آئے اور یہاں جیل چلا جائے۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''ہاں یہی ہوگا آپ کر دیں منع...... مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔'' غصے میں پیر پٹختی وہ وہاں سے چلی گئی۔

''توبہ ہے یہ لڑکی کس قدر منہ پھٹ ہو گئی ہے...... یہ سب اس کی ماں کی چھوٹ ہے، میں بھی دیکھوں گی کیسے اللہ دتہ سے شادی نہیں کرتی...... آلے اللہ دتہ اس سے کہوں گی سیدھا کر دے اسے...... گائے بھینسوں کو سدھار لیتا ہے یہ چھپکلی سی لڑکی اس کے آگے کیا ہے۔ میری بھی ضد ہے مشعل...... تمہارے شادی ہوگی تو اللہ دتہ سے ہو...... صرف اللہ دتہ سے ہوگی۔'' عشرت جہاں بڑبڑاتی رہیں۔

☆☆☆

رکشا پھٹ، پھٹ کرتا ڈیفنس سوسائٹی کی کوٹھیوں کے درمیان سڑکوں پر دوڑا جا رہا تھا۔ رکشے کے دروازے سے ڈنڈا پکڑے ہونق سے انداز میں اللہ دتہ باہر جھانک رہا تھا۔ اس نے نسواری کرتہ پہنا تھا جس کے گلے پر سلور تلے کی کڑھائی تھی۔ سفید پاجامہ، پاؤں میں ہوائی چپل اور سر میں خوب تیل لگا تھا...... گھنگرالے بالوں کا گچھا ماتھے پر پڑا تھا۔ بڑی، بڑی آنکھوں میں سرمہ لگا کر ان شفاف آنکھوں کو اور بھی بڑا کر لیا گیا تھا...... لبوں پر مسکان تھی۔

''بھائی میاں ذرا آہستہ چلاؤ اپنا یہ جہاز...... ہم کوٹھیوں کے نمبر تو پڑھ لیں۔'' وہ رکشا ڈرائیور کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا۔

''آپ اس سڑک پر تیسری مرتبہ آئے ہیں، آپ کو گھر ہی نہیں مل رہا۔''

''ہاں تو کیا یونہی کسی کے گھر میں گھس جاؤں، کمال کرتے ہو تم بھی......'' وہ ہاتھ نچا کر بولا۔

''آپ پہلی مرتبہ آئے ہیں شاید......؟''

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو، پہلی بار ہی آئے ہیں ہم۔''

''تو گھر سے پتا لے کر چلنا تھا صاحب......''

''تو ہمارے ہاتھ میں جو کاغذ ہے اس پر کیا تعویذ لکھا ہے۔ اسی پر پتا ہی تو لکھا ہے۔ پاگل آدمی۔''

''تو آپ فون کر کے پتا کر لیں، فون تو ہوگا۔''

''یہ بات کی ہے ناں...... شکل تو تمہاری اچھی نہیں ہے مگر بات تم نے پتے کی، کی ہے۔ چلو پانچ روپے کرایے سے زیادہ تمہارا انعام ہو گیا...... ذرا روکنا رکشا......'' رکشا ڈرائیور ایک سائڈ پر رک گیا۔

اللہ دتہ نے کُرتے کی سائڈ پاکٹ سے موبائل نکالا اور فون کرنے لگا۔

''لو جی نیٹ ورک بزی...... بڑا خراب علاقہ ہے بھیا یہاں تو سنگل (سگنل) ہی نہیں آتے......'' اللہ دتہ بڑی بیزاری سے بولا۔

''صاحب یہ کراچی کا بہترین علاقہ ہے، ڈیفنس ہے یہ۔'' ڈرائیور بولا۔

''فون ہو نہیں رہا اور بہترین علاقہ ہے ہونہہ اس سے اچھا تو ہمارا علاقہ ہے۔ ادھر نمبر ملاؤ اُدھر کھٹ سے مل جاتا ہے چلو آگے چلو......'' اللہ دتہ ہاتھ نچا کر......

''اب کہاں چلوں دو گھنٹے تو ہو گئے ہیں آپ کو گھماتے ہوئے۔'' رکشا ڈرائیور بھی بیزار ہو گیا تھا۔

رکشا اب ہلکی رفتار سے چلا جا رہا تھا اور اللہ دتہ گردن نکال، نکال کر باہر کوٹھیوں کی نیم پلیٹ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک اس نے ڈرائیور کے کندھے پر ہاتھ مار کر ''روکو...... روکو بھائی......'' کی

صدا بلند کی۔"روکو، ارے روکو گھر مل گیا ہے۔" رکتے رکتے بھی وہ کافی آگے بڑھ گیا تھا۔ اللہ دتہ کے کہنے پر اس نے رکشا پیچھے موڑا۔

"ہاں بس یہی کوٹھی ہے چاچا جی کی۔" اس نے خوشی سے ڈرائیور کو بتایا۔ رکشے سے تقریباً چھلانگ لگا کر وہ اترا اور گیٹ پر لگی بیل کے بٹن پر ہاتھ رکھا۔

"دیکھ لیں صاحب یہی گھر ہے ناں ایسا نہ ہو واپس جانا پڑے یہاں سے تو کوئی رکشا ٹیکسی بھی نہیں ملتا۔"

"ہاں، میاں یہی گھر ہے، ہمارا دل کہتا ہے تم سامان اتار کر نیچے رکھ دو۔"

ڈرائیور نے سامان اٹھا کر گیٹ کے پاس رکھا۔ اللہ دتہ نے بڑی فراخدالی سے اسے کرایہ ادا کیا اور پھر گیٹ کی طرف مڑ گیا۔

رکشے والا چلا گیا، اللہ دتہ نے پھر بیل پر ہاتھ رکھا...... اسی اثنا میں ایک بچہ سائیکل پر گزرتے ہوئے اسے دیکھ کر بولا۔

"انکل جی لائٹ نہیں ہے، وہ چھوٹا گیٹ کھلا ہوا ہے آپ اندر چلے آئیں۔"

"ہت تیرے کی......" دیوار پر اللہ دتہ نے مکا رسید کیا اور بیگ کندھے پر ڈال کر ہاتھ میں صراحی پکڑے چھوٹے گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔

ڈرائیو وے سے گزر کر وہ اندر جانے لگا۔ پورچ میں کھڑی گاڑی کے شیشے میں اس نے اپنا عکس دیکھا اور بالوں کے گچھے کو ماتھے پر تھپتھپاتے ہوئے داخلی دروازے پر پہنچ گیا۔

اندر لاؤنج میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلی مڈ بھیڑ اس کی مشعل سے ہوئی جو دھم، دھم سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ ایک لمحے کو ٹھٹک گئی۔ اللہ دتہ اسے گول فریم کے چشمے سے آنکھیں پٹ پٹا کر دیکھنے لگا۔

مشعل آگے بڑھ کر اسے دیکھنے لگی۔ ایک کندھے پر چھوٹا بستر بند دوسرے پر ایک بیگ لٹکا اور ایک ہاتھ میں صراحی، لوٹا، دوسرے میں ٹفن...... اللہ دتہ بھی مشعل کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ مشعل اس کے چاروں اور گھوم کر دیکھنے لگی پھر غصے سے بولی۔

"کون ہو تم...... اور، اور اندر کیسے آئے؟"

وہ بھی آنکھیں پٹ پٹا رہا تھا۔

"سنو تمہیں اندر آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟" اس نے پھر کہا۔

"ہم گیٹ سے آئے ہیں۔" اللہ دتہ تھوک نگل کر معصومیت سے بولا۔

"تم ہو کون......؟" وہ تڑخ کر بولی۔

"ہم...... ہم اللہ دتہ ہیں، فرام فیصل آباد......" اللہ دتہ ہکلا کر بولا...... مشعل کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"تم...... تم اللہ دتہ ہو؟" مشعل کی آنکھوں کے سامنے ہر چیز چکرا رہی تھی، وہ ڈولنے لگی۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور پھر اپنا سر تھامتے ہوئے وہ پٹ سے گر گئی۔ اللہ دتہ کی چیخ نکل گئی۔ ہاتھ سے لوٹا اور صراحی چھوٹ گئی۔ وہ حق دق نیچے گری مشعل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بستر اور بیگ رکھ کر نیچے جھکا۔ مشعل کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہی چلانے لگا۔

"ارے کوئی ہے لڑکی بے ہوش ہو گئی ہے، پتا نہیں مر گئی ہے شاید......" اب وہ لاؤنج میں مشعل کے گرد گول، گول گھوم رہا تھا۔

"کیا ہوا، کیا ہوا......؟" سب سے پہلے اپنے کمرے سے ملیحہ باہر آئیں۔

"یہ مر گئی ہے۔" اللہ دتہ نے نیچے بے ہوش پڑی مشعل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ملیحہ گھبرا کر نیچے بیٹھ گئیں۔ مشعل کا سر اپنی گود میں رکھ کر بولیں۔

"ہائے میری مشعل میری جان آنکھیں کھولو، میری بچی کیا ہوا ہے۔" وہ مشعل کا چہرہ تھپتھپانے لگیں...... پھر اللہ دتہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''کیا ہوا ہے اسے...... ؟ اور تم کون ہو؟''

''ہم اللہ دتہ ہیں اور ہمیں نہیں خبر۔ قسم سے ہم نے کچھ نہیں کیا...... کچھ بھی نہیں......'' وہ روہانسی آواز میں بولا۔

''ارے کیا ہوگیا؟'' اتنے میں عشرت جہاں اور عائزہ بھی آگئیں۔

''ارے میرا اللہ دتہ آیا ہے، میں صدقے......'' عشرت جہاں واری صدقے ہونے لگیں۔ نیچے پڑی مشعل پر انہوں نے دھیان ہی نہیں دیا۔ وہ اس کی پیشانی چومنے لگیں۔ ملیحہ حق دق تھیں۔

''ممی کیا ہوا مشعل کو......؟'' عائزہ نے پوچھا۔

''یہ مشعل ہیں؟'' اللہ دتہ نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا ہوا ہے آخر اسے۔'' دادو بھی اب پوچھنے لگیں۔

''پتا نہیں دادو...... ہم نے انہیں اپنا نام بتایا اور یہ سنتے ہی مر گئیں۔ اب کیا ہوگا دادو، ہماری شادی کے لیے اب کوئی اور لڑکی دیکھنی پڑے گی۔''

''ارے نہیں بیٹا، تیری شادی اسی سے ہوگی۔ میرا وعدہ ہے۔'' عشرت خم ٹھونک کے بولیں۔

''اماں شادی بعد میں کروا لیجیے گا۔ پہلے مشعل کو تو کمرے میں لے چلیں۔'' ملیحہ تنک کر بولیں۔

''ہم اٹھا کے لے چلیں؟'' اللہ دتہ بولا۔

''تم اٹھاؤ گے؟'' ملیحہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں جی ہم اٹھا لیں گے، اتی سی تو ہیں۔'' ملیحہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ ملیحہ، عائزہ اور ملازمہ نے مل ملا کر بہ مشکل اسے کمرے میں لے آئیں، دادو نے بھی اپنے تئیں اسے ہاتھ لگا لیا تھا۔ ملیحہ اور عائزہ، مشعل کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگیں جبکہ دادو، اللہ دتہ کی خیر خیریت میں لگ گئیں۔

''ارے یہ کم بخت موجو کہاں مر گیا...... اللہ دتہ کے لیے شربت لائے، بچہ گرمی سے آرہا ہے۔ جاؤ بہو تم لے آؤ......'' وہ عائزہ سے بولیں مگر عائزہ پریشان سی بیٹھی مشعل کی ہتھیلیاں مسل رہی تھی۔

''تم نے آنے کی اطلاع ہی نہیں دی۔'' عشرت جہاں نہال ہو کر پوچھنے لگیں۔

''دادو کل آپ نے کہا کہ مجھے بر دکھوے کے لیے بلا رہے ہیں تو میں نے سامان اٹھایا اور اسٹیشن آگیا، پہلی ٹرین پر چڑھ بیٹھا اور آج آپ کے پاس......''

''جیتے رہو، یہ ہے فرمانبرداری......'' عشرت جہاں ملیحہ کو دیکھنے لگیں۔

''پھر بھی بتا دیتے تو عثمان گاڑی بھیج دیتا۔''

''بس دادو، ہم ہیں ایڈونچر کے شوقین سوچا آپ لوگوں کو وہ دیں کیا کہتے ہیں اسے جو اچانک آکر دیا جاتا ہے۔'' وہ اپنے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''سرپرائز......'' ایک دم ملیحہ کے منہ سے نکلا۔

''ہاں وہی...... وہی......'' اللہ دتہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر...... بولا۔ ''ہم نے سوچا سب خوش ہو جائیں مگر......'' وہ آہ بھرنے لگا۔

''ہاں آپا جی......'' جیسے وہ کچھ یاد کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ کا گیٹ کھلا ہوا تھا تبھی تو ہم اندر آگئے۔ ورنہ کوئی چور اچکا بھی آسکتا تھا، آج کل حالات بھی تو بہت خراب ہیں۔''

''گیٹ پر چوکیدار نہیں تھا۔'' ملیحہ نے بے ساختہ پوچھا۔

''گیٹ پر تو کوئی چڑا بھی نہیں تھا، آپ چوکیدار کی بات کر رہی ہیں۔ اوہ آپا جی دیکھیں مشعل کو ہوش آرہا ہے۔'' وہ مشعل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''بیٹا مشعل، آنکھیں کھولو میری جان۔'' ملیحہ جلدی سے مشعل کی طرف متوجہ ہوئیں۔ مشعل کی آنکھوں کے کونوں سے آنسو قطرہ، قطرہ گر رہے تھے۔

اختتامی حصہ اگلے ماہ

وہ آئے بزم میں......

نزہت اصغر









مایہ ناز مصنفہ رُخ چوہدری

سے دلچسپ و پُر لطف گفتگو

ساون کے مزے اٹھاتے پیارے، پیارے بلکہ بھیگے، بھیگے قارئین السلام علیکم! اچھا صرف بھیگے نہیں بلکہ بیچارے کئی تو سیلاب میں ڈوب، ڈوب گئے۔ ان سب ہم وطنوں کے لیے بے شمار دعائیں اور نیک تمنائیں جو ان مشکلات کا شکار ہوئے۔ اس افسوس ناک صورتِ حال میں دیگر اہلِ وطن نے ان کا ہر ممکن ساتھ دیا...... جو بیچارے گھر بار چھوڑ کے کیمپوں میں جا بیٹھے حکومت نے تو اقدامات کیے یا نہیں مگر سماجی اداروں اور آپ سمیت ڈھیروں ہم درد

ہم وطنوں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا یہاں تک کہ کیمپوں میں رشتے یا شادیاں اور بچوں تک کی پیدائش عمل میں آگئی اور مقامی لوگوں نے بھرپور تعاون کیا۔

ایسے میں ہماری قلم دوست اور کتاب دوست برادری نے بھی حتی المقدور ہم نوائی اور دلجوئی کی ہے مختصر زندگی میں یہ سب مراحل گزرتے رہتے ہیں۔ ہمیں ان مشکلات و واقعات سے سبق لینا ہے کہ کس طرح مصیبت میں انسان، انسان کے کام آسکتا ہے بغیر کسی نسلی، لسانی اور مذہبی امتیاز کے...... کہ یہی درسِ انسانیت اور تعلیماتِ اسلامی ہیں۔

آج آپ کی بزم میں ہماری اور آپ کی پسندیدہ رائٹر رُخ چوہدری موجود ہیں جنہوں نے اپنی تحاریر میں خالص افسانوی رنگوں کے ساتھ، ساتھ زمینی حقائق بھی ڈسکس کیے اور پسندیدگی کی سند پائی۔ ایسی حساس اور ہمدرد لکھاری کم، کم ہوتی ہیں جو ذاتی اغراض کو بالائے طاق رکھ کے درست حقائق قلم بند کر کے دلوں میں گھر کر جانے والی تحریریں نذر قارئین کرتی ہیں اور ایسے ہلکے اور پُرلطف انداز میں کہ قاری فکرِ فردا میں مبتلا ہونے کے بجائے خوش گمان ہونے لگتا ہے۔ چلیں اب ہم اپنی مہمان سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں اور ہاں ان سے تصویری ملاقات کا نہیں بلکہ تحریری ملاقات کا لطف اٹھاتے ہیں۔

☆☆☆

رخ چوہدری ❖...... الحمدللہ رب العالمین...... پاکیزہ ڈائجسٹ اور پاکیزہ کی پیاری، پیاری ٹیم کو السلام علیکم......

گفتگو کے باقاعدہ آغاز سے قبل میں ہمیشہ والی بات دُہراؤں گی کہ پاکیزہ ڈائجسٹ ماشاء اللہ وہ ڈائجسٹ ہے جس نے ہمیشہ نئے پرانے لکھاریوں کو نہ صرف یاد رکھا ہے بلکہ ان کی ذاتی مصروفیات، خوشیوں اور غموں کو بھی قارئین سے شیئر کیا ہے جو بہت اچھی اور منفرد خوبی ہے یہی پاکیزہ کا خاصہ ہے۔

محترمہ عذرا رسول جو اس سفینے کی اونر ہیں، انجم انصار کپتانی کے فرائض ماشاء اللہ بڑی خوب صورتی سے نبھا رہی ہیں جنھوں نے رائٹر اور پاکیزہ کو جوڑ کر رکھا ہوا ہے اور اب میری دوست نزہت اصغر جو بے حد پیاری اور اچھی دوست ہیں۔ میں آپ سب کی محبتوں کی سچ میں مقروض ہوں اسی لیے جب آپ کی طرف سے اس بزم کی دعوت ملی تو جیسے میرے دل کے خاموش سمندر میں کسی نے کنکر اچھال کر مرتعش کر دیا ہو۔ اللہ رب العزت کا تو میں شکرانہ ادا کر بھی نہیں سکتی جو اتنے پیارے لوگوں کو مجھ پر مہربان کرتا ہے، ہاں آپ سب کی مشکور ضرور ہوں۔

پاکیزہ ✧...... سب سے پہلے تو یہ بتائیں عرصہ دراز سے ڈائجسٹ سے دوری کی کیا وجہ ہے؟

رخ چوہدری ❖...... اتنے عرصے سے قلم اور ڈائجسٹ سے دوری اندرونی اور بیرونی حالات ہیں...... جو میں انجم انصار جیسی مخلص ہستی سے شیئر کرتی رہی اور وہ تمام قارئین سے شیئر کرتی رہیں۔ والدین جیسی ہستیوں کا چلے جانا کسی بھی اولاد کے لیے کس قدر بڑا صدمہ ہے، یہ درد، یہ کیفیت وہ تمام لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو میری طرح اس نعمت سے محروم ہو چکے ہیں۔ میرے جیسی حساس رائٹر کے لیے ان ہستیوں کے جانے کا صدمہ ایسا نہیں تھا کہ میں ایک دو سال میں بہل جاتی۔ ہر چند کہ میں خود اس بات کو سمجھتی ہوں کہ حقیقت کو جتنی جلدی تسلیم کر لیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔

پاکیزہ ✧...... آپ تو کافی عرصے سے لکھ رہی ہیں پر اب خواہش نہیں ہوتی کہ دوبارہ سے قارئین سے رابطے میں رہیں؟

رخ چوہدری ❖...... کیوں نہیں، میں تو ہر وقت اپنے قارئین سے رابطے میں رہنا چاہتی ہوں۔ قاری اور ادیب میں اللہ پاک نے بڑا پاکیزہ رشتہ قائم کیا ہے کہ رائٹر اپنی سوچ کو لفظی پیراہن دے کر قاری کے سامنے پیش کرتا ہے پھر قاری کی تعریف یا تنقید نہ صرف اس کا حوصلہ بڑھاتے ہیں بلکہ تعمیری اور اصلاحی تنقید سے وہ اپنی تحریر کے نقائص دور کر کے اپنی تحریر کو مزید

خوب صورت بنا سکتا ہے.....(یہ تو ہے)

پاکیزہ ✧.......نہ صرف آپ بلکہ آپ کی بہن بھی لکھا کرتی تھیں، ان کے بارے میں کچھ بتائیں؟

رخ چوہدری ❖.......جی الحمدللہ لکھا کرتی تھی اور اب بھی گاڑی اسٹارٹ کر رہی ہے یعنی ناہید چوہدری صاحبہ جو اب سالوں بعد ایک آدھ مکمل ناول تحریر کر رہی ہیں اور انشاء اللہ بہت جلدی قارئین انہیں پڑھ سکیں گے۔ ویسے ان کو اپنے کچن سے بہت پیار ہے۔ کھانے بنا، بنا کر کھلانا خود بھی موٹا ہونا اور دوسروں کو بھی کرنا۔ (یہ تو بڑے ثواب کا کام ہے بھئی)

پاکیزہ ✧......چلیں اب ماہنامہ پاکیزہ سے ابتدائی ملاقاتوں کی کچھ روداد ہمارے قارئین کو بھی سنائیں؟

رخ چوہدری ❖.......ہائے! نزہت بہت دور لے گیا آپ کا یہ سوال..... جب پیاری سی ہستی انجم انصار سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ ایک ڈائجسٹ کے کسی موقع پر...... اس شیریں سخن محبتوں کے جھرنے سے ملاقات ہوئی ان کے انداز میں مخاطب کے لیے اتنا پیار ہوتا ہے کہ بندہ ان کے لیے ہر طرح کا رسک لے لیتا ہے۔ شاید انجم کو وہ تقریب یاد نہ ہو۔ البتہ مجھے تو بہت اچھی طرح یاد ہے۔ ایسے لوگ جن کو آئیڈیل بناتے ہیں، دور سے ان کو حسرت سے دیکھتے ہیں تو وہی پرسنیلٹی آپ کے قریب آتی ہے، محبت سے آپ کو لکھنے کی دعوت دیتی ہے تو جب آپ کم عمر بھی ہوتے ہیں ڈھیروں خواب آنکھوں اور ان گنت سوچیں الفاظ کا پیراہن بن کر افسانے یا ناول میں ڈھل کر اپنے قارئین کی نذر کرنے کا شوق ہوتا ہے تو اتنی پیاری آفر پر آپ فوراً حامی بھر لیتے ہیں۔ ”رخ بیٹا تمہاری تحریر زندہ تحریر ہے، بہت اچھا لکھتی ہو ہمارے پاکیزہ کے لیے لکھنا۔“ اتنی بڑی رائٹر جنہیں میں آئیڈیلائز کرتی تھی اس آفر پر کئی افسانے ان کی محبت کی نذر کیے اور الحمدللہ ......پاکیزہ کے قارئین نے اتنی پزیرائی دی بس کچھ نہ بتانے والی مجبوریوں کی وجہ سے میرا زیادہ تحریری سفر تو پاکیزہ کے ساتھ نہیں گزرا البتہ پاکیزہ کے ساتھ محبتوں کا سفر تا دم حیات رہے گا، انشاء اللہ......!

پاکیزہ ✧......رخ آپ نے ہر قسم کے افسانے، کہانیاں وغیرہ لکھیں اب ٹی وی کے لیے پلے لکھے...... یہ تبدیلی کیسی لگی؟

رخ چوہدری ❖ ......ڈائجسٹ اور ٹی وی دونوں مختلف میڈیم ہیں، ہوسکتا ہے دوسرے لکھاری بھی مجھ سے اتفاق کریں کہ افسانہ، ناول لکھ کر ایک رائٹر کو جو سکون اور اچھا لگتا ہے......وہ شاید ڈراما لکھ کر نہیں، ہم جب کسی خیال کو افسانے میں لفظوں کی صورت میں بیان کرتے ہیں تو ایک تسلی سی ہو جاتی ہے کہ ہاں آپ اپنی فیلنگز کو اپنے قاری تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے ہیں......اور آپ کی تحریر ذہنوں میں گھر کر جاتی ہے اور اچھے جملوں اور اچھے زبان و بیان کو پڑھنے والے بار، بار پڑھ کر محظوظ ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ڈراما کچھ نہیں...... اچھا جملہ ناول، افسانے میں لکھا جائے یا ڈرامے میں بولا جائے ......پسند ضرور کیا جاتا ہے۔ یوں بھی ڈرامے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا......رائٹرز ہی کو معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا کون سا سیریل کس چینل سے کس وقت آ رہا ہے......اب ہر کوئی میری طرح تھوڑی ہے کہ سالوں میں ایک آدھ سیریل یا سوپ لکھ لیا پھر سالوں تک چھٹی، میں بہت سست رائٹر ہوں...... یقیناً آپ لوگ میرے اس اقبالی بیان سے متفق ہوں گے۔ (بالکل ہیں)

پاکیزہ ✧......آپ نے اپنی تحریریں مجموعوں کی شکل میں مرتب کی ہیں؟

رخ چوہدری ❖ ......الحمدللہ میرے ربِ عظیم نے اتنی بڑی نعمت اور حیثیت سے نوازا ہے مگر میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے اپنے قلم سے وہ کام نہیں لیا جو لینا چاہیے تھا۔ یعنی کہ جب سے قلمی سفر شروع کیا ہے میرے ڈھیروں ناول ہونے چاہیے تھے لیکن ایسا نہیں چند ایک ہیں۔

سیپ، صدف اور ساحل پاکیزہ میں چھپا ہوا ناول

ہے۔ جو آپ کی تعریف اور تنقید کی نظر میں رہا اس کے علاوہ ساحلوں کے گیت سمیت تقریباً بارہ ناول اور افسانوی مجموعے ہیں۔ یہ سب قارئین نے بہت پسند کیے ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کو ان گزرتے سالوں میں ماحول کے حساب سے موضوعات بدلنے اور لکھنے میں دشواری تو نہیں ہوئی؟

رخ چوہدری ❖......بدلتے ہوئے حالات اور گزرتا ہوا وقت ہر انسان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کچھ لوگ جو میری طرح ضرورت سے زیادہ حساس ہوتے ہیں وہ کسی تبدیلی کو آسانی سے ہضم نہیں کرپاتے...... اور یہ حقیقت ہے کہ تبدیلی نئے موضوعات کو جنم دیتی ہے۔ یقیناً کچھ موضوعات ایسے ہیں کہ جن پر میں لکھنا چاہتی ہوں مگر نہیں لکھ پاتی جیسے جادو...... اس پر بہت تلخ حقائق میرے مشاہدے میں آئے ہیں اور میں نے چاہا کہ ان کو ایسا ہی لکھ پاؤں مگر نہیں لکھ پائی۔

پاکیزہ ✧......آپ نے جو کچھ بھی لکھا، آج کس حد تک اس سے مطمئن ہیں؟

رخ چوہدری ❖......اللہ جانتا ہے قطعی نہیں، میں کبھی اپنی کسی تحریر سے مطمئن نہیں ہوئی جب بھی کچھ لکھا اتنی تشنگی رہی کہ جی چاہا کہ پھاڑ کر پھینک دوں...... اور جب وہی تحریر میرے قارئین کی پسندیدگی کی سند حاصل کرلیتی ہے تو اللہ رب العزت کی شکر گزار ہوتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......ابھی کون سے موضوعات ایسے ہیں جن پر قلم آزمائی کرنا چاہیں گی؟

رخ چوہدری ❖......میرا پیغام ہمیشہ سے محبت رہا ہے......ضروری نہیں کہ وہ محبت صرف ہیرو اور ہیروئن کے درمیان ہو، محبت ہر رشتے کو خوب صورت بنادیتی ہے۔ ہر مسئلے کو آسان بنادیتی ہے۔ افسانوی زبان میں عام طور پر ہیرو، ہیروئن کی محبت کا نام افسانہ ہے اور میں نے بھی اسی روایتی انداز میں لکھنا شروع کیا یعنی ہیرو، ہیروئن کی اتفاقی ملاقات پہلے لڑائی، جھگڑا درمیان میں چند مسائل اور پھر ملاقات...... اب البتہ دل چاہتا ہے کہ مختلف موضوعات پر افسانہ لکھوں اور موجودہ دور کے بدلتے ہوئے معاشرتی حالات نے کچھ نئے اور خوفناک حقائق کو جنم دیا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ ان سب پر بھی لکھوں۔ (ضرور لکھیں)

پاکیزہ ✧...... اپنے ہم عصروں میں کس سے متاثر ہوئیں اور کیوں؟

رخ چوہدری ❖......میرے ہم عصروں میں ماہا ملک ہے، ثمرہ بخاری، سیما مناف ہیں اور اقبال بانو ہیں...... اور بھی بہت سی ہم عصر ہیں جو آج کے بڑے نام ہیں۔ رہی بات میرے متاثر ہونے کی تو اس کی اتنی وجوہات ہیں کہ صفحات کم پڑجائیں گے...... اور کیوں ہوں اس کی بھی بہت سی وجوہات ہیں...... ایک وجہ تو یہ ہے میں چاہتی تھی کہ میری تحریر بھی اچھی ہوجائے۔

پاکیزہ ✧......ہم عصروں سے پہلے سینئرز آپ کے فن پر کس طرح اثر انداز ہوئے اور آپ نے ان سے کیا سیکھا؟

رخ چوہدری ❖......میں جب اس میدان میں اتری تو میرے سینئرز میں بڑے، بڑے نام تھے۔ جیسے طنز و مزاح کی ملکہ انجم انصار چونکہ میں بھی ان کے انداز کی فیملی سے تعلق رکھتی ہوں......یعنی قدرے ہلکا، پھلکا اندازِ تحریر...... ان سے تو بہت سیکھا...... نگہت عبداللہ، آسیہ رزاقی، زہرہ جبیں اور منظر کشی نے مجھے جس کی بہت متاثر کیا وہ ہیں رفعت ناہید سجاد، میں ان سے بہت متاثر ہوئی اور سیکھا ان سے کہ ماحول کی منظر کشی کیسے کی جاتی ہے۔ اندازِ تحریر تو ہر کسی کا اپنا ہوتا ہے۔ مگر گہرے خیال اور سوچ کو لفظوں میں خوب صورتی سے ڈھالنے کے لیے اتنے ہی خوب صورت لوگوں کو پڑھنا چاہیے۔

پاکیزہ ✧......آج کی رائٹرز افسانے، ناولٹ اور ناولوں کے مروجہ انداز و معیار کا خیال رکھتی ہیں؟

رخ چوہدری ❖......اپنی سوچ کو الفاظ میں ڈھالنے کا، حقائق کو اسی حساب سے الفاظ دینا، یہ سب ہر رائٹر کا اپنا انداز ہے۔ ہم سے سینئرز جس دنیا میں جن

مسائل میں جی رہے تھے، اپنے محسوسات کو انہوں نے اپنے انداز میں بیان کیا...... اور میں مانتی ہوں کہ ہم سے پہلے لوگ بہت مطالعہ کرتے تھے تحقیق کرتے تھے پھر ہمارا دور آیا، ہم نے اپنے انداز میں اپنے محسوسات کو ڈھالا...... البتہ آج کے نئے رائٹرز وقت و حالات کی وجہ سے بہت بولڈ ہیں۔ کچھ تو واقعی افسانے کے مروجہ اصولوں کو اچھی طرح سے نبھاتی اور کچھ ایسا نہیں بھی کر پاتیں۔

پاکیزہ ✧......آج کے رائٹرز میں آپ کو کیا خوبی اور کیا خامی نظر آتی ہے؟

رخ چوہدری ❖......آج کے رائٹرز بھی اچھا لکھ رہے ہیں، بولڈ یعنی جو کہنا چاہیے جھٹ پٹ کہہ جاتے ہیں۔ میری ذاتی رائے میں بعض اوقات حیا کے تقاضوں کو بھی بالائے طاق رکھ کر لکھا جارہا ہے۔ ''ضرورت کے ساتھ۔'' البتہ یہ ضرور ہے کہ موضوعاتی افسانہ لکھا جارہا ہے۔ کچھ جونیئرز کو میں نے پڑھا ہے۔ ان میں ایک رائٹر عنیقہ محمد بیگ بھی ہیں۔ ان کے پاس ہٹ کر موضوعات ہیں۔

پاکیزہ ✧......اب تو ڈائجسٹ رائٹرز کی خوب پزیرائی، خوب واہ واہ ہو رہی ہے...... ایسا کیوں ہے؟

رخ چوہدری ❖......اس لیے کہ ڈائجسٹ رائٹرز اپنی تحریر میں وہی کچھ پیش کر رہی ہیں جو معاشرے میں ہو رہا ہے۔ کچھ رائٹرز تو اتنا حقیقت کے قریب اسکرپٹ لکھ رہی ہیں کہ ناظرین باقاعدہ اگلی قسط کا انتظار کرتے ہیں۔ مثلاً پچھلے دنوں...... مدیحہ شاہد کا ڈائجسٹ رائٹر چل رہا تھا۔ اس کا ایک، ایک جملہ ایک، ایک سین حقیقت پر مبنی تھا، میں تو خود اس ڈرامے کے متاثرین میں سے ہوں باقاعدہ اگلی قسط کا انتظار کیا کرتی تھی۔ معاشرتی مسائل پر سادہ زبان میں لکھا جانے والا ڈراما آج کل ناظرین کی توجہ حاصل کر رہا ہے۔ رفعت سراج، عمیرہ احمد، فائزہ افتخار، ماہا ملک، ثمرہ بخاری، سیما مناف، نگہت عبداللہ، انجم دی گریٹ سب ڈائجسٹ رائٹرز بھی ہیں جن کے ڈراموں نے دیکھنے والوں کو اپنی گرفت میں کر رکھا ہے۔

پاکیزہ ✧......اگر کوئی کہانی ڈائجسٹ میں چھپی ہو اور پھر اس کی ڈرامائی تشکیل ہو تو کیا اس کا حسن اور تاثر وہی رہتا ہے یا اچھا یا برا ہو جاتا ہے؟

رخ چوہدری ❖......ہوتا ہے بہت زیادہ اس کا حسن متاثر ہوتا ہے...... یا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کہانی اتنی خوب صورت نہیں ہوتی مگر جب اسے ڈرامے میں ڈھالا جاتا ہے تو وہ بہت خوب صورت لگتی ہے لیکن میرے ساتھ کچھ الٹ ہوا۔

پاکیزہ ✧......آپ پہلے پاکیزہ میں باقاعدگی سے تبصرے اور رپورٹس لکھا کرتی تھیں اب کیوں غیر حاضر ہیں؟

رخ چوہدری ❖......گزرے ہوئے وقت اور بدلتے ہوئے حالات نے زندگی کا نقشہ کافی حد تک بدل دیا ہے۔ پہلے پاکیزہ کی تقاریب ہوا کرتی تھیں۔ انجم محبت سے بلایا کرتی تھیں، ہم بھی بھائیوں کی منت کر کے لنچ میں جایا کرتے تھے مگر پھر ابو کی بیماری اور پھر ان کا چلے جانا...... زندگی کو بدلنے کے لیے کافی تھا۔ لیکن پھر بھی پاکیزہ سے محبت کا رشتہ ہے۔ کوشش کروں گی کہ پھر سے تبصرہ لے کر حاضر ہو جاؤں۔ (انتظار رہے گا)

پاکیزہ ✧......بنیادی طور پر آپ کو خود کیسی تحریریں پڑھنا اور پھر لکھنا پسند ہیں؟

رخ چوہدری ❖......مجھے بذاتِ خود وہ تحریر پسند ہے۔ جس میں خیال کی خوب صورتی کے ساتھ الفاظ بھی سادہ ہوں۔ لہجے کی چاشنی ذوقِ سلیم کو بھی بھا جائے۔ ہلکے پھلکے موڈ کی تحریر مجھے ڈرامے میں اچھی لگتی ہے جبکہ پڑھنے میں ہمیشہ سنجیدہ تحریر...... ہمارے بہت رائٹرز بہت اچھا لکھ رہے ہیں کہانی سے قطع نظر مجھے الفاظ کا چناؤ اور جملے کی چاشنی متاثر کرتی ہے۔

پاکیزہ ✧......عام طور پر گھر والے قلمکاروں کی درست اہمیت نہیں جانتے، ان کی حیثیت سے آگاہ نہیں ہو پاتے...... آپ کو خود کیسا تجربہ ہوا؟

رخ چوہدری ❖......الحمدللہ رب العالمین......میرا شمار ان خوش نصیب لوگوں میں ہوتا ہے جن کو بے شمار چاہنے والے ملتے ہیں......میں گھر کی پہلی جبکہ خاندان کی بھی پہلی لڑکی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے لکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ میرے ابو بے حد خوش ہوتے، میری تحریروں کے چھپنے پر تنقیدی خطوط میں میرے لیے آئے ہوئے خطوں کو مارک کر کے ایک کر لیتے۔ امی کی دعائیں میری ہر تحریر کی کامیابی ہوا کرتی اور یہ بھی وجہ ہے جب ابو تھے، امی تھیں، میں نے بہت لکھا جب امی، ابو نہیں رہے لکھنا بھی تقریباً چھوٹ گیا ہے۔ (اب ان کی یاد کے سہارے لکھیں ماں، باپ کی دعائیں تو سدا ساتھ رہتی ہیں)

پاکیزہ ✧......گھر والوں کے تعاون کی صورت میں ایک لکھاری کے جوہر میں کیسا نکھار پیدا ہوتا ہے؟

رخ چوہدری ❖......بالکل آپ کے پہلے نقاد، پہلے حمایتی آپ کے گھر والے ہوتے ہیں۔ گھر والے آپ کے کام میں پرفیکشن لانے کے لیے تنقید کرتے ہیں تاکہ آپ بہتر پرفارم کر سکیں اور گھر والوں کی تعریف آپ کو مزید آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے اور......میں اللہ رب العزت کا شکرانہ ادا نہیں کر سکتی کہ مجھے اتنے پیارے اتنے understanding گھر والے دیے......میری بہت بڑی نقاد......میری بہن ناہید چوہدری ہے جب تک یہ میری کسی تحریر کو اپروو نہیں کر دیتی، مجھے اطمینان نہیں ہوتا۔ اس کی تعریف یا تنقید دونوں ہی میری تحریر کو خوب سے خوب بناتے ہیں۔ (واہ بھئی)

پاکیزہ ✧......اپنے طالب علمی کے زمانے کا کوئی دلچسپ واقعہ؟

رخ چوہدری ❖......طالب علمی کا دور تو سب جانتے ہیں ہوتا بھی خوب صورت ہے۔ بہت سے واقعات ذہن میں آ رہے ہیں مگر مصلحتاً بتا نہیں سکتی کہیں کوئی ساتھی پڑھ لے تو مائنڈ نہیں کر جائے۔

پاکیزہ ✧......اچھا آپ نے کیسا بچپن، لڑکپن اور دورِ طالب علمی گزارا؟

رخ چوہدری ❖......بچپن بے حد خوب صورت جیسے تتلیوں کے پیچھے بھاگتے گزرا ہو......لڑکپن معصوم اور فرمانبردار گزرا ہے......دورِ طالب علمی......پڑھاکو، الحمدللہ میں نے آرٹس بھی اتنی ہی محنت سے پڑھی جیسے ڈاکٹر ملی کی پڑھائی کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......کیا لڑکپن کی سہیلیاں آج بھی رابطے میں ہیں؟

رخ چوہدری ❖......2010ء تک تو تھیں مگر اس کے بعد سے تمام رابطے ٹوٹ گئے......یوں اجنبی ہوئے کہ جیسے کبھی ملے بھی نہیں تھے، ایک غلط فہمی نے میری عزیز از جان دوست کو اتنا بدظن کر دیا کہ میں اب اس کا نام بھی نہیں لکھ پا رہی جبکہ اس سے پہلے میں ہر انٹرویو... میں اس کا ذکر کیا کرتی تھی......نام کے ساتھ۔ ہماری بہت پیاری دوستی تھی، ہم دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے تھے، وہ مجھے مجھ سے زیادہ جانتی تھی مگر جانے کس کی نظر لگ گئی ہماری بچپن کی دوستی کو......میں نے بڑی محبت سے پاکیزہ میں شائع ہونے والا ناول۔ سیپ، صدف اور ساحل......اس کے نام کیا اور جب اسے دینے کا وقت آیا تو وہ روٹھ گئی۔ حضرت علیؓ کے قول کے مطابق ”روٹھے دوست کو جتنی جلدی ہو منا لو......ایسا نہ ہو اسے تمہارے بغیر جینے کی عادت ہو جائے......“ میں نے بہت منایا مگر وہ نہیں مانی......اس کی مرضی۔

پاکیزہ ✧......ماحول کے لحاظ سے کیا آج کل کی بچیاں زیادہ عدم تحفظ کا شکار ہیں یا پھر وہ خود ہی ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کے لیے تیار رہتی ہیں؟

رخ چوہدری ❖......آج کا جو ماحول ہے وہ ایسا ہے کہ بچیاں تو کیا بڑی عمر کی خواتین بھی آزادانہ نکلنے سے ڈرتی ہیں......ویسے تو عورت ہمیشہ ہی عدم تحفظ کا شکار رہی ہے لیکن پہلے پھر بھی کوئی شرم لحاظ تھا مگر اب تو ماحول اتنا اوپن ہو گیا ہے کہ اللہ کی پناہ اور میں نے دیکھا ہے کہ آج کل کی کم عمر لڑکیاں کافی بولڈ ہیں، ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......اپنی فیملی کا مختصر اتعارف کرائیں، کس رشتے میں زیادہ دوستی اور ذہنی ہم آہنگی ہوتی ہے؟

رخ چوہدری ❖......میرے پیارے امی، ابو جنت کی وادیوں میں جا چکے ہیں......ہم چھ بہنیں اور اللہ سلامت رکھے تین بھائی ہیں۔ الحمدللہ ویسے تو ہمارے والدین اور ہم بہن بھائیوں میں دوستانہ رشتہ تھا اور ہے بھی جیسے کہ ہر گھر میں ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی ایسا ہی رہا کہ ہماری امی سے زیادہ دوستی تھی، ایسی دوستی کہ ہم امی سے سب کچھ شیئر کیا کرتے تھے۔ ابو ذرا چڑ بھی جایا کرتے کہ اپنی ماں کے حجرے میں گھسے رہتے ہیں سب...... وہ پیارے دن اور وہ کیا پیاری باتیں...... آہ...... امی کے بعد بہن بہترین دوست ہوتی ہے۔ باجی رخشندہ لئیق بارعب شخصیت ہیں، دوستی تو اتنی نہیں رہی بس رعب میں رہے البتہ میری، ریحانہ اور ناہید کی بہت دوستی رہی اور ماشاء اللہ ہے۔ فوزیہ اور فرزانہ سب سے چھوٹی ہیں، ادب واحترام کا رشتہ رہا۔ میں سمجھتی ہوں بہن اور ماں سے بڑھ کر آپ کا کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔ (جی بالکل)

پاکیزہ ✧......آپ کا رویہ سامنے والے کے عمل ردِ عمل پر منحصر ہوتا ہے یا اپنے کچھ یقینی اصول وضوابط ہیں؟

رخ چوہدری ❖......دیکھیں آپ کا اخلاق آپ کا رویہ وہی ہوتا ہے جو آپ کی نیچر ہوتی ہے یا آپ کی تربیت اور میری تربیت کرنے والی میری ماں نے ہمیشہ دوسروں کی عزت کرنے کی تاکید کی......اور یوں بھی دوسروں کے رویے میرے لیے اہم ہوتے ہیں، میں نے کچھ لوگوں کے اتنے برے رویے بھی فیس کیے...... دل چاہا کہ سب کچھ بالائے طاق رکھ کر میں......مگر پیاری ماں کی تربیت کہ اللہ پاک درگزر کو پسند فرماتا ہے۔ یہیں بات ختم ہو جاتی ہے۔ (بہت خوب صورت بات کی)

پاکیزہ ✧......کیسے مزاج کے لوگوں میں جلد گھل مل جاتی ہیں؟

رخ چوہدری ❖......سادہ مزاج کی ہوں اور سادہ مزاج کے لوگوں کو پسند کرتی ہوں......ہر چند کہ میرے حلقۂ یاراں میں ہر مزاج اور رویے کے لوگ ہیں مگر میں ان سے زیادہ خوش ہوتی ہوں جن کے قول اور عمل میں فرق نہیں ہوتا۔ (کاش کہ سب ایسے ہی ہو جائیں)

پاکیزہ ✧......آپ کی نظر میں ایک عورت پرفیکٹ کیسے بن سکتی ہے؟

رخ چوہدری ❖......صرف وہ عورت جو ہر رشتے کی اہمیت کو سمجھتی ہو اس کی اہمیت کو مانتی ہو اور اسے اچھی طرح نبھاتی ہو......خواہ وہ رشتے میکے کے ہوں یا سسرال کے......حلیم الطبع ہو با اخلاق ہو نرم مزاج ہو اور سب سے بڑھ کر معاملہ فہم ہو......کیونکہ اگر عورت سمجھدار اور معاملہ فہم ہو تو بڑے سے بڑے مسئلے کو حل کر لیتی ہے۔ (جی ہاں)

پاکیزہ ✧......کیا ہمارے معاشرے میں عورت، مرد اپنے، اپنے حقوق وفرائض نبھا رہے ہیں اگر نہیں تو کیوں؟

رخ چوہدری ❖......میرے مشاہدے میں جو بات آئی ہے کہ میدان کوئی بھی ہو عورت ہی اپنے فرائض ادا کرتی نظر آتی ہے۔ جیسے آپ ملازماؤں کے طبقے کو لے لیں بس گھروں میں کام کرنے والی یہ ماسیاں صبح سے شام تک نہ صرف مالکوں کے کام کرتی ہیں باتیں بھی سنتی ہیں، گھر جاتی ہیں تو نکمے شوہر منہ میں گٹکا بھرے پیسے مانگ رہے ہوتے ہیں۔ چلیے یہ تو لوگ ہیں ان پڑھ مگر پڑھے، لکھے طبقے میں بھی ہمیں عورت اپنے فرائض برابر سے ادا کرتی نظر آتی ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ تحریکِ حقوقِ نسواں کی علم بردار ہیں یا مرد کی حاکمیت کی طرفدار......؟

رخ چوہدری ❖......دیکھیں میں جائز حقوق کے حق میں ہوں یعنی عورت کا حق ہے کہ اسے عزت دی جائے اس کا ساتھ دیا جائے اس کی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔ اب اگر عورت چاہے کہ شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر وہ کام بھی کرے جس کی نہ دین اجازت دیتا ہے نہ اخلاقیات تو ایسے حقوقِ نسواں کے تو میں ہرگز حق

پرانا اور اٹوٹ ہے جتنا میرا تحریری سفر...... میں ہمیشہ ہی سے کہتی آئی ہوں کہ پاکیزہ ڈائجسٹ کے کچھ سلسلے ایسے ہیں جن کی وجہ سے پاکیزہ اپنے قارئین میں بے حد مقبول ہے۔ پاکیزہ کی قاری اور رائٹرز کو جوڑے رکھنے کی ادا مجھے بے حد پسند ہے۔ بہنوں کی محفل میں جس طرح انجم قارئین اور رائٹرز کے بارے میں بات کر رہی ہوتی ہیں یوں لگتا ہے سب لاؤنج میں بیٹھ کر اپنے پن سے بات کہہ سن رہے ہیں۔ پاکیزہ کی ساری ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے۔ (بہت شکریہ! یہی تو ہماری انفرادیت ہے)

پاکیزہ ✧...... ہماری بزم میں آ کر کیسا لگا...... ہم سب کے لیے کوئی خصوصی دعا......؟

رخ چوہدری ❖...... بیان سے باہر ہے کہ کتنا اچھا لگا...... جب دوسری رائٹرز کے انٹرویوز پڑھ رہی تھی...... تو اندر ہی اندر کچھ احساسِ کمتری کا شکار بھی ہو رہی تھی کہ مجھے تو اس قابل ہی نہیں سمجھا جا رہا تو ابھی یہ خواہش ابھری ہی تھی کہ آپ (نزہت اصغر) جو پاکیزہ کی ٹیم میں ایک ذہین اضافہ تو ہیں ہی، میرے دوستوں کی فہرست میں بھی بہترین اضافہ ہیں کی جانب سے یہ سوالنامہ ملا بلکہ میں تو اسے محبت نامہ کہوں گی۔ بہت اچھا۔ آپ سب کے لیے خصوصی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب معراج رسول صاحب، عذرا رسول صاحبہ کو انجم انصار صاحبہ اور آپ کو زندگی دصحت دے، خوش اور خوشحال رکھے۔ اللہ پاکیزہ کی پوری ٹیم کو بھی خوش رکھے کہ پاکیزہ کو اسی طرح اپنی محبت اور محنت سے سجاتے رہیں۔ (اللہ آپ جیسے پُرخلوص ساتھیوں کو بھی صحت وسلامتی سے رکھے)

پاکیزہ ✧...... کوئی ایسی خواہش، حسرت، تمنا، آرزو یا بات جس کو فوراً پورا کرنا چاہتی ہوں؟

رخ چوہدری ❖...... دنیاوی اعتبار سے الحمد للہ کوئی خواہش تشنہ نہیں، دینی اعتبار سے میں اب چاہتی ہوں کہ زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کروں، دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے۔ (الٰہی آمین)

پاکیزہ ✧...... الہ دین کا چراغ مل جائے تو کیا کریں گی؟

رخ چوہدری ❖...... الہ دین کا چراغ مل جائے تو اسے حکم نہیں دوں گی التجا کروں کہ جاؤ ان دہشت گرد خونیوں کو پکڑ لاؤ جنہوں نے 16 دسمبر کو پشاور APS میں خون کی ہولی کھیلی اور ہمارے معصوم کلیوں جیسے بچوں کو گاجر، مولی سے زیادہ بے دردی سے شہید کیا ہے...... اور ان کو ایسے، ایسے کاٹو کہ نہ وہ مر سکیں نہ جی سکیں۔ (ہم سب آپ کے ساتھ ہیں)

پاکیزہ ✧...... کسی یادگار شعر پر اختتام کریں۔

رخ چوہدری ❖...... فیض احمد فیض کا یہ شعر بہت پسند ہے۔

پل بھر کے لیے یوں آنکھ لگی تھی
سو کر ہی نہ اٹھیں یہ ارادہ تو نہیں تھا

☆☆☆

بہت نوازش کرم شکریہ رخ چوہدری آپ نے بہت مزیدار سیر حاصل گفتگو کی۔

جی قارئین امید ہے آج کی اس بزم سے بھی آپ بھرپور محظوظ ہوئے ہوں گے۔ باتیں تو اور بھی ہو سکتی تھیں مگر پھر کبھی سہی...... انشاء اللہ اب کی دفعہ جلدی بزم سجائیں گے۔ آپ کی فرمائشات سرآنکھوں پر...... اب اجازت دیجیے کہ وقت کم اور مقابلہ سخت ہے۔ ہمیں ابھی اپنی اور ڈھیر ساری رائٹرز کو مہمانِ خاص بنانا ہے اور یہ سب آپ قارئین کے تعاون سے ہی ممکن ہے لہٰذا اپنی آرا، تنقید اور مشوروں سے نوازتے رہیں۔ اللہ ہم سب کا ناصر و مددگار ہو...... اس بات کے ساتھ اگلی محفل تک اجازت کہ خوش رکھنا اور خوش رہنا سیکھیں۔

انشاء اللہ اگلی بزم میں کسی اور کہنہ مشق رائٹر کے ساتھ دلچسپ گفتگو لے کر حاضر ہوں گے۔

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆



اختر شجاعت

محبتِ الٰہی

تمام تر حمد وثنا اللہ رب العزت کے لیے جو پاک ہے جو عزت، بزرگی، بڑائی اور قدرت والا ہے...... وہ بہت ہی مقدس ہے۔

میرے معبود کون ہے جو تیری شیرینی کا مزہ چکھے اور پھر اس میں تبدیلی کی خواہش کرے...... اور کون ہے جو تیری نزدیکی سے مانوس ہو اور پھر اس سے دوری ڈھونڈے...... میرے معبود! مجھے ان لوگوں میں قرار دے جن کو تو نے قرب ودوستی کے لیے پسند فرمایا۔ اور جن کو اپنی چاہت اور محبت میں خالص کیا ہے۔ جنہیں اپنی رضا سے نوازا ہے، اپنی معرفت کے لیے خاص کیا، اپنی عبادت کا اہل بنایا۔ ان کو اپنے جلوؤں کے مشاہدے کے لیے چن لیا...... ان کے چہروں کو اپنے حضور جھکایا اور ان کے دلوں کو اپنی محبت کے لیے فارغ کیا تو نے ان سے وہ تمام چیزیں الگ کر دیں جو انہیں تجھ سے جدا کر سکتی تھیں۔ اے معبود! ہمیں ان لوگوں میں قرار دے جو تیری بارگاہ میں اپنی پیشانیاں جھکائے رکھتے ہیں۔ ان کی آنکھیں تیرے حضور بیدار رہتی ہیں، تیرے خوف میں ان کے آنسو رواں ہیں ...... بارِ الٰہی ہم تجھ سے تیری محبت اور تجھ سے محبت کرنے والوں کی محبت مانگتے ہیں۔ ہر اس عمل کی محبت جو مجھے تیرے نزدیک کرنے والا ہو...... اپنی نظرِ عنایت کر کے ہم پر احسان فرما، ہمیں نرمی اور محبت کی نظروں سے دیکھ اور ہم سے اپنی توجہ ہٹا نہ لے۔ اے دعا قبول کرنے والے...... سب سے زیادہ رحم کرنے والے...... رحمت نازل ہو اور درود وسلام اس ذاتِ اقدس پر اور ان کی آل پر جن کو خدائے بزرگ و برتر نے تمام انسانوں کے لیے ہدایت کے لیے بھیجا یعنی ہمارے پیارے آقا سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ پر......

حدیثِ قدسی ہے کہ...... ”میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا بس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں لہٰذا مخلوق کو پیدا کیا......“

یعنی چاہت، محبت تخلیقِ کائنات کا سبب بنی...... تو محبت ہی میں کارخانۂ قدرت کی جان ہے۔ یہ چار حروف پر مشتمل لفظ اپنے اندر بے حد گہرائی اور سمندروں جیسی وسعت رکھتا ہے۔ امام ابو القاسمؒ نے فرمایا...... ”محبت کی نہ تو کوئی ایسی تعریف کی جاسکتی ہے اور نہ کوئی ایسی حد مقرر کی جاسکتی ہے جو لفظ محبت سے زیادہ واضح اور فہم کے زیادہ قریب ہو......“

حضرت ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معروفؒ سے پوچھا گیا کہ ”ہمیں بتائیے کہ محبت کیا چیز ہوتی ہے......؟“ فرمایا...... ”بھائی! محبت ایسی چیز نہیں کہ لوگوں کی تعلیم سے اس کا علم آجائے بلکہ محبت تو اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے آتی ہے۔“ (یعنی یہ محض اللہ رب العزت کی طرف سے انعام ہوتا ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے)۔

اس سلسلے میں ایک عارف کا بیان ہے کہ ”تمام مقاماتِ انوار افعال وصفات سے ہیں سوائے محبت کے اور محبت، حقیقتِ ذات کے نور سے ہے اسی وجہ سے اس کا وصف وعلم کم ہی ملتا ہے اور جان جوکھوں کا کام ہے اور بہت کم ایمان والے ایسے ہیں کہ جنہیں یہ عطا ہو...... معرفت کی طرح یہ بھی ایک راز ہے۔ محبت ایسا بلند مقام ہے جو عقل ومعرفت سے بالاتر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے علم الٰہی کی ہو...... اس طرح جس قلب کا محبوب اللہ تعالیٰ ہو...... اس سے بڑھ کر بلند پایہ کوئی قلب نہیں اور اس کی معرفت کا بہتر علم بھی صرف

اللہ ہی کو ہوتا ہے تو دراصل محبت وہ قلبی کیفیت ہے جس میں دل کسی کی چاہت میں اس کے قرب کے لیے جوش مارے اور اس جوش سے اس محب کا دل اس قدر لبریز ہوجائے کہ غیر کا خیال تک نہ رہے۔ اس بندے کی حرکات وسکنات اور گفتار و کردار میں اپنے محبوب کے ساتھ اتنی زیادہ وابستگی ہو کہ ہر وقت اس کی چاہت کی خوشبو آئے اور اس محبت میں پھر کسی غیر کے خیال کا گمان تک نہ گزرے......

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں...... ''محبت یہ ہے کہ اپنی کثیر چیز کو قلیل اور محبوب کی قلیل چیز کو کثیر سمجھا جائے۔'' اس قول کی وضاحت میں حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ''حق تعالیٰ سے جو کچھ پہنچتا ہے اس میں کوئی چیز (بندوں کے لیے) تھوڑی نہیں...... لیکن انسان کی طرف سے جو کچھ بھی ہو وہ (بارگاہ خداوندی میں) تھوڑا ہے۔''

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے۔ ''خواہ تجھے محبوب سے کچھ ملے نہ ملے پھر بھی تیرا میلان اس کی طرف رہے تو یہ پختہ محبت کی علامت ہے۔''

☆☆☆

محبت کا جذبہ... انسان میں پیدائشی طور موجود ہوتا ہے...... اور اس قدرتی جذبے کی تسکین کے لیے کسی نہ کسی طرف جھکاؤ ضرور ہوتا ہے۔ اب اس بندے پر منحصر ہے کہ وہ اپنی محبت کو کس طرف لگاتا ہے جبکہ اس کائنات میں محبت کا قبلۂ اولین اور کعبۂ عشق اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس ہے۔ وہی ذات، محبت کی خالق ہے اور وہی اس کی مستحق ترین بھی...... پھر وہ ہستیاں جن سے خود اس ذات نے محبت کی اور بندوں کو ان سے محبت کرنے کا حکم فرمایا۔ ان میں... سرفہرست سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ بابرکت ہے۔ محبت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوگا اتنی مقبولیت اور محبوبیت میں توسیع ہوگی۔ جتنی بڑی ہستی سے محبت ہوگی اتنی رفعت و بلندی نصیب ہوگی جتنے عظیم مقصد کے لیے محبت کی جائے گی اتنی عظیم قربانی کی ضرورت ہوگی...... کائنات میں بلند ترین ہستی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان کا اعلیٰ ترین مقصد اس کی رضا کا حصول ہے۔ اس مقامِ رضا کے لیے تعلقِ بندگی کی تین نوعیتیں ہیں......

1۔ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت یہ سوچ کر بجا لاتا ہے کہ اسے عذابِ جہنم سے نجات مل سکے۔

2۔ ایک کا تعلقِ بندگی اس لیے ہے کہ اسے جنت کی یہ پرکشش نعمتیں حاصل ہوجائیں۔

3۔ ایک وہ شخص ہے جسے کسی سزا و جزا کا خیال نہیں بلکہ وہ اللہ کی عبادت و بندگی محض اس کی رضا کے لیے کرتا ہے۔

پہلی دونوں قسم کی عبادتیں اگرچہ عند اللہ قبول ہوجاتی ہیں مگر چونکہ ان کی عبادت کا محرک خوف یا طلب ہوتا ہے اس لیے جزا اجرت کی شکل میں چکا دی جاتی ہے لیکن رضائے الٰہی کے طالبوں کو اجرت کا طمع نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت صرف حصولِ قرب کے لیے کرتے ہیں...... قربتِ الٰہی کے لیے طالبوں کو اللہ تعالیٰ کی اس خالص محبت کے طفیل ایسا باطنی نور عطا ہوتا ہے کہ وہ سراپا محبت ہوجاتے ہیں...... اور انہیں دیکھتے ہی ہر ایک کا دل ان کی طرف کھنچ جاتا ہے۔

گویا حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق ان کے چہرے کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے تو جنہیں اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک قطرہ عطا ہوگیا موت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ وہ لوگ محبتِ الٰہی میں ایسے فنا ہوئے کہ صدیوں بھی ان کے آستانوں سے محبت کی دولت بٹ رہی ہے اور یہ سب محبت کا فیضان ہے بس پروردگار کی نگاہ...... اس کا کرم اور پھر جتنی طلب اتنی عطا......

☆☆☆

اس عظیم بارگاہ میں قبولیت و رسائی، کثرتِ مال و زر یا علم کی زیادتی پر منحصر نہیں بلکہ جس پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی نگاہ پڑ جائے وہی مقبولِ بارگاہِ ایزدی ہوجاتا ہے۔ حدیثِ پاک ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس کو دنیا

عطا کرتا ہے جو اسے چاہے یا نہ چاہے لیکن دین اسی کو عطا کرتا ہے جو (دل) اسے چاہے اور جسے اللہ تعالیٰ دین عطا فرماتا ہے اس سے محبت کرتا ہے۔''

اس لیے جب کسی کو اللہ تعالیٰ دین کی خدمت عطا فرماتا ہے، دین کی زندگی اور دینی ماحول فراہم کرتا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس بندے سے محبت کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی صفات کو اپنایا جائے، قرآن نے اسی لیے اللہ کی محبت کے حصول کا ایک ذریعہ بتاتے ہوئے فرمایا..... ''اے محبوب ﷺ آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو..... (جب تمام حالات و کیفیات میں میرا اتباع کرو گے تو) اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔'' (سورۂ آل عمران: ۳۱) اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت و اتباع کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ اس اتباع کی اتنی برکت اور عند اللہ اتنا مقام ہے کہ وہ بندہ پھر خدا کا محب ہی نہیں محبوب بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ایک بحرِ بیکراں ہے۔ اس کی حدود و قیود کا اندازہ لگانا انسانی ذہن کی بات نہیں..... وہ جب چاہے جہاں چاہے جس کو چاہے اور جس قدر چاہے عطا کرتا ہے۔ یہ اس کے دستِ قدرت کی بات ہے وہ جسے چاہے نواز دے تو ہمیشہ یہ بات... مدِنظر رہے کہ اللہ کی توفیق اور اس کی عطا کے بغیر کسی چیز کا ملنا دشوار ہے۔ ہمیشہ اللہ کی بارگاہ سے اس کی رضا اور خوشنودی کی توفیق طلب کرنی چاہیے اور اپنے رب سے رب ہی کی محبت کا سوال کرنا چاہیے اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ کی محبت کا نشہ ایسا نشہ ہے کہ جس کے سامنے دنیا و مافیہا کی مادی محبتوں کے نشے ختم ہو جاتے ہیں۔ محبتِ الٰہی کی لذت و آشنائی سے سرشار ہو کر بندہ دنیا کی ساری آسائشوں سے دامن جھٹک دیتا ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کائنات میں سب سے زیادہ مستحقِ محبت ذات' اللہ رب العزت کی ہے..... کیونکہ اسی ذات نے قرآن میں ایمان کی علامت اور مومن ہونے کی شرط اپنی ذات سے شدید محبت کو گردانا ہے۔

ارشاد فرمایا..... ''ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔'' (سورۂ بقرہ: ۱۶۵)

☆☆☆

حضرت ابراہیمؑ نے ملک الموت سے اس وقت جب وہ ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئے کہا کہ ''کیا تم نے کوئی ایسا دوست دیکھا ہے جو اپنے دوست کو ہلاک کر دیتا ہو.....'' اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی..... کہ ''اے ابراہیم کیا تم نے کوئی ایسا محب دیکھا ہے جو اپنے محبوب سے ملاقات کرنا پسند نہ کرتا ہو.....'' تب حضرت ابراہیمؑ نے ملک الموت سے فرمایا..... کہ ''اب تم میری روح قبض کر لو.....''

لیکن یہ امر صرف ان ہی بندگانِ خدا پر منکشف ہوتا ہے جو دل سے اللہ تعالیٰ کو چاہتے ہیں..... اور اس سے محبت کرتے ہیں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی دعا میں فرمایا..... ''اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا کر اور ان لوگوں کی محبت عطا کر جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور ان چیزوں کی محبت بھی جو مجھے تیری محبت سے قریب کر دیں اور اپنی محبت کو میرے نزدیک ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب کر.....''

ایک اعرابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا..... ''یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟'' آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا..... کہ تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ نہ تو میں نے بہت زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ بہت زیادہ روزے رکھے ہیں لیکن مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا..... ''آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرے.....'' حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اتنا خوش کبھی نہ دیکھا جتنا خوش وہ یہ سن کر ہوئے.....

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے کو جو ذائقہ ملتا ہے وہ اسے دنیا کی طلب سے روک دیتا ہے اور تمام انسانوں سے اسے

وحشت زدہ کردیتا ہے۔" حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ "جو شخص اللہ کی معرفت رکھتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے اور جو دنیا کی معرفت رکھتا ہے وہ اس میں زہد کرتا ہے..... مومن لہو میں مشغول نہیں ہوتا کہ دنیا سے غافل ہو جائے..... وہ جب فکر کرتا ہے غم کرتا ہے۔"

حضرت عبدالواحد ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو برف پر سویا کرتا تھا..... میں نے اس سے پوچھا کہ "تجھے سردی محسوس نہیں ہوتی۔" اس نے کہ "جو شخص محبتِ الٰہی میں گرم ہو اس پر سردی کا اثر نہیں ہوتا۔"

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز اُمتوں کو ان کے انبیا کے ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا۔ یعنی اس طرح کہا جائے گا کہ اے امت موسیٰؑ! اے امت عیسیٰ! اے اُمتِ محمدﷺ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں انہیں اس طرح سے آواز دی جائے گی کہ اے اللہ کے دوستو! اللہ کی طرف آؤ..... یہ آواز سن کر ان کے دل خوشی سے جھوم اٹھیں گے۔

حضرت ہرم ابنِ حیات کہتے ہیں کہ مومن جب اپنے رب کو پہچان لیتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے اور جب محبت کرتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب اس کی توجہ کی حلاوت پاتا ہے تو پھر نہ دنیا پر خواہش کی نگاہ ڈالتا ہے وہ اپنے جسم سے دنیا میں رہتا ہے اور روح سے آخرت میں.....

حضرت عیسیٰؑ ایک باغ کے پاس سے گزرے وہاں ایک نوجوان باغ کو پانی دے رہا تھا۔ اس نے آپؑ.... سے کہا..... آپؑ اللہ سے عشق کا ایک ذرہ مجھے عطا کروا دیجیے..... آپؑ .... نے فرمایا..... وہ بہت زیادہ ہے تم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے..... تب نوجوان نے کہا..... اچھا آدھا ذرہ ہی سہی..... تب حضرت عیسیٰؑ نے دعا فرمائی..... اور اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا..... آپ وہاں سے روانہ ہو گئے..... ایک مدت کے بعد آپ پھر وہاں آئے تو دیکھا وہ جوان غائب ہے..... آپؑ نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ.....! اس جوان سے میری ملاقات کرادے..... وہ نوجوان آیا اور آسمان کی طرف تکتا رہا..... حضرت عیسیٰؑ کے سلام کا نہ جواب دیا اور نہ گفتگو کی مگر خاموش رہا تب وحی الٰہی ہوئی..... اے عیسیٰؑ! جس کے دل میں میری محبت کا آدھا ذرہ بھی موجود ہو وہ لوگوں کی کیسے سنے گا اگر ایسے آدمی کے دو ٹکڑے بھی کر دیے جائیں تو اسے احساس تک نہیں ہوگا۔

حضرت رابعہ بصریؒ جو اہلِ محبت میں سے تھیں۔ ایک روز حضرت سفیان ثوریؒ نے ان سے پوچھا کہ ہر بندے کی ایک شرط ہوتی ہے اور ایمان کی ایک حقیقت ہوتی ہے، آپ کے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "میں اللہ کی عبادت اس کے خوف سے نہیں کرتی کہ اس بری کنیز کی طرح ہو جاؤں جو ڈرے تو کام کرے اور نہ ہی جنت کی خاطر عبادت کرتی ہوں کہ ایسی بری کنیز بن جاؤں کہ جس کو دیا جائے تو کام کرے..... بلکہ میں تو اس کی محبت اور شوق میں عبادت کرتی ہوں۔"

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں دریائے نیل کے کنارے چلا جا رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک بچھو دکھائی دیا۔ میں نے پتھر اٹھا کر اسے مارنے کا ارادہ کیا مگر وہ تیزی سے بھاگتا ہوا دریائے نیل کے کنارے کے بالکل ساتھ جا کر ٹھہر گیا اچانک دریا سے ایک مینڈک نکلا بچھو کود کر اس پر سوار ہو گیا اور وہ تیرتا ہوا دریا کے دوسرے کنارے پر چلا گیا.....

فرماتے ہیں کہ میں بھی اس کے پیچھے چلتا ہوا وہاں جا پہنچا۔ خشکی پر پہنچ کر بچھو، مینڈک کے اوپر سے کودا اور زمین پر چلتے ہوئے آگے کی طرف بڑھنے لگا..... تھوڑی دور ایک شرابی شراب کے نشے میں بے سدھ پڑا ہوا تھا اور اس کے سر پر ایک اژدھا پھن نکالے اسے ڈسنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک دم تیزی سے بچھو وہاں پر پہنچا اور اس نے اژدھے کو ڈنک مارا۔ بچھو کے زہریلے ڈنک لگتے ہی اژدھا زمین پر گرا اور مر گیا.....

حضرت ذوالنون مصریؒ نے وہاں پہنچ کر جلدی

سے اس شخص کو جگایا۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں اٹھا اور اپنے قریب پڑے اژدھے کو دیکھ کر بھاگنے لگا آپ نے اس سے کہا گھبراؤ نہیں...... کہ تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے بچالیا ہے پھر آپؒ نے شروع سے لے کر آخر تک تمام واقعہ اسے سنایا...... تمام واقعہ سن کر اس شخص نے اپنا سر جھکالیا پھر تھوڑی دیر کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہنے لگا...... ''اے اللہ ......! تو اپنے نافرمان پر یہ احسان کرتا ہے تو پھر اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہوگا...... مجھے قسم ہے تیری عزت و جلال کی آج کے بعد تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔'' پھر وہ بہت رویا اور روتا ہوا چلا گیا...... یہ حقیقت ہے کہ کوئی ماں بھی اپنے بچھڑے ہوئے بچے کا اتنا انتظار نہیں کرتی جتنی شدت سے میرا رب اپنے بگڑے ہوئے بندے کے پلٹنے کا انتظار کرتا ہے۔ انسان کی محبت تو یہ ہے کہ وہ صرف اچھے انسان سے محبت کرتا ہے مگر میرا رب اپنے برے بندوں کو بھی اکیلا نہیں چھوڑتا......

☆☆☆

ایک بار ایک بزرگ نے حضرت رابعہ بصریؒ سے کہا کہ ''آپ شریعت کے مطابق شادی کرلیں۔'' فرمایا...... ''نکاح و شادی اس کے لیے ہے جس کا کوئی وجود ہو...... یہاں نہ میرا کوئی وجود ہے اور نہ میں اپنی آپ مالک ہوں اللہ تعالیٰ کی مملوک ہوں، یہ سوال اسی سے کیجیے......'' تب انہوں نے کہا کہ ''آپ اللہ تعالیٰ کو کس طرح جانتی ہیں؟'' آپ نے فرمایا کہ ''تم چون و چرا اسے جانتے ہوگے میں تو بے چون و چرا جانتی ہوں۔'' ایک دفعہ کچھ اور لوگوں نے بھی آپ سے کہا آپ شادی کرلیجیے...... تب آپؒ نے فرمایا کہ ''اگر تین فکروں سے مجھے بے فکر کردیجیے تو میں ضرور شادی کرلوں گی۔''

1۔ کیا میں دنیا سے اپنا ایمان سلامت لے جاؤں گی۔

2۔ روزِ حشر نامۂ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں ہی دیا جائے گا۔

3۔ قیامت کے روز جب لوگ دائیں جانب سے بہشت میں اور بائیں جانب سے دوزخ میں پہنچائے جائیں گے تو مجھے کس جانب سے پہنچایا جائے گا؟''

لوگوں نے کہا...... اس بات کا علم تو صرف خدا ہی کو ہے...... تو آپؒ نے فرمایا...... ''جسے اتنے عظیم افکار و اغمام (فکریں اور غم) پیش ہوں وہ بھلا کیا شوہر کرسکتی ہے۔''

ایک دفعہ آغازِ موسم بہار میں ہی آپ معتکف ہوگئیں۔ خادمہ نے عرض کیا باہر موسم بہت لطف افروز ہے باہر آکر صانعِ حقیقی (اللہ پاک دنیا بنانے والا) کی صنعت (کاریگری) کو ہی ملاحظہ فرمایئے...... آپؒ نے جواب دیا۔ ''میرا کام تو صانع (اللہ تعالیٰ کی ذات) کو دیکھنا ہے نہ کہ صنعت کو......''

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک بزرگ کو ایک سوئی، ایک بال اور ایک موم کا ٹکڑا بھیجا اور کہلوایا کہ موم کی طرح جہان کو روشن اور منور رکھو اور خود کو جلاؤ...... سوئی کی طرح ہمیشہ اپنی جگہ رہو اور کام کرتے جاؤ...... اور پھر بال کی طرح سیدھے رہو تاکہ تمہارے سب کام درست ہوں...... لوگوں آنکھوں، کانوں اور زبانوں کی طرف سے منزلِ ربانی تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہاتھ پاؤں سے کوئی کام چل سکتا ہے۔ یہ معاملہ صرف دل کے ساتھ ہے کوشش یہ کرو کہ دل بیدار ہوجائے اور جب یہ بیدار ہوگیا پھر کسی کی بھی حاجت نہیں اور دل بیدار وہی ہے جو حق میں گم ہوجائے اور جو اس میں گم ہوگیا اسے پھر کسی کی بھی ضرورت نہیں کہ یہی درجہ فنافی اللہ ہے......

آپؒ نے نے فرمایا...... عورت وہ ہے جو خدا سے دل طلب کرے اور جب دل مل جائے تو دل کو اسے واپس دے دے کہ وہ اسے حفاظت سے رکھے......

ایک بار لوگوں نے دیکھا کہ حضرت رابعہ بصریؒ حالتِ جذب میں ایک جلتی ہوئی مشعل اور ایک برتن میں پانی لیے دوڑی چلی جارہی ہیں...... لوگوں نے پوچھا...... ''رابعہ......! یہ کیا معاملہ ہے......؟''

آپؒ ..... نے فرمایا..... کہ ''دوزخ کو ٹھنڈا اور جنت کو آگ لگانے جارہی ہوں کیونکہ لوگ عبادت اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے نہیں بلکہ ان ہی کے لیے کرتے ہیں.....''

محمد بن سلمان بصرہ کے حاکم نے ایک لاکھ درہم پر پیغامِ نکاح بھیجا.....اور کہلا بھیجا کہ ہر ماہ دس ہزار کا خرچہ دیا کروں گا..... حضرت رابعہ بصریؒ نے اسے لکھا..... ''اگر تو میرا غلام بن جائے اور اپنی تمام اشیا کا مجھے مالک بنا دے تو بھی میں راضی نہیں ہوسکتی..... کہ پلک جھپکنے کے برابر بھی تو مجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کردے.....''

حضرت رابعہؒ کو مقامِ محبت میں بلند درجہ حاصل تھا۔

☆☆☆

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے ایک دن عرض کیا..... ''اے میرے رب..... اگر آپ اپنے کسی محبت کو اپنی ملاقات سے پہلے کوئی ایسی نعمت عطا کردیں جس سے اس کے دل کو سکون مل گیا ہو تو مجھے وہ نعمت عطا فرما دیجیے، مجھے اضطراب نے پریشان کردیا ہے۔'' آپ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا..... کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا..... ''اے ابراہیم! کیا تمہیں یہ سوال کرتے ہوئے شرم نہ آئی کہ میری ملاقات سے پہلے ہی تمہارے دل کو سکون مل جائے کیا کسی شائق کا دل اپنے محبوب سے ملنے سے پہلے مطمئن ہوتا ہے؟'' کہتے ہیں..... میں نے عرض کیا..... ''اے میرے رب.....! میں تیری محبت میں حیران و پریشان ہوگیا تھا مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں کیا کہہ رہا تھا؟ مجھے معاف کردیجیے اور بتلا دیجیے کہ میں کیا مانگوں.....؟'' تو فرمایا.....

''کہو اے اللہ! مجھے اپنی قضا پر راضی کر دے..... اپنے ابتلا میں صبر عطا فرما دے اور اپنی نعمتوں پر شکر کی توفیق عطا کردے۔'' ۔ مولائے جلیل کی مناجات میں رات کو بیدار رہنا..... اور محبوبِ الٰہیٰ کی خلوت کے شوق میں رات کا منتظر رہنا محبت کی علامت ہے..... مناجاتِ قلبی دراصل رازِ وجدان اور مطالعۂ غیب ہے اور اہلِ خلوص کے نزدیک مناجات صرف دلوں سے ہی ہوتی ہے۔

روایت میں ہے کہ ''وہ جھوٹا ہے جس نے میری محبت کا دعویٰ کیا پھر جب رات چھا جاتی ہے تو مجھے بھول کر سو جاتا ہے..... کیا ہر حبیب اپنے محبوب سے خلوت کو پسند نہیں کرتا..... لہٰذا دیکھو کہ میں اپنے دوستوں کے قریب ہوں..... ان کی سرگوشیوں کو سنتا ہوں ان کی آہوں اور فریادوں کا مشاہدہ کرتا ہوں۔''

☆☆☆

انسانی فطرت ہے کہ وہ وجوہات کی بنا پر کسی سے محبت کرتا ہے۔

1 ۔ وہ ہستی اپنی ذات و صفات میں دوسروں سے ممتاز ہو اور ان پر فوقیت رکھتی ہو۔ اس جیسا کوئی دوسرا نہ ہو..... اس کا حسن بے مثال ہو.....

2 ۔ وہ ہستی بااختیار ہو..... اور انسان کے ہر دکھ سکھ میں اس کے کام آئے تو ایسی ہستی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ ہے..... اس کی قدرتِ کاملہ بیان سے باہر ہے..... اس کے صفاتی نام لاتعداد ہیں مگر اسمِ ذات صرف اللہ ہے.....

ہم اس کی ترکیب پر اگر صرف غور کریں تو عقل حیران رہ جاتی ہے..... اگر اللہ سے کوئی بھی حرف حذف (الگ) کردیا جائے تو بھی بقیہ حروف ذاتِ باری تعالیٰ کی نشان دہی کے لیے اپنا معنی برقرار رکھتے ہیں..... مثلاً اللہ کا پہلا حرف (الف) حذف کرلیں تو للہ باقی رہ جائے گا جس کے معنی ہے ''اللہ کے لیے'' اگر دوسرا حرف (لام) حذف کرلیں اور پہلا الف بحال رکھیں تو (الہ) باقی رہ جائے گا جس کے معنی ہیں معبود اگر پہلے دونوں حرف الف اور لام حذف کرلیں تو..... (لہ) باقی رہ جائے گا جس کے معنی ہیں اس کے لیے اور اگر پہلے تینوں حروف حذف کرلیں تو (ہ) باقی رہ جائے گا جو پھر بھی اس ذاتِ پاک کی نشاندہی کرتا ہے (وہ) عموماً صوفیا اس کا ذکر کرواتے ہیں۔

تو صرف اللہ کے نام کی ترکیبِ لفظی کے حُسن کا یہ عالم ہے کہ اس کا کوئی حرف یا کوئی حصہ بھی بے معنی

نظر نہیں آتا...... گویا یہ لفظ بھی ذاتِ باری تعالیٰ کی طرح ہر، ہر اعتبار سے کامل ہے۔

☆☆☆

یہ مقامِ انس ومحبت ہے کہ ایک بار حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے فرمایا...... ''اے میرے رب......! میرے پاس وہ چیز ہے جو آپ کے پاس نہیں......'' فرمایا۔ ''وہ کیا ہے؟''

حضرت موسیٰ نے عرض کیا...... ''اے میرے رب! میرے پاس آپ جیسا رب ہے...... اور آپ کے پاس آپ کی ذات جیسی کوئی چیز نہیں......'' اللہ رب العزت نے فرمایا...... ''تو نے سچ کہا......''

یہ سچ ہے کہ اس بات میں کتنی لذت کتنی چاشنی اور کتنا سُرور ہے اور کتنا حسن ہے...... اہلِ معرفت ہی اس بات کی خوب صورتی کو سمجھ سکتے ہیں...... تو اس کائنات میں جتنا اللہ تعالیٰ کو چاہا گیا جتنی محبت اس سے کی گئی جتنا اسے یاد کیا گیا جتنا اسے پکارا گیا جتنی اس کی عبادت کی گئی جتنا اس سے عشق کیا گیا...... کائنات میں کوئی دوسری ہستی اس جیسی نہیں...... سب مخلوق اس کی شیدائی ہے۔

ایک بادشاہ نے دربار لگایا اور طرح، طرح کی نعمتیں اور رنگارنگ کی چیزیں اس میں رکھیں اور اعلان کر دیا کہ جو کوئی بھی جس چیز پر ہاتھ رکھے گا وہ اس کو دے دی جائے گی۔ ہر شخص نے اپنی، اپنی پسند کی چیز پر ہاتھ رکھا اور مطلوبہ چیز حاصل کرلی...... بادشاہ کی ایک عقل مند کنیز دور سے یہ تماشا دیکھتی رہی اور اس نے کسی بھی چیز کی تمنا ظاہر نہ کی...... بادشاہ نے اس سے پوچھا...... ''کیا تجھے کوئی چیز پسند نہیں آئی......؟'' کنیز نے بادشاہ سے کہا کہ ''میں جس چیز پر ہاتھ رکھوں وہ میری ہوجائے گی؟'' بادشاہ نے کہا۔ ''کیوں نہیں...... تم جس چیز پر ہاتھ رکھوگی وہ تمہاری ہوگی......'' کنیز نے فوراً آگے بڑھ کر بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا...... بادشاہ حیرت زدہ رہ گیا پھر بولا...... ''یہ کیا؟ تجھے یہ کیا سوجھی......؟'' دانش مند کنیز نے جواب دیا...... ''میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں ان سب چیزوں کے مالک پر ہاتھ رکھ دوں...... وہ میرا ہوگیا تو ہر چیز میری ہوجائے گی۔''

کتنا بے وقوف ہے انسان...... دنیا، دنیا مانگتا ہے ارے کائنات کے بادشاہ کو مانگو...... وہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔

اللہ اور رسول ﷺ کی محبت میں جس نے جس قدر ڈبکیاں لگائیں وہ اتنا ہی دُھلا...... اتنا ہی نکھرا...... ساحل پر بیٹھ کر لعل وگوہر نہیں ملتے...... اس کے لیے عشق ومحبت کے سمندر میں ڈوب جانا ہوتا ہے تب ہی کچھ حاصل ہوتا ہے۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ آج ہم نے احسان فراموش رویہ اختیار کیا ہوا ہے، اپنے حقیقی خالق ومالک کو بھول کر اس فانی دنیا سے دل لگا بیٹھے ہیں اور دنیا سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں...... کوئی شخص اس وقت تک خدا رسیدہ نہیں ہوتا جب تک وہ دنیا میں مشغول رہتا ہے۔ بندے اور خدا کے درمیان دنیا سے بڑھ کر اور کوئی حجاب نہیں...... بس جو شخص دنیا میں مشغول ہوجائے، وہ خدا سے باز رہتا ہے۔ آپ جس قدر دنیا میں مشغول رہتے ہیں اسی قدر اس سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

عاشقِ مجازی جو محبت وعشق کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے محبوب کا دروازہ اس وقت تک کھٹکھٹاتا رہتا ہے جب تک اس کے وجود میں جان ہے۔ تو عشقِ حقیقی پانے کے لیے .... انسان خلوصِ دل اور خلوصِ نیت سے قدم کیوں نہیں اٹھاتا۔ شاید کہ کسی وقت درِ قبولیت وا ہوجائے اور وہ کسی مرتبے تک پہنچ جائے...... تو ہمیں اپنے پروردگار کی سچی محبت وطلب کو دل میں بسا کر دستک دیتے رہنا ہے...... اس یقین کے ساتھ کہ ایک روز یہ دروازہ ضرور کھل جائے گا اور ہم بھی محبتِ الٰہی کا راز پالیں گے۔ انشاءاللہ

اس مضمون کی تیاری میں سات مستند کتب سے مدد لی گئی ہے۔

میری وفا میرا اعتبار تم سے ہے

شائستہ زریں

قارئینِ کرام! السلام علیکم

کیسے ہیں آپ؟ حسبِ روایت پاکیزہ کے ''دلہن نمبر'' کے لیے ایک سروے رپورٹ کا اہتمام کیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس مرتبہ دلہن رانی کے ساتھ ساتھ دولھا راجا بھی ہمارے سوالوں کی زد میں ہیں۔ ہم نے ان جوڑوں کو شامل کیا ہے جو باہمی محبت کے نتیجے میں شادی کے بندھن میں بندھے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ''محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے'' یقیناً اس ''ہو جاتی ہے'' کی بھی کوئی نہ کوئی بنیاد تو ہوتی ہی ہو گی۔ صنفِ مخالف کی کوئی ایسی صفت جو دل پر اپنی گرفت ایسی مضبوط کرے کہ اس حصار سے نکلنا ممکن ہی نہ ہو اور اسے ''شریکِ حیات'' بنانے کی خواہش دل میں موجزن ہو، تب کسی کے لیے اس سیلاب پر بند باندھنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے لیکن جدوجہد کے بعد یہ معرکہ سر کر لیا جاتا ہے اور کوئی بلا رکاوٹ یہ دریا پار کر لیتا ہے۔ ازدواجی زندگی کے سفر میں فریقین اپنے انتخاب پر نازاں ہی نہیں شاداں و فرحاں بھی نظر آتے ہیں۔ شادی سے پہلے مستقبل کے حوالے سے کئی وعدے بھی کیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی تکمیل نہ ہونے کی صورت میں زوجین کے مابین اختلاف بھی ہو جاتا ہے جو وجۂ فساد بھی بنتا ہے۔ لیکن جہاں محبت ہو وہاں نہ کیے وعدوں کی اہمیت ہوتی ہے اور نہ ہی اختلافات کشیدگی اختیار کرتے ہیں بلکہ باہمی مکالموں سے انہیں دور بھی کیا جا سکتا ہے' کامیاب ازدواجی زندگی کے اصولوں پر عمل کر کے رنجش ختم اور ایک دوسرے کو تحائف دے کر بھی زندگی خوشگوار بنائی جا سکتی ہے، اگر یہ تحفہ باہمی پیغام کی صورت ہو تو کیا بات ہے؟

ان ہی امور کے پیشِ نظر ہم نے شرکا سے معلوم کیا کہ

۱: اپنی پسند کو گھر والوں کی پسند بنانے میں کن مراحل سے گزرنا پڑا؟

۲: انتخاب کس بنیاد پر کیا؟ اور وہ کون سا پل تھا جب اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہوا؟

۳: مستقبل کے حوالے سے کیے جانے والے کتنے وعدے وفا کیے؟

۴: آپ کے مابین عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟ اور اسے کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

۵: وہ تین اصول جن پر عمل کر کے کامیاب اور خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کی جا سکتی ہے؟

۶: شریکِ حیات کے لیے کوئی پیغام؟

منور سلطانہ

۱: کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑی۔ ان کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ اعتراض کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

۲: سادہ مزاج اور کمپرومائز کرنے والے ہیں' روزِ اول سے اب تک یہی صورتِ حال ہے اس لیے کوئی ایک پل نہیں زندگی کا ہر لمحہ ہی فخر میں گزرا ہے۔

۳: ہمارے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں ہوئے نہ شادی سے پہلے اور نہ ہی بعد میں۔ ہاں اللہ کے



غلام محی الدین' منور سلطانہ

کرم سے مل جل کر بہت اچھی زندگی گزاری ہے۔

۴: وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ ان کی مصروفیت بڑھی تو بعض دفعہ چاہنے کے باوجود بھی کسی ایسے فیملی فنکشن میں شریک نہیں ہو پاتے جہاں جانا ضروری ہو تب اختلاف ہوتا ہے لیکن جب یہ اپنے روزگار کی مشقت کے بارے میں سمجھاتے ہیں تو حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ یوں کبھی اختلاف نے سنگین صورت اختیار نہیں کی۔

۵: دونوں کے درمیان سمجھوتا، ذہنی مطابقت اور ایثار کا جذبہ ہو تو شادی کامیاب اور زندگی خوشگوار گزرتی ہے۔

۶: آپ کی سچی محبت میرا مان بھی ہے اور فخر بھی۔

غلام محی الدین

(اداکار)

۱: گھر والوں کو اپنی پسند بتائی، انہوں نے کہا زندگی تمہیں گزارنی ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں یوں بلا رکاوٹ شادی ہو گئی۔

۲: اصل حسن سادگی میں ہے۔ ان کی نیچر سمجھوتا کرنے والی ہے اور یہ دونوں خوبیاں الحمدللہ آج تک برقرار ہیں اس لیے قابلِ فخر اور خوشگوار زندگی بسر ہو رہی ہے۔

۳: وعدہ نہ پہلے کیا اور نہ ہی بعد میں مل جل کر مزے سے زندگی گزر رہی ہے، بنا کسی وعدے اور وعدے کی تکمیل کے۔

۴: جب گھر پر خاص کر اہم فیملی فنکشن میں وقت نہ دے سکوں تو شکایت ہوتی ہے، تب میں اپنے مسائل سمجھاتا ہوں، جنہیں تسلیم کیا جاتا ہے۔ میری کوشش یہی ہوتی ہے شوٹ ختم ہوتے ہی گھر آ کر بیوی بچوں کو وقت دوں یوں جو تھوڑا بہت اختلاف ہوتا ہے ختم ہو جاتا ہے۔

۵: کمپرومائزنگ ہوں، ایک دوسرے کی بات سمجھیں اور ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔

۶: ہر موقع پر میرا ساتھ دینے کا بہت شکریہ! ہاں میں نئے شادی شدہ جوڑوں سے بھی یہی کہوں گا کہ ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے تو خوشیوں بھری زندگی انعام میں ملے گی۔

عائزہ دانش

(ٹی وی آرٹسٹ)

۱: میرے شوبز میں آنے سے پہلے کی بات ہے نئی، نئی کالج میں آئی تھی۔ اماں کو دانش کے بارے میں بتایا، وہ دانش سے ملیں تو مطمئن ہو گئیں۔

۲: بناوٹ سے پاک صاف گو انسان ہیں۔ ظاہر، باطن ایک ہے۔ اتنے اچھے ہیں کہ مجھے تو ہر دن ہی فخر کا احساس ہوتا ہے۔

۳: دانش سے تو نہیں ہاں اپنے آپ سے ضرور وعدہ کیا تھا کہ اپنی پسند سے جو تعلق جوڑ رہی ہوں عمر بھر ہنسی خوشی اسے نباہنا ہے۔

۴: ہم ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں اسی لیے کسی

بھی بات کو مسئلہ نہیں بناتے۔ بلکہ مسئلہ بننے سے پہلے ہی اسے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں۔

۵: ایک دوسرے سے کوئی بات نہ چھپائیں اور ہمیشہ سچ بولیں.... ایک دوسرے کی عزت کریں ساتھ ہی ایک دوسرے سے جڑے رشتوں کی بھی عزت کریں.... شادی نباہنے کے لیے شادی سے پہلے ہی عورت کو اپنی ضد، غصہ اور انا ختم کر دینی چاہیے۔

۶: جیسے ہیں بس ایسے ہی رہیں۔

دانش تیمور

(ٹی وی آرٹسٹ)

ا: عائزہ کے ٹی وی پر آنے سے پہلے ہی ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ میں نے اپنی پسند گھر والوں کو بتائی تو انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا اسی لیے کوئی مشکل ہی نہیں آئی۔

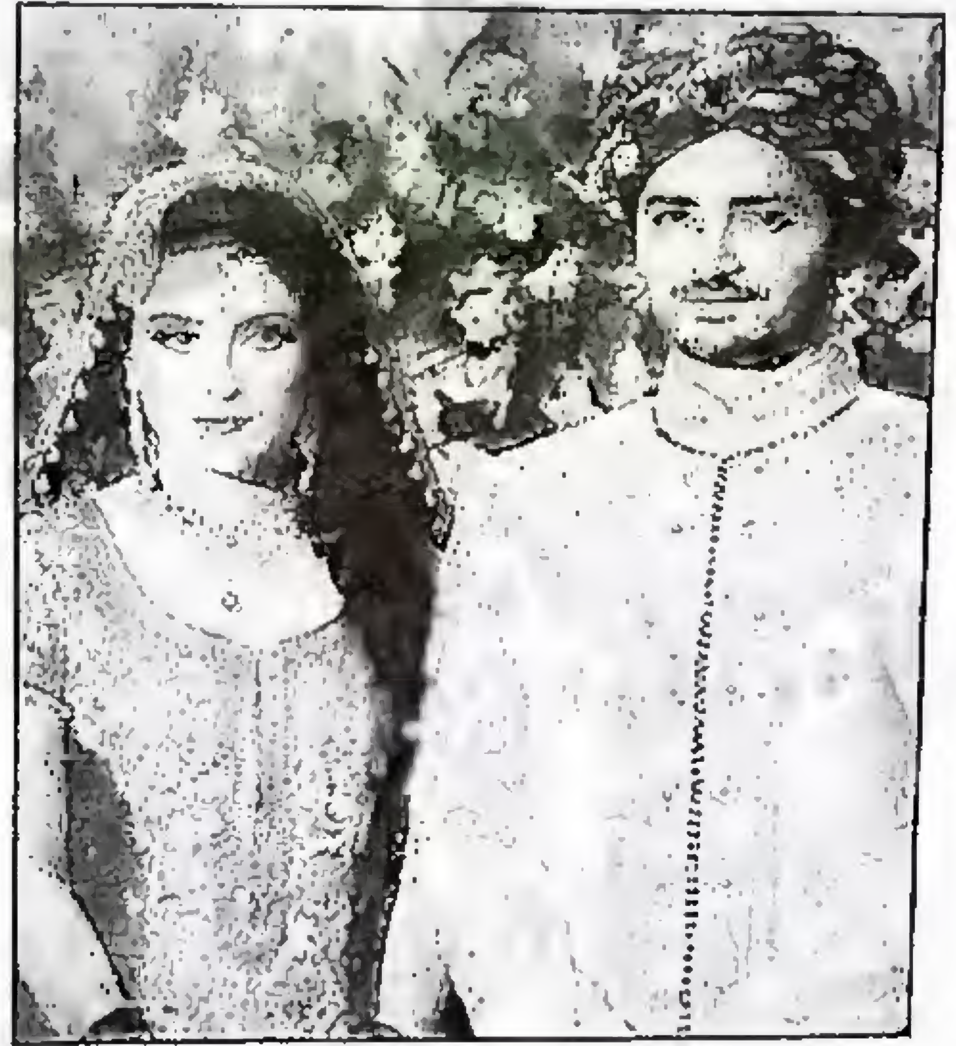
۲: عائزہ کی سچ بولنے اور خیال رکھنے کی عادت اور یہ بھی کہ عائزہ مجھے سمجھتی ہے یہی وجہ ہے کسی بھی بات کو مسئلہ نہیں بناتی میری امی اور ابو کا بہت خیال رکھتی ہے ان کی عزت کرتی ہے، یہ دیکھ کر مجھے ہر وقت ہی اپنے انتخاب پر فخر ہوتا ہے۔

۳: شادی سے پہلے میں نے شادی کا وعدہ ہی کیا تھا جو الحمدللہ میں نے پورا کر دیا ہے۔

۴: ابھی تک کوئی خاص اختلاف نہیں ہوا مستقبل میں اگر کبھی ایسا ہوا تو کبھی میں اس کو اور کبھی وہ مجھے منا کر دور کر دے گی۔

۵:.. ایک دوسرے سے پیار کریں اور خیال رکھیں... اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بندھن اور اس کے بعد بننے والے رشتے کو بہت رحمت والا بنایا ہے۔ اسی لیے اس رشتے کے تمام فرائض نہایت خوش اسلوبی اور دیانت داری سے پورے کریں۔ .... دونوں کے درمیان ایسا تعلق ہو کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی اور فخر محسوس ہو۔

۶: عائزہ! میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں اور زندگی کی آخری سانس تک کرتا رہوں گا... انشاءاللہ۔



تیمور دانش اور عائزہ دانش

روبی طٰہٰ

(معلمہ)

ا: جب چُننا پڑا تو میرا اور گھر والوں کا انتخاب طٰہٰ تھے۔ یوں ایسی کوئی مشقت ہمارے حصے میں نہیں آئی۔

۲: طٰہٰ کی ایمانداری اور بڑوں کا احترام۔ میرا بیٹا ایک ماہ کا تھا اور میری آنکھ میں ٹیومر ہو گیا تھا مشکل گھڑی میں طٰہٰ میرے ساتھ رہے اور کبھی دوست بن کر خیال رکھا تو کبھی ماں بن کر خدمت کی اور ہر اس پل مجھے اپنے شریکِ حیات پر فخر محسوس ہوا جب مشکل وقت میں انہوں نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔

۳: میں نے کبھی ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا جو مجھے مشکل میں ڈال دے۔

۴: اختلافات ہو جاتے ہیں کچھ حل ہو جاتے ہیں، کچھ رہ جاتے ہیں جو بعد میں بھول جاتے ہیں

۵: سب سے پہلے ایک دوسرے کی بات سنو اور سمجھو۔ بھروسا اور یقین بھی بہت ضروری ہے۔
۶: میری خواہش ہے کہ زندگی کے آخری لمحے میں میری شریکِ حیات میرے ساتھ رہے۔

ارم شاہد
(ماہر پکوان)

ا: شاہد متحمل، پُروقار اور اتنے محبت کرنے والے ہیں کہ جو ان سے ایک بار ملتا ہے ان سے متاثر ہو جاتا ہے۔ شاہد کی شخصیت کی بنا پر مجھے اپنے انتخاب کو گھر والوں کا انتخاب بنانے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔
۲: ان کی شخصیت ہی انتخاب کی ذمّے دار ہے۔ مجھے تو زندگی کے ہر پل میں ان پر فخر محسوس ہوتا ہے
۳: نہ میں نے زیادہ فرمائشیں کیں اور نہ شاہد نے وعدے۔ ویسے اللہ کریم کا بہت فضل ہے کہ اب تک تمام خواہشات کی تکمیل ہوئی ہے۔
۴: میری اور بچوں کی خریداری پر کبھی ناراضی نہیں دکھائی۔ البتہ اگر ان کے لیے کپڑے اور کوئی



شاہد انور اور ارم شاہد



طٰہٰ احمد اور روبی طٰہٰ

کہ کبھی کسی بات پر اختلاف بھی ہوا تھا۔
۵: ہاہاہا! میں نے طٰہٰ کا موبائل فون کبھی چیک نہیں کیا اور یہ یقین اور بھروسا ہی ہے جو شادی شدہ زندگی کو پُرسکون بنا دیتا ہے۔
۶: جو بات تم میں ہے کسی اور میں نہیں......

طٰہٰ احمد
(منیجر پرائیوٹ کمپنی)

ا: میری اور میرے گھر والوں کی پسند ایک ہی تھی اس لیے خاص دشواری پیش نہیں آئی۔
۲: جب پسند ہو تو ہر چیز ہی اچھی لگتی ہے لیکن جب زندگی میں حالات بدلے اور آزمائش کی گھڑی آئی تو میرے شانہ بہ شانہ جو کھڑی تھی وہ میری شریکِ حیات تھی۔ اور مجھے فخر ہے کہ اس وقت اس نے نہ مجھ سے کوئی شکایت کی اور نہ ہی کوئی خواہش۔
۳: ... وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو جائے...... حتی الامکان وعدے پورے کرنے کی کوشش کی ہے۔
۴: اختلافات ہوتے ہیں مکالمے سے دور ہو جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

تحفہ لے لوں تو ناراض ہو جاتے ہیں۔

۵: عورت کو اللہ نے شوہر کی خوشنودی کی بنا پر فضیلت دی ہے اسے چاہیے کہ صبر، اطاعت اور اعتبار کو اپنا شعار بنائے۔

۶: کتنا خوش فہم ہے وہ شخص کہ ہر موسم میں
اِک نئے رخ نئی صورت سے مجھے سوچتا ہے

شاھد انور

(بزنس مین)

۱: گھر والے کبھی بھی آپ کا برا نہیں سوچتے اور اگر پسند کی شادی کے بعد ان کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ آپ خوش اور مطمئن ہیں تو وہ بھی اس خوشی میں خوش ہو جاتے ہیں۔ ثابت یہ کرنا ہے کہ آپ کا انتخاب گھریلو تمدن کو مزید مستحکم کر رہا ہے۔ خصوصاً پسند کی شادی کے بعد ساری زندگی ان مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

۲: میرا انتخاب کردار کی بنیاد پر تھا۔ شادی کے چند سال بعد ہی میرے ایک قریبی عزیز نے میری کمپنی کے شیئرز دھوکے سے اپنے نام کر لیے تھے۔ مجھ اس دھوکے کا خاصا ملال تھا اور کمپنی سے الگ ہونا ہی بہتر تھا۔ کمپنی سے علیحدہ ہونے پر ان دنوں خاصی مالی پریشانی ہو گئی تھی۔ ان لحات میں میرے انتخاب نے میری بہت حوصلہ افزائی کی اور بہتر انداز سے ساتھ دیا اور الحمد اللہ میں نے اپنی دوسری کمپنی تشکیل دی۔

۳: ابتدا سے اب تک ہم نے بڑے وعدے نہیں کیے البتہ ایک دوسرے کی تمام خواہشات کو ہر ممکن پورا کیا اور اللہ پاک نے ہمیں وعدے وفا کرنے کی توفیق بھی عطا کی۔

۴: عموماً یہ میری ضرورت سے زیادہ کپڑے خریدتی یا سلوا دیتی ہیں۔

۵: محبت......صبر......اعتبار

۶: میں اس حصار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہارے پیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

صباحت احسان

(نیوز اینکر)

۱: امی کو راضی کرنے میں بہت وقت لگا۔ بالآخر وہ مان گئیں۔

۲: انتخاب کی اصل وجہ ان کا مثبت رویہ ہے، بہت ٹھنڈے مزاج کے، پیار کرنے اور بہت خیال رکھنے والے ہیں۔ جبکہ میں جارحانہ مزاج کی، ضدی اور تھوڑی بدتمیز ہوں۔ لیکن یہ میرے غصے اور بے جا ضد کو برداشت کر کے مجھے بڑے پیار سے سمجھاتے اور راضی کر لیتے ہیں اور ان کے اس طرزِ عمل ہی سے مجھے اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہوتا ہے۔

۳: میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا اسی لیے فری اسٹائل لائف مزے سے گزر رہی ہے۔

۴: بچوں کو بالکل بھی نہیں ڈانٹنے دیتے۔ ان کو



احسان الحق اور صباحت احسان

کسی بات پر غصہ نہیں آتا۔ ٹھنڈے مزاج کے ہیں، کوئی کچھ بھی کہہ دے مسکرا کر بات ختم کر دیتے ہیں۔ اس بات پر مجھے غصہ آتا ہے کہ جذبات تو

ہونے چاہئیں ناں؟
۵: ایک اچھے کپل میں دوستی کا ہونا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ شوہر اگر دوست بھی ہو تو زندگی میں کوئی غم نہیں کیونکہ دوست دکھ سکھ دونوں میں سنبھال سکتا ہے۔ اس لیے اس رشتے میں دوستی، بھروسا اور احساس بہت ضروری ہے۔
۶: آپ میرے بہترین دوست ہیں اور دوستی میں نرم گرم سب چلتا ہے تو ایسے ہی ساری زندگی میری چھوٹی، چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرتے رہیے۔ کیونکہ میرے جیسے لوگ قسمت والوں کو ملتے ہیں۔

احسان الحق

(بزنس مین)

۱: میں نے فیصلہ کرلیا تو سب راضی ہوگئے۔
۲: پہلی نظر کی محبت اور ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہیں اس لیے ہر لمحہ شکر اور فخر محسوس ہوتا ہے۔
۳: وعدے تو عمر بھر کیے جاتے ہیں اور وفا بھی وقت کے ساتھ ساتھ ہوتے رہتے ہیں۔
۴: ان کے دماغ میں جو بات سما جائے وہ پھر یہ کرکے ہی رہتی ہیں صبر نام کی کوئی چیز نہیں اس بات پر اختلاف ہوجاتا ہے لیکن جلد ختم بھی ہوجاتا ہے کہ میں ان کی بات مان لیتا ہوں۔
۵: بھروسا، ایک دوسرے کی خامیوں کو نظر انداز کرنا، ایک دوسرے کی عزت اور اہمیت کو سمجھنا۔
۶: اگر غصے پر قابو پانا سیکھ لو تو واللہ اور بھی امپریسو ہوجاؤ گی۔

ثمرین خان

(ماہر تعلیم)

۱: امی، ابا اور بھائی سے ملوادیا اور پھر سب کی ایسی اچھی دوستی ہوئی کہ کچھ کرنا ہی نہیں پڑا۔
۲: ایک بے حد پیار کرنے، اور عزت دینے والے، منکسر المزاج انسان ہیں، ان کی یہی خوبیاں ہماری شادی کی بنیاد بنیں۔ نانی کی طبیعت خراب ہوگئی تھی یہ ان کو گود میں اٹھا کر اسپتال لے گئے وہاں ایک ایکسیڈنٹ کے مریض کی مدد کی جب دونوں نے انہیں دعائیں دیں تو مجھے بہت فخر محسوس ہوا۔
۳: شادی ایک ایسا حسین تعلق ہے جو وعدوں کا محتاج نہیں سو بنا کہے ہی راشد نے ان بارہ برسوں میں ہر عہد نبھایا ہے۔
۴: ہمارے درمیان صرف بچوں کے بے جا لاڈ کرنے کے حوالے سے ہلکا پھلکا اختلاف ہوتا ہے۔ کبھی وہ اور کبھی میں نمٹا لیتے ہیں۔



راشد اللہ خان اور ثمرین خان

۵: ...ایک دوسرے کے اچھے دوست بن جائیں ایک دوسرے پر بلا وجہ کی پابندیاں نہ لگائیں ....ایک کو غصہ آئے تو دوسرا خاموش ہو جائے اور رات سونے سے پہلے، پہلے معاملہ سکون سے نمٹا دیں نہ کہ لڑ کر اور کسی تیسرے فرد سے ڈسکس نہ کریں... جو ملے اس پر شکر ادا کریں بہت زیادہ ڈیمانڈنگ نہ بنیں اور ایک دوسرے کی چھوٹی، چھوٹی باتوں کو سراہیں۔
۶: سدا ایک اچھے دوست بنے رہیں۔

راشد اللہ خان

(بزنس مین، سوشل ورکر)

۱: اماں کے ہاتھ پاؤں جوڑنے پڑے۔ ہماری شادی سے قبل ایک دوست کی شادی میں ثمرین نے اماں سمیت ہر ایک کی خدمت اور تواضع میں آگے، آگے رہ کر سب کا دل جیت لیا۔

۲: ہر چھوٹے، بڑے سے محبت اور عزت سے ملنے کی عادت اور ان کے سیاہ لمبے بالوں کا جادو چل گیا تھا۔ جب بھی کوئی ان کے بالوں کی تعریف کرتا ہے تو بہت اچھا لگتا ہے کوئی ان کے پیار سے بات کرنے کی تعریف کرتا ہے تو خوشی ہوتی ہے لیکن جس طرح ثمرین نے میری ماں کو اپنی ماں سمجھ کر ان کی خدمت کی وہ فخر کی بات ہے۔

۳: ہم دونوں نے ایک دوسرے کی عزت کرنے اور گھر کے معاملات کو گھر میں رہنے کی بات کو ایک وعدے کی طرح نبھایا ہے۔

۴: کوئی خاص اختلاف نہیں ہوتا اگر کوئی بات ہو تو تھوڑا غصہ کر کے خاموش ہو جاتا ہوں ثمرین بہت سمجھداری سے اسوقت خاموش رہتی ہے۔ یا اگر ان کو غصہ آجائے تو میں چپ رہتا ہوں پھر ہم رات کو سکون سے بات کرتے ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ یوں اگلے دن کا سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔

۵: بیوی کو اعتماد میں لے کر ہر بات اس سے شیئر کرو۔ عورت کو عزت اور محبت دو تو وہ اس سے چار گنا زیادہ محبت دیتی ہے۔ بیوی بچوں کو ان کی پسندیدہ جگہ پر کبھی، کبھی تفریح کے لیے بھی لے ... جائیں۔ کبھی کبھی بیگم کو چھوٹے، چھوٹے تحائف دیتے رہیں اور کچھ نہیں تو دفتر سے واپسی پر کوئی کھانے پینے کی چیز لیتے آئیں۔ موقع ملے تو شام کی چائے پر کچھ وقت ساتھ گزاریں۔

۶: کبھی کچھ غلط کہا یا کیا تو اسی طرح معاف کرتے رہنا اور میری پیاری سی دوست بنی رہنا۔ سدا خوش رہو اور یونہی ہمارے بچوں کو بھی ایکٹو اور اسمارٹ بنائے رکھو۔

معروف فن کار

(نام نہ بتانے کی شرط)

۱: ارے بھئی قیامت ٹوٹ پڑی تھی جب میں نے اپنی پسند کی شادی کا گھر میں ذکر کیا۔ بہنیں اینٹھ گئیں، ماما نے بات کرنی بند کر دی اور پاپا نے کہا...... تمہارا بیٹا بے غیرت ہو گیا ہے...... گھر میں اتنی ساری لڑکیاں موجود ہیں...... خاندان کی لڑکیاں چھوڑ کر باہر کرے گا...... تو ہماری بیٹیوں کو خاندان والے کیوں پوچھیں گے مگر جب محبت کا وعدہ کر لیا جائے تو اسے ایفا کرنا تھا اور میں نے اپنی محبت کے لیے اپنا گھر چھوڑ دیا۔

۲: وہ مجھے اپنے خوابوں کی شہزادی لگتی تھی...... اسے دیکھ کر ایسا ہی لگتا تھا کہ اس کے بغیر رہنا دشوار ہے...... کافی عرصے یعنی کئی سالوں تک اپنے انتخاب پر فخر ہوا مگر اب نہیں کیونکہ میری محبت کے دانت نکل آئے ہیں۔

۳: کوئی بھی وفا نہیں ہوئے...... بے یقینی شاید اب یقین بن گئی ہے۔

۴: اختلاف کن باتوں پر نہیں ہوا...... ہمارے ہاں معمولی، معمولی باتوں پر بڑی، بڑی جنگیں ہوئیں ...... میں سمجھتا ہوں کہ آج کل بھی لڑکیاں اپنی عقل کے بجائے اپنے میکے والوں کی عقل پر زیادہ چلتی ہیں۔

۵: ایک دوسرے پر اعتماد اور ایک دوسرے کی عزت سب سے بنیادی اصول ہے مگر یہ اصول کہاں ہے کس کے پاس ہے...... اب مجھے تو کہیں نظر نہیں آیا اور میں تو جس کے کئی چہرے ہوں اس کو مشکل سے ہی برداشت کرتا ہوں۔

۶: اب بھی سدھر جاؤ اور بچوں کی خاطر اپنی

زندگی اور میری زندگی میں زہر گھولنا بند کر دو کہ میں آخر کب تک درگزر کرنے کی راہ پر چلتا رہوں گا۔

معروف فن کارہ

(نام نہ بتانے کی شرط)

۱: میں ان کی فین تھی اور زبردست فین تھی..... میرے گھر والے تو ان کو اس وجہ سے پسند نہیں کرتے تھے کہ کلاس ڈفرنس بہت زیادہ تھا مگر میں نے اپنی من مانی کی جو آج تک بھگت رہی ہوں۔

۲: انتخاب ان کی شہرت کی وجہ سے کیا تھا اور ان کی پرسنالٹی کی میں دیوانی تھی..... شادی کے بعد ان کی ہمراہی میں مجھے بہت فخر محسوس ہوا۔ اب بھی ان کا ساتھ اچھا لگتا ہے..... مگر انہوں نے میرا نام ''جھوٹی'' رکھا ہوا ہے۔

۳: ان کی تو ہوائی روزی تھی..... کام مل گیا تو پیسے مل گئے ورنہ نہیں..... اپنے ڈیڈی کے ہاں سے ماہانہ پیسے جو مجھے ملتے ہیں اسی پر گھر چلتا ہے..... مگر وہ احسان فراموش ہیں۔ مانتے نہیں ہیں کہ ان کے سسرال والے ان کا گھر چلا رہے ہیں۔ اور آج کل تو ان کے پاس کام ہی نہیں ہے بلکہ بہت عرصے سے نہیں ہے..... اور میرے گھر والے ان کے نخرے اٹھا رہے ہیں۔

۴: جب بھی کوئی لڑائی ہوتی ہے ان کے غصے سے شروع ہوتی ہے اور ظاہر ہے برداشت مجھ میں بھی نہیں ہے میں کون سی ان سے کم ہوں، جو ان کی کڑوی کسیلی سنوں گی۔

۵:..... شوہر کو اپنی بیوی کی باتیں ماننی چاہیے جبکہ اسے یہ بھی معلوم ہو کہ اس کا گھر اس کی بیوی چلا رہی ہے..... شوہر کو اپنے سسرال والوں کی عزت کرنی چاہیے..... ان کے پاس اپنے خاندان کی تقریب میں جانے کا تو ہمیشہ وقت ہوتا ہے..... انہیں اپنی بیوی کی سہیلیوں کی گیدرنگ میں جانے سے منع کرنا چاہیے۔

۶: جیسے پہلی ملاقات میں مل کر مجھ سے کہا تھا..... تم جیسا کوئی ہو نہیں سکتا..... اور تمہارا ساتھ دنیا کا سب سے قیمتی ساتھ ہے..... بس اسی بات پر قائم رہو کہ مرد کی بات تو پتھر پر لکیر ہوتی ہے اور اب دو بچوں کے بعد میں ان کو بری کیوں لگنے لگی ہوں۔

قارئینِ کرام! بلاشبہ عمدہ سیرت دل موہ لیتی ہے اور اس کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں۔ جب منتخب ہستی نفیس اوصاف سے آراستہ ہو تو اعتراض کی گنجائش ہی نہیں رہتی اور عملی زندگی میں یہی صفات باعثِ فخر بن جاتی ہیں۔ جہاں محبت اپنی تمام تر توانائی کے ساتھ دل میں موجود ہو تو بنیادی اہمیت اسی کی رہ جاتی ہے اور یہ جذبہ اتنا طاقتور ہے کہ وعدے کی عدم تکمیل اور اختلاف کو بھی خود پر حاوی نہیں ہونے دیتا بلکہ باہمی ایثار، حُسنِ سلوک اور افہام و تفہیم کی فضا میں تمام معاملات بحسن وخوبی طے ہو جاتے ہیں۔

سروے میں شریک زوجین کے پیغامات ان کی سچی محبت کے آئینہ دار ہیں اور ازدواجی زندگی کا اصل حسن بھی باہمی اخلاصِ نیت اور عمل میں کارفرما ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ تمام زوجین کی ازدواجی زندگی باہمی باعزت اور بے لوث محبت سے مزین رہے (آمین) بلاشبہ باعزت محبت ایک اعزاز ہے جو ہر محبت کرنے والے کا حق ہے۔ دلی دعا ہے کہ پورے افتخار کے ساتھ ایک دوسرے کی خوشگوار رفاقت میں محبت کا حق ادا کرتے رہیں (آمین)

تیرا خاور رہے درخشاں رہے تا ابد فروزاں
تیری صبحِ نور افشاں کبھی شام تک نہ پہنچے
(آمین)

☆☆☆



بہنوں کی محفل

مدیرہ

✖ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ!

✖ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔ پیاری بہنوں اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے آپ کو وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو۔ یا الٰہی دونوں جہان میں ہم سب کی خیر ہو، آمین ثم آمین۔

✖ بہت پیاری بہنو! آج مجھے دلہن نمبر کے حوالے سے اپنی پیاری، پیاری بیٹیوں سے کچھ باتیں کرنی ہیں...... یاد رکھیے کہ شادی جھلمل کپڑوں اور دمکتے زیورات کا نام نہیں ہے...... یہ آپ کی زندگی کا وہ سفر ہے جس میں آپ نے مدہوش نہیں رہنا ہے۔ شادی کو اگر ایک نہایت عمدہ دوستی کا رشتہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا...... اسے ہر حال میں ایک آسودگی بخش تجربے کے مانند ہونا چاہیے...... اس میں گرمجوشی ہوتی ہے اور یہ دوستی مضبوط اور دیرپا ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے...... دراصل شادی ایسی ہی ہونی چاہیے...... جہاں یہ احساس ہو کہ آپ تنہا نہیں ہیں...... ایک پسندیدہ ساتھی قریب ہی ہے جو آپ کے دکھ سکھ کا شریک بھی ہے...... زندگی کے ابتدائی چند سال ایک دوسرے کو سمجھنے میں مشکل بھی ہو سکتے ہیں...... مگر جوں، جوں وقت گزرتا ہے...... اس رشتے کی خوب صورتی اور آپس کا باہمی اعتماد بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ لڑکیاں جن کی نئی نئی شادیاں ہوئی ہیں...... یا جن کی شادیوں کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا ان سے میں اپنے تجربے کی ایک بات کہوں گی کہ رشتوں کی خوب صورتی ایک دوسرے کی بات کو برداشت کرنے میں ہے...... بے عیب تو صرف اللہ کی ذات ہے...... شوہر میں خامیاں تلاش کرنے کے بجائے اس کے اوصاف کی قدر کریں...... اور خامیوں کو نظر انداز کر دیں...... یاد رکھیے گا...... کہ بڑھاپے میں اولاد سے بھی زیادہ خیال رکھنے والا آپ کا اپنا شوہر ہوتا ہے...... ایک اچھی بیوی ہر حال اور ہر وقت میں اپنے شوہر کی ساتھی ہوتی ہے...... نئی دلہنوں کو میرا مشورہ ہے کہ اپنے شوہر اور اس کے گھر والوں کی لمحہ بہ لمحہ موبائل پر اپنے میکے رپورٹنگ کرنے کے بجائے ان سے دل سے محبت کریں، خدمت کریں...... اس کا اجر آپ کو دونوں جہانوں میں ملے گا...... انشاء اللہ...... ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے کسی کے ساتھ نیک سلوک کیا ہو اور آپ کو اس کا اجر برا ملے...... اللہ سے ہمیشہ دعائیں مانگیں...... کہ وہی ہے جو ہر چیز اور ہر وقت دینے والا ہے...... الحمدللہ اور اس کے ساتھ، ساتھ میں لڑکوں کی ماؤں سے بھی کہوں گی کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی کرنے سے قبل اپنے بیٹے کو پہلی بات یہ سکھائیں کہ تم نے اپنی بیوی کی عزت کرنی ہے، اس کا خیال رکھنا ہے...... اور اپنی زبان کو میٹھا اور اخلاق کو اچھا رکھنا ہے...... تو تمہاری زندگی کی ساتھی تم کو تم سے بڑھ کر چاہے گی اور تم سے بڑھ کر تمہارا خیال رکھے گی۔ (انشاء اللہ)

✖ پیاری بہنو! آپ سب کی پُرزور فرمائش پر آئندہ ماہ سے ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی آپ بیتی یادوں کی مالا اضافے کے ساتھ شروع کی جارہی ہے۔ اس آپ بیتی میں مزید اضافہ ہمارے پُرزور اصرار پر کیا گیا ہے۔ ذکیہ بلگرامی نہ صرف ایشیا کی بلکہ وہ دنیا کی واحد خاتون ہیں جنہوں نے اٹھارہ قرآن پاک کی کتابت کی ہے اور جن کی آپ بیتی شائع ہونے کے بعد درجنوں پاکیزہ بہنوں نے قرآن پاک کی کتابت کی سعادت حاصل کی...... ماشاء اللہ! دراصل ان دنوں ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی شدید علیل ہیں...... مگر جب ہم نے ان سے بات کی...... تو انہوں نے خوشی کا اظہار کیا...... کہ ادارہ پاکیزہ...... اپنے قارئین کی فرمائش لازمی پورا کیا کرتا ہے۔

✖ گزشتہ دنوں میری خصوصی ملاقات صائمہ راشد سے ہوئی۔ یہ پیاری سی خاتون کراچی کی مقبول و معروف شخصیت ہے۔ پانچ سال سے ڈیفنس فیز 7 میں قرآن پاک کی تفسیر بتا رہی ہیں اور درس دے رہی ہیں۔ عموماً یہ کام مرد حضرات کر رہے ہیں اور جو خواتین کر رہی ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ صائمہ راشد جب درس دیتی ہیں تو اس وقت اس علاقے کا

ٹریفک جام ہو جاتا ہے۔بے حد سہل اور پیارے انداز میں بات کرنے والی یہ لڑکی تکبر سے پاک گفتگو کرتی ہے۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ان کے پاس آنے والوں میں نوجوان لڑکیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔صائمہ راشد بھی پاکیزہ کی فین نکل آئیں اور ان سے ملاقات کر کے ہم ان کے فین ہو گئے ......سبحان اللہ......

☆☆☆

★ اس ماہ بھی بہت سی بہنیں مجھ سے براہِ راست رابطے کرنے میں پریشان رہیں آپ میرا نیا فون نمبر نوٹ کر لیجیے......021-36964779 اور جب کسی کے پاس سے میرا فون نمبر کھو جائے تو وہ ادارہ پاکیزہ کے دفتر فون کر کے معلوم کر سکتا ہے۔جیسے اس دفعہ سلمیٰ اعوان اور دیگر بہنوں نے کیا......ویسے اب پرانا والا نمبر بھی ٹھیک ہو گیا ہے۔

★★★

★ اور اب آیئے پہلے ایک بار درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے ابھی پڑھ لیں اس کے بعد صرف تین بار آیتِ کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔

★★★

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

★ معروف شاعرہ شگفتہ شفیق اپنی بیٹی کنزل اور اپنے داماد تابش سے ملنے ان دنوں لندن گئی ہوئی ہیں۔(ماشاءاللہ)

★ مصنفہ رضوانہ پرنس ان دنوں لندن میں ہیں۔(ماشاءاللہ)

★ گزشتہ دنوں کراچی کے ایک تعلیمی ادارے کی طالبات اپنی اساتذہ کی زیرِ نگرانی ترکی کے مطالعاتی دورے پر گئیں۔جہاں انہوں نے مختلف شہروں کا دورہ کیا......طالبات کے اس گروپ میں میری نواسی اجیبہ بھی شامل تھیں۔یہ گروپ بفضلِ تعالیٰ ترکی سے واپس آ گیا ہے۔(الحمدللہ)

★ مصنفہ سیما مناف ان دنوں امریکا گئی ہوئی ہیں......بھانجے کی شادی میں شرکت کے لیے......(مبارکاں)

★ شاعرہ نسیم نیازی کا پرس اور جیولری گن پوائنٹ پر لاہور میں چھین لی گئی۔(اللہ آپ کو سلامت رکھے)

★ پاکیزہ کی مستقل قاری مونا وقار، لاہور اپنی والدہ کے ساتھ اپنے بھائی کے پاس ساؤتھ افریقا جا رہی ہیں۔(خیر نال جاؤ اور خیر نال آؤ)

★ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار نرگس نسیم، صابہ موہڑہ اب چکوال کے اخبارات میں مضامین لکھ رہی ہیں۔(ماشاءاللہ)

★ مصنفہ شمیم فضل خالق، پشاور کی بیٹی عندلیب اپنے دونوں بچوں زرک خان اور ہاشم خان سمیت اپنے شوہر کے پاس لندن چلی گئی ہیں جو وہاں کے ایک اسپتال میں ڈاکٹر ہیں۔(مبارکاں)

★ خواجہ اشرف جب پاکستان میں رہتے تھے، تب بھی لکھنے کے حوالے سے مصروف تھے۔امریکا جب مقیم ہوئے تو ان کے سفرناموں نے ان کو شہرت دی اب حال ہی میں ان کی انگریزی کہانیوں کا مجموعہ واکنگ ان دی ڈارک کے نام سے شائع ہوا۔جس کا انتساب ان کی بیوی کوثر بیٹوں خاقان اور جبران اور بہوؤں ہما اور عائشہ کے نام ہے۔کہانیاں انگریزی میں ضرور لکھی گئی ہیں مگر موضوعات اور کردار سب دیسی ہیں اچھے صفحات پر شائع یہ کتاب ہر اچھے بک اسٹال سے پاکستان میں بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

★ پاکیزہ کی تبصرہ نگار فرزانہ قادر، میانوالی کے بھانجا ہوا ہے جس کا نام محمد قدیر رکھا گیا ہے۔(مبارک باد)

★ کراچی کے ایک اخبار سے وابستہ ام ایمان جن کا اصلی نام غزالہ عزیز ہے......ان کے افسانوں کا مجموعہ صبحِ تمنا کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔کتاب کی قیمت صرف 250 روپے ہے اور یہ کتاب حاصل کرنے کے لیے آپ کو رابطہ کرنا ہو گا۔ادارہ بتول F.14 سید پلازہ 30 فیروز پور روڈ مزنگ چونگی لاہور، فون نمبر 043,7424409 اس کتاب کی تعارفی تقریب پریس کلب میں ہوئی جس میں بہت سی مصنفات نے شرکت کی۔

★ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار مسز حمید فاروق، کراچی کے حوالے سے دو خوشی کی نیوز ہیں......پہلی یہ کہ ان کی بیٹی اور

بیٹے نے ٹی وی کے ایک کوئز مقابلے میں خوب، خوب انعامات جیتے۔ بائیک، فریج، لیپ ٹاپ اور سونے کے سکے تک لے کر آئے مبارک باد اور دوسری خوش خبری یہ ہے کہ ان کی ڈاکٹر بیٹی کی شادی بقرعید کے فوراً بعد ہو رہی ہے (انشاء اللہ)

- شاعرہ پروین عذرا تشنہ اپنے بیٹے علی کے ساتھ دبئی جا رہی ہیں۔
- صبا نور، لیہ کی بھانجی پیدا ہوئی ہے جس کا نام دعا فاطمہ رکھا گیا ہے۔ (مبارک باد)
- مصنفہ حمیرا نوشین، منڈی بہاؤ الدین کی بھانجی مقیم، شجاع آباد میٹرک کے امتحان میں نمایاں پوزیشن حاصل کر کے وظیفے کی حق دار قرار پائیں۔
- پاکیزہ کی مستقل قاری فیروزہ بیگم نے کراچی میں اپنا مکان خرید لیا ہے۔ (مبارکاں)
- پاکیزہ کی مستقل قاری رفعت سجاد نے کراچی میں اپنا مکان خرید لیا ہے۔ (مبارک باد)
- پاکیزہ کی مستقل قاری لبنیٰ کی منگنی ہو گئی ہے۔ (مبارک باد)

دعائے صحت کے لیے التماس

- پاکیزہ کی تبصرہ نگار تنویر بخاری اور ان کے شوہر استقبال بخاری بیمار ہیں۔
- پاکیزہ کی نئی تبصرہ نگار فرخندہ جعفری، مدینہ سیداں، گجرات ان دنوں بسترِ علالت پر ہیں۔
- پاکیزہ کی مستقل قاری ڈاکٹر میمونہ غوری، کراچی ہنوز بیمار ہیں۔
- پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار ذکیہ ایوب، کراچی کے مزاج ناساز ہیں۔
- پاکیزہ کی مستقل قاری مسز عاصمہ مخدوم، راول پنڈی کے بیٹے میجر عدیل حیدر ایکسی ڈینٹ کی وجہ سے شدید علیل ہیں۔
- شاعرہ نجمہ اصغر، کراچی کے بیٹے کی طبیعت بے حد خراب ہے۔
- شاعرہ، مصنفہ پروین عذرا تشنہ، کراچی بے حد بیمار ہیں۔
- مصنفہ افسر سلطانہ، کراچی کی بہن قیصر سلطانہ ہنوز بیمار ہیں۔
- ادارہ پاکیزہ سے وابستہ نزہت اصغر اب بفضلِ خدا روبصحت ہیں۔
- ہماری مایہ ناز ادیبہ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی شدید علیل ہیں۔
- ہماری پیاری لاڈلی شاعرہ اور تبصرہ نگار امینہ عندلیب، سلانوالی ہنوز بسترِ علالت پر ہیں۔

انتقالِ پُرملال

☆ مستقل قاری بہنیں مقدس، فوزیہ اور رابعہ یاسمین کے والد ماجد انتقال کر گئے۔
☆ نامور ادیب عبداللہ حسین گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔
☆ فنکار فرید خان طویل علالت کے بعد چل بسے۔
☆ مصنفہ سعدیہ عزیز آفریدی کی والدہ محترمہ مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔
☆ پاکیزہ کی تبصرہ نگار نجمہ رخسانہ، کراچی کے بھائی شکیل احمد خان انتقال کر گئے۔

نوٹ: تمام مرحومین کی مغفرت کی دعا کے ساتھ صرف تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں۔

☆☆☆

ڈاکٹر ممتاز ضیا، ضیا الدین اسپتال کراچی سے۔ ”جولائی اور اگست میں مجھے کچھ کہنا ہے میں تم نے حسبِ معمول بہت کچھ اچھا کہہ دیا، اللہ تعالیٰ ہم بہنوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے، آمین...... جلترنگ میں مشکلیں اور ماڈلنگ مزہ دے گئیں۔ قسط وار ناول تقریباً سب ہی اچھے جا رہے ہیں۔ رنگِ خلش ختم ہوا مگر اس کا انجام دل کو نہیں لگا بہرحال یہ اگر چی کہانی ہے تو مصنفہ بھی کیا کر سکتی ہیں۔ جولائی کا شمارہ مجموعی طور پر اچھا تھا۔ اعتبارِ وفا میں نجل کو جس آسانی سے منزل ملی ذرا کم ہی ایسا

ہوتا ہے۔ بہر حال اچھا ناول ہے، متاعِ دل میں دُرِ یکتا کو اب اتنا معصوم بھی نہ دکھائیں۔ رشتے داروں کی ریشہ دوانیوں پر لکھی اچھی کاوش ہے۔ عقیلہ حق کی عید مبارک ہلکی پھلکی اچھی کاوش ہے۔ شیریں حیدر اور قیصرہ حیات دونوں نے زبردست اور حساس موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ اچھا لکھ رہی ہیں معمول کے مطابق...... شیریں کی گھنٹی بھی بہت اچھا رہا شاید کچھ لوگ اس سے راہنمائی حاصل کریں۔ مہرو کی عید موضوع پرانا مگر اندازِ بیاں دلچسپ...... وا ہے بھی اچھے موضوع پر لکھا گیا شاید کچھ لوگ اس کو پڑھ کر اپنے واہموں سے چھٹکارا پالیں۔ میرا نصیب میں اگر مصنفہ حرام اور حلال کے مسئلے کو علما پر چھوڑ دیتیں تو اچھا تھا کہ اقربا پروری، رشوت اور بیروزگاری کے اس دور میں اگر بے حساب بینک ملازمین اپنی محنت کا معاوضہ لیتے ہیں ان پر اس کی کوئی ذمے داری نہیں (میرے کوئی عزیز بینک میں ملازم نہیں دوسروں کے خیال سے لکھ رہی ہوں) شمیم فضل خالق کی صحیح نشانہ واقعی صحیح نشانے پر لگی...... نزہت جبیں کے شہزادے کی شادی کا احوال دلچسپ تھا مگر ڈمیوں پر بجی بری کیسے لے جائی گئی ہوگی یہ سوچ رہی ہوں۔ (موزو کی میں لے کر گئے ہوں گے) ارم کمال اپنی ای کو میرا بھی سلام کہنا انہوں نے مجھے یاد رکھا بہت خوشی ہوئی۔ میں بھی انہیں بھولی نہیں ہوں۔ صادقہ کے ساتھ النور اسپتال میں بہت اچھا وقت گزرا تھا۔ عظمیٰ کی کمی بہت محسوس ہو رہی ہے۔ بہنوں کی محفل سے بہنوں کے بارے میں آگاہی ہوئی جن کو خوشیاں ملیں اللہ تعالیٰ ان کو مبارک کرے...... اور جنہوں نے اپنے پیاروں کو کھو دیا ان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ ارے بھئی یہ کیا اتنے سارے پیارے لوگ ایک ساتھ بیمار ہو گئے۔ سب کے لیے صحتیابی کی دلی دعائیں خاص کر آئینہ کے لیے بہت پیاری ہے اس کے عزم، حوصلے، ہمت اور راضی بہ رضا الٰہی کے لیے سلام...... اللہ تعالیٰ اسے صحت عطا کرے، آمین۔'' (پیارے سے تبصرے اور پیاری، پیاری دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

☜ بیگم سلطانہ ناز، اسلام آباد سے۔ '' پیاری انجم باجی میں آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو اتنا اچھا اور معیاری رسالہ شائع کرنے پر مبارک باد دیتی ہوں۔ موجودہ دور میں تو انسان ٹی وی وغیرہ سے بھی لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یا تو بجلی نہیں ہوتی یا پھر دل دہلا دینے والی خبریں ایسے میں آپ کا یہ رسالہ پڑھ کر دل کو سکون ملتا ہے اور تھوڑی خوشی ہوتی ہے۔ ماہنامہ پاکیزہ ماہ جولائی مارکیٹ میں ایک بک شاپ پر دیکھا تو خرید لیا۔ جب پڑھا تو بہت اچھا لگا۔ مستقل عنوانات والے سلسلے بہت اچھے لگے۔'' (سلطانہ اس محفل میں خوش آمدید...... اب مجھے تمہارے بھرپور تبصرے کا انتظار رہا کرے گا)

☜ شمیم فضل خالق پشاور سے۔ '' دراصل رمضان میں بری حالت تھی آپ جانتی ہیں کہ شوگر والوں کے روزے عام روزہ داروں سے بڑھ کر ہوتے ہیں...... افطار میں کچھ بھی کھانے کو دل نہ کرتا...... سحری میں تو خالی کپ چائے کا بھی نہ پیا جاتا...... ہاں آموں کے ٹوکرے ختم کر دیے تھے...... اس سلسلے میں شوگر کا سارا پرہیز بھلا بیٹھی تھی۔ آپ رمضان میں کیسی تھیں؟ روزے کیسے گزرے؟ (ہاں آموں سے پرہیز میں نے بھی نہیں کیا) بہنوں کی محفل پر نظر ڈالی۔ فریدہ افتخار کے خط نے لبوں پر مسکراہٹیں بکھیر دیں...... ان سے کہہ دینا کہ گلہ تو اپنوں سے ہی کیا جاتا ہے...... غیروں سے تو گلہ نہیں کیا جاتا۔'' (ہماری فریدہ کہہ رہی ہیں کہ آئندہ وہ آپ کے افسانے پر سخت سا تبصرہ کریں گی)

☜ افسر سلطانہ، کراچی سے۔ '' انجم آپ کو صد سلام...... والدہ ابدی سفر پر روانہ ہوئیں۔ وہ آپ سے اور آپ ان سے کتنی محبت کرتی تھیں۔ اس کا اندازہ سب کو ہے لیکن فرائض کی بجا آوری کوئی آپ سے سیکھے...... پاکیزہ وقت پر شائع ہوا اور جلترنگ بھی موجود...... اختر شجاعت کو مکمل اور جامع مضامین پر میری مبارک باد پہنچا دیں۔ بہنوں کی محفل کے کیا کہنے میکا لگتا ہوگا جو سسرال جا چکی ہیں۔ اعتبارِ وفا نے نیا موڑ لیا ہے اپنی خوب صورتیوں کے ساتھ رواں دواں ہے۔ نایاب جیلانی نے اپنے پچھلے ناول میں جرمنی سکھائی، ٹیلی پیتھی پر بھی گرفت رکھی...... اس بار ڈزنی لینڈ کی میر کرا کے اچھا طول دیا...... شیریں حیدر اچھوتے خیال کے ساتھ آتی ہیں۔ غزالہ عزیز، نگہت اعظمی، اُمِ طیفور اور شمیم فضل خالق کے افسانے زیادہ پسند آئے...... ایک مکالمہ خوب رہا اور دلہن اور ماڈلنگ کی حقیقت تو سب جانتے ہیں...... جس نے بھی جلترنگ پڑھا ہوگا...... ہنسے گا تو ضرور۔'' (تبصرے کا شکریہ...... اور اللہ آپ کی بہن قیصر سلطانہ کو کلی صحت عطا فرمائے)

☜ فرزانہ قادر، میانوالی سے۔ '' اگست کا شمارہ بھرپور تھا ہر تحریر بہت پسند آئی مگر بہنوں کی محفل کے بعد جن کی تحریریں ہمارے دل کو چھو گئیں وہ نگہت سیما اور نبیلہ ابر راجا ہیں......'' (نگہت سیما اور نبیلہ ابر راجا شکریہ کہتی ہیں)

تسنیم ماہ پارہ، کراچی سے۔ ''انجم سب سے پہلے جلترنگ پڑھا...... دلہن کی ماڈلنگ سب سے زیادہ پسند آئی۔ عام خواتین بھی مختلف تقاریب میں ایسی ہی ماڈلنگ کرتی نظر آتی ہیں۔ نند بھاوج کا مکالمہ تو ہنستے، ہنستے پڑھا...... ایسی چٹاخ پٹاخ والی باتیں...... بہت سوں کے دل کا بوجھ بھی ہلکا کردیا۔ سارے کے سارے افسانے اور ناول سو پر رہے......'' (پسندیدگی کا شکریہ...... دراصل بہت سی خواتین تصویر کھنچوانے کا مطلب ہی یہ سمجھتی ہیں کہ کوئی نہ کوئی پوز بنانا ہے...... ہماری ایک دوست ہیں...... کل فیس بک پر میں ان کی تصویریں دیکھ رہی تھی...... وہ اپنی ہر تصویر پر اپنے شوہر پر ڈھے رہی تھیں...... کبھی گلے میں بانہیں ڈالے کھڑی ہیں، کہیں ان کے صوفے پر ہتھی پر اس طرح بیٹھی ہیں کہ آدھی ان پر گررہی ہیں...... وغیرہ وغیرہ...... اس لیے ایسے مناظر دیکھ کر لکھنے کو دل تو چاہتا ہے ناں)

مسز حمید فاروق، کراچی سے۔ ''اگست کا شمارہ پڑھا...... روحانی مشورے بے حد شوق سے پڑھتی ہوں...... اس ماہ بہت سارے افسانے پڑھنے کو ملے مگر مجھے سب سے خوب صورت تحریر شیریں حیدر کی لگی...... شیریں کی ہر کہانی پڑھ کر مجھے لگتا ہے جیسے... کوئی سچی کہانی لکھ رہی ہوں۔'' (آپ کی خصوصی مبارک باد شیریں حیدر تک پہنچائی جارہی ہے اور وہ شکریہ کہتی ہیں)

محسنہ علی، ضلع بھکر۔ تمہارا افسانہ گلیاں اور تم...... شائع ہوجائے گا اور جب یہ افسانہ شائع ہوجائے تب تم دوسرا افسانہ لکھنا تاکہ تمہیں پتا چل سکے کہ میں نے اس کو کس طرح شائع کیا ہے کس چیز کی زیادتی تھی جو میں نے اس میں سے کم کی ہے۔ بہرحال مبارک باد...... کہ تم مصنفہ بن گئی ہو۔

مسز تنویر بخاری، انچولی کراچی سے۔ ''بہت عرصے بعد اس محفل میں آئی ہوں...... پاکیزہ صرف انجم کے جلترنگ کی وجہ سے پڑھتی ہوں اور آج مجھے یہ کہنا ہے کہ مائیں اپنے چھوٹے، چھوٹے بچوں کو جو چار، چار گھنٹوں کے لیے ٹیوشن اس لیے بھیج دیتی ہیں کہ انہیں سکون کا وقت مل سکے...... تو وہ بہت غلط کررہی ہیں...... چھوٹے بچوں کو ماؤں کو خود پڑھانا چاہیے اور انہیں دین کی باتیں بتانی چاہئیں...... تاکہ ہمارے بچے اپنے دین سے دور نہ ہونے پائیں......'' (آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، میں نے تو ایسے مناظر بھی دیکھے ہیں... چھوٹے بچے الٹیاں کرتے ہوئے دین میں جاتے ہیں اور مائیں اپنے بچوں کو دین میں دھکیل کر سرخرو ہوجاتی ہیں اور پھر ٹھاٹ سے کمرا بند کرکے سویا کرتی ہیں)

پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ''اگست کا شمارہ بہت اچھا لگا...... بزم پاکیزہ کے سوالات بھی بھیج رہی ہوں۔'' (پیاری پروین آپ کے سوالات انشاء اللہ آئندہ ماہ شائع ہوجائیں گے۔ آپ سے ایک شکایت ہے کہ آپ نے عید کے اخبار جہاں کے کٹ پیس کے صفحے پر میرے جلترنگ اپنے نام سے شائع کروالیے...... جبکہ اسی صفحے پر کسی دوسرے نے جلترنگ کا ایک خاکہ عیدی کے نام سے شائع کروایا تو اس میں لکھا ہوا ہے کہ انجم انصار کے جلترنگ سے...... کیا آپ بھی ایسا نہیں کرسکتی تھیں)

نجمہ اصغر، کراچی سے۔ ''انجم باجی میں آپ کو فون کروں یا خط لکھ دوں ایک ڈھارس سی بندھ جاتی ہے۔ آپ جس طرح میرا حوصلہ بڑھاتی ہیں اور جس طرح میرے دکھوں کو محسوس کرتی ہیں۔ اللہ اس کا اجر آپ کو ضرور دے گا۔ پاکیزہ پڑھا تو نہیں مگر دیکھا ضرور اور اچھا لگا......'' (پیاری بہن نجمہ...... ہم سب ایک دوسرے کے لیے مرہم بھی ہیں۔ کسی دوسرے کو کوئی دکھ پہنچے تو آپ بھی اس کا خیال رکھیے گا...... اس کا حوصلہ بڑھائیے گا...... کہ مسلمان ہونے کے ناتے ہمارا ایک دوسرے پر یہ حق تو ہے ناں...... اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ کم از کم حوصلہ تو دیں ایک دوسرے کو)

نجمہ رخسانہ، کراچی سے۔ ''ہم پاکیزہ تو باقاعدگی سے پڑھتے ہیں مگر اپنی رائے سے کبھی کبھار ہی آگاہ کرپاتے ہیں۔ ہمیں شدت سے ذیشان کی شادی کی تفصیل کا انتظار تھا مگر یہ انتظار... انتظار ہی رہا...... ناول افسانے سب بہت اچھے ہیں کس، کس کی تعریف کریں...... مگر ہمیں اب انتظار ہے عظمیٰ آفاق کی سلسلے وار تحریر کا......'' (پسندیدگی کا شکریہ اس ماہ یہ انتظار تمام ہوا اب آپ احوال مع تصاویر کے دیکھ رہی ہیں)

رضیہ زبیری، کراچی سے۔ ''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے مگر پاکیزہ پڑھے بغیر نہیں رہ سکی...... آپ کا شکریہ کہ آپ

نے میری صحت کے لیے دعا بھی کردائی جزاک اللہ...... میں ان سطور کے ذریعے اپنی بہنوں اور بیٹیوں سے یہی کہنا چاہتی ہوں کہ جب وہ دعا مانگا کریں تو سب سے پہلے درود پاک پڑھ کر اللہ کی خوب حمد وثنا کریں...... پھر اللہ کے سب نام لیں اس کے بعد خوب دل لگا کر خضوع وخشوع کے ساتھ دعا مانگیں ہمیشہ قبول ہوگی۔'' (اتنی پیاری بات بتانے کے لیے جزاک اللہ خیر)

✉ **فیروزہ بیگم**، کراچی سے۔''پاکیزہ پڑھنا اب ہماری عادت ہے...... افسانے اور ناول بے حد عمدہ رہے...... اداریہ تو کمال کی چیز ہوتا ہے...... اور جلترنگ کی تو میں تعریف ہی نہیں کر سکتی مگر اس پاکیزہ میں جو سب سے پسندیدہ چیز ہے وہ روحانی مشورے ہیں...... اختر شجاعت کا مضمون بھی پسند آیا۔'' (بہت شکریہ)

✉ کشور سلطانہ، کراچی سے۔''انجم آپ کو اور عظمٰی کو اجیہ کے اے ون گریڈ میں میٹرک پاس کرنے پر دلی مبارک باد...... میں اجیہ کی ٹیچر رہی ہوں...... ماشاء اللہ اجیہ نہ صرف ذہین طالبہ رہی ہے بلکہ بے حد تمیز دار اور بڑوں کا ادب کرنے والی بچی ہے۔'' (کشور بہن مجھے آج سب سے زیادہ خوشی آپ کے جملوں سے ہوئی ہے کہ جب کوئی استاد اپنے شاگرد کی تعریف کرتا ہے تو دل میں کیسے مسرت کے پھول کھل اٹھتے ہیں، جزاک اللہ)

✉ صفیہ بیگم، لالہ موسیٰ سے۔''سب سے پہلے تو شکایت کہ ہمیں عظمٰی آفاق کی غیر حاضری بڑی شدت سے محسوس ہو رہی ہے اور ایک دو نہیں اپنے چاہنے والوں کا کم از کم اتنا تو خیال کرنا چاہیے کہ کوئی مزے دار سا افسانہ لے کر آئیں...... غزالہ عزیز کا ناولٹ پڑھا بہت اچھا لگا مگر آخری حصے میں الجھاؤ تھا جو کم از کم میری سمجھ میں تو نہیں آسکا کہ چندا کے ساتھ آخر ہوا کیا (چندا نے اپنی عزت بچالی تھی) انمول کی تحریر اچھی تھی...... اداریہ، بہنوں کی محفل، جلترنگ تو ہمارے ڈائجسٹ کی آن بان ہیں......'' (پیاری صفیہ آپ کی رائے عظمٰی تک پہنچائی جارہی ہے اور اس رسالے کی اصل شان تو صرف، صرف آپ بہنوں کے دم سے ہے)

✉ کرشمہ کرن فاطمہ، مقام نامعلوم۔ اس محفل میں خوش آمدید آپ کی جانب سے ایک خوب صورت اسکیچ موصول ہوا۔ سی گرین ساڑی پر شاکنگ پھولوں والی تصویر تو مجھے دل سے پسند آئی بلکہ اس کی تھوڑی بہت مشابہت مجھے اپنی جوانی کی تصویروں سے بھی لگی۔ آپ کا بے حد شکریہ...... مگر ہم یہ تصویر پاکیزہ میں اس وجہ سے نہیں لگا سکے کہ ہمارے اپنے مصور...... افسانوں کے حساب سے تصاویر بناتے ہیں، آپ کا ایک بار پھر شکریہ...... کہ اتنی پیاری تصویر بنا کر ہمیں بھیجی۔

✉ عاصمہ مخدوم، راولپنڈی۔ میرے پاس آپ کی بیٹی مریم کا فون آیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے بیٹے کا ایکسی ڈینٹ ہوگیا تھا اللہ تعالیٰ اسے صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آپ بے فکر رہیں ہم سب اس کی کلی صحت اور زندگی کے لیے ضرور دعا کریں گے...... ہاں آپ کی تحریروں کا لفافہ مجھے موصول ہوگیا ہے جو جلد لگ جائیں گی۔

✉ مونا، لاہور سے۔''پاکیزہ میں شائستہ لودھی کے نکاح کی خبر پڑھی...... آج سے دس سال پہلے اس شخص جس کا نام عدنان ہے کا رشتہ میرے لیے آیا تھا اور میں نے اس لیے منع کردیا تھا کہ یہ کالا بہت تھا۔'' (کالا ہوا تو کیا ہوا، بس دل والا ہونا چاہیے...... شائستہ نے بہت سی پریشانیاں دیکھی ہیں ہماری دعا ہے کہ ان کی یہ شادی کامیاب رہے اور وہ اپنی زندگی خوشی اور اطمینان کے ساتھ گزاریں...... آمین)

✉ ذکیہ ایوب، کراچی سے۔''جولائی کا پاکیزہ مجھے کراچی سے نہیں مل سکا تو میری بہو میرے لیے لاہور سے لے کر آئی...... پاکیزہ سے میری محبت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا...... زبردست شمارہ تھا، قیصرہ حیات نے بہت حساس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ نگہت سیما بھی اپنی کہانی بہت عمدگی سے بڑھا رہی ہیں...... نبیلہ ابر راجا بھی

انتقالِ پُر ملال

ادارے کے شعبۂ سرکولیشن سے طویل ترین وابستگی رکھنے والے مخلص اور محنتی رکن حاجی بدرالدین احمد 89 سال کی عمر میں 12 اگست کو خالقِ حقیقی سے جاملے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ قارئین سے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ ادارہ مرحوم کے پس ماندگان کے اس غم میں برابر کا شریک ہے۔

خوب کامیاب ہیں..... مگر اس کی ہیروئن کو ابھی تک کچھ بھی غلط نظر نہیں آرہا...... عمر کی حالت دل کو دکھی کرتی ہے۔ عید کی مناسبت سے افسانے اچھے رہے۔ نایاب جیلانی بھی بہت اچھی کہانی لے کر آئی ہیں...... میمونہ صدف نے بھی ابنارمل بچی کے بارے میں اچھا لکھا...... سب سے عمدہ کہانی ثوبیہ رفعت کی رہی...... اللہ کی ذات پر توکل کا بہت اچھا سبق دیا ہے۔ اختر شجاعت نے اس مرتبہ شکر کو موضوع بنایا...... اللہ تعالیٰ ہم کو بھی شکر ادا کرنے والوں میں شامل رکھے...... بہنوں کی محفل میں تم نے ایک نوے سالہ خاتون کا ذکر کیا ہے، ان ہی حالات سے میری ایک جاننے والی گزر رہی ہیں ان کی دونوں بہویں ان کو رکھنے کو تیار نہیں ہیں...... وجہ کہ وہ اپنی بیٹی سے ملنا چھوڑ دیں...... اللہ کسی کو کبھی بڑھاپے میں خوار نہ کرے...... انجم تم ناول کب لکھوگی...... جلترنگ میں ایک مکالمہ اور اوچھا پن...... بہت زبردست رہے......'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

✿ ساجدہ بتول، راجن پور سے۔ ''باجی میں صرف پاکیزہ پڑھتی ہوں، ہمارے راجن پور میں پاکیزہ اٹھائیس تاریخ تک آجاتا ہے اور میں اسی دن لے لیتی ہوں۔ باجی مجھے دوسرے رسائل پڑھ کر بالکل مزہ نہیں آتا۔ بس آپ کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ عظمیٰ باجی کا سفرنامہ بہت اچھا لگا تھا۔ ان کی کتاب کب آئے گی مجھے لینی ہے۔'' (اس محفل میں خوش آمدید...... عظمیٰ کی کتاب ابھی شائع نہیں ہوئی ہے۔ جب ہوگی تو میں آپ کو بتادوں گی)

✿ اُمِ ایمان، کوٹ چھٹہ سے۔ ''سب سے پہلے تو اعتکاف کی اور عید، روزوں کی مبارک باد قبول کریں۔ آج 29 کو میرے شوہر لاہور سے واپس آئے ہیں چھٹیوں پر...... ان سے پہلی فرمائش ڈی۔جی خان جاکر شمارہ لے آنے کی، کی ہے جو کہ انہوں نے مان بھی لی ہے۔ پہلی نظر فہرست پر دوڑانے سے پہلا تاثر مایوسی کا تھا۔ (اپنی کہانی شامل نہ ہونے پر) پھر فوراً ہی اگلے ماہ کی امید اور فرمائش کے ساتھ سب سے پہلے اپنی پسندیدہ بہنوں کی محفل کو دو دفعہ پڑھا ہے۔ دن دو بجے سے اب رات گیارہ بجے تک روٹین کی مصروفیات میں جتنا پڑھ سکی ہوں اتنا تبصرہ پیشِ نظر ہے۔ اعتبارِ وفا کی اس قسط کو پڑھ کر لگا تمام کرداروں کا آپس میں قریبی تعلق ضرور ہے جو کہ آگے چل کر مزید دلچسپ ہوجائے گا۔ آدم سے انسان تک قانتہ رابعہ نے بہت خوب صورتی سے انسانی نفسیات کے ایک پہلو کو اجاگر کیا...... متاعِ دل میں لگتا ہے کہ اب مائرہ کا مکافاتِ عمل شروع ہونے کو ہے۔ ہمارے معاشرے کی کئی تلخ حقیقتوں کو نمایاں کرتی تحریر ضرورت مند تھی جو اپنے اختتام پر بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرگئی۔ زندگی خاک نہ تھی اس بار بہت واضح ہوکر سامنے آئی۔ شیریں حیدر نے ہمیشہ کی طرح ایک نازک اور حساس موضوع کو رشتوں کی ڈور سے بندھا دکھایا۔ اگلی قسط کا انتظار ہے۔ جلترنگ میں دلہن کی ماڈلنگ اور نند بھابی کا مکالمہ مزہ دے گیا۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

✿ صبا نور، لیہ سے۔ ''آپی میں نہیں جانتی تھی کہ میرا کارڈز بھیجنا آپ کو کوفت میں مبتلا کرتا ہے۔ میں تو آپ کی محبت میں آپ کو کارڈز بھیجتی ہوں اور کارڈز بھیجنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور بھی تو اتنے خرچے ہوتے ہیں خیر آئندہ میں آپ کو کبھی کارڈز نہیں بھیجوں گی۔'' (گڑیا ناراض مت ہو کیونکہ میں نے صرف تمہیں ہی نہیں دیگر بہنوں سے بھی کہا تھا) اگست کا شمارہ بہت پسند آیا سب سے اچھی تحریر اُمِ طیفور کی بخیل تھی کاش کہ ہر انسان کی سوچ پروفیسر صاحب کی طرح ہوجائے کہ آخرت کی فکر کرنے والے اور آخرت کی تیاری کرنے والے ہی روزِ محشر اپنے رب کے سامنے سرخرو ہوں گے۔ عقیلہ حق کی تحریر عید مبارک بھی پُراثر رہی سائرہ کو دعا سے من چاہا ساتھی مل گیا۔ دعا واقعی نصیب بدل دیتی ہے۔ جلترنگ میں دلہن اور ماڈلنگ پڑھ کر بہت ہنسی آئی ویسے ماڈلنگ کا شوق تو مجھے بھی بہت ہے ہر ماہ پاکیزہ کے ٹائٹل کی ماڈلز کو حسرت سے دیکھ کر سوچتی ہوں کہ کاش میں بھی کبھی پاکیزہ کے ٹائٹل پر آسکوں۔'' (انٹر میں اچھے نمبر سے پاس ہوکر دکھاؤ تمہارا انٹرویو تصویر کے ساتھ شائع کروں گی) اور حسرت تو یہ بھی ہے کہ اپیا کہ کاش آپ کے کسی ناول، ناولٹ یا کہانی کی ہیروئن کا نام میرے نام پر ہو یعنی صبا۔'' (اور ہیرو ندیم ہو، انشاءاللہ ناول جب لکھوں گی تو یہ فرمائش یاد رکھوں گی)

✿ فاطمہ چوہدری، ساہیوال سے۔ ''پاکیزہ سے گزشتہ تین سالوں سے رشتہ ہے، ہر مہینے کے شروع میں بے تابی سے پاکیزہ کا انتظار رہتا ہے۔ پاکیزہ کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں۔ کوکنگ کا بہت شوق ہے اس لیے سب سے پہلے خوش ذائقہ کی طرف بڑھتی ہوں۔ مزے مزے کے پکوان ٹرائی بھی کرتی ہوں۔ شاعری بہت پسند ہے اس لیے میں اکثر گنگناتی ہوں کو

بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ بہنوں کا اعلیٰ انتخاب ایک دم فریش کر دیتا ہے۔ اگر ناولز کی بات کی جائے تو نگہت سیما کا اعتبارِ وفا سب سے آگے جا رہا ہے۔ بہت خوب...... نبیلہ جی کا متاعِ دل بہت پسند آیا۔ بہت اچھا لکھتی ہیں، ناول کا نام ہی اتنا خوب صورت ہے کہ خود بخود ہاتھ اس کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ باقی نئی لکھاری بہنوں کے افسانے اور ناولٹ بھی پڑھتی ہوں۔''
(اگر لکھنے کا شوق ہے تو بھیجیے ضرور کوئی مختصر کہانی لکھو)

✿ نور افشاں شیخ، شکار پور سے۔ ''باجی پاکیزہ ہم سب بہنوں کا پچھلے 15 سالوں سے موسٹ فیورٹ رسالہ ہے اور آپ سے آپ کی باتوں سے تو اتنا پیار ہو گیا ہے مجھے کہ میں بتا نہیں سکتی۔ باجی آپ کو اعتکاف میں بیٹھنے کی بہت مبارک باد ہو یہ ایک بہت بڑی سعادت ہے ماشاء اللہ۔ آنٹی عذرا رسول اور آنٹی نزہت جبیں ضیا کو بیٹوں کی شادی کی مبارک باد دونوں دولہا اور دلہنیں اچھے لگے اللہ پاک ان کو خوش رکھے، آمین...... اور راجیہ کے میٹرک میں اے ون گریڈ کی کامیابی کی بہت زیادہ مبارک باد...... باجی آپ کی وجہ سے میری اتنی پیاری باجی امینہ عندلیب سے دوستی ہو گئی ہے جن سے میں بہت کچھ سیکھتی ہوں، اللہ پاک امینہ باجی کو بہت صحت دے، آمین۔ ڈاکٹر ممتاز ضیا کے خطوط بہت پسند ہیں اور آپ کے جلترنگ کی تو کیا بات ہے۔''
(تبصرے کا شکریہ تم امینہ کو فون کرتی رہا کرو...... اچھی باتوں سے بیمار کا دل بہلتا ہے)

✿ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ ''اس دفعہ کا ٹائٹل بہت ہی دیدہ زیب اور کلرفل تھا۔ ماڈل پر سے تو نظریں ہٹنے سے انکاری ہو گئیں۔ بہ مشکل نظروں کو کھینچ کھانچ کر ہٹایا۔ اداریہ گویا ڈالروں اور یوروز میں تولنے والا تھا۔ مسلسل ناول اعتبارِ وفا کھل کر سامنے آتا جا رہا ہے۔ تمام کردار اپنی، اپنی جگہ انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ ہیں جبکہ آخری امید کا آغاز بھی انٹرسٹنگ ہے۔ متاعِ دل کا چھٹا حصہ بہت ہی زبردست جا رہا ہے میری ساری ہمدردیاں اشعر اور دُرِّ یکتا کے ساتھ ہیں بقیہ کہانیوں میں انمول دولت، مہر کی عید، الٹی گنگا، میرا نصیب اور یہ تیری ہے، بڑے پائے کی تحریریں تھیں۔ نایاب جیلانی کا ناولٹ کہیں بہت اچھا تھا کہانی کو درمیان سے شروع کیا گیا ہے، اختر شجاعت کا مضمون شمع ہدایت شکرِ عطائے الٰہی پڑھ کر دل و دماغ نور کی منور روشنی سے سیراب ہو گئے، اختر شجاعت صاحبہ، بہت ہی نیکی کا کام سرانجام دے رہی ہیں اور شائستہ زریں کا سروے بھی خوب رہا۔ بہنوں کی محفل میں سب سے مل کر سارے وٹامنز کی کمی دور ہو گئی۔ پاکیزہ ڈائری میں انعام یافتہ مراسلہ بہت ہی زبردست تھا۔''
(پسندیدگی کا شکریہ)

✿ مس امینہ عندلیب، سلانوالی سے۔ ''بہنوں کی محفل میں کئی ماہ سے میرا خط نہیں لگا...... امی جان کا تعزیتی خط لکھا۔ بہنوں کو عید مبارک طویل خط لکھا تھا (ہاں لگنے سے رہ گیا) بہنیں اپنے قلم کے ذریعے، موتی بکھیرتی ہیں، چاند کی روشنی میں بیٹھ کر لکھتی ہیں۔ ان کے ایک، ایک لفظ سے خوشبو آتی ہے۔ میرا قلم تو 5 روپے کا سیاہی بکھیرتا ہے تو کہاں تعریف میں موتی بکھریں گے (قہقہہ) تمام رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ تمام بہنوں کو کامیابیاں نصیب فرمائے، آمین۔ مجھے آپ سب کی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے ابھی تا حال زیرِ علاج ہوں، عید کے روز سے طبیعت مسلسل خراب ہے۔ عذرا باجی کہاں ہیں آپ...... ذیشان بھائی، فاطمہ کی شادی کی تصاویر تک نہیں لگائیں؟ ہم سب شدت سے منتظر ہیں، عذرا باجی آپ کے لیے بہت دعائیں گزشتہ دنوں کراچی میں بدترین حبس، گرمی کے باعث اموات ہوئیں اللہ تعالیٰ سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک اور ہم سب پر اپنا کرم فرمائے۔ ہمیشہ کی طرح سیلاب نے تباہی مچا رکھی ہے۔ آنکھیں اشک بار، ننھے بچے بھوکے، پیاسے بے زبان جانور گردنیں جھکائے کھڑے کلیجا منہ کو آتا ہے۔ یا اللہ ہم سب پر رحم فرما...... ہماری خطائیں معاف فرما، آمین۔ آپی شجاعت اختر نے شکر کے موضوع پر اتنا اچھا لکھا ہر لفظ دل میں اترتا گیا۔ شائستہ زریں کا سروے عید، یادیں بہت اچھا تھا۔ بہت عرصے بعد آنٹی حسینہ معین کو پاکیزہ میں پایا۔ وہ پاکیزہ کے لیے کوئی ناول لکھیں۔ صائمہ اکرم چوہدری، اجیہ آفاق کو بے حد مبارک، تمام بہنوں کو عمرے کی ادائیگی، اعتکاف، مبارک...... اللہ تعالیٰ آپ سب کی عبادتیں، دعائیں قبول فرمائے، آمین۔''
(پُر محبت دعاؤں کے لیے جزاک اللہ خیر)

✿ حمیرا نوشین، منڈی بہاؤالدین سے۔ ''باجی جولائی کے پاکیزہ میں میری تحریر چھپی جس کی از حد خوشی ہوئی آپ کی اور ادارہ پاکیزہ کی ممنون ہوں۔ افسانہ نوخیز امنگ پڑھ کر زارا کے ساتھ ہمدردی ہوئی ویسے ایسے شوہروں کے ساتھ یہی

کچھ ہونا چاہیے ان کا کچا چٹھا کھلنا چاہیے۔ تو بیہ رفعت کے لکھنے کا اسٹائل جاسوسی کہانیوں جیسا لگا۔ بہر حال ایک سبق آموز تحریر تھی ...... میمونہ صدف کی کہانی نے دل موہ لیا ...... بقیہ رسالہ ابھی زیرِ مطالعہ ہے۔ سندیسے اور پاکیزہ ڈائری میری عدم موجودگی کے باوجود بھی جگمگا رہی تھی۔ باجی چھوٹا بیٹا موسمی بخار کا شکار ہوا ہے۔ اس لیے مکمل پاکیزہ پر تبصرے سے قاصر ہوں۔ بہنوں کی محفل میں مجھ ناچیز کو ضرور شامل کیجیے۔'' (اللہ تعالیٰ آپ کے بیٹے کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے اور آپ ہمیشہ خوش و خرم رہیں)

✉ نرگس نسیم، صابہ موہڑہ سے۔'' سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھتی ہوں کہ اس سے تمام بہنوں کا حال احوال معلوم ہوتا ہے۔ پاکیزہ ہمارے گھر میں ایسے آتا ہے جیسے راشن لازمی آتا ہے کہ انسان کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تو ہم بھی پاکیزہ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس ماہ جلد خط لکھنے کی ایک وجہ ...... بہنوں کی محفل ہے۔ یہ محفل تو ہماری جان ہے، جلترنگ، بہنوں کی محفل اور بزم پاکیزہ کے بغیر پاکیزہ کچھ ادھورا سا لگتا ہے۔ صرف بزم پاکیزہ کے نہ ہونے کی بنا پر پاکیزہ رسالہ پڑھتے تو ایسا لگتا کچھ کمی سی ہے۔ تھینک یو آپی بہت خوشی ہوئی اور فوراً جو ذہن میں سوال آئے۔ لکھ ڈالے۔ اب کچھ تبصرہ ہو جائے۔ متاعِ دل، نبیلہ ابر راجا نے حقیقت سے قریب تر ہو کر لکھا ہے۔ واقعی آج کا انسان صرف دولت کی خاطر سب کچھ کر جاتا ہے۔ جو کے برابر نیکی، ایسا ہم بھی اپنے اردگرد دیکھتے ہیں۔ قیصرہ حیات کا ناول بھی اچھا لگا۔ وارث پرانا موضوع ہے بہر حال اچھا تھا۔ آپی آپ افسانے، ناولٹ ایسے دیا کریں کہ جن میں نیاپن کچھ اچھوتا اور منفرد ہو۔ جلترنگ میں نے اس وقت پڑھا جب دورانِ سفر گاؤں گئی تو میرے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی ساتھ والی عورت کہنے لگی کہ ایسا کیا ہے اس رسالے میں جو تم آپ ہی آپ ہنسے جا رہی ہو۔ تو میں نے یک دم رسالہ بند کر دیا کہ کہیں سب مجھے پاگل تو نہیں سمجھ رہے ...... میں نے جلترنگ نکال کر اس عورت کے ہاتھ میں تھما دیا۔ تب اس کے بلند آہنگ قہقہے پوری گاڑی میں گونج اٹھے۔ تب میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں تو صرف مسکرائی تھی اور یہ ...... آپی اب ایک بات میں نے آپ سے کرنی ہے۔ آپی آج کل ایک وبا جو بری طرح ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے وہ ہے انڈین چینل ...... اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔ یہ ہمارے معصوم بچوں کے اندر زہر بھر رہے ہیں۔'' (جب مائیں خود ٹی وی کے سامنے جم کر یہ چینلز دیکھیں گی تو پھر اس میں بچے کہاں سے قصور وار ہوئے۔ آپ اپنے گھر سے ٹی وی نکال دیں۔ پہلے اپنے آپ کو دیکھیں بعد میں بچوں کی اصلاح کریں)

✉ شمع فلک، رحیم یار خان سے۔'' سرورق پر سدرہ صاحبہ بھارتی اداکارہ مونی رائے جیسی لگی۔ سندرسی، کپڑوں کے ساتھ میچ کرتی جیولری کے ساتھ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ باجی انجم صاحبہ آپ ایک زندہ دل عورت ہیں جو ہمیں ہمیشہ جوان رہنے کا حوصلہ دیتی ہیں۔ سوچیں، یادیں تو آتی ہیں مگر آپ کی باتوں سے جینے کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ جلترنگ میں بھی آپ نے ماڈلنگ کی جو درگت بنائی خوش کر دیا۔ سدا مسکراتی رہو اور گلابوں کی طرح مہکتی رہو۔ دین کی باتیں ہمیشہ سے روحانیت کو بڑھاتی ہیں، سچی گواہی دینے والا آخرت میں بڑا مقام پائے گا۔ شمع ہدایت، میں اختر شجاعت نے شکر ادا کرنے والوں کے بارے میں زبردست لکھا ہے۔ روحانی مشورے بہت پسند آئے۔ جن انبیا کرام کی دعاؤں کا ذکر ہے بڑی کمال۔۔۔ فضیلت والی ہیں۔ اب ذرا کہانیوں پر کچھ تبصرہ ہو جائے، قانتہ رابعہ کی آدم سے انسان تک اچھی تحریر تھی۔ انسان کو صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ غزالہ عزیز نے انمول دولت کے حوالے سے بہت زبردست لکھا ہے۔ واقعی عورت کے پاس ایک عزت ہی ایسی قیمتی چیز ہے جس سے وہ ممتاز مقام پر ہے۔ ہمارے معاشرے میں چنداں جیسی عورتیں جب تک موجود ہیں کسی مرد کی جرأت نہیں کہ وہ عورت پر ہاتھ اٹھا سکے۔ شیریں حیدر کی زندگی خاک نہ تھی کا دوسرا حصہ بھی اچھا تھا۔ نبیلہ ابر راجا کی متاعِ دل بھرپور جا رہی ہے۔ نزہت جبیں ضیا کی تحریر مہر دی عید کچھ خاص نہ تھی۔ نگہت عظمیٰ کی الٹی گنگا میں میجر صاحبہ کے لیدر صوفے سیٹ کا جعال ہوا افسوس ہے مگر بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں۔ میمونہ صدف کی تحریر یہ تیری ہے اچھی تھی اور سبق آموز بھی تھی۔ ام طیفور کی بخیل زبردست تھی۔ سمجھدار وہی ہے جو اپنی عاقبت کی فکر میں لگا رہے۔ فرح طاہر نے ...... واہمے، میں جس طرف اشارہ کیا ہے بالکل سو پرسنٹ درست ہے۔ یہ وہم ہماری زندگیوں کو گھن کی طرح چاٹ رہا ہے۔ کئی گھر برباد ہو چکے ہیں۔ سعدیہ حیدر نے میرا نصیب میں ایک ایسی حقیقت بیان کی ہے اگر کوئی بھی اللہ کی رضا پر راضی ہو جائے تو وہ سب کچھ پا جاتا ہے مگر ذرا دیر ہے، اندھیر نہیں۔ اللہ مالک، بہترین

کہانیوں میں شامل ہے جو صبر کرتا ہے اور رب ذوالجلال پر بھروسا کرتا ہے، وہ کبھی بھوکا نہیں مرتا۔ شکریہ تو بیہ رفعت ذوالفقار صاحبہ، مبارک ہو اور کوشش کریں۔ کائنات غزل نے دل کے دروازے لکھ کر عورتوں کے دل کے دروازے کھول دیے ہیں۔ فضول شک ہماری فطرت میں شامل ہو چکا ہے۔ بڑی سبق آموز کہانی تھی۔ بہت پسند آئی۔'' (اس محفل میں خوش آمدید بھرپور تبصرے کا شکریہ)

☆ نورین شہزاد، کراچی سے۔ ''آپ کا ڈائجسٹ اور تمام ڈائجسٹ ساتویں کلاس سے پڑھنا اسٹارٹ کیے اور ڈائجسٹ کی دنیا میں پاکیزہ ہمیشہ ٹاپ پر رہا اس کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں اور اس ڈائجسٹ نے کسی بھی لکھنے والے کو کبھی مایوس نہیں کیا کہیں نہ کہیں جگہ ضرور دیتا ہے جس سے لکھنے والوں کو تحریک ملتی ہے۔ مجھے یہ کہنا ہے بہنو کہ قرآن پاک کو اپنی روزانہ کی روٹین میں شامل کریں اسے پڑھیں، اسے سمجھیں ہو سکے تو کسی اچھے مستند ادارے سے قرآن فہمی کے کورسز کریں اب تو جگہ، جگہ درس و تبلیغ کا کام ہو رہا ہے۔ آج کل انٹرنیٹ ہے ایک کلک کے فاصلے پر یہ سب کچھ دیکھیں، ڈھونڈیں، سرچ کریں، آپ ایک قدم بڑھائیں اللہ دس قدم آگے آئے گا وہ اکیلا نہیں چھوڑے گا خود راہ نمائی کرے گا تمام دنیاوی اور دینی مسائل کا حل اسی کتابِ مبین میں ہے۔ یہ عمل کی کتاب ہے خدارا اسے تعظیم کی کتاب مت بنائیں۔ تعظیم اتنی کہ اوپر شیلف پر سالوں پڑی ہوتی ہے اور مٹی تک صاف نہیں کی جاتی۔'' (بے شک)

☆ سنبل ملک اعوان، لاہور سے۔ ''مجھے سیما یاسمین، شمیم فضل خالق اور اُمِ ایمان کی تحریریں پسند ہیں یہ خوب صورت کہانیوں کی طرح مزے دار خط بھی لکھتی ہیں۔ ہالہ احمد کراچی سے انہوں نے اچھا مشورہ دیا ہے۔ اور آنٹی آپ نے این اے پشاور صاحبہ کو بالکل درست مشورہ کیا کہ آج کل کے لڑکے عشق و عاشقی بگھارتے ضرور ہیں مگر شادی کے لیے سچ مچ مجبوریوں کا رونا روتے ہیں جو کہ غلط ہوتا ہے۔ یہ لڑکے اپنے گھر میں جو چاہیں کرواسکتے ہیں اپنی ضد سے۔ مگر آنٹی یہ بھی حقیقت ہے کہ لڑکیاں اپنے گھر کے حالات سے فرار حاصل کرنے کے لیے ایسے کمزور سہارے لیتی ہیں۔ بہنوں کی محفل میں شامل ہونے والی تمام آنٹیوں، بہنوں کو سہیلیوں کو ان کی سالگرہ مبارک اور وہ لوگ جن کو کوئی دکھ ملا یا کسی کے گھر میں کوئی پریشانی ہے ان کے لیے دعا کریں اللہ ان کی پریشانیاں اور دکھ دور کرے اور جن کی نئی کتابیں آنے والی ہیں ان کو بھی مبارک......'' (آپ کی مزیدار سی رائے سب بہنوں کو پہنچائی جارہی ہے مگر گڑیا نہ ہر لڑکا خراب ہوتا ہے اور نہ ہی ہر لڑکی اچھی)

☆ انیسہ زینب، فاروق آباد سے۔ ''افسانے سبھی اچھے لگے مگر خاص طور پر بشریٰ گوندل کا آخری پرچہ...... اس میں جو منظر کشی کی گئی ہے واقعی ہمارے ارد گرد یہی صورتِ حال ہے۔ ماؤں نے پڑھائی کو بچوں کی زندگی، موت کا مسئلہ بنا دیا ہے ہر وقت پڑھائی، پڑھائی سے بچے مشین بن کر رہ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ناول بھی اچھے تھے تقریباً۔ فی الحال ان پر تبصرہ محفوظ رکھوں گی۔ جلترنگ ہمیشہ کی طرح پسند آیا۔ نئے سلسلے شروع کرنے پر مبارک باد......'' (پسندیدگی کا شکریہ...... ہاں ہر مراسلے کے لیے الگ صفحہ استعمال کریں اور سب پر اپنا نام لکھیں)

☆ طیبہ عنصر مغل، راولپنڈی سے۔ ''میرے یار جولاہے بہترین کاوش رہی۔ متاعِ دل میں ہمارا دل گھبراتا رہتا ہے کہ دُرِ یکتا کے ساتھ بھی کچھ برا نہ ہو جائے...... لیکن ویل ڈن نبیلہ بہت خوب صورت تحریر ہے۔ قفس میں سویرا ملک نے ایک تکلیف دہ موضوع چنا مگر بہرحال سچائی تو سچائی ہے ایسے لوگ بھی ہیں دنیا میں، ہنر میں نگہت اعظمی نے اپنا ہنر عمدگی سے استعمال کیا۔ آخری امید، قیصرہ جی نے پہلی قسط میں ہی امید جگا دی کہ یقیناً ایک بہترین سلسلہ ہے ہمیں پاکیزہ سے مزید جوڑ دے گا۔ پاکیزہ تو ہمارا گھر ہے اور قیصرہ جی کے ناول سے ہمیں یوں لگے گا جیسے بیٹی میکے کی کسی تقریب میں شرکت کو بے چین ہو جائے۔ غزالہ فرخ کی کہانی کا موضوع شیریں حیدر کی گھنٹی والا تھا لیکن تحریر خوب صورت ہی لگی۔ سحرش رانی کے سوال نے لاجواب کر دیا۔ جس ناولٹ نے بہت دل خوش کیا ان میں سے ایک سارہ ملک کا جو کے برابر نیکی ہے، بہت خوب صورت فاطمہ رضوی نے بھی اچھی کوشش کی۔ ریحانہ حسن وارثِ میں وہی موضوع ہمیشہ سے جو مرد وارث لانے کی جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں۔ بچیوں کا ظرف اور بیوی کا معاف کر دینا میاں جان کی تو لاٹری نکل آئی۔ نورعین نے ناممکن میں ہمیں دین کا روشن پہلو اجاگر کروا کر خوش کر دیا۔ اب آتے ہیں شیریں حیدر جی کی موتیوں جیسی تحریر کی طرف...... زبردست، اعلیٰ کیا کہنے ماشاءاللہ

... ہم جانے کب ایسا کچھ لکھ پائیں گے؟ شگفتہ شفیق کو سبارکاں جی، بشریٰ گوندل نے بھی ہمیں آئینہ دکھایا کہ ہم تو دنیا میں رہ کر آخری پرچہ بھول بیٹھے ہیں۔ بخشش کا در کھلا بھی دل و دماغ کے در کھٹکھٹا گیا۔ موسمِ گل بھی اچھی تحریر تھی۔ خشیت الٰہی نے تو دل ہلا دیا۔ اپنا آپ غلاظت لگتا ہے۔ شائستہ زریں کا سروے بہت اچھا رہا۔ نزہت جبیں کے بیٹے کی شادی کا احوال بہت عمدہ تھا۔ بہنوں کی محفل میں انجم آپی کا بتایا ہوا واقعہ لسبا چیچ بہت دل کو لگا۔ انجم آپی آپ اپنا کوئی ناول جلد پاکیزہ کے ماتھے پر سجائیں اب انتظار نہیں ہوتا ہے۔ میں نے جب فون پر آپ کی امی کی تعزیت کے لیے بات کی تو حیرانی ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت صبر و استقامت دی ہے۔ آپ پاکیزہ میں اپنی امی کے بارے میں تفصیل سے لکھیں اور ان کی تصاویر بھی دیں۔'' (خوب صورت تبصرے کا شکریہ...... کبھی کوئی موقع ہوا تو میں اپنی امی کی بہت سی باتیں آپ سب سے ضرور شیئر کروں گی)

✍ تسنیم رضا ذوالفقار، فیصل آباد سے۔ '' قیصرہ صاحبہ کا ناول آخری امید دیکھ کر دل انتہائی خوش ہوا کہ ان کی تحریریں ہم سب پڑھنا چاہتے ہیں۔ آخری امید مسلم اور نان مسلم کی کشمکش میں گھرے لوگوں کی کہانیاں آخر کار جیت اسلام کی ہوتی ہے۔ شادی میرے شہزادے کی میں نزہت جبیں ضیا بھی کسی پُر وقار شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھیں۔ ماشاء اللہ چھوٹی جوڑی کے ساتھ بڑا جوڑا بھی خوب صورت لگ رہا تھا۔ جلترنگ میں فری آپ نے بہت اچھا نقشہ پیش کیا۔ بہنوں کی محفل میں جو آپ ہمیں غیر محسوس انداز میں اچھے عمل کرواتی ہیں مثلاً درودِ پاک اور آیتِ کریمہ پڑھ کر محفل کا آغاز اور آخر میں دعا اس کا اجر اللہ پاک آپ کو بہت دے گا (انشاء اللہ) ڈاکٹر زاہدہ پروین نے اپنی معلومات ہم سب تک پہنچا کر بہت اچھا کام کیا ہے اکثر و اوقات اس طرح کی پریشانیاں دور کرتی رہا کریں۔ اختر شجاعت کا شمع ہدایت میں موضوع خشیت الٰہی پڑھا اور دعا کی کہ اے اللہ ہمارے دلوں میں بھی اسی طرح کا خوف بھر دے۔ حمیرا نوشین کی غیبت کے متعلق لکھی گئی کہانی پڑھی تو اپنا احتساب بھی کیا اور آئندہ چغلی سے پرہیز کرنے کا عہد بھی کیا۔ بشریٰ گوندل کا آخری پرچہ پڑھی بالکل یہ سچ ہے سو فیصد سچ جس میں، میں بھی شامل ہوں۔ استغفر اللہ...... اللہ ہمیں معاف کرے۔ ثمرہ، فریحہ کے مانند ہم اسی طرح بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ اسکولوں میں کالجز میں ایڈمیشن دلوانے کے کٹھن چکر میں الجھے رہتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں اگر اس قدر دعائیں اپنے عمل کے بہتر بنانے اور آخری پرچہ صحیح حل کرنے کے سلسلے میں مانگیں تو اللہ ہمیں وہ بھی دے دے گا جو ہمیں دنیاوی پرچوں میں چاہیے۔ نورعین کی ناممکن پڑھی برموواٹرائی اینگل کے متعلق پڑھ کر دل خوف سے کانپا۔ اس سے زیادہ کاوش کی باتوں سے کہ یا اللہ یہ آج کل کے بچے کیسی سوچ رکھتے ہیں اور کیسی کیسی دلیلیں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ بچوں کو ایمان کی روشنی سے بھر دے۔ سارہ ملک کی جو کے برابر نیکی پڑھی سبق آموز کہانی تھی۔ سحرش رانی کا سوال بہت اچھا تھا۔ چاند رات اور دروازہ، میں فیضی ایسے مردوں میں سے تھا جو ماں اور بیوی میں بیلنس نہیں رکھ سکتا ہے۔ قفس ایک لالچی انسان سے چھٹکارا موت کی صورت ہوا تو موت کی خوشی ہوئی اللہ ہمیں ایسا بنائے کہ ہماری موت دوسروں کو خوش نہ کرے۔'' (تبصرے کا شکریہ)

✍ شہلا نواز، لاہور سے۔ '' ٹائٹل گرل کی جیولری چرانے کو دل چاہا اداریہ ہمارے دل کی آواز تھا سو اس پر لبیک کہا افسانوں میں شائستہ انجم کا ضرورت مند بہت ہٹ کے لگا الٹی گنگا تو ہمیں حسبِ حال لگا ہماری کام والی بھی ہمیں رمضان میں چھوڑ کر چلی گئی۔ ویسے ایسا ہوتا ہے کہ کام والیاں جھوٹ بہت بولتی ہیں اور چھٹیاں بہت کرتی ہیں لیکن اکثر افسانوں میں کام والیاں بہت مظلوم اور باجیوں کا کردار ہنٹر والی کے روپ میں پورٹرے کیا جاتا ہے جو کہ نہایت غلط تاثر ہے۔ یہ طبقہ جتنا غریب ہے اتنا ہی چالاک بھی ہے ہمیں تو ہماری کئی کام والیوں نے ہاتھوں پر ڈال رکھا تھا یہ تو اب ہمیں تجربہ ہو گیا ہے کہ کام والیاں سیاست دانوں سے کم نہیں...... بلے بلے بھئی انعامات کا تذکرہ پڑھ کر ہم نے تو نعرہ ہائے مستانہ بلند کیا اور خوب ڈانس کیا گھر والے سمجھے شاید ہمیں انعام مل گیا ہے ہم نے انہیں کہا امید پر دنیا قائم ہے دیکھیے ہمیں انعام جلد بھجوایئے گا۔ آنٹی بے شک اپنی کتابیں بھیج دیجیے گا چار سے چھ کافی ہوں گی۔ شکریہ، شکریہ تو بیہ رفعت کی توکل بھری کہانی اللہ مالک بہت اچھی لگی۔ شمع ہدایت پڑھ کر اپنے دل کی شمع کو روشن کیا۔ شائستہ زریں کا سروے حسبِ سابق بہت اچھا رہا پاکیزہ ڈائری بھی عظمیٰ بہت محنت سے مرتب کرتی ہیں۔ جلترنگ میں ماڈلنگ کا خاکہ بہت اچھا لگا۔'' (نوازش، اب انعامی سلسلے میں انشاء اللہ ہر بہن

کو انعام ملے گا)

★ فرخندہ جعفری، گجرات سے۔ ''جولائی کا پاکیزہ پڑھا جس نے بھی لکھا خوب لکھا اس میں یہ تمیز کرنا مشکل ہے کہ کون سی رائٹر اچھا لکھ رہی ہیں اور کون اچھا نہیں لکھ رہیں۔ ماشاء اللہ سب کی تعلیم میں اللہ تعالیٰ نے خوب برکت دی ہے اور اپنی طرف سے سب اپنی ذہنی طاقت کے مطابق خوب لکھ رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج یہ ڈائجسٹ گھر، گھر کی زینت ہے۔ کسی دور میں، میں نے خوب لکھا بھی اور شاعری بھی کی مگر بیماری کی وجہ سے میرے ہاتھ کانپتے ہیں اور میں الٹے پلٹے لفظ ڈال دیتی ہوں۔'' (گڑیا اللہ تمہیں کلی صحت دے، تم اپنی نظمیں اور مختصر کہانیاں ضرور ارسال کرو...... ہاں اگر تمہیں شوگر نہیں ہے تو صبح نہار منہ اور رات کو سوتے وقت ایک چمچہ شہد درود شریف اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر کھایا کرو...... انشاء اللہ کمزوری رفع ہو جائے گی)

★ ایمان چوہدری، پنجاب سے۔ ''عذرا رسول آنٹی کو پہلی مرتبہ دیکھا وہ بہت ہی گریس فل ہیں اور مجھے ان کی ایک بات بہت پسند آئی کہ ان کی بہو حجاب اوڑھے دلہن بنی بیٹھی تھیں۔ اللہ سب کو اس نیک کام کی ہدایت دے۔ مجھے امید ہے جتنی بھی قارئین پاکیزہ کو پڑھتی ہیں ان کو ضرور یہ دلہن بہت پسند آئی ہوگی۔ (اس مرتبہ آپ مزید تصاویر دیکھیں) مکمل ناول میں اسیرِ وفا بہت اچھا رہا اینڈ بہت پیارا ہوا۔ چلو ہم ساتھ چلتے ہیں ناولٹ میں صائمہ اکرم کی کیا ہی بات ہے۔ بھئی اللہ آپ کو دن دگنی رات چگنی ترقی دے اور آپ اسی طرح پاکیزہ کی رونق کو بڑھاتی رہیں۔ کانچ کے خواب نزہت جبیں ضیا ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے اور انجم آنٹی ہم آپ سے دوستی کرنا چاہتے ہیں، جواب ضرور دیجیے گا۔'' (تبصرے کا شکریہ...... گڑیا جب آپ پاکیزہ میں شامل ہوگئیں تو ہمارے حلقۂ دوستی میں تو از خود شامل ہوگئیں)

★ ایک نامعلوم بہن، بھابڑا سرگودھا سے۔ ''آپی جی! میں بھابڑا کی ہی رہنے والی ہوں تعارف میں غلطی سے صرف سرگودھا شائع ہوگیا حالانکہ میں نے بھابڑا، سرگودھا لکھا تھا۔ اگست میں میری شادی ہے اور آپ کے نمبر بچہ کلاس آرہی ہوں اور ہاں ایک خوشخبری بہنوں سے شیئر کرنا چاہوں گی، اگست میں میری فیملی بہن بھائیوں کی اسٹڈی کی وجہ سے سرگودھا شفٹ ہورہی ہے۔ سرگودھا میں ہم نے ایک پیارا سا گھر بھی لے لیا ہے۔ عذرا آنٹی کو ذیشان بھائی کی شادی کی بہت، بہت مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ اس کپل کو سلامت رکھے، اس بندھن کو ہمیشہ قائم رکھے۔ (آمین) انجم آنٹی آپ سوچ رہی ہوں گی کہ اپنی ہی باتیں کیے جارہی ہے پاکیزہ کی تحریروں پر تو تبصرہ کیا نہیں...... میرے پاس الفاظ ہی نہیں کہ پاکیزہ ڈائجسٹ کی تعریف بیان کرسکوں، میں کئی ڈائجسٹ پڑھتی ہوں مگر پاکیزہ اس دی بیسٹ آف آل...... پاکیزہ کی ہر تحریر ہی لاجواب ہوتی ہے خصوصاً مجھے کچھ کہنا ہے۔ آخر میں عظمیٰ آپی سے کہنا ہے کہ کیوں اتنا امتحان لے رہی ہیں، جلدی سے شادی کا احوال لکھیں۔'' (پیاری بہن آئندہ پہلے اپنا اور اپنے شہر کا نام لکھنا...... ہم بغیر نام والے خط ضائع کردیتے ہیں مگر آپ کا شامل کرلیا ہے تاکہ آپ آئندہ یہ غلطی نہ کریں)

بہنوں کی محفل کے صفحات کا کوٹا مکمل ہوا۔ اب اجازت دیجیے اس دعا کے ساتھ...... ساری تعریفیں اس پروردگار کے لیے جو بولنے والے کے کلام کو سنتا ہے اور خاموش رہنے والے کی دل کی بات کو جانتا ہے۔ اے میرے اللہ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں تو ہدایت فرماتا ہے۔ جن کی توبہ قبول کرتا ہے جو شکر ادا کرتے ہیں جو لوگوں میں آسانیاں بانٹتے ہیں اور جن پر اور ان کی اولادوں پر تو اپنا رحم، کرم اور فضل فرماتا ہے۔ آمین ثم آمین۔

دعا گو

آپ کی اپنی باجی

انجم انصار

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ C-63 فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35895313 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری
عظمیٰ آفاق سعید

حمدِ باری تعالیٰ

اب یہ سوچا ہے رات بھر جاگوں
اور اپنے خدا کو یاد کروں
بخشوالوں خطائیں سب اپنی
جب گناہوں کا اعتراف کروں
بخش دے گا تو اپنے بندوں کو
کیوں نہ وعدے پہ اعتبار کروں
تو ہی آقا ہے تو ہی مالک ہے
کیوں کسی غیر سے سوال کروں
چین ملتا ہے سر جھکانے میں
کیوں نہ سجدوں کو بے مثال کروں
موت برحق ہے مجھ کو ہے معلوم
کیوں نہ ملنے کا انتظار کروں
کتنی شاداب تیری جنت ہے
کچھ ٹھہرنے کا انتظام کروں

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی
مرسلہ: شازیہ محبوب، کراچی

نعت

میرا دل پکارا مدینہ مدینہ
ہے اپنا گزارہ مدینہ مدینہ
نہیں جن کا کوئی زمانے میں اپنا
ہے اُن کا سہارا مدینہ مدینہ
بس اِک یہ دعا ہے، یہی التجا ہے
ہو مدفن ہمارا مدینہ مدینہ
مقدر پہ اپنے نہ ہو کیوں وہ نازاں
جنہوں نے سدھارا مدینہ مدینہ
تو شاہِ زمن ہے، جیا پہ کرم کر
دکھا دے دوبارہ مدینہ مدینہ

شاعرہ: سیدہ جیا عباس شاہ، مرالی، تلہ گنگ

امام زین العابدینؒ

امام زین العابدینؒ کا جب انتقال ہوا۔ آپ کے کندھے پر بوری اٹھانے کے نشان تھے۔ لوگ حیران ہوئے، دین، دنیا کا شہزادہ کندھوں پر بوریوں کے نشان کہاں سے آگئے۔

کریدتے، کریدتے خادم خاص سے پتا چلا کہ 100 گھروں کا خرچہ اٹھایا کرتے تھے۔ رات کو بوریاں بھرتے تھے۔ اپنی کمر پر اٹھا کر جاتے تھے۔ خادم کے کندھے پر بھی نہیں رکھتے تھے۔ راتوں رات گھروں میں دے کر آتے، آکر سوجاتے تھے...... کسی کو پتا بھی نہیں ہوتا تھا کہ دینے والا کون ہے؟

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

آخرت کی محنت

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں اگر رزق، عقل اور دانشوری سے ملتا تو جانور اور بے وقوف بھوکے مرجاتے۔

انسان کی تمام پریشانیوں کی وجہ مقدر سے زیادہ چاہنا اور قناعت پسندی کی کمی ہے۔ دنیا نصیب سے ملتی ہے اور آخرت محنت سے لیکن لوگ محنت، دنیا کے لیے اور آخرت کو نصیب پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو فکر و عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مرسلہ: یاسمین اقبال، لاہور

احادیث مبارکہ

☆ غصہ نہ کرو کیونکہ یہ شیطان کا فعل ہے اور

اس سے رشتوں میں دراڑ پیدا ہوتی ہے۔

☆ رات کا کھانا مت چھوڑو چاہے ایک کھجور کیوں نہ ہو کیونکہ رات کا کھانا چھوڑنا آدمی کو ضعیف کر دیتا ہے۔

☆ اللہ رب العزت کے خوف سے تنہائی میں رونے کے سوا کوئی بھی چیز اللہ کریم کی ناراضی کو نہیں مٹا سکتی۔

مرسلہ: ظل شاہین، رحیم یار خان

اقوالِ زریں

☆ تکلیفوں سے مت گھبراؤ کیونکہ تکلیفیں انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ سوچنے سے آدمی دانا بنتا ہے اور دانائی جینے کے قابل بنا دیتی ہے۔

☆ اپنا ہر کام پُرخلوص محنت کرنے کے بعد اللہ کے بھروسے پر چھوڑ دو کیونکہ تقدیر بنانے والی اور اس تقدیر کو بدلنے والی صرف وہی ذات ہے ہم انسان کچھ نہیں کر سکتے سوائے دعاؤں کے۔

☆ وہ گناہ جس کا تمہیں رنج ہو اللہ کے نزدیک اس نیکی سے کہیں اچھا ہے جو تمہیں خود پسند بنا دے۔

مرسلہ: سیدہ غزالہ عالم، لانڈھی کراچی

چوٹیں

ہم نے کتنی چوٹیں کھائیں
چوٹیں کھاتے بچپن گزرا
ہر اک چوٹ پر رو پڑتے تھے
روتے روتے ہنس پڑتے تھے
لمحہ بھر میں بھول کے سب کچھ
پھر سے اٹھتے، ہنستے گاتے
دوڑ لگاتے، شور مچاتے
لمحے بیتے، موسم بدلے
چوٹوں کے انداز بھی بدلے
جذبوں کے اظہار بھی بدلے
کڑوے لہجے، جھوٹے وعدے
لوگوں کے انداز نرالے
اب ہیں دل میں چوٹ لگاتے
اشکوں کو آنکھوں میں پی کر
ہم ہولے سے مسکاتے ہیں
ڈرتے ہیں کوئی جان نہ جائے
ہم اب بھی چوٹیں کھاتے ہیں

کلام: عالیہ ضیا، کراچی

پردیسی ساجن کے نام

اب کے ساجن جب تم آنا
میرے لیے چند تحفے لانا
جوتوں، کپڑوں، پرفیوم کے علاوہ
میک اپ کی اِک کٹ بھی لانا
اب کے ساجن جب تم آنا
کان کے جھمکے ہاتھ کا کنگن
ڈائمنڈ کی اِک رنگ بھی لانا
اب کے ساجن جب تم آنا
دیکھو کچھ بھی بھول مت جانا

شاعرہ: یاسمین اقبال، لاہور

سزا

میاں، بیوی کا جھگڑا ہو گیا تو بیوی نے ماں کو فون کر کے کہا۔

"میرا ان سے جھگڑا ہو گیا ہے اور میں تین مہینوں کے لیے آپ کی طرف آ رہی ہوں۔"

"ماں بولی۔" جھگڑا اس کم بخت نے کیا ہے تو سزا بھی اسے ہی ملنی چاہیے۔ تو رک میں آتی ہوں، چار پانچ مہینوں کے لیے۔"

از: صاعقہ ریاض، حیدرآباد

اس سے کہنا

دل کی بربادی کا قصہ مختصر کہنا اسے
ایک دیوانی پھرے ہے در بدر کہنا اسے
اے صبا پہلے تو مل کر پوچھنا اس کا مزاج

پھر جو گزری ہے ہماری جان پر کہنا اسے
پوچھتی ہیں جب کبھی تنہائیاں اس کا پتا
سوچتے رہ جاتے ہیں دیوار و در کہنا اسے
یوں فری کچھ لوگ کہہ جاتے ہیں اپنے دل کی بات
اشک سے کرتی ہوں دامن تر بہ تر کہنا اسے
شاعرہ: فریدہ فری، لاہور

کیسی شرمندگی

ایک دیہاتی لڑکا سائیکل سے گر پڑا۔ سامنے کھڑی لڑکی پوچھ بیٹھی۔ ''چوٹ تو نہیں لگی۔''
لڑکا۔ ''نہیں بالکل نہیں، ہم سائیکل سے ایسے ہی اترتے ہیں۔''

اُمِ ایمان قاضی، کوٹ چھٹہ

شادی

شادی بھی بجلی کے تار جیسی ہوتی ہے صحیح جڑ جائے تو زندگی روشن اور اگر غلط جڑ جائے تو زندگی بھر جھٹکے۔

از: نور افشاں، شکار پور

المیہ محبت

کبھی تو رنگ ہوتے ہیں
کبھی جذبے بھی ہوتے ہیں
کبھی جذبوں کے لیکن
عجب موسم بھی ہوتے ہیں
محبت کے کبھی
افکار بہت دلکش بھی ہوتے ہیں
مگر
آنکھیں نہیں ہوتیں
محبت کے مقدر میں
یہی بس المیہ ہے ایک
محبت کے مقدر کا......

شاعرہ: سیدہ علیشاہ، بہاول پور

قلم

اے میرے قلم
تجھے خدا کی قسم
حرمتِ رسول ﷺ پر قربان ہو
گستاخان کے لیے تلوار بن
شاعرہ: ستارہ آمین کومل، پنجاب

چاہت

چاہا تو چاہتوں کی حدوں سے گزر گئے
نشہ محبتوں کا اترنے نہیں دیا
اس نے ہنسی، ہنسی میں محبت کی بات کی
میں نے عدیم اس کو مکرنے نہیں دیا
مرسلہ: ارم کمال، فیصل آباد

سزا

ہم بیٹیاں اکثر اپنے والدین کی نافرمانی کر جاتی ہیں لیکن والدین بہت مہربان ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں بالکل سزا نہیں دیتے۔ وہ ہمیں صرف ایک سسرال دیتے ہیں۔ سارا بدلہ پورا......

از: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

فاسٹ

دنیا میں دو ہی نیٹ ورک بہت فاسٹ ہیں۔ ای میل اور فی میل دونوں ہی ایک منٹ میں اِدھر کی بات اُدھر پہنچا دیتی ہیں...... اور صبح سے شام تک تمام موبائل کا نیٹ ورک صرف اس وجہ سے فائدے میں چلتا ہے کہ تمام بیویاں اپنے، اپنے میکے میں لمحہ بہ لمحہ سسرال کی خبریں پہنچا رہی ہوتی ہیں۔

از: نجمہ اصغر، کراچی

غزل

یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا بچپن کا ساون

وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی
محلے کی سب سے نشانی پرانی
وہ بڑھیا جسے بچے کہتے تھے نانی
وہ نانی کی باتوں میں پریوں کا ڈیرا
وہ چہرے کی جھریوں میں صدیوں کا پھیرا
بھلائے نہیں بھول سکتا ہے کوئی
وہ چھوٹی سی راتیں وہ لمبی کہانی
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی
کڑی دھوپ میں اپنے گھر سے نکلنا
وہ چڑیا، وہ بلبل، وہ تتلی پکڑنا
وہ گڑیا کی شادی پہ لڑنا جھگڑنا
وہ جھولوں سے گرنا وہ گر کر سنبھلنا
وہ ٹوٹی ہوئی، چوڑیوں کی نشانی
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

مرسلہ: عظمیٰ زبیری، اوستہ محمد، بلوچستان

ہنسیں مسکرائیں

اِک ٹریفک انسپکٹر اس طرح گویا ہوا
کثرتِ خوری سے کچھ اور برکت ہوگئی
توند میری ہوگئی ہے میز کی صورت دراز
اور بھی چالان لکھنے میں سہولت ہوگئی

☆☆☆

لازم ہے احترام بزرگوں کے حکم کا
دل سے خیالِ حکم عدولی نکال دے
انور نہ ڈال کل پہ کبھی کام آج کا
میرے عزیز تو اسے پرسوں پہ ڈال دے

☆☆☆

ڈالر جیسا روپ ہے تیرا یورو جیسے بال
تو ہی ایک دھنوان ہے گوری باقی سب کنگال

مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

مسکراتی کرنیں

ایک مرغا مالک کے کمرے کی کھڑکی پر بیٹھا تھا۔ مالک بہت بیمار تھا۔ مالک کی بیوی اس کے پاس بیٹھی اور کہا۔ ”آپ کو بہت تیز بخار ہے میں آپ کے لیے چکن سوپ بناتی ہوں۔“ مرغا گھبرا کر بولا۔ ”بہن جی! اِک واری بیناڈول تے دے کے ویکھ لو۔“

☆☆☆

پولیس۔ ”آپ تو بہت بہادر ہیں، ڈاکو کو اتنا مارا کہ ہم بھی نہ مار سکتے اس کو۔“
عورت ڈرتے ہوئے۔ ”مجھے کیا پتا وہ ڈاکو تھا، میں تو سمجھی آج میرا خاوند پھر دیر سے گھر آیا ہے۔“

مرسلہ: منور شہزادی، گوجرانوالہ

لو کر لو گل

گورنمنٹ نے security کے لیے لاہور کی سڑکوں پہ cctv کیمرے لگادیے۔ رات ڈھائی بجے پولیس کنٹرول روم میں کال آئی کہ ذرا مزنگ چوک والے cctv میں دیکھ کر بتایئے گا پراٹھے والی دکان کھلی ہے یا نہیں۔

مرسلہ: مس مہ وش سمران راجپوت، سیالکوٹ

قابلِ غور

یہ کیسا درد ہے یہاں کوئی اپنے دکھ سے اتنا دکھی نہیں جتنا دوسرے کے سکھ سے دکھی ہے۔

از: دعا مہک راجپوت، سیالکوٹ

پاکیزہ ڈائری

غم اور مشکلات صرف اللہ کو بتایا کرو۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ تمہیں جواب بھی دے گا اور تمہاری تکلیف بھی دور کرے گا۔

از: نور افشاں شیخ، شکارپور

☆☆☆

جلترنگ

انجم انصار

کہتا ہے دل

سخت گرمی چھوٹا سا گھر...... اور اس پر مہمان داری...... سیدھے سادے سے مہمان ہوں تو گھبراہٹ بھی نہ ہو۔

مگر آپا جان (بڑی نند) کی سواری جب بھی آتی وہ سب کو ہلکان کر کے جاتیں۔

اچھی خاصی باتیں کرنے کے دوران...... وہ بستر پر ڈھے جاتیں...... پیڈسٹل فین کی ساری ہوا اپنے چہرے پر کرلیتیں اور لمبی، لمبی سانس لے کر کہتیں۔ ''اس وقت مجھے بلڈ پریشر ہورہا ہے۔''

''چلو آپا...... ڈاکٹر کے پاس چلو......'' بھابی بیچاری...... ان کو سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہتی۔

''میں غذا سے اپنا علاج کرتی ہوں...... خود ہی ٹھیک ہوجاتا ہے...... ڈاکٹروں کے پاس جانے کے نخرے نہیں کیا کرتی......'' وہ پھر لم لیٹ ہوجاتیں۔

''کیا کھائیں گی......؟'' بھابی پریشان ہوکر پوچھتیں۔

''بس صرف چار انڈے ابال کر دے دو...... ایک دو گلاس لسی کے...... فریج سے میٹھے آم نکال کر ایک جگ ملک شیک کا بنالو...... آہستہ، آہستہ پیتی رہوں گی تو طبیعت ٹھیک ہوجائے گی۔'' آہستہ تو کیا وہ یہ سب منٹوں میں صاف کرلیتیں۔

تھوڑی دیر بعد بھنے ہوئے گوشت کی روکھی بوٹیاں کھانے کو دل چاہنے لگتا...... کھیرا، ککڑی، جامن، نمک کے ساتھ فائدہ مند ٹھہرتا...... اسی ٹلے نویسی میں جب بیچاری بھاوج کا آدھا دن ہوا ہوجاتا تو نند صاحبہ کا بلڈ پریشر ایک دم ہائی ہوجاتا۔

''آپا جان پلیز...... اب تو ڈاکٹر کے پاس چلیں۔'' بھاوج کا لہجہ ملتجی سا ہوجاتا......

''ناں بھئی ناں...... ایسے لاڈ اٹھوانے کی عادت نہیں ہے...... میں تو اپنا خیال ہی نہیں رکھتی...... آج تک اپنی بیماری پر اپنے میاں کے پیسے ڈاکٹروں کے پاس نہیں پھونکے بس اب تم مجھے ٹھنڈا ٹھار...... تربوز...... خربوزے...... فالسے کا شربت دو...... لوکی کا حلوہ اگر جھٹ پٹ بنادو تو مزہ ہی آجائے......'' ایک دن وہ آکر ایسی ہی فرمائش کررہی تھیں...... کہ بھیا کو گھر میں ہوتا دیکھ کر اچانک ہی بھابی کو ایسا چکر آیا کہ وہ دھڑام سے خود تو گرتی ہی مگر اپنے ساتھ بھیا کا ہاتھ پکڑ کر گریں...... جنہوں نے انہیں نیچے گرنے سے پہلے ہی اپنے بازوؤں میں سنبھال لیا۔

''دیکھا تم لوگوں نے...... ہمارے گھر میں ایسے بے غیرتی کے مناظر صبح شام ہوتے ہیں۔ یہ تمہارا بھائی تو پکا زن مرید ہوگیا ہے۔'' اماں کی تقریر شروع ہوگئی۔

تب بھیا دہاڑ کر بولے۔'' ہاں اپنی بیوی کو ماردوں...... نہ سنبھالتا تو اس کے سر کی پھی کھل جاتی۔'' (سر پھٹ جاتا)

''تو گری تو نہیں ناں وہ......'' آپا نے بستر پر بیٹھ کر آڑو پروانت مارتے ہوئے کہا۔

''بہت ہوگیا...... اٹس ٹو مچ...... میری زارا اتنا ظلم نہیں سہہ سکتی۔ میں اس کو لے کر اس کے میکے جارہا ہوں۔ دو چار دن وہاں آرام کرے گی تب آئے گی......'' اب بھیا، بھابی کو سہارا دیتے ہوئے باہر لے جارہے تھے اور گھر میں ہم سب بہنیں مادری، فادری کر کے دل کا بوجھ ہلکا کررہی تھیں۔

عقل مند

عقل مند بہت سے ہوتے ہیں مگر آج ہم عقل مند ترین لوگوں کا ذکر کر رہے ہیں...... کہ بات ہے بہت نازک...... مگر سمجھ لیں۔

شادی سے پہلے نوکری لڑکیاں وقت گزاری کے لیے کرتی ہیں۔ مگر شادی کے بعد یہ ایک انتہائی دشوار ترین کام ہوتا ہے...... اور اکثر اوقات یہ اپنی سزا سی محسوس ہونے لگتی ہے۔

ایسا ہی کچھ واجدہ کے ساتھ ہو رہا تھا اور وہ اپنی نوکری طوعاً وکرہاً نبھاتی چلی جا رہی تھی۔

واجدہ کی شادی، ان کی دو ہزار کی تنخواہ کے طفیل ہوئی تھی۔ جسے ان کی ساس صاحبہ نے ان کے چھوٹے قد اور کالی رنگت سے زیادہ پسند کیا تھا اور نہ ان کے میاں جانی تو بہ مشکل ساڑھے پانچ ہزار لا رہے تھے۔

''بہو کے آجانے سے گھر میں خرچا بڑھے گا نہیں بلکہ وہ گھر کے بجٹ کو زخمی ہونے سے بچائے گی۔''

پہلے ہی کچھ سوچ کر ان کی ساس صاحبہ نے ان کے میکے کی چوکھٹ پکڑ لی تھی کہ واجدہ کے بغیر گھر سونا ہے۔ اس کے آجانے سے گھر میں رونق آجائے گی۔

''لڑکی ہماری شادی کے بعد بھی سروس کرے گی۔''

ان کی باؤلی اماں نے یہ واحد شرط رکھی تھی۔ جسے سن کر ان کی ساس کو دل میں ہنسی بھی آئی تھی کہ اگر وہ سروس کرتی ہوئی نہ ہوتی تو میں اپنے گھر کیوں لے جاتی۔

''ہاں، ہاں آپ کی یہ شرط ہمیں سر آنکھوں پر منظور......'' وہ خوشی سے سرشار لہجے میں کہہ رہی تھیں اور دل میں سوچ رہی تھیں۔

اگر تمہاری بیٹی سروس چھوڑنے کو بھی کہے گی تو ہمارا بیٹا جوتی لے کر کھڑا ہو جائے گا۔ اور اب وہی ساس صاحبہ شادی کے بعد واجدہ کی نوکری پر خاصا تنگ کر کہتی تھیں کہ ''ایسے کمانے کا کیا فائدہ کہ سب اپنے اوپر ہی لگا لو۔ اتنا کماتی ہو مگر گھر وہی بھٹیار خانہ سا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا تمہاری کمائی میں برکت کیوں نہیں ہے۔''

ساس کا محاصرہ ختم ہوتا تو نندیں اور دیور بھی بات بے بات ان پر چڑھائی کرنا شروع کر دیتے کہ کل بھائی جان سے صرف سو روپے مانگے تھے، انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

''ہم کیا نوکر ہیں کہ سارا گھر کا کام بھی نمٹائیں اور ان کے چنو، منو کو بھی سنبھالیں۔'' (یہ وہ دور تھا جب گھر، گھر کام کرنے والی مائیاں ایک، ایک کام کرنے کے پچاس روپے لیا کرتی تھیں...... اور سو روپے اچھی خاصی رقم ہوا کرتی تھی)

ان کے میاں جانی بھی اپنے گھر والوں کے بہکاوے میں آکر اکثر ان سے الجھ جایا کرتے تھے کہ

''واجدہ تم فضول خرچ بہت ہو، بے وجہ روپیہ برباد کرتی ہو۔ روپیہ بچانے کے گُر سے یکسر ناواقف ہو۔''

جس کا واضح جواب وہ یہ دیا کرتی تھیں کہ ''جو لوگ تنگ نظر اور کمینہ صفت ہوتے ہیں ان کی واضح نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ کنجوس ہوتے ہیں۔ خدا کا یہ احسان ہے کہ مجھ میں یہ برائیاں نہیں ہیں۔''

ایسے میں وہ اپنی چار فٹ کی بیوی کو دیکھتے رہ جاتے جو زمین سے اوپر تو زیادہ نہیں تھی مگر ان کی مکارانہ باتوں کو دیکھ کر وہ یہ سوچ کر رہ جاتے تھے کہ ان کی جڑیں زمین میں زیادہ پھیلی ہوئی ہیں۔

اور وہ بھی شاید شورزدہ زمین میں......!

اور واجدہ بیگم تنہائی میں...... آئینے کے سامنے بھل، بھل آنسو بہاتی ہوئی سوچتیں کہ ''ہائے میں کہاں سے فضول خرچ ہوں، میرا تو کوئی شوق ہی نہیں ہے۔ ورکنگ ویمن کو جو تھوڑا بہت اپنا خیال رکھنا پڑتا ہے وہی تو رکھتی ہوں، میرا تو خود اپنی تنخواہ میں گزارہ نہیں ہوتا تو ان سب بھوکوں کے لیے کہاں سے ڈاکے مار کر لاؤں۔''

انہیں آفس جانے میں دیر ہو جاتی (جو کہ اکثر ہوتی) تو وہ ہمیشہ ٹیکسی میں جاتیں۔

رکشہ میں پھٹ، پھٹ کرتی جاتی ہوئی عورت انہیں دو کوڑی کی لگا کرتی تھی۔

انہیں اپنی شخصیت کا بھی پاس تھا۔ جب وہ اپنی

نفیس سی ساڑی کی فال چٹکی میں پکڑ کر اترتیں تو یہ وہی جانتی تھیں کہ انہیں وہی فخر محسوس ہوتا جیسے کسی خاتون کو اس کا ڈرائیوران کے آفس چھوڑنے آیا ہو۔

سردیوں میں ان کے آفیسرز ہمیشہ کافی پیا کرتے تھے اور نچلا طبقہ ملائی والی چائے میں پاپے بھگو کر پیا کرتا تھا۔ ملائی والی چائے انہیں بے حد پسند تھی مگر وہ ناپسند ہونے کے باوجود کافی بڑی چسکیاں لے کر پیا کرتی تھیں۔

کافی کا مزہ انہیں انتہائی بدمزہ سا لگا کرتا تھا۔

مگر انہیں اپنی شان اور جھوٹے وقار کی خاطر کچھ تکلیفیں بھی برداشت تھیں۔

اب ان کے شوہر اور سسرال والے ان کی وضع داری کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے تو اس کی انہیں رتی بھر پروا نہیں تھی۔

وہ تو ہمیشہ کی طرح اس انداز میں رہنے کی عادی تھیں...... جبھی تو ان کی عقل منداماں نے یہ شرط رکھی تھی کہ ہماری بیٹی نوکری ہر حال میں کرے گی اور اس وقت ان کی بے وقوف ساس کچھ سمجھ ہی نہیں سکی تھیں۔

پرسکون زندگی

مہمانوں کے جانے کے بعد میں اپنی ماں سے باقاعدہ لڑ رہی تھی...... کہ ”آپ نے رشتہ دیکھنے والی خواتین سے یہ کیوں کہا کہ میں نہ تو گھر کے کام کرتی ہوں اور نہ ہی مجھے کچھ پکانا آتا ہے۔ میں تو اٹھتی بھی بہت دیر سے ہوں......لوگ تو اپنی بیٹیوں کی تعریفیں کیا کرتے ہیں اور آپ نے میری برائیاں کر ڈالیں...... اب دیکھنا وہ واپس مڑ کر آئیں گی بھی نہیں......“

”ان کا تو باپ بھی آئے گا......اس بات کا مجھے سو فی صد اندازہ ہوگیا تھا کہ اتنے پیسے والا گھر...... انہوں نے آج تک نہیں دیکھا۔“ اماں نے زعم سے کہا۔

”تو پھر کیا ہوگا......اب......“ میں نے الجھ کر پوچھا۔

”یہی کہ تمہاری شادی شان سے ہوگی اور تم اپنی مڈل کلاس سسرال پر اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزاروگی......کوئی تمہارے آگے کچھ بول ہی نہیں سکتا......“

اور تب میں سکون سے ہنس پڑی ہاہاہا......

پھلے آئیے

جمیلہ آپا کا یہ کہنا تھا کہ کیا کروں، میرے میاں کچھ کرنے ہی نہیں دیتے، انہیں پرانی چیزوں سے اس قدر عشق ہے کہ مجال ہے کسی پرانے سامان کو باہر نکالنے کا سوچ بھی سکیں۔

یہی شدو بی کی رائے تھی۔ گھر میں کوئی چیز جب بھی آتی، معرکہ آرا جنگیں ہوتیں......ساجدہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر میں گھر کو خوب صاف ستھرا کردوں تو میاں جی آکر حیرت سے پوچھتے ہیں، کیا گھر میں کوئی آرہا ہے۔

اپنے میکے والوں کی دعوت تو نہیں کررہی ہو۔

میں چاہے کتنی قسما قسمی کرلوں مگر انہیں یقین نہیں آتا اور ایسے میں اچانک آجانے والے مہمانوں کو وہ ایسی کینہ توز نظروں سے دیکھتے ہیں کہ خفت سی ہونے لگتی ہے۔

مگر ایک دن تو مجھے بہت اچنبھا سا ہوا۔ بڑی چچی کے بے ہودہ سے ڈرائنگ روم میں صوفے کے نیچے بڑی سی کوئی چیز رکھی تھی۔ جس کے ہول میرے پیروں سے بار بار مس ہورہے تھے۔ پہلے تو میں سمجھی کہ صوفے کے نیچے کوئی بلی بیٹھی ہوئی ہے...... یا کوئی سانپ کا سنپولیا پھن کاڑھے میرے تلووں میں گدگدی کررہا ہے مگر جب ہمت کر کے ان کے سسر کی بید سے اسے باہر نکالا تو وہ پھول جھاڑو تھی۔

”چچی یہ جھاڑو بھی کوئی ڈرائنگ روم میں سجاتا ہے۔“

”یہ ڈرائنگ روم کی ہی جھاڑو ہے، یہاں ہی رکھی رہتی ہے۔ اگر باہر چلی گئی تو پاکی ناپاکی کا چکر ہوجائے گا۔“

”اگر یہ بات ہے تو آپ نے ڈرائنگ روم کے پوچے کی بالٹی اور پوچے کو یہاں کیوں نہیں رکھا۔ چچا میاں تو یہاں بیٹھ کر کھانا بھی کھاتے ہیں، یہاں کے برتن کیوں نہیں ادھر ہی رکھے کوڑے کا ڈرم بھی ہونا چاہیے۔ اگل دان سلفچی کہاں ہے۔“

میرا نام کاملہ ہے، میں صرف نام ہی کی نہیں بلکہ

ہر چیز میں کامل ہوں۔ سلیقہ اور مہارت تو میری شخصیت کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرا گھر ہمہ وقت جگمگ، جگمگ کرتا ہے۔

میرا شمار آپ ان خواتین میں کر سکتی ہیں، جو کھانے پینے کو پیسے کا زیاں سمجھتی ہیں۔

میں حلق میں ڈالنے کے بجائے گھر کو سجانا ضروری سمجھتی ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مہمان میرے گھر آتا ہے تو اس کی زبان سے واہ، واہ کے ڈونگرے بلند ہوتے ہیں۔

اور یہ ستائشی کلمات میری ہمت، میری توانائی کو ایک نئی روح عطا کر دیتے ہیں۔ جس طرح جن خواتین کے بچے ذہین وفطین ہوتے ہیں تو ان کی یہ عادت ہوتی ہے کہ ہر ماں سے اس کے بچے کا رزلٹ اور تعلیمی کیفیت ضرور پوچھتی ہیں...... اور دوسرے کے بچوں پر تف...... تف کر کے...... اپنے بچوں کے قصیدے شروع کر دیتی ہیں۔

اسی طرح میری بھی یہ عادت ہے کہ بے ڈھنگے، بے تکے اور سادہ سے گھروں میں جا کر نکتہ چینی کیا کرتی ہوں۔

''ارے بھئی اب ان صوفوں کا پیچھا چھوڑ دیجیے، ایسے عجیب سے ہو گئے ہیں کہ اگر ان پر بھولے سے بیٹھ جاؤ تو یہ خود لٹا دیتے ہیں۔''

''اللہ یہ آپ کا گلابی تو گہرا براؤن ہو گیا ہے؟ اس غلاظت کی پوٹ کو تو کمرے سے باہر نکال پھینکیں......''

''افوہ...... یہ ٹیڑھی سی کھانے کی میز اور یہ بونی، بونی سی کرسیاں کب تک چلائیں گی، ان کو تو کسی عجائب گھر میں رکھوا دیں۔''

میرے یہ جملے سن کر بعض لوگ کھسیا جاتے ہیں۔ بعض اکتاہٹ بھری نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں۔

آپ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ کوئی آپ پر جادو کر رہا ہے، دھلے کپڑے سوکھنے کے بعد میلے سے نظر آنے لگتے ہیں۔

اور اس میں یقیناً آپ کی ملازمہ کی کاہلی نہیں ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ آپ انہیں ڈرائنگ روم میں نہیں سکھاتی ہیں۔

کیا ہے کہ اگر ایک ہی رسی باندھ دی جائے اور اس پر دھلے ہوئے کپڑے ڈال دیے جائیں تو آسانی کتنی رہتی ہے۔

آپ کے چھوٹے پپو کے پوتڑے اکثر کھو جاتے ہیں، چھوٹے کپڑے، بڑوں کے کپڑوں میں مل جاتے ہیں اور جہاں جوائنٹ سسٹم ہو تو وہاں تو کپڑے کی لنگی تک پر لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔

پپو چھوٹا سا پیارا سا بچہ ہے، روزانہ اس پر کسی نہ کسی وجہ سے نظر لگتی ہے، آپ اگر اس کے پوتڑے ڈرائنگ روم میں لگی رسی پر سکھا دیا کریں تو آنے والے مہمانوں کو ایک نیا لک سا محسوس ہوگا۔

وہ سمجھیں گے کہ آپ کے ہاں کوئی تقریب ہو رہی ہے، اس لیے آپ نے اپنے کمرے میں جھنڈیاں لگائی ہوئی ہیں۔

آپ کی بھاوج جو ہمیشہ کی حرص خوری ہیں، وہ آپ کے شاہانہ ڈرائنگ روم کو دیکھ کر ایک کے بجائے دو رسیاں باندھ دیں گی اور اس پر اپنے پیلے نیلے کرتے اس طرح لٹکائیں گی جیسے چوراہوں پر ڈھول بجا کر پیسے مانگنے والے اپنے کپڑے سکھاتے ہیں۔

ڈرائنگ روم کا یہ نیا لک اتنا خوب صورت اور متاثر کن ہوگا کہ وہ لوگ جن کے لب سدا بھینچے رہتے ہیں اور ڈپریشن ان کے ہم رکاب ہوتی ہے۔ وہ بھی کھلکھلا کر ہنس سکیں گے۔

یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی پرائیویٹ ٹی وی چینل اس کا کوئی خصوصی پروگرام بھی ریکارڈ کرے کہ ڈرائنگ روم سجانے کے جدید آرام دہ اور پُرسکون طریقے...... جس میں نہ کوئی جھنجھٹ، نہ کوئی مصیبت، ایسے ڈرائنگ روم منٹوں میں سجائیے۔ اگر آپ کو ایسے ڈیکوریٹر چاہئیں تو پہلی فرصت میں، ہم سے رابطے کیجیے پہلے آئیے اور پہلے سجوائیے یہی ہمارا اصول ہے۔ ہاں، ہم اس کی پے منٹ اچھی خاصی لیتے ہیں، جی ہاں......

☆☆☆

صغریٰ زیدی

☆نایاب کرن صدیقی......کمالیہ
جاگتے رہنے سے کب رکتے ہیں یہ بہتے آنسو
عمر بھر ہو گی یہ برسات چلو سو جائیں
☆حلیمہ سعدیہ......ٹوبہ ٹیک سنگھ
چند خوابوں کے عطا کر کے اجالے مجھ کو
کر دیا دنیا نے وقت کے حوالے مجھ کو
جن کو سورج مری چوکھٹ سے ملا کرتا تھا
اب وہ خیرات میں دیتے ہیں اجالے مجھ کو
☆دلشاد انجم......ضلع اٹک
ماں کی تربت پہ ہوں آیا عید کے تہوار پر
اشک پچھتاوے کے لایا عید کے تہوار پر
جب کیا خود سے تقابل ماں کا اخلاص و وفا
خود کو ہے کتنا رلایا عید کے تہوار پر
☆عائشہ اعوان......رحیم یار خان
کیا خبر تھی کہ خزاں ہوگی مقدر اپنا
میں نے تو ماحول سجایا تھا بہاروں کے لیے
☆کوثر خالد......جڑانوالہ
میرے حروف روشنی بانٹیں گے حشر تک
دنیا کرے گی یاد مجھے زندگی کے بعد
☆صبا نور......لیہ
نہیں ہے گردشِ دوراں پہ اختیار مگر
خدا وہ وقت نہ لائے کہ سوگوار ہو تم
☆ایمان چوہدری......فیصل آباد
آ چل تجھے دکھاؤں اپنے دل کی ویران گلیاں
شاید کہ تجھے آ جائے ترس مری اداس زندگی پہ

☆عروسہ ناز......کوٹلی
بارشیں چھت پر کھلی جگہوں میں ہوتی ہیں مگر
غم وہ ساون ہے جو بند کمروں کے اندر برسے
☆مسز تسنیم......جہلم
پرندوں میں کبھی فرقہ پرستی نہیں دیکھی اقبال
کبھی مندر پہ جا بیٹھے، کبھی مسجد پہ جا بیٹھے
☆ام ایمان......کوٹ چھٹہ
کھول یوں مٹھی کہ اک جگنو نہ نکلے ہاتھ سے
آنکھ کو ایسے جھپک کہ لمحہ کوئی اوجھل نہ ہو
پہلی سیڑھی پہ قدم رکھ، آخری سیڑھی پہ آنکھ
منزلوں کی جستجو میں رائیگاں کوئی پل نہ ہو
☆ماہم شاہد......کراچی
اے مصور تجھے استاد جبھی مانوں گی
درد بھی کھینچ ذرا تو مری تصویر کے ساتھ
☆ماہ نور خان......بہارہ کہو
بشر کو صبر نہیں اور یہ مثل سچ ہے
کہ چپ کی داد غفور الرحیم دیتا ہے
☆کرشمہ کرن فاطمہ......ہارون آباد
یہ بھی اچھا ہوا کہ صرف سنتا ہے
دل اگر بولتا تو کیسی قیامت ہوتی
☆حمنیٰ قندیل......کمالیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ
خدا کی محبت کی ایک جھلک دنیا میں ملتی ہے
غم نہیں ملتا ان کو، جنہیں ماں کی ممتا ملتی ہے
پھول بنتا ہے جب کلی کھلتی ہے
صورت ماں کی، دنیا میں محبت ملتی ہے

☆انیسہ زینب......شیخوپورہ

وقفِ حرمان و یاس رہتا ہے
دل ہے اکثر اداس رہتا ہے
تم تو غم دے کے بھول جاتے ہو
مجھ کو احساس کا پاس رہتا ہے

☆یاسمین......ضلع پسرور

بنا کے بنجر یہ دل کی بستی اجاڑ جاتے ہیں سوچ لینا
محبتوں میں تو ایسے ایسے سیلاب آتے ہیں سوچ لینا
یہ الجھی زلفیں یہ لال آنکھیں یہ میلے کپڑے یہ زرد چہرہ
حساس لوگوں کی زندگی میں یہ باب آتے ہیں سوچ لینا

☆ساجدہ ظفر......کمالیہ

کون خریدے گا اب ہیروں کے دام مرے آنسو
وہ جو اِک درد کا تاجر تھا دکاں چھوڑ گیا

☆یاسمین اسرار......کمالیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ

پیار سے بڑھ کر نہیں دنیا میں کوئی روشنی
پی گئے یہ روشنی تو آئینہ ہو جاؤ گے
گفتگو میٹھی کرو، ہر شخص سے جھک کر ملو
دشمنوں کے واسطے بھی دلربا ہو جاؤ گے

☆حمیرا نوشین......منڈی بہاؤالدین

اب آپ کس لیے اتنا ملول ہوتے ہیں
دیا تھا رنج تو کچھ سوچ کر دیا ہوتا

☆مسز فرح امجد......ٹاؤن شپ لاہور

ابھی ہم جاں سے گزر گئے ہوتے
تیرے رستے میں یوں پڑے ہوتے
ستم گر تم نے تو نظر جھکا کر دیکھا ہی نہیں
یونہی زمانے بھر کی ٹھوکروں میں پڑے ہوتے

☆آمنہ ولید......لاہور

آزمائے گا بہر حال ہمیں صبرِ حیات
ہم ابھی اور اسیرِ غمِ دوراں ہوں گے

☆کائنات عبدالحلیم......میر پور خاص

جیسے دنیا میں ہمیں اور کوئی کام نہیں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اِک شخص کو بیکار میں ہم

☆جمیلہ لوہی......کوئٹہ

شہر کا حال جا کر ان سے پوچھ
ہم تو اکثر سفر میں رہتے ہیں

☆فریدہ رزاق......فیصل آباد

کسے نصیب ہوا چاہتوں کا تاج محل
یہی بہت ہے میری جھونپڑی تو باقی ہے

☆جبین نیاز......ملتان

چوروں کا احتساب نہ اب تک ہوا قتیلؔ
جو ہاتھ بے قصور تھا وہ ہاتھ کٹ گیا

☆نگینہ ضیا......کیاڑی

ہم تمہیں داستاں سناتے تھے
کاش کچھ پل کو تو رکے ہوتے

☆صائمہ سجاد بنگش......کوہاٹ

میں نے مانگے تھے کچھ سے اس کے
اس نے وحشتیں سنبھال رکھی ہیں

☆شہلا محمود......واہ کینٹ

چاہا تھا جسے وہ مل بھی گیا پر خواب بھرے ہیں آنکھوں میں
اے میرے لہو کی لہر بتا اب کون سے میں عالم میں ہوں

☆رضوانہ اشفاق......بھکر

ہو سکے تو میری روح میں تحلیل ہو جاؤ
دل و نگاہ کے رشتے تو اکثر ٹوٹ جاتے ہیں

☆سید ممتاز عباسی......لاڑکانہ

وہ کیسے لوگ تھے یارب جنھوں نے پالیا تجھ کو
ہمیں تو ہو گیا دشوار ملنا ایک انساں کا

☆آپا خالدہ......لیہ

وہ تعلق بھی عارضی نکلا
عمر بیتی جسے نبھانے میں



چٹ پٹا قورمہ ود رائس

اجزا: چکن، آدھا کلو۔ کچی پیاز کا پیسٹ، آدھا کپ۔ تلی ہوئی پیاز، تین کھانے کے چمچ۔ گرم مسالا ثابت ایک کھانے کا چمچ، ادرک، لہسن پیسٹ ایک ایک چائے کا چمچ۔ دہی، دو کھانے کے چمچ۔ نمک، سرخ مرچ، حسبِ ذائقہ۔ تیل، آدھا کپ۔

ترکیب: ایک پتیلی میں تیل گرم کر کے چکن ڈال کر سنہرا فرائی کریں۔ اب اس میں ادرک لہسن اور پیاز کا پیسٹ، براؤن کی ہوئی پیاز، دہی، دیگر مسالے ڈال کر بھون لیں اور پندرہ منٹ کے لیے پکنے دیں۔ تیل اوپر آجائے تو حسبِ پسند گریوی بنا کر چولھے سے اتارلیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر خشکہ چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

مرسلہ: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

چکن ود لال لوبیا

اجزا: بون لیس چکن، آدھا کلو۔ لال لوبیا، ایک پاؤ ابال... کر گلالیں۔ ٹماٹر، دو عدد۔ نمک، سرخ مرچ اور پکانے کا تیل اپنے ذائقے اور ضرورت کے حساب سے لیں۔ پیاز، ایک درمیانی۔ لہسن، ادرک، ایک، ایک کھانے کا چمچ۔ ہلدی، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ کڑی پتا، چار، پانچ، ہرا دھنیا، ہری مرچ حسب ذائقہ۔ ثابت رائی، آدھا چائے کا چمچ۔

ترکیب: پیاز کو چوکور کاٹ کے تیل میں گولڈن فرائی کریں۔ اب اس میں رائی، کڑی پتا، ادرک، لہسن، نمک مرچ اور چوپ کیے ٹماٹر، شامل کر کے چلائیں۔ پھر چکن ڈال دیں، ہلکی آنچ پر چکن کو پکنے دیں اور اپنے پانی میں گلنے دیں۔ پندرہ منٹ بعد، ابلے ہوئے لوبیا بھی شامل کرلیں اور ساتھ ہی ایک گلاس پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ تیل اوپر آنے کی صورت میں ہری مرچ اور ہرا دھنیا کاٹ کر ڈال کر چولھا بند کردیں۔ اسے روٹی یا چاول دونوں کے ساتھ تناول فرمائیں۔

مرسلہ: ثروت سجاد، برمنگھم

کوئیک سینڈ وچ

اجزا: سینڈوچ بریڈ، چھ سلائس لے لیں۔ دو انڈے ابلے ہوئے۔ گول سلائس کاٹ لیں۔ مٹر، ابلے ہوئے۔ آدھی پیالی۔ کھیرا، گول سلائس۔ مکھن، یا چیز سلائس، بریڈ کے ٹکڑوں کے سائز کے کاٹ لیں۔ ٹوتھ پک، ایک پیکٹ۔

ترکیب: تمام بریڈ سلائس کے برابر کے چوکور چار ٹکڑے کاٹ لیں اگر کنارے سخت ہوں تو انہیں کاٹ لیں..... اب ہر ٹکڑے پر پہلے چاہیں تو مکھن لگالیں پھر چیز سلائس کا ایک پیس رکھیں پھر کھیرے کا ایک پیس رکھیں پھر انڈے کا سلائس آخر میں مٹر کا دانہ اب اس میں ٹوتھ پک لگادیں اس طرح کہ پورا سینڈوچ ٹوتھ پک کی مدد سے اٹھ جائے۔ یہ ون بائیٹ سینڈوچ ہوگا۔ ٹوتھ پک ایسے لگائیں کہ نیچے تک جائے تاکہ پورا سینڈوچ ایک دفعہ میں ہی اٹھ جائے۔ اس کے اوپر آپ نمک، کالی مرچ بھی

چھڑک سکتی ہیں اگر اور رنگین بنانا ہو تو ٹماٹر کا بھی اضافہ کرسکتی ہیں۔

مرسلہ: فضہ بتول، بہارہ کہو

ناریل کا حلوا

اجزا: تازہ ناریل، آدھا کلو۔ کھویا، آدھا کلو۔ کنڈینسڈ ملک، ایک پیالی۔ چھوٹی الائچی، تین سے چار عدد۔ بادام، پستے، حسب پسند۔ زردے کا رنگ، ایک چٹکی۔ بناسپتی گھی، آدھی پیالی۔

افراد: چھ سے آٹھ کے لیے۔

ترکیب: ناریل کو کش کرلیں، الائچی کے دانے نکال کر کوٹ لیں اور بادام پستوں کو باریک کاٹ کر رکھ لیں۔ کڑاہی میں گھی ڈال کر درمیانی آنچ پر گرم کریں اور اس میں کٹی ہوئی الائچی ڈال دیں۔ ایک سے دو منٹ کے بعد اس میں کش کیا ہوا ناریل ڈال کر ہلکی آنچ پر اتنی دیر بھونیں کہ ناریل کا اپنا پانی خشک ہو جائے اور گھی علیحدہ ہوجائے۔ پھر کھوئے کو چورا کرکے ڈال دیں اور بھونتے ہوئے کنڈینسڈ ملک میں شامل کرلیں۔ دوبارہ سے اتنا بھونیں کہ گھی علیحدہ ہوجائے اور حلوے کی رنگت سنہری ہوجائے۔ اب ڈش میں نکال کر بادام پستوں سے سجائیں اور سرو کریں۔

مرسلہ: جبیں نیاز، ملتان

چاکلیٹ کیک

ود مارش میلو فراسٹنگ

اجزا: میدہ، تین چوتھائی پیالی۔ کوکنگ چاکلیٹ، پچاس گرام۔ انڈے، تین عدد۔ چینی، تین چوتھائی پیالی۔ کوکو پاؤڈر، دو کھانے کے چمچ۔ بیکنگ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ کوکنگ آئل، آدھی پیالی۔

ترکیب: کیک بنانے کے لیے۔ انڈے کی سفیدیوں کو چینی ڈال کر الیکٹرک بیٹر سے پھینٹ لیں اب ان میں زردیاں ملا کر پھینٹیں۔ میدہ، کوکو پاؤڈر اور بیکنگ پاؤڈر ملا کر چھان لیں۔ کوکنگ چاکلیٹ کے چھوٹے ٹکڑے کرکے شیشے کے پیالے میں رکھیں اور اس میں ایک کھانے کا چمچ کوکنگ آئل ڈال کر تیس سیکنڈ کے لیے مائیکرو ویو اوون میں رکھ دیں۔ انڈوں کے مکسچر میں پہلے کوکنگ آئل ڈال کر پھینٹیں پھر اس میں میدہ اور پگھلی ہوئی چاکلیٹ ڈال کر ملائیں۔ اس مکسچر کو کیک کے سانچے میں ڈال کر پہلے سے کیے گئے گرم اوون میں جس کا درجۂ حرارت 150 ہو بیس سے پچیس منٹ کے لیے بیک کرکے نکال لیں اور ٹھنڈا کرنے رکھ دیں۔

مارش میلو

فراسٹنگ بنانے کے لیے

شیشے کے پیالے میں انڈے کی سفیدی میں تین چوتھائی پیالی پسی ہوئی چینی اور ایک چٹکی کریم آف ٹاٹر ڈال کر الیکٹرک بیٹر سے پھینٹیں پھر اس پیالے کو ابلتے ہوئے پانی پر رکھ کر پانچ سے چھ منٹ پھینٹیں۔ سفیدی گرم ہونے پر آجائے تو اسے گرم پانی پر سے ہٹا کر پانچ منٹ مزید پھینٹیں اور چاہیں تو چند قطرے ونیلا ایسنس کے ملالیں۔ اس فراسٹنگ کو آئسنگ بیگ میں بھرلیں اور کیک کو ٹھنڈا کرکے اس پر حسبِ منشا پھیلا کر ڈالیں۔ گرم اوون میں گرل جلا کر اس فراسٹنگ کو ہلکا سنہری ہونے تک رکھ کر نکال لیں۔

مرسلہ: نیلوفر خان، بہارہ کہو

☆☆☆

بزمِ پاکیزہ

مدیرہ



پہلا انعام یافتہ سوال

☆ انعم فاطمہ...... کراچی

سوال: آج کی ماں رخصتی کے وقت اپنی دلہن بیٹی کو کیا نصیحت کرتی ہے؟

جواب: جو ڈر گیا وہ مر گیا...... اسی لیے دب کر مت رہنا میری بچی۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ امینہ زینب...... فاروق آباد

سوال: ملا کی دوڑ مسجد تک تو نئی دلہن کی دوڑ کہاں تک......؟

جواب: دلہن نئی ہو یا پرانی دونوں کی دوڑیں اپنے میکے کی جانب لگا کرتی ہیں۔

☆ سندس خان...... کراچی

سوال: کیا دلہن کے لیے بیوٹی پارلر جانا ضروری ہوتا ہے؟

جواب: وہ پارلر جو عام خدوخال کی دلہن کا اوریجنل میک اپ کر دیا کرتے ہیں...... وہاں جانے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کالی، کالی ہی لگ رہی ہوتی ہے۔

☆ علیشاہ، بہاول پور

سوال: اگر رخصتی کے وقت دلہن کو رونا نہ آئے تو؟

جواب: تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہائے اوئی تو کر ہی لے...... ویسے بھی وہ زمانہ کہاں رہا ہے اب...... جب دلہنیں رخصتی کے وقت روتے ہوئے بے ہوش تک ہو جاتی تھیں۔

☆ صبا نور، لیہ

سوال: اب دولھا اور دلہن کا سہرا کہاں چلا گیا......؟

جواب: پرانی فلموں کو دان کر دیا گیا۔

☆ عرشیہ جنید، کراچی

سوال: خوب صورت سی کم عمر کو منہ دکھائی میں کیا چاہیے......؟

جواب: نئے ماڈل کا آئی فون۔

☆ ایس انمول، بھابڑا شریف

سوال: شعر مکمل کریں

میرے خدا نے بہت نوازا ہے مجھ کو دوست

جواب: میری اوقات کے برابر ملتا تو شاید تم نہ ملتے

☆ منیٰ قندیل...... کمالیہ

سوال: زیادہ تر خواتین کی پسندیدہ غذا کیا ہے؟

جواب: چغلی کھانا، قسمیں کھانا، کمیٹی کھانا ......اور کبھی کبھی جوتے بھی کھا لینا۔

☆ کوثر بانو...... سندھ

سوال: ہم رو دیے لپٹ کر ہر اجنبی کے ساتھ...... آخر کیوں؟

جواب: پاگل واگل ہوں گی، اجنبیوں کو اتنی لفٹ کہاں دی جاتی ہے حیرت ہے بھئی...... کہ اجنبیوں کے ساتھ ایسی قربت لاحول ولاقوۃ!

☆ زاہدہ رزاق...... فیصل آباد

سوال: کوئی ایسا طریقہ بتایئے کہ ساس اپنی بہو کو کھانا بنا کر کھلائے؟

جواب: بہو سے کہو کہ اپنے ہاتھ پیر توڑ لے...... ساس پکا کر کھلا دیا کرے گی۔

☆ صائمہ سجاد بنگش...... کوہاٹ

سوال: وہ کہتے ہیں کہ عیدی، عیدی ہوتی ہے؟

جواب: تم کہہ دو کہ میرا تو ہر دن عید کا ہے...... روزانہ عیدی دو؟

☆ شہلا نواز، لاہور
سوال: آنے سے اس کے آئے بہار...... جانے سے اس کے جائے بہار...... کس کے......؟
جواب: گھر کی ملازمہ کے...... کہ اس کے جاتے ہی ہر گھر کے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔

☆ نگینہ ضیا بنگش...... کراچی
سوال: کیا کوئی ایسی بات بھی ہے جو گناہ نہ لگتی ہو؟
جواب: کسی کی معذرت کا قبول نہ کرنا گناہ کے زمرے میں آتا ہے...... جو بظاہر کسی کو نہیں لگتا۔

☆ امینہ عندلیب...... سلانوالی
سوال: باجی! آپ کون سا لفظ سب سے زیادہ بولتی ہیں......؟
جواب: برے لفظ تو بہت ہیں چلو جاؤ یہاں سے، معاف کرو، نہیں بھئی، اُفوہ، ہاں ایک پیارا لفظ جو میں وافر بولتی ہوں وہ ہے الحمدللہ......

☆ مونا...... لاہور
سوال: جسے پیا چاہے آخر وہ کون ہے؟
جواب: وہ یقیناً کسی لاٹ صاحب کی بیٹی ہوگی۔

☆ نجمہ اصغر...... کراچی
سوال: کون سی دلہن سب سے پیاری لگتی ہے، اچھے میک اپ والی یا قیمتی لباس والی......؟
جواب: مجھے تو ساری دلہنیں پیاری لگتی ہیں کہ ان کے ارمان ان کے چہرے اور آنکھوں میں دمک رہے ہوتے ہیں۔

☆ مہرین بنگش...... کراچی
سوال:

دشمنوں کی تو بات ہی کیا ہے
دوستوں نے بھی گل کھلائے بہت

جواب: پھر ان دوستوں کو بھی دشمن ہی سمجھو ناں....

☆ مسز رزاق...... پنجاب
سوال: شادی سے پہلے جو سپنوں کا راجا ہوتا ہے وہ شادی کے بعد......؟
جواب: ڈکٹیٹر بن جایا کرتا ہے۔

☆ ارم خان...... پنجاب
سوال: کون سے شوہر، بیوی کی ہر جلی کٹی سن کر ایک لفظ نہیں بولتے؟
جواب: وہ جو گونگے، بہرے ہوتے ہیں۔

☆ فرزانہ...... سندھ
سوال: میں نے اپنے ہونے والے بہنوئی سے مہندی لگائی پچاس ہزار مانگی...... مگر انہوں نے مجھے صرف پانچ ہزار دی...... کیوں؟
جواب: آپ نے بھی تو پوری مہندی کی تقریب کا خرچہ مانگ لیا تھا...... وہ کیوں دیتے اتنی زیادہ......

☆ ظل شاہین...... رحیم یار خان
سوال: شادی کی کون سی رسموں پر آپ پابندی لگائیں گی؟
جواب: لڑائی جھگڑے والی ہر رسم پر...... مہندی لگوائی، جوتا چھپائی اور پہنا ؤنی کے جوڑے ہرگز نہیں دینے چاہئیں۔

☆ منور شہزادی...... گوجرانوالہ
سوال:

ایک شخص کی ضد ہے مجھے کردار بنا کر
افسانہ لکھو اور میرا نام نہ آئے

جواب: تم صاف صاف بتا دو کہ تمہیں افسانہ تو کیا خط بھی لکھنا نہیں آتا۔ اسکول کبھی گئی ہی نہیں۔

☆ سعدیہ ہما شیخ...... سرگودھا
سوال: دنیا کی سب سے پیاری ماں تو ہر بیٹے کے پاس ہوتی ہے لیکن......؟
جواب: دنیا کی بہترین بیوی دوسروں کے پاس ہی کیوں ہوتی ہے۔ (بیٹے کی نظر سے)

☆☆☆



روحانی مشورے

ادارہ

برے رشتے سے بچنے کے لیے تین دعائیں

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی عورت سے کہ مجھے بوڑھا کردے بڑھاپے سے پہلے اور تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے مال سے کہ مجھ پر عذاب جان ہو۔“

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بری عورتوں کے فتنے سے۔“

ترجمہ: ”یا اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس عمل سے کہ مجھ کو رسوا کردے اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس ساتھی سے جو مجھے تکلیف دے اور پناہ چاہتا ہوں ایسی امید سے کہ مجھے غافل کردے۔“ (از کنز العمال)

دعاؤں کے اول و آخر میں تین، تین مرتبہ درود شریف پڑھ لینا چاہیے۔

برے شوہر اور بری ساس سے پناہ چاہنے کی تین دعائیں

یہ دعا لڑکی خود بھی مانگے اور لڑکی کے ماں، باپ بھی اس کے لیے دعا مانگتے رہیں کہ اے اللہ! برے شوہر، بری ساس، برے خاندان سے اس بچی کی حفاظت فرما بلکہ ماں، باپ کو تو چاہیے بچپن سے بچوں کے لیے دعائیں شروع کردیں۔ ہر بچے کا نام لے کر اس کی ہدایت و عافیت، دین پر استقامت، رزقِ حلال و طیب وافر مقدار میں ملنے اور اچھے جوڑے کے لیے دعائیں مانگتے رہیں۔

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ لیتی ہوں ایسے مکار دوست (برے شوہر) سے جس کی آنکھیں مجھ کو دیکھیں اور اس کا دل میری ٹوہ میں لگا رہے (یعنی میرے عیب ڈھونڈنے کی ہر وقت فکر سوار ہو) اگر کوئی نیکی دیکھے تو اس کو چھپالے اور برائی دیکھ پائے تو اس کو پھیلاتا پھرے۔“

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتی ہوں ایسے ساتھی (شوہر) سے جو مجھے تکلیف دے۔“

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھ پر میرے گناہوں کی وجہ سے کوئی ایسا (شوہر مسلط نہ فرما جو میرے بارے میں تیرے احکامات سے نہ ڈرے اور نہ مجھ پر ترس کھائے۔ (یعنی ایسے ظالم شوہر سے میری حفاظت فرما)۔“

اسی طرح حدیث شریف میں اور بھی بہت سی پیاری دعائیں، نیک اولاد اور شوہر کے لیے وارد ہوئی ہیں..... حضور اکرم نے کوئی عمدہ عادت اور اچھا طریقہ ایسا باقی نہیں چھوڑا جس کی دعا نہ فرمائی ہو اور کوئی برا کام اور خراب خصلت ایسی باقی نہیں رکھی جس سے پناہ نہ مانگی ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کے مراتب بلند سے بلند تر فرمائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو حضور اکرم ﷺ کی بتلائی ہوئی دعائیں مانگنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضور اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے والا اور اس کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لیے ہمیں اور امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو قبول فرمائے۔ آمین۔

یہ دعائیں قبولیت میں ایسی ہیں جیسے خود حاکمِ اعلیٰ کی بتائی ہوئی درخواست کا مضمون حاکمِ اعلیٰ کے روبرو پیش کرتا جس کی منظوری میں کوئی شک و تردد ہی نہیں ہوتا لہٰذا ان دعاؤں کا خوب اہتمام رکھے اور اس کے لیے ہر مسلمان عورت کو چاہیے روزانہ یہ دعائیں مانگنے کو معمول بنالے۔

ضروری وضاحت: ساس اور بہوؤں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو عورتیں بیٹے اور ماں میں یا بیٹے اور بہو میں جھگڑا کرواتی ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان عورتوں

پر دنیا ہی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا عذاب مسلط ہوجائے اور آخر عمر میں ایسی بری بیماریوں میں مبتلا ہوجائیں کہ خود وہ اور ان کی اولاد ان کی موت کے لیے دعائیں کریں۔ (استغفر اللہ)

اچھا رشتہ ملنے کے لیے اہم دعائیں

ماں، باپ، بڑے بھائی، بہن کو چاہیے کہ اپنے بچوں اور چھوٹے بھائی بہنوں کے لیے خصوصی دعائیں کریں اور ان سے خود بھی کروائیں کہ جن میں (اچھے رشتے کا ملنا اور عافیت کے ساتھ زندگی کا گزرنا) طلب کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! عنایت فرما ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا کر۔'' (سورۂ فرقان آیت ۷۴)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دعا کو اپنے خاص بندوں کی دعا فرمایا ہے۔ یہ دعا ہر مرد وعورت کو زندگی بھر مانگتے ہی رہنا چاہیے، بہت ہی مبارک دعا ہے، اس میں شوہر، بیوی، بچے، خاندان سب کے لیے دنیا و آخرت دونوں کی دعائیں آگئیں۔

اسی طرح لڑکیاں اپنے الفاظ میں نیک شوہر کے لیے بھی خوب دعا مانگیں۔

''مثلاً اے اللہ! مجھے ایسا نیک شوہر عطا فرما جو خود بھی پورے دین پر چلنے والا ہو اور میرے لیے بھی دین پر چلنے میں معاون اور مددگار ہو، نرم دل ہو، نیک بیوی کی قدر کرنے والا ہو، اس کے مقدر میں نیک اولاد ہو، دین کو دنیا میں پھیلانے اور اللہ کی راہ میں دعوت اور تبلیغ اور جہاد کا شوق رکھنے والا ہو، اس کے دل میں آپ کی محبت گھر کر چکی ہو، ایمان اس کے دل کی تہ میں بیٹھ چکا ہو، اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی محبت اس کے دل میں سب سے زیادہ ہو، دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی محبت اس کے دل میں ہو اور اے اللہ! مجھے اس نیک شوہر کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ذریعۂ تسکین اور سرمایۂ راحت بنا، آمین۔''

اسی طرح شروع اور آخر میں درود شریف پڑھ کر یہ دعا مانگنی چاہیے۔ ''اے بہت عطا کرنے والے! مجھے نیک شوہر عطا فرما۔''

سنہری حروف

☆ سچ کہہ دینے سے ذہن کو خلفشار سے نجات مل جاتی ہے۔
☆ غم کتنا ہی سنگین ہو، نیند سے پہلے تک ہوتا ہے۔
☆ جو شخص ناممکن کے پیچھے بھاگتا ہے، وہ ممکن سے بھی رہ جاتا ہے۔
☆ رات کو بھوکا سوجانا، صبح قرض دار جاگنے سے بہتر ہے۔
☆ ہمت والوں کے آگے ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے۔
☆ ہر لمحہ خوب صورت ہے، اگر وہ ہماری امیدوں کے مطابق ہو۔
☆ تحریر ہی وہ چیز ہے، جو زندہ رہتی ہے۔

مرسلہ: ارم کمال، فیصل آباد

دعا مانگنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے

''اے اللہ! مجھے ایسا گھر عطا فرما کہ جو کچھ مقدر ہو شوہر کی حلال کمائی سے وہ سکون سے کھائیں اور اس پر تیرا شکر ادا کرنا آسان ہو..... اور ایسی زندگی کہ جس میں پیسہ بہت ہو لیکن روز روز کے جھگڑے اور مسائل تو ایسے برے گھر سے اور ایسے مال سے پناہ چاہتی ہوں۔''

''اے اللہ! ایسا خاندان، ایسا گھرانا عطا ہو جو بہو کی خدمت کی قدر کرے، بہو کو بیٹی سمجھے..... غیبت، جھوٹ اور تہمت سے بچنے اور بچانے والا ہو۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆



شوابے ہومیو کلینک




اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تا کہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں۔ ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی **74200**۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تا کہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

جوڑوں کا درد

عائشہ ولی............لاہور

میری عمر ۷۰ سال ہے۔ مجھے کئی سال سے جوڑوں میں درد کی شکایت ہے۔ اب تکلیف کافی بڑھ گئی ہے۔ صبح ہونے سے پہلے آنکھ کھل جاتی ہے۔ سو کے اٹھ کر ہاتھ ہلانا مشکل ہوتا ہے۔ موتیا کے آپریشن کے بعد سے میں بستر پر لیٹی ہوئی ہوں۔ کروٹ بھی نہیں لے سکتی۔ اگر لے لوں تو تکلیف ہوتی ہے۔ پیر پھیلتے نہیں سکڑ گئے ہیں۔ آج کل سانس کی شکایت بھی ہے۔ زبان خشک رہتی ہے۔ خاص طور پر سو کر اٹھنے کے بعد۔ صبح کے وقت بھوک بھی نہیں لگتی۔ گیس کا مسئلہ بھی ہے۔ زبان پر چھالے بھی ہیں۔ بلڈ پریشر بھی بڑھا رہتا ہے۔ دو دن پہلے بلڈ پریشر **140/100** تھا۔ ہاتھ کانپتے ہیں۔ چائے کی پیالی پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔ دعا مانگنے کی پوزیشن میں ہوں تو بایاں ہاتھ ہلنا شروع ہو جاتا ہے۔

جواب: محترمہ اللہ آپ کو صحت دتندرستی دے۔ کھانے کو اچھی طرح چبا کر کھائیں بصورت دیگر اس کو میش کر کے کھائیں۔ کھانا کھانے کے بعد

ٹوکن
برائے شوابے ہومیو کلینک
اکتوبر 2015

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

اور دوران پانی نہ پئیں۔ یاد رکھیں پانی کھانے سے پہلے یا کھانے کے دو گھنٹے بعد پئیں۔ جتنا بستر میں کم سے کم لیٹیں گی اتنا زیادہ صحت مند رہیں گی۔ زندگی کے چانس بڑھیں گے، ہمت کر کے اٹھیں بیٹھیں اور چلیں۔ وضو کرتے ہوئے ناک میں پانی اوپر تک چڑھایا کریں۔ 3 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں

Carbo vag 30 Gelsemium30,Calc.Carb30, Bryonia30 اور , Rhus tox 30 کے 5,5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں پہلے 2 ہفتے ہر 2 گھنٹے بعد استعمال کریں۔ پھر 2 ہفتے ہر 3 گھنٹے بعد لیں، ایک ماہ بعد یعنی پانچویں ہفتے سے ہر 4 گھنٹے بعد استعمال کریں۔

چہرے پر دانے

بیگم شریف..........کراچی

میری عمر 30 سال ہے۔ میرے چہرے پر دانے نکل آتے ہیں۔ شادی سے پہلے زیادہ ہوتے تھے۔ اب بھی وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔ میری شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں۔ میرے تین بچے ہیں۔ مجھے ایسی کوئی دوا دیں کہ میرے دانے صحیح ہوجائیں، میں نے کئی دفعہ صافی بھی پی ہے لیکن وقتی فائدہ ہوتا ہے۔ میری جلد چکنی ہے۔ قبض کی شکایت کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں۔ میرا دوسرا مسئلہ سر میں خشکی اور بالوں کا سفید ہونا ہے۔ اسے روکنے کے لیے بھی کوئی دوا تجویز کردیں۔

جواب: یہ بالکل غلط مفروضہ ہے کہ خون خراب ہوتا ہے تو چہرے پر دانے نکلتے ہیں، جلد کی صفائی نہ ہونا، شوگر، ڈپریشن، ہارمونز کی خرابی، ہاضمہ کے نظام کے صحیح نہ ہونے وغیرہ سے بھی دانے نکلتے ہیں۔ لہٰذا اشتہاری دواؤں سے اجتناب کریں۔ ماہر



تجربہ کار مستند کوالیفائیڈ ہومیو پیتھک معالج سے علاج کرائیں۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ سر میں خشکی کس رنگ کی ہے، کب سے ہے، بال کب سے سفید ہو رہے ہیں؟ ذہنی دباؤ سے بھی بالوں اور سر کی جلد میں اثر پڑتا ہے۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں پھر آکر ملیں

Natr.mur 30, Asterias Rubens 30 کے 5، 5 قطرے Jaborandi Q کے 15 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ Velaxan کی ایک گولی دن میں تین مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ لیں۔

ایام کی زیادتی

سنبل..........فیصل آباد

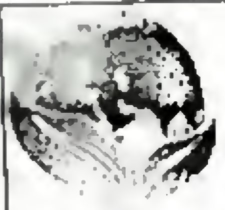
میرے مینسز پہلے ٹھیک تھے لیکن چھوٹے بیٹے کی پیدائش کے کچھ عرصے بعد سے پیریڈز کا مسئلہ پیدا ہو گیا جبکہ بچہ سزیرین ہوا جو اب 10 سال کا ہے پیریڈز ٹائم پہ آتے ہیں لیکن 3 دن تک بہت زیادہ آتے ہیں۔ تھکاوٹ، چڑچڑاپن اور غصہ بہت آتا ہے۔ سستی اور کاہلی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ قبض بچپن سے ہے لیکن دوائی لیے بغیر دو یا تین دن بعد مشکل سے پاخانہ ہوجاتا ہے۔

جواب: Pelvis U/S کرا کر رپورٹ بھیجیں تاکہ صحیح دوا تجویز کی جاسکے قبض کے لیے Bryonia 30 کے ۵ قطرے آدھا کپ پانی میں تین مرتبہ استعمال کریں۔

نسوانی حسن

رضوانہ..........مانسہرہ

ڈاکٹر صاحب میری سہیلی کی بہن کی



عمر 20 سال ہونے والی ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹیڑھی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا ایک کندھا دوسرے سے نیچے ہے اور کمر میں بھی کبھی کبھی درد ہوتا ہے۔ اس میں نسوانی حسن کی بھی بہت کمی ہے۔ پلیز اس کے لیے کوئی دوا بتائیں۔

جواب: دنیا کی کوئی طاقت نہ کسی کو صحت دے سکتی ہے اور نہ بیماری صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ذات ہے جو کسی کو ٹھیک کرسکتی ہے۔ 20 سال کی عمر میں قد نہیں بڑھتا۔ ریڑھ کی ہڈی اور کمر درد کے لیے کوئی علاج کیا ہے؟ ٹین ایج اور اس سے پہلے جسمانی نشوونما ہوتی ہے، قد بھی بڑھتا ہے۔ اگر اس وقت توجہ دی جائے تو صحت کے چانس زیادہ بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ بہرحال متوازن خوراک اور مناسب ورزش کے ساتھ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ Calc.Carb 30, Theridion 30 کے 5،5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔

قد چھوٹا ہے

راحیلہ انور.........فیصل آباد

میری بہن کی عمر 13 سال ہے اور قد ۴ فٹ ۹ انچ ہے' اس کا قد چھوٹا ہے۔ خاندان میں بھی زیادہ تر قد چھوٹے ہیں جس کی وجہ سے میں بہت زیادہ پریشان ہوں۔ مہربانی فرما کر میری پریشانی دور کریں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس کا رنگ سانولا ہوتا جارہا ہے جیسے جیسے وہ بڑی ہورہی ہے۔

جواب: ماں، باپ اور ان کے والدین کے قد کے حساب سے بچی کا قد دیکھا جاتا ہے جو کہ آپ نے نہیں لکھا۔ ذہنی دباؤ بھی قد اور رنگ پر اثر ڈالتا ہے۔ پہلے ہارمونز اثر انداز ہوتے ہیں بعد میں دیگر مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

اچھا ماحول بنائیں خوشگوار دوستوں جیسا۔ متوازن خوراک لیں' تازہ پھل، سبزیاں، گوشت، دودھ، دالیں وغیرہ۔ جنک فوڈز اور کولڈ ڈرنکس، مصنوعی شربت سے بچائیں، لسی، ستو اور تازہ پھلوں کا جوس مفید ہے۔ ورزش کرائیں۔ چہل قدمی (واک) سے شروع کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں۔ Alfalfa Q کے 7 قطرے دن میں 3 مرتبہ 1/2 کپ پانی میں لیں۔ Calc Phos 30, Calc Fluor 30 کے 5،5 قطرے 1/2 کپ پانی میں ... دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔ 3 ماہ بعد حال بتائیں۔

جریان

آصف نواز.........کراچی

میری عمر 21 سال ہے۔ غیر شادی شدہ ہوں۔ مجھے 6 سال سے جریان کا مسئلہ ہے۔ قبض بھی بہت رہتا ہے۔ برائے مہربانی کوئی اچھی سی دوائی تجویز کریں۔ میں بہت پریشان ہوں۔

جواب: آپ کرتے کیا ہیں یہ نہیں لکھا۔ 10 گلاس پانی روزانہ پئیں۔ سبزیوں اور پھلوں کا استعمال زیادہ کیا کریں۔ صبح سویرے ورزش کیا کریں۔ رات کھانے کے بعد 15 منٹ واک کریں۔ سونے سے پہلے .... کوئی بھی چیز نہ کھایا کریں اور نہ پیا کریں۔ دائیں کروٹ سے سویا کریں۔ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ نماز کی پابندی کریں۔ قرآن و حدیث کا ترجمہ کے ساتھ مطالعہ کریں۔

ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی دوا Selenium

30 کے 5،5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

قبض کی شکایت

شہر یار اختر.........قلات

میری بچی پانچ سال کی ہے۔ اسے اکثر قبض کی شکایت رہتی ہے۔ ویسے اس کی صحت ٹھیک ہے۔ کوئی دوا تجویز کر دیں۔ سارا گھر پریشان ہے۔ دو، دو دن اجابت نہیں ہوتی، مشکل سے سخت ہوتی ہے۔ کھاتی پیتی بھی کم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ آپ کے علم میں اضافہ کرے۔

جواب: پانی کتنا پیتی ہے یہ نہیں بتایا۔ کھانے میں غذا کیا ہے، کتنا کھاتی ہے۔ یہ بھی نہیں لکھا ہے۔ تھائرائڈ کا ٹیسٹ کرائیں۔ کھانے میں سبزی فروٹ دیں، دال دلیا بھی استعمال کرائیں، روٹی چپاتی استعمال کرائیں۔ جنک فوڈز نوڈلز کا استعمال نہ کرائیں۔ کھیل کود کرائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں **Belladona 30 , Bryonia 30** دونوں کے 5،5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔

تلی بڑھ گئی

خالد لطیف.........اسلام آباد

مجھے تیرہ سال پہلے **Hepatitis C** ہوا تھا۔ 6 ماہ کے انجکشن اور دوائیوں کے علاج سے ٹھیک ہوگیا۔ مگر اب میری تلی کا سائز بڑھ گیا ہے۔ اس کی [redacted] میرے **Platelets** کم ہونا شروع ہوگئے ہیں۔ آخری رپورٹ کے مطابق 20 جولائی کو 76000 تھے۔ مجھے ہومیو علاج پر بہت اعتماد اور یقین ہے۔ میں اپنی میڈیکل رپورٹ / ٹیسٹ اور الٹراساؤنڈ وغیرہ بھیج رہا ہوں۔



برائے مہربانی ایسی دوائیں تجویز کریں جس سے میری تلی کا سائز کم ہوجائے۔

جواب: لوگوں کے مشورے سے کوئی بھی دوا استعمال نہ کیا کریں۔ مستند ماہر معالج سے رابطہ کر کے علاج کرایا کریں جو ہومیو پیتھک ادویات آپ نے استعمال کی ہیں وہ غلط ہیں۔ تلی بڑھنے پلیٹلیٹس کے کم ہونے کے بارے میں تو لکھ دیا۔ لیکن اپنی ذہنی و جسمانی حالت نہیں لکھی۔ ان کے بڑھنے سے آپ کو کیا محسوس ہو رہا ہے (درد، بھوک، پیاس، نیند وغیرہ) ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی **Ceanothus Q** کے 10 قطرے 1/2 گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں اور **Eupatorium Perf 30** کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ تازہ صاف پانی و غذا استعمال کریں، چہل قدمی کیا کریں۔ اللہ سے دعا کریں ہم بھی آپ کے لیے دعا گو ہیں۔ ایک ماہ بعد رپورٹ و حالات سے آگاہ کریں۔

آنکھوں کے آگے گول گول نشان نظر آنا

رضا علی شاہ.........ملتان

میری عمر ۵۵ سال ہے۔ مجھے نہ تو شوگر کی بیماری ہے اور نہ ہی بلڈ پریشر کی شکایت ہے۔ میں نے دور اور نزدیک کی عینک لگوائی ہے۔ عینک سے صاف نظر آتا ہے لیکن دن کے وقت دھوپ میں سفید سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے گول نشان نظر آتے ہیں۔ میرے لیے جرمنی کی ادویات تجویز کر دیں جس سے میں ٹھیک ہوجاؤں اور موتیا سے بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجاؤں۔

جواب: ایسا اعصابی کمزوری کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اس لیے پہلے **Alfalfa** کے ۱۱ قطرے

1/2 کپ پانی میں دن میں ۳ مرتبہ کھانے کے ایک گھنٹے بعد پیئں ۔ Calc Phos 30 صبح وشام 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ملا کر پیئں۔ Physosostigma30 ۔ کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ 1/2 کپ پانی میں پیئں۔ڈاکٹر ولما رشوابے جرمنی کی Cineraria Maritima کا ایک، ایک قطرہ دونوں آنکھوں میں صبح دوپہر اور رات ڈالیں۔اور Cratex کی ایک گولی دن میں ۳ مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بیٹے کی خواہش

مریم کامران..........راولپنڈی

میری شادی کو دس سال ہوگئے ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک اور بیٹا عطا کردے۔

جواب: اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو دونوں نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان دونوں بچوں کی تعلیم اور تربیت پر توجہ دیں۔ آپ کی اب ایسی عمر نہیں ہے کہ بچے پیدا ہوں کیونکہ اس عمر میں ماں کے لیے جان کا رسک ہوتا ہے۔

بچے کی پیدائش کے بعد پیٹ بڑھنا

رعنا خان..........لاہور

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا پیٹ بہت بڑھ گیا ہے بیٹے کی پیدائش کے بعد سے۔ بیٹا بڑے آپریشن سے ہوا تھا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا رنگ بہت سانولا ہو گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ پہلے جیسا صاف اور گورا ہوجائے اس کے لیے بھی کوئی دوا بتائیے۔ شکریہ۔

جواب: لیڈی ڈاکٹر نے آپ کو کچھ ورزشیں بتائی ہوں گی۔ اگر بچے کو دودھ نہیں پلا رہی ہیں تو مندرجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔

Sarsaprilla ——— 3x, اور Calc. Carb 30 Podophylum30 کے 5،5 قطرے ایک گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ کھانے سے 1/2 گھنٹے پہلے لیں۔ وزن بھی نوٹ کریں۔ پیٹ کا سائز بھی نوٹ کریں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

دمہ کی شکایت

ذیشان کریم..........نوری آباد

میں دمہ کا مریض ہوں۔ سانس کی نالیوں میں ریشہ پیدا ہوتا ہے۔ جب تک نالیوں میں ریشہ پیدا ہوتا رہے گا میں ٹھیک نہیں ہوسکتا۔

جواب: ۔سانس کی نالیوں میں تنگی بلغم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ٹھنڈی، کھٹی، مصالحے والی اشیا استعمال نہ کریں اور نہ ہی بہت زیادہ میٹھی اشیا۔ میدے سے بنی ہوئی چیزوں کا بھی استعمال نہ کریں۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات کا استعمال کریں۔ Arsenic Alb 30 اور Antimonium Tart 30 کے 5,5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 4 مرتبہ استعمال کریں۔

☆☆☆